یاد مہدی

یاور مہدی

ناشر

جاوداں

جن سے مل کر زندگی سے عشق ہو جائے، وہ لوگ
آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں مگر ایسے بھی ہیں

(سرور بارہ بنکوی)

یاور مہدی

ترتیب و تدوین

اویس ادیب انصاری

جملہ حقوق بحقِ مرتب محفوظ ہیں

کتاب کا نام : یاور مہدی

مرتب : اویس ادیب انصاری

کمپوزنگ : جاوداں لیزرز، کراچی۔ فون: ۲۱۸۳۲۳ - ۴۵۲۴

ناشر : جاوداں

طابع : او کھائی پریس، کراچی

تعداد : ۱۰۰۰

قیمت : ۳۰۰ روپے

سنہ اشاعت : ۱۹۹۸ء

ملنے کا پتا : آرٹ آرکیڈ بک شاپ، آرٹس کونسل بلڈنگ

ایم۔ آر کیانی روڈ، کراچی۔ فون: ۲۴۳۱۳۴

پروفیسر احتشام حسین

کے نام

جن کی شخصیت اور فکر و نظر کے دائرۂ اثر میں

یاور مہدی کل بھی تھے اور آج بھی ہیں۔

maablib.org

وہ تو وہ ہیں ، تمھیں ہو جائے گی الفت مجھ سے
اک نظر تم مرا محبوبِ نظر تو دیکھو

(فیض احمد فیض)

چہرہ نما

نام	:	یاور مہدی
تاریخ پیدائش	:	۱۲ جنوری، ۱۹۳۸ء، صبح ۴ بجے
جائے پیدائش	:	پرتاب گڑھ
والد	:	سید حماد حسین (داروغہ جی)
آبائی وطن	:	کرنجہ نورد، ضلع جون پور
ابتدائی تعلیم	:	ہوبرٹ ترلوک ناتھ انٹرمیڈیٹ کالج، ٹانڈا، ضلع فیض آباد (انٹرمیڈیٹ تعلیم یہاں حاصل کی) بی۔اے: لکھنؤ یونی ورسٹی ایم۔اے: کراچی یونی ورسٹی (پولیٹیکل سائنس)
ملازمت	:	تین سال ٹیکسٹائل کمشنر حکومت پاکستان پانچ سال کنٹرولر سدرن ایریا، موجودہ اکاؤنٹنٹ جنرل سندھ

سینتیسواں سال ریڈیو پاکستان کراچی

ابتدائی ملازمت : پروڈیوسر ریڈیو پاکستان، کراچی

اختتامی ملازمت : اسٹیشن ڈائرکٹر ریڈیو پاکستان، کراچی

دوران ملازمت ریڈیو پاکستان میں خدمات : بارہ سال پروڈیوسر ریڈیو پاکستان کراچی سنٹر، بارہ سال سینئر پروڈیوسر ورلڈ سروس اور ریڈیو پاکستان خضدار، پروگرام منیجر ریڈیو پاکستان کوئٹہ، کراچی، آہنگ، سی۔پی۔یو، ڈپٹی کنٹرولر سی۔پی۔یو کراچی، اسٹیشن ڈائرکٹر ریڈیو پاکستان کراچی

جن پروگراموں کی ابتدا کی اور بام عروج پر پہنچایا : اردو کرکٹ کمنٹری، صبح دم دروازۂ خاور کھلا، ریڈیو نیوز ریل (شہرنامہ)، شب کو ہے گنجینۂ گوہر کھلا، کسٹم کے قوانین، This Week in Pakistan. Investment opportunities in Pakistan. How to Export.

بزم طلبا، ہفتۂ طلبا، جشن طلبا، اسپورٹس پروگرام۔

اولاد : چار لڑکے

سید ظفر مہدی، ایم۔بی۔اے (مقیم کراچی)

سید بدر مہدی، بی۔کام اور کمپیوٹر ٹریننگ (مقیم امریکا)

سید نقی مہدی، ایم۔ایس (مقیم امریکا)

سید حیدر مہدی، ایم۔کام (مقیم کراچی)

تین لڑکیاں:

ثمینہ حسن (شادی شدہ) شارجہ میں اپنے شوہر سید رضی رضابی۔ ای کے ساتھ۔

زیبا انعام (شادی شدہ) شارجہ میں اپنے شوہر سید انعام حسین نقوی بی۔ای کے ساتھ۔

فوزیہ عسکری (شادی شدہ) اپنے شوہر سید عسکری رضابی۔ ای کے ساتھ کراچی میں۔

ترتیب

○ پیش لفظ	اویس ادیب انصاری	۱۵
○ مقدمہ	مسلم شمیم	۱۹

اربابِ دانش

(۳۳)

میر حسین علی، پروفیسر کرار حسین، حکیم محمد سعید، ہاشم رضا، سید محمد تقی، جسٹس ایس۔ اے نصرت، روشن علی بھیم جی، ڈاکٹر منظور احمد، سید ہمایوں اختر، افضال احمد، دوست محمد فیضی، ڈاکٹر عالیہ امام، اطہر حسین صدیقی، اطہر عباس ہاشمی، ایس۔ ایم انعام، آغا مسعود، ظفر حسین زیدی، مہتاب اکبر راشدی، ملکۂ بلتستانی

ہم مسلک و ہم مشرب

(۶۳)

عبدالخالق اعوان، آغا ناصر، عبدالستار، مرزا عقیل اشرف، قاضی احمد سعید، ظہیر حسن، اعجاز احمد، حسن ذکی کاظمی، ایس۔ ایم طاہر شاہ، واحظ زیدی، عبدالحفیظ میمن، قاسم جلالی، غزالہ یاسمین، محسن علی، اے۔ ایف کلیم اللہ، صبیح محسن، عصمت زہرا، ظفر حسین، غلام حسین جعفری، حیدر امام رضوی، عبدالکریم بلوچ، سلطانہ صدیقی، عبدالحکیم، رفیق صدیقی، جمیدہ انصاری، حمید نسیم، عفت نقی، آصف انصاری، حسن نجمی، روہیلہ اکرم، نثار میمن، صلاح الدین صدیقی، بیگم بدر عالم، شاہین انصاری، جمیل زبیری، ظفر اقبال، سید عابد رضوی، فہمیدہ نسرین، ہما وحید، عون محمد رضوی، پرویز اختر، عنایت بلوچ، عرفان علی، حشمت حسین جعفری، سبط اصغر بلگرامی، ظفر اقبال، نسیم طارق، زاہد آفاق، سکندر سرور

اربابِ قلم

(۱۶۹)

سید احتشام حسین، تابش دہلوی، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر اسلم فرخی، ڈاکٹر شارب ردولوی، ڈاکٹر محمد علی صدیقی، پروین شاکر، ہاجرہ مسرور، مشتاق احمد یوسفی، جمیل الدین عالی، حمایت علی شاعر، رضی اختر شوق، افتخار عارف، حسین انجم، سرشار صدیقی، دلاور فگار، جون ایلیا، ڈاکٹر پیرزادہ قاسم، وحیدالحسن ہاشمی، پروفیسر مظفر حسین ظفر جون پوری، منیر نیازی، پروفیسر آفاق صدیقی، احمد ہمدانی، پروفیسر حسن عابد، محسن بھوپالی، شبنم رومانی، پروفیسر منظر ایوبی، کیف بنارسی، ڈاکٹر شکیل نوازش رضا، حمید کاشمیری، خواجہ رضی حیدر، فاطمہ حسن، کلیم ناصر، یاور نقوی، شاہدہ حسن، سید سعید جعفری، حسین ناصر، اطہر راز، نور جہاں نوری، وضاحت نسیم، جاوید منظر، عبدالقدوس درانی، پروین جاوید، نوشی گیلانی، گل زیب زیبا، شبیہ عباس

بجارچوی، مظفر ضیا، تسنیم فاطمہ، جمال نقوی، شفیع حیدر دانش، فردوس عالم، شمیم نگہت، غیور عباس، عباس حیدر سید، غزل جعفری، محمود حسن

منظوم

(۲۹۷)

راغب مرادآبادی، نقاش کاظمی، سلیم برلاس، اقبال حیدر، امتیاز ساغر، شیبا آفتاب حیدری

اربابِ شریعت و طریقت

(۳۰۹)

کوکب نورانی، محمد اسد تھانوی، قاری وحید ظفر قاسمی

اربابِ درس و تدریس

(۳۱۵)

پروفیسر حشمت لودی، پروفیسر حامد علی، زلیخا یوسف، پروفیسر سید سبطِ جعفر ایڈوکیٹ، ہادی حسین شاہ، حسنین کاظمی، پروفیسر محمد فائق، پروفیسر فیروزہ زیدی، حسن عسکری فاطمی، پروفیسر نوشابہ صدیقی، انیس زیدی، پروفیسر الیف۔ ایم نذیر، ڈاکٹر عنیزہ انور، روبینہ انصاری، پروفیسر مظاہر مصطفیٰ، پروفیسر ریحانہ انیس، پروفیسر سید محمد جعفر، پروفیسر ڈاکٹر نیر عزیز مسعودی، ڈاکٹر محمد عذیر، ڈاکٹر عطیہ خلیل

اربابِ بست و کشاد

(۳۷۵)

انور علی رومی، سید مبین احسن، کپتان منصور ای۔ خان، حمزہ علی قادری، ضیاالحق صدیقی، بشر عباس جعفری، سید انظار حسین زیدی، حق نواز اختر، سید محمد سبطین، نسیم حیدر زیدی، منظر عباس صدیقی، سید محمد صغیر، ارشد انجم

ارباب فنونِ لطیفہ
(۳۹۷)

ایس۔ایم وسیم صدیقی، ارم وارث ہاشمی، سیما رضا، محمد سبکتگین صبا، کرامت علی، اکبر شہاب، محسن شیرازی، سلامت حسین، ڈاکٹر ایس۔این۔ایم شہزاد، عمر قریشی، کوکب زہرا نقوی، غیاث الدین افسر، ذہین طاہرہ، خوش بخت شجاعت، سید ظہور مہدی، شمیم اختر، حریم احسن، کنیز فاطمہ، راحت کاظمی، حفیظ فاطمہ، سروش چغتائی، عائشہ خان، جمشید انصاری، عامرہ شاہد، ثمینہ کمال، محمد افضل خان

اربابِ فلم اور اسپورٹس
(۴۳۵)

محمد علی، مصطفیٰ قریشی، ندیم، شمیم آرا، منور سعید، غلام محی الدین، ابری، بیگم سلمیٰ وحید مراد، طلعت صدیقی، منیر حسین، انوار احمد خان، سید اشرف علی، سردار خان، جاوید ایم۔قدوسی

اربابِ صحافت و تعلقاتِ عامہ
(۴۵۹)

محمود شام، نرجس زیدی، ایس۔ایم فضل، حسن ظہیر، قطب الدین عزیز، ولی رضوی، شاہد حسین بخاری، سید قیصر، شہریار جلیس، ایس۔ایچ ہاشمی، فرید شمسی (علیگ)، سید جاوید اقبال، رضیہ حسن، ایاز احمد فاروقی، فرزانہ رحمان، مہدی امام، رشید عمر تھانوی، بیگم رشید عمر تھانوی، کمانڈر روشن خیال، طاہر انور خان، نبیل الرحمان حیدری، امداد نظامی، آفتاب رضوی، سید باقر رضا زیدی، یوسف ابن الحسن

اربابِ تجارت و صنعت
(۵۲۳)

شمیم کاظمی، سید عابد رضوی، شیخ منظر عالم، رفعت ایم۔خان، شکیل اسلم، قیصر مفتی،

ایس۔ایم منیر، افضل حسین

اربابِ سماجی بہبود
(۵۳۵)

قدسیہ اکبر، بیگم درِ شہوار، سیما رضا، ڈاکٹر ریحانہ محمد علی شاہ، غزالہ حبیب خان، سید زاہد حسین، سید عبدالباسط، بیگم انیس ہارون، محمد علی سید، شگفتہ فرحت، واثق نعیم، آمنہ نیر مسعودی، شفیق الزمان، محبوب حسن، ساجدہ قدوسی، تنویر احمد، سیدہ سروش فاطمہ، ثمر اشعور، سیدہ نفیس حسن، شاہدہ اسرار کنول

اعزا و اقربا
(۵۸۱)

بیگم عماد حسین، والدۂ یاور مہدی، فوزیہ عسکری، زیبا مہدی انعام، سید حسن مہدی (سسر) سید لطف حسین رضوی، نظام حیدر عابدی، سیدہ رشیدہ عابدی نظام

تصاویر

(۵۹۷)

maablib.org

MR. YAWAR MEHDI,
still SEX-TY at 60!

حیات لے کے چلو ۔ کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو

(مخدوم محی الدین)

پیش لفظ

اویس ادیب انصاری

جناب یاور مہدی سے منسوب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔ یہ کتاب ان محبتوں، عقیدتوں اور حسن سلوک کی آئینہ دار ہے جن کا منبع جناب یاور مہدی ہیں ۔ اس کتاب میں جن عظیم شخصیات ، یاور مہدی کے احباب ، ان کے چاہنے والے اور ان کے ساتھ کام کرنے والے ان کے اعلیٰ افسران نے جس انداز سے ان کے حسن انتظام، حسن سلوک ، محبت ، بے لوث خدمت ، شرافت ، بردبار ، رواداری ، رکھ رکھاؤ ، نیز ان کی ثقافتی ، ادبی اور سماجی خدمات کا تذکرہ کیا ہے ، وہ اعتراف صاحب جشن کے لیے مجھے امید ہے کہ طمانیت کا باعث ہو گا کہ چھتیس سالہ خدمات کے بعد ان کے ماتحت ، اعلیٰ افسران ، دوست اور واقف کار اور اہم سماجی ، ادبی و ثقافتی شخصیات ان کے بارے میں کیا سوچتی ہیں اور کیا محسوس کرتی ہیں ۔

کسی انسان کی زندگی کا کامل سرمایہ اس کا مال و متاع نہیں ہوتا بلکہ وہ عمل ہوتا ہے جو وہ اپنے ساتھ اس دنیا سے لے کر جاتا ہے ۔ یاور مہدی کو جو محبتیں دنیا

میں ملی ہیں، وہ شاید اچھے اچھوں کو بھی دنیا میں مشکل سے میسر آتی ہیں۔ جو باتیں ان کی زندگی میں لوگوں نے بیان کر دی ہیں، وہ شاید ہی کسی کی زندگی میں بیان کی گئی ہوں۔ یاور مہدی اس لحاظ سے بھی نہایت خوش قسمت انسان ہیں کہ ان کے متعلق لوگوں کی وہ آرا صفحۂ قرطاس پر منتقل ہوئی ہیں جو ہر ایک کا مقدر نہیں ہوتیں۔ "جشنِ یاور" بھی اسی خوش قسمت انسان کا جشن ہے۔ اصل میں یہ ایک قرض ہے جو ان کی حیاتِ مستعار میں کچھ لوگوں نے اتارنے کی کوشش کی ہے جو اس شہر اور پاکستان کے نہ معلوم کتنے اشخاص پر واجب تھا۔ میں اس سلسلے میں اگر محترم پروفیسر حسن عسکری فاطمی اور محترمہ نسرین پرویز کا ذکر نہ کروں تو ناانصافی ہو گی، کیونکہ آج سے آٹھ سال پہلے ان دونوں شخصیات کو یہ خیال آیا کہ یاور مہدی کی خدمات کے اعتراف میں ایک جشن منایا جائے۔ مجھے اعتراف کر لینے میں کوئی ہرج نہیں ہے کہ ان آٹھ برسوں میں ان دونوں شخصیات کے علاوہ چند دیگر احباب بھی جشن کے حوالے سے یاور مہدی کو رضامند کرنے کی سرتوڑ کوششیں کرتے رہے، مگر وہ کسی طرح حامی نہ بھرتے تھے۔ ان کے خیال میں اس طرح کا جشن یا کتاب کی اشاعت خودنمائی کا باعث ہو گی۔ وہ اکثر فاطمی صاحب کے اسرار پر جھنجلا جاتے اور کہتے تھے، "میں سب سے زیادہ جس چیز کو ناپسند کرتا ہوں، وہ خودنمائی ہے۔ اور آپ بار بار مجھے اس پر آمادہ کرتے ہیں"۔ اس کے جواب میں فاطمی صاحب نے ایک گھنٹے کی تقریر کی اور کہا، "کیا آپ اپنی خدمات کے تعارف میں فرشتوں کی طرح بے نیاز ہیں؟ میرے خیال میں انسان کو انسان رہنا چاہیے"۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں ایک دن ان کو گھر چھوڑنے جا رہا تھا۔ وہ اتنے نرم پڑ چکے تھے کہ ان کو منانے میں کچھ زیادہ دیر نہ لگی۔ پھر میں احباب کے تعاون سے ایک ایسی کمیٹی قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا جس کے تحت ہر سال یا دوسرے سال کسی بھی اہم ادبی، سماجی و ثقافتی شخصیت کا جشنِ اعترافِ خدمت کے طور پر اس کی زندگی ہی میں منعقد کیا جا سکے۔ اس سلسلے

میں (مرحوم) سلیم جعفری نے پاکستان میں اپنی موجودگی میں میری راہ ہموار کرنے کے لیے مفید مشورے دیے (خدا ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دے!) ۔ میں اس سلسلے میں ان کا احسان مند ہوں ۔

یاور مہدی کے بارے میں صاحبِ طرز ادیبوں ، شاعروں ، فن کاروں ، نقادوں ، سماجی اور ثقافتی شخصیات نے اتنا کچھ لکھ دیا ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کیا تحریر کروں ۔ بس اتنا عرض کروں گا کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے ، سچ لکھا ہے اور جس قدر محبت اور عقیدت ان کو یاور مہدی سے ہے ، مجھے بھی اسی طرح اور اسی قدر ان سے محبت و عقیدت ہے ۔

اس کتاب کی تکمیل کے سلسلے میں جن خواتین و حضرات کا تعاون ہمیں حاصل رہا ، ان میں جناب آذر زوبی ، جناب اقبال حیدری ، پروفیسر حسن عسکری فاطمی بیگم رشیدہ عابدی نظام ، جناب مسلم شمیم ، جناب حسین انجم ، جناب رفعت ایم ۔ خان ، جناب محمود الحسن ، جناب انور سمیع ، جناب کیپٹن منصور ، جناب عبدالباسط ، محترمہ نسرین پرویز ، جناب افضل حسین ، جناب شفیق الزماں ، جناب منہاج الحق ، جناب انعام راجا ، جنابِ عمران کے اسمائے گرامی شامل ہیں ۔

اس جشن کے سلسلے میں مدد اور تعاون کرنے پر میں اپنی کمیٹی کے تمام ارکان اور خصوصاً ان تمام خواتین و حضرات کے قلمی تعاون پر شکر گزار ہوں جنھوں نے تاثرات لکھے ۔

میں اپنی اہلیہ شگفتہ فرحت کا بھی خصوصی طور پر ذکر کرنا چاہوں گا کہ جنھوں نے میری ہمت افزائی کی اور مجھے وقت فراہم کیا کہ میں آج اس کتاب اور جشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکا ۔

اس کتاب میں جناب یاور مہدی کا ریڈیو پاکستان کراچی کے ڈپٹی کنٹرولر کی

حیثیت سے تذکرہ ہوا ہے، تاہم یہ امر باعث مسرت ہے کہ وہ اب ریڈیو پاکستان کراچی کے اسٹیشن ڈائرکٹر کی حیثیت سے سبک دوش ہو رہے ہیں جس پر میں انھیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

maablib.org

یاور مہدی .... شخص اور شخصیت

مسلم شمیم

چھ دہائیوں پر محیط جناب یاور مہدی کی جیون کہانی ان کے شخص سے شخصیت میں تبدیل ہونے کی روداد ہے ۔ یہ چھ دہائیاں ان کی زندگی میں جہد مسلسل کی دہائیاں ہیں ۔ ان کی ساری زندگی جدوجہد سے عبارت ہے اور اپنے آبائی حوالوں سے قطع نظر، وہ ایک self-made شخصیت ہیں اور ان کی متاع حیات کا یہ گراں قدر گوشہ ہے ۔ یہ چھ دہائیاں جو انھوں نے گزاری ہیں، تاریخ انسانی میں کئی صدیوں پر بھاری ہیں ۔ میری رائے میں اس عہد تاریخ کا ہر عشرہ صدی کے برابر کہا جا سکتا ہے جناب یاور مہدی کا تعلق خاص شعبہ اطلاعات کے ادارے ریڈیو پاکستان سے رہا ہے اس حوالے سے وہ اس عہد تاریخ کے سفر کے براہ راست مشاہدہ کرنے والوں میں ہیں ۔ اطلاعات کے حوالے سے آج کی دنیا کو global village کا نام دیا جا رہا ہے ، گویا جناب یاور مہدی اس دنیائے بسیط و عریض کے global village بننے کے مختلف مراحل کے عینی شاہد ہیں ۔ یہ اس انقلاب، یعنی سائنسی تکنیکی انقلاب (S.T.R) جس کے بطن سے انقلاب اطلاعات (Information Revolution) پیدا ہوا ہے ، کا بھرپور ادراک رکھنے والوں میں ہیں ۔ یہ وہ عرصۂ تاریخ ہے جس میں انسانی شعور کا سفر اپنے نقطۂ عروج پر پہنچا، تہذیبی اور تمدنی ارتقا کا سفر خلاؤں سے پرے سیاروں کی سرحدوں کو چھو رہا ہے، انسان کا نقش پا چاند پر ابھرا اور خلاؤں میں تحقیق کے سلسلے جاری و ساری ہیں ۔ سیاسی اعتبار سے دنیا کا نیا نقشہ

متشکل ہو چکا ہے جس سے نوآبادیاتی نظام کے دھبے تقریباً محو ہو چکے ہیں۔ انسان کے پاؤں کی زنجیریں وقت کے ساتھ کٹ رہی ہیں۔ سیاسی طور پر انسان نے کافی حد تک آزادی حاصل کر لی ہے۔ وہ منزل دور نہیں جب انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کا خاتمہ ہو جائے گا اور انسان استحصال سے آزادی حاصل کرنے کے بعد تمام تر سماجی ناانصافیوں سے نجات حاصل کرنے کا بھی دعوے دار ہو جائے گا۔ اس عہدِ تاریخ میں پیدا ہونا اور جینا میرے نزدیک ایک بڑی مراعات ہے جو قدرت کا عطیہ ہے جس سے جناب یاور مہدی بہرہ ور ہوئے۔ ان کی بصیرت و بصارت اور علم و فضل اس عہد کی دین ہیں۔ انسان دوستی کا مسلک اور صلح کل کا مشرب جس سے ان کی شخصیت کی تعمیر ہوئی ہے، اس بصیرت و بصارت، فکر و دانش اور علم و فضل کا عطیہ ہے۔ غرض یہ کہ اس تاریخ ساز عہد نے جناب یاور مہدی کو وہ سب کچھ دیا جو ایک شخص کو شخصیت بننے کے باب میں درکار ہوتا ہے۔

گزشتہ مارچ ۱۹۹۸ء کے وسط میں میرا ہندوستان جانا ہوا، سبب شام بہار ٹرسٹ، انبالہ کے زیرِاہتمام ۱۴ مارچ ۱۹۹۸ء کا منعقد مشاعرہ تھا جو ادارے کے روحِ رواں جناب راجندر ملہوترا کا کارنامہ کہا جانا چاہیے۔ وہ یہ کارنامہ گزشتہ چوتھائی صدی سے انجام دے رہے ہیں اور اپنی سی سعی مشکور کر رہے ہیں کہ دونوں ملکوں کے ثقافتی روابط سیاسی مفادات اور مصلحتوں کی بھینٹ نہ چڑھ جائیں۔ غرض یہ کہ انبالہ کے مذکورہ مشاعرے سے فرصت پاتے ہی میں دہلی آگیا جہاں دیگر احباب کے علاوہ ڈاکٹر شارب ردولوی سے ملاقات ہوئی۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ جناب یاور مہدی کے حوالے سے ایک کتاب زیرِ ترتیب ہے جو مستقبل قریب میں ایک خصوصی تقریب میں انھیں ان کے احباب بطور اعتراف نامہ پیش کریں گے۔ یہ خبر میرے لیے یقیناً بڑی مسرت انگیز تھی اور میں نے کراچی واپس آتے ہی جناب یاور مہدی سے رابطہ قائم کیا اور اس خبر کی تصدیق چاہی اور کتاب کس مرحلے میں ہے، یہ جاننا چاہا۔ مجھے مزید خوشی ہوئی کہ مجھے ان کے ان احباب میں شامل ہونے کا

شرف حاصل ہوا جن کے تاثرات، یعنی حرفِ اعتراف مذکورہ کتاب کا حصہ ہوں گے۔

میری شناسائی اور ملاقات کی عمر ایک دہائی سے کچھ عرصہ زیادہ کی رہی ہوگی۔ یہ ۱۹۸۶ء کی بات ہے جس سال پاکستان میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی گولڈن جوبلی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ یہ چار روزہ بین الاقوامی کانفرنس جس کا افتتاحی اجلاس کراچی پریس کلب کے وسیع و عریض پنڈال میں انعقاد پذیر ہوا تھا، جس میں شرکت کی غرض سے ایک بیس رکنی وفد بھارت سے آیا تھا جس میں سے جناب غلام ربانی تاباں، ڈاکٹر اصغر علی انجینئر، ڈاکٹر قمر رئیس، ڈاکٹر شارب ردولوی اور ان کی بیگم پروفیسر شمیم نکہت کے علاوہ ڈاکٹر کمال احمد صدیقی کے اسمائے گرامی اس وقت نوکِ قلم پر آگئے جو اس وفد میں شامل تھے۔ جناب یاور مہدی سے اس کانفرنس کے دوران میرا پہلا رابطہ ہوا۔ وہ پاکستان میں مارشل لا کا مشکل دور تھا اور وہ ریڈیو پاکستان سے وابستہ یعنی سرکاری ملازم تھے، لہٰذا براہِ راست کانفرنس کی تیاریوں اور کارگزاریوں میں ان کی شرکت کا سوال نہیں پیدا ہوتا تھا، مگر مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پس پردہ ان کی سرگرم اخلاقی تائید و حمایت کانفرنس کو حاصل تھی۔ اس کانفرنس کے روحِ رواں جناب سبطِ حسن تھے، چیئرمین جناب شوکت صدیقی تھے اور راقم کانفرنس کا سکریٹری جنرل تھا۔ یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ اس کانفرنس کی تیاری تیس رکنی کمیٹی نے کی تھی۔ اس کانفرنس کے انعقاد میں آٹھ مہینے کی محنتِ شاقہ صرف ہوئی تھی۔

اس عرصے میں جناب یاور مہدی سے یہ شناسائی معنویت اختیار کر گئی۔ اس کی اساس ڈاکٹر شارب ردولوی اور بیگم پروفیسر شمیم نکہت کے توسط سے تشکیل پذیر ہوئی۔ میری یادداشت کے مطابق ڈاکٹر شارب ردولوی جناب یاور مہدی کے عہدِ نوجوانی کے دوست ہیں، چنانچہ ڈاکٹر شارب اور پروفیسر شمیم نکہت کا کچھ عرصے قیام ان کے یہاں رہا اور یوں جناب یاور مہدی سے میری قربتیں بڑھیں اور تعلقات استوار ہوئے۔ اس دوران مجھ پر یہ بھی منکشف ہوا کہ ڈاکٹر محمد علی صدیقی، پروفیسر

حسن عابد، شاہد نقوی اور راحت سعید بھی جناب یاور مہدی کے بے حد قریبی احباب میں شامل ہیں ۔ یہ میرے بھی قریبی احباب بن چکے تھے اور کانفرنس کی تیاریوں کے دوران یہ روابط دوستانہ روابط میں تبدیل ہو گئے۔ کیونکہ ہم سب ایک مسلک مشرب اور مشن کے لیے سرگرم عمل تھے اور ہم سب ایک ہی زلف کے اسیر تھے یعنی انجمن ترقی پسند مصنفین کے نظریے اور آدرش کے شیدائی اور ترقی پسند تحریک کے کارکنان ۔ نظریاتی رشتوں کی پائداری اور وسعت کے بارے میں کچھ عرض کرنا اہل فکر و دانش کے سامنے خود کو ہلکا کرنا ہے ۔ سو جناب یاور مہدی کا اور میرا رشتہ کیسا ہے اور اس کی پائداری اور اس کی وسعت کی نوعیت کیا ہے۔ اس کا اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں، یعنی "ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے۔ ایک ہی زلف کے اسیر ہوئے" ۔ تصرف کے لیے معذرت خواہ ہوں ۔

اس نظریاتی رشتے کے باوجود میری ان کی زندگی کے کوائف کے بارے میں واقفیت واجبی سی تھی، سو میں نے ان سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا ۔ ان کی طرف سے آرٹس کونسل کے ان کے دفتر اور ریڈیو پاکستان کے دفتر میں ملاقات کرنے کی یکساں پیش کش تھی، یعنی جہاں چاہوں ان سے ملاقات کروں، سو میں نے ریڈیو پاکستان کے ان کے دفتر کا انتخاب کیا، کیونکہ اس تاریخی عمارت میں داخل ہونے کا اس وقت تک مجھے شرف حاصل نہیں ہوا تھا ۔ میں نے سوچا جہاں ہمارے اہل قلم آتے جاتے رہتے ہیں، میرا بھی کوئی فرض بنتا ہے کہ میں بھی خود ان مراعت یافتہ افراد میں شامل ہو جاؤں، اس عمارت کے زائرین میں اپنا بھی شمار کر لوں ۔ ایسا نہیں ہے کہ اب تک کسی ریڈیو اسٹیشن کی عمارت میں میرا جانا ہی نہیں ہوا تھا امرِ واقعہ یہ ہے کہ ریڈیو پاکستان، حیدر آباد کے ایک مشاعرے میں ۱۹۶۰ء کی دہائی کے اوائل میں شرکت کرنے کا موقع ملا تھا ۔ پھر ۱۹۸۰ء کے عشرے میں ریڈیو ماسکو کی اردو سروس میں متعدد بار مہمان کے طور پر خصوصی انٹرویوز کا تجربہ حاصل رہا ہے اور خود ریڈیو پاکستان، اسلام آباد میں بھی ایک مشاعرہ اور ایک انٹرویو کا تجربہ میرے

میزانیے میں شامل ہے۔ بہر کیف جب میں جناب یاور مہدی سے ملاقات کی غرض سے ان کے دفتر میں داخل ہوا تھا تو وہ دفتر مجھے ایک تصویر خانہ نظر آیا اور مختلف شعبوں اور مختلف نسلوں کے فن کاروں، تخلیق کاروں اور اہل دانش کی تصاویر بلکہ بولتی ہوئی تصویروں کو دیکھنے کا موقع ملا اور میں کافی دیر تک اس باب میں محوِ نظارہ رہا، اور اس عرصے میں جناب یاور مہدی اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہے اور اس دن کے معاملات کو نمٹانے میں مصروف رہے۔ بہرحال گفتگو کا مرحلہ آیا اور ہم خاصی دیر تک ہم کلام رہے۔

اس گفتگو کے دوران معلوم ہوا کہ جناب یاور مہدی کی جنم بھومی پرتاب گڑھ ہے اور وہ وہاں ۱۹۳۸ء میں ظہور پذیر ہوئے۔ ویسے وہ پروفیسر مجتبیٰ حسین کے ہم وطن ہیں، یعنی ان کا آبائی تعلق جون پور سے ہے۔ اسکول کے مراحل انھوں نے ٹانڈے میں گزارے اور کالج کے چار سال، یعنی گریجویشن انھوں نے ۱۹۵۵ء میں لکھنؤ یونی ورسٹی سے کیا۔ گویا ان کا عنفوان شباب لکھنؤ کے پارکوں اور گومتی ندی کے پرکیف اور سحر انگیز نظاروں سے لطف اندوز ہونے میں گزرا۔ ان کی زندگی کی خوش گوار ترین یادیں یوں لکھنؤ کی گلیوں سے وابستہ ہیں۔ ان کے اساتذہ میں پروفیسر آل احمد سرور، پروفیسر مسعود حسین ادیب، پروفیسر احتشام حسین اور متعدد نام ور اور قدآور ادبی و علمی شخصیات شامل ہیں جنھوں نے ان کی ذہنی تربیت اور تہذیب میں کلیدی کردار ادا کیا، خاص طور پر پروفیسر احتشام حسین کے اثرات کا انھوں نے ذکر کیا۔ ان سے گفتگو کرتے وقت جب ۱۹۵۶ء کی دہائی کے لکھنؤ کا ذکر چھڑا تو مجھے ۱۹۵۶ء میں وہاں کا اپنا پندرہ روزہ قیام یاد آیا۔ میں استاذی مرحوم ڈاکٹر ذکی الحق کے ساتھ ان کے اسسٹنٹ کے طور پر گیا تھا۔ وہ اپنے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے کے سلسلے میں لکھنؤ آئے تھے اور انھیں لکھنؤ یونی ورسٹی کی لائبریری سے استفادہ کرنا تھا۔ لکھنؤ یونی ورسٹی اور اس کی جدید ترین سہولتوں سے مرصع و مزین لائبریری کے خوش گوار تاثرات ہنوز میرے گوشۂ ذہن میں محفوظ ہیں۔ ہمارا قیام اس دور کے

ایک معیاری ہوٹل، یعنی سنٹرل ہوٹل میں رہا تھا جو امین آباد پارک کے بالمقابل واقع تھا۔ لکھنؤ کی اس مختصر قیام کی یادیں ہنوز ناقابل فراموش ہیں۔ مغرب سے پہلے پورے امین آباد پارک میں سیاہ برقعوں میں ملبوس حسینانِ جہاں کا جمگھٹا کیونکر ذہن سے محو کیا جا سکتا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ لکھنؤ کے معمولاتِ زندگی میں سرِشام خواتین کا پارکوں اور کوچہ و بازار میں نکل آنا اور گھنٹے، دو گھنٹے تفریح کرنا شامل ہے۔ علاوہ بریں وہ شہرِ خوباں ایک اور اعتبار سے عرصۂ دراز تک یاد رہا کہ وہاں سائیکلوں پر سوار کالج اور اسکول کی لڑکیاں شہر میں نظر آئیں اور ایسا محسوس ہوا کہ میر حسن اور دیا شنکر نسیم کی مثنویوں کے کردار، یعنی پریاں شہر میں بے پردہ محوِ خرام اور سست و تیز گام ہیں۔ یہ نظارہ مجھے خاصا متاثر کن نظر آیا، کیونکہ میں پٹنہ میں اس نظارے کے بارے میں سوچ نہیں سکتا تھا۔ یہ نظارے کالج کی چہار دیواریوں تک پٹنہ میں بھی سامانِ بصیرت و بصارت فراہم کرتے تھے۔ ۱۹۸۶ء میں جب دوبارہ لکھنؤ جانا ہوا، یعنی لکھنؤ میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی گولڈن جوبلی کانفرنس میں مندوب کی حیثیت سے تو وہ سارے نظارے بکھر چکے تھے، لکھنؤ کا حسن و جمال بدصورتیوں کے حصار میں نظر آیا۔ میں نہ تو سنٹرل ہوٹل کو پا سکا اور نہ امین آباد پارک مجھے نظر آیا اور نہ حضرت گنج کا دل کش نظارہ۔ وہ پریاں بھی شہرِ لکھنؤ چھوڑ کر غالباً چلی گئی تھیں جن کا نظارہ میں نے ۱۹۵۶ء کے ماہِ اگست میں کیا تھا۔ اور تو اور وہ دانش کدہ بھی نظر نہیں آیا جہاں شہر کے اکابرِ ادب شام میں جمع ہوتے تھے اور جہاں میں نے پہلی بار پروفیسر احتشام حسین اور پروفیسر مسعود حسین ادیب کو دیکھا تھا۔ ہم لوگ پروفیسر احتشام حسین کے گھر بھی گئے تھے اور پروفیسر مسعود حسین ادیب کے بنگلے پر حاضر ہوئے تھے۔ ایک واقعہ جو میں کبھی نہیں بھولتا، جس سے لکھنؤ کی تہذیبی روایات و اقدار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، یہ ہے کہ جب ہم لوگ پروفیسر مسعود حسین ادیب کے بنگلے، واقع نخاس ان سے شرفِ ملاقات حاصل کرنے گئے تو کافی دیر تک وہاں ہم لوگ ان سے استفادہ کرتے رہے اور ان کا کتب خانہ جو یقیناً

ایک نایاب خزینہ تھا، اسے دور سے دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان سے گفتگو کرتے وقت ایسا لگا جیسے علم و ادب کے ایک بحرِ بے کراں کے کنارے اس کی لہروں سے ہم لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں۔ بہر کیف بوقتِ رخصت اگلی شام رات کے کھانے پر انھوں نے ہم لوگوں کو مدعو کیا جو یقیناً ہم لوگوں کے لیے باعثِ اعزاز تھا۔ بات آئی گئی ہو گئی اور ہم لوگ ہوٹل پہنچ کر ان کے علمی تبحر کے ساتھ ان کی وسیع القلبی، وسیع النظری اور خوش خلقی کے بارے میں محوِ تکلم ہو گئے اور اگلی شام کی دعوت ملنے پر شاداں و فرحاں، کچھ دیر بعد محوِ خواب ہو گئے۔ صبح ہوئی تو ہم لوگ ناشتا کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا گیا تو پروفیسر مسعود حسین رضوی ادیب اپنی شخصیت کی تمام تر جاذبیت کے ساتھ ہمارے سامنے تھے۔ کمرے میں تشریف لائے اور ابتدائی کلماتِ خیر و عافیت کے بعد انھوں نے فرمایا، "میں نے کل آپ لوگوں کو آج کی شام عشائیہ پر مدعو کیا۔ اسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں کہ دعوت دینے کے پروٹوکول کے خلاف بات تھی کہ اپنے گھر آئے ہوئے مہمان کو اس طرح دعوت دے ڈالتا اور اسی پر اکتفا کرتا۔ میرا فرض تھا کہ میں آپ کی قیام گاہ پر حاضر ہو کر دعوتِ طعام و کلام دوں"۔ ان فقروں نے ہم لوگوں کو کچھ دیر کے لیے حیرت کدے میں پہنچا دیا اور ہم نے محسوس کیا کہ یہ ہے لکھنؤ اور یہ ہے لکھنؤ کی تہذیبی روایت۔ دوسری یاد کوچۂ میر انیس کا ہمارا دورہ تھا۔ میر انیس کا خانوادہ نخاس کے قریب واقع کوچۂ انیس میں آباد تھا اور کوچۂ انیس حقیقتاً تنگ و تاریک گلیوں کا نام تھا۔ میر انیس کی ٹوٹی پھوٹی قبر کی طرح اس خانوادے کا بھی بڑا خستہ حال تھا جو قدم بقدم نظر آ رہا تھا۔ اس فقر و تنگ دستی کے باوجود خانوادۂ انیس نے اپنے حالات کو پس پشت ڈال کر پر تکلف چائے اور بدرقے کا اہتمام کیا اور جس خلق اور انکسار کا وہ مظاہرہ کرتے رہے، وہ ہم لوگوں کو بڑی شرمندگی کا احساس دلا رہا تھا۔ غرض یہ کہ ۱۹۵۶ء کے لکھنؤ کی یادیں جنھیں ۱۹۸۶ء کے دورے نے محو کر دیا، اس متاعِ بے بہا کے ضائع ہونے کا ملال عرصے تک رہے گا۔ البتہ کوچۂ انیس میں

مزارِ انیس نے ایک یادگار عمارت کے طور پر نظر نواز ہو کر پورے علاقے کے منظر کو تبدیل کر دیا جو حکومتِ ہند کا ایک عظیم کارنامہ کہنا چاہیے۔ یہ میرے لیے بڑی خوش آئند بات تھی۔ بات کہاں سے کہاں چلی گئی۔ اس کا ذکر میں نے اپنے اور جناب یاور مہدی کے درمیان پائی جانے والی کئی اقدارِ مشترک کے اظہار کے لیے کیا۔ ان کے اور میرے درمیان بہت سی قدریں مشترک اور حالاتِ زندگی ملتے جلتے ہیں۔ وہ بی۔ اے کرنے کے بعد ۱۹۵۵ء میں لکھنؤ سے کراچی آگئے۔ اور اپنی تمام تر بے سروسامانی کے ساتھ یہیں کے ہو رہے۔ میں بھی پٹنہ سے بی۔ اے آنرز کر کے ۱۹۵۶ء کے اواخر میں کراچی آگیا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے ہم عصر ہی نہیں بلکہ تقریباً ہم عمر بھی ہیں۔ کراچی یونی ورسٹی میں ایم۔ اے علم سیاسیات میں میرا داخلہ ایک سال ضائع ہونے کے بعد ہوا۔ یعنی ۱۹۵۶ء کے بجائے ۱۹۵۷ء میں، میں کراچی یونی ورسٹی کا طالب علم بنا اور دو سال بعد ۱۹۵۹ء میں ایم۔ اے کی سند حاصل کی۔ جناب یاور مہدی کے دو سال اس باب میں ضائع ہوئے اور انھوں نے میرے ایک سال بعد میرے ہی مضمون، یعنی علم سیاسیات میں ۱۹۶۰ء میں ڈگری حاصل کی۔ وہ خضدار میں کچھ عرصہ لکچرار کی حیثیت سے متعین ہوئے مگر یہ سلسلہ جلد ہی ٹوٹ گیا، جبکہ میں پورے ایک عشرے تک شعبۂ درس و تدریس سے وابستہ رہا اور لاڑکانہ کے ایک کالج میں، میں نے علم سیاسیات کے لکچرار کے فرائض انجام دیے۔ شعبۂ تدریس سے میری وابستگی بلکہ ناوابستگی ایک nostalgia ہے جس سے باہر نہیں نکل پاتا۔ جناب یاور مہدی ریڈیو پاکستان سے ایسے وابستہ ہوئے کہ ساری زندگی اس ادارے کے عشق میں گزار دی۔ میں ۱۹۷۰ء کی دہائی میں سوویت یونین کے شعبۂ اطلاعات کے سربراہ کے طور پر ۱۹۷۸ء تک وابستہ رہا۔ یعنی شعبۂ اطلاعات سے ہم دونوں اپنے اپنے طور پر وابستہ رہے۔

ان کی زندگی بھی جدوجہدِ حیات سے عبارت ہے اور میری بھی۔ میں بھی پاکستان تن تنہا آیا تھا، بے سروساماں۔ تعلیم کی غرض سے دفتری ملازمت کی اور

بعض اوقات تنگ دستی کی صبح و شام کا سامنا کیا اور سفرِ حیات میں پیش رفت کا سفر جاری رہا۔ جناب یاور مہدی نے لکھنؤ میں جس سماجی اور ثقافتی سرگرمی کا آغاز کیا تھا اور چکبست سوسائٹی کے سرگرم کارکن رہے تھے، کراچی میں بھی اپنے تمام تر نامساعد حالات کے باوجود سماج کو خوب تر دیکھنے، سنوارنے اور نکھارنے کی تگ و دو کو اپنی زندگی کا اٹوٹ رشتہ قرار دیا، وہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ان کو رسمی طور پر نہیں بلکہ پوری معنویت کے ساتھ میں ایک ادارہ اور ایک انجمن تصور کرتا ہوں۔

اسے ستم ظریفی کے علاوہ کیا کہنا چاہیے کہ دورانِ ملازمت انھیں متعدد بار مختلف انکوائریوں کا سامنا کرنا پڑا اور بائیں بازو کے شاعروں اور دانش وروں کو نوازنے اور انھیں ترجیح دینے کے الزامات سے دوچار ہونا پڑا۔ دوسری طرف بائیں بازو کے حلقے انھیں جماعتی گردانتے میں بھی جھجک نہیں محسوس کرتے تھے:

واعظِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلماں ہوں میں

بہر حال میرا اس بات پر یقین اور ایمان ہے کہ یاور مہدی کی پوری شخصیت اور جہدِ حیات روشن خیالی، خرد افروزی اور ترقی پسندی سے عبارت ہے۔ ترقی پسندیت ان کے مزاج کا خاصا اور ان کے فکری رویوں کی اساس ہے۔ جبرِ حالات نے انھیں ترقی پسند تحریک کے لیے کھل کر کام کرنے کا زیادہ موقع نہیں دیا مگر ان کی فکر و زندگی میں صرف اور صرف ترقی پسندیت کی روشنی پائی جاتی ہے۔ وہ اپنی اس متاعِ گراں مایہ پر خود بھی نازاں ہیں۔

جناب یاور مہدی کی شخصیت تو کثیر الجہت کہلانے کا استحقاق رکھتی ہے، مگر دو ادارے ان کی زندگی میں اہم مقام رکھتے ہیں اور جو میرے نزدیک ان کے اہم ترین دو حوالوں کا درجہ رکھتے ہیں: اول ریڈیو پاکستان اور دوم آرٹس کونسل آف پاکستان۔ ریڈیو پاکستان میں ان کی خدمات غیر معمولی گردانی جائیں گی، بلکہ ریڈیو پاکستان کے مختلف شعبوں کو معنویت بخشنے والوں میں سب سے نمایاں نام جناب یاور مہدی کا

ٹھہرے گا۔ انھوں نے اس ادارے میں رہ کر اپنی صلاحیتوں اور تخلیقی توانائیوں کے جوہر دکھائے ہیں۔ متعدد افراد کو بلندیوں پر پہنچانے میں ان کا کلیدی کردار رہا ہے۔ ریڈیو پاکستان جیسے حساس ادارے کے محدودات کے باوجود جناب یاور مہدی نے اپنے نمایاں کارناموں کا ایک قابل رشک ریکارڈ چھوڑا ہے۔ ریڈیو کی تاریخ یاور مہدی کے نام اور کام کے ذکر کے بغیر ادھوری بلکہ ناقص اور نامکمل رہے گی۔ آرٹس کونسل آف پاکستان سے ان کی وابستگی کا سال گویا آرٹس کونسل آف پاکستان کی نشاۃ ثانیہ کا نقطۂ آغاز ہے۔ یہ ادارہ جو کئی دہائیوں سے قائم تھا مگر اس عمارت کو ادارہ بنانے والوں میں جناب یاور مہدی کی کارگزاریاں ناقابل فراموش ہیں۔ وہ جس خاموشی سے اس ادارے کو متحرک رکھے ہوئے ہیں، یہ ہنر اور کمال ہر ایک کے بس کی بات نہیں:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد، خدائے بخشندہ

جناب یاور مہدی نے سیکڑوں مضامین اور بے شمار اسکرپٹ لکھے ہیں، مگر باضابطہ کوئی کتاب ان کی تصنیف کردہ نہیں ہے۔ وہ صاحب بصیرت و بصارت ہونے کے علاوہ بڑے صاحب علم و فضل شخص ہیں۔ میری یادداشت میں علم و فضل رکھنے کے باوجود لکھنے سے کنارہ کشی کے حوالے سے تاریخ میں اور آج کے سماج میں بھی متعدد نام ہیں۔ اگر وہ تحریر و تصنیف کی طرف توجہ کرتے تو ان کا کارنامہ یقیناً لائق اعتنا ہوتا اور ان کی زندگی کے تجربات سماج کی رہنمائی میں بہتر حصے دار ہو سکتے تھے۔ بہر حال میرے نزدیک وہ صاحب کتاب تو نہیں ہیں مگر وہ خود ایک بڑی اور جامع کتاب ہیں۔ انھیں جہاں سے پڑھیے، آپ کو مختلف شعبہ ہائے حیات کے ابواب چاند ستاروں کی طرح جگمگاتے نظر آئیں گے۔ اس کتاب میں پوری نصف صدی کی کہانی مرقوم ہے اور اس کہانی میں تہ داری کا وصف نمایاں نظر آئے گا۔ کسی شخص کا کتاب ہونا کوئی معمولی بات نہیں بلکہ غیر معمولی وصف ہے اور یاور مہدی

اس وصف سے مالا مال ہیں ۔ ان کا ایک کتاب ہونا میرے نزدیک ان کا ایک شخص سے شخصیت کے منصب پر فائز ہونے کا کلیدی نکتہ ہے ۔ جناب یاور مہدی ایک اہم شخص ، اہم تر شخصیت اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ ایک خوب تر انسان ہیں ۔ جناب یاور مہدی کی متانت اور گوتمی مسکراہٹ ان کی شخصیت کی جاذبیت کا سرچشمہ ہے ۔

جناب یاور مہدی کے پاس یادوں کے بیش بہا خزینے ہیں ، سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں اہم واقعات کے عینی شاہد ہیں اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی ہزاروں اہم شخصیات سے ان کے براہ راست رابطے رہے رہیں ، ان سے ان کے مکالمے رہے اور تبادلۂ خیال کے مواقع میسر آئے ۔ میں نے ان سے خصوصیت کے ساتھ یہ درخواست کی کہ اگر وہ اپنی یادداشتیں کتابی صورت میں لکھ دیں تو ان کا ایک بڑا کارنامہ گردانا جائے گا ۔ مجھے خوشی ہے کہ جناب یاور مہدی نے میری درخواست قبول کر لی ہے کہ وہ اپنی یادداشتیں ایک جامع کتاب کی صورت میں مستقبل قریب میں نذر قارئین کریں گے ۔

زیر نظر کتاب کا مطالعہ قارئین کو ایک ایسے شخص سے متعارف کرائے گا جس کی ہر دل عزیزی اور مختلف حلقوں میں یکساں پذیرائی ایک سادہ سچائی ہے ۔ یہ کتاب معاشرے کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی اہم ترین شخصیات سے ان کے ذاتی روابط اور گہرے تعلقات کی ایک خوب صورت کہانی ہے ۔ یہ ضخیم کتاب جو تقریباً سوا دو سو سے زائد صاحبان رائے کی تحریروں سے آراستہ و پیراستہ ہے ، ان اہل الرائے میں ملک کے اہم ترین دانش ور ، شعرا ، ادبا ، صحافی ، مزاح نگار ، فلمی دنیا کے نام ور ترین افراد ، ریڈیو ، ٹی ۔ وی کے اکابر ، کھلاڑی اور سول سروس کے عمائدین شامل ہیں یہ کتاب اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہو گی ، کیونکہ یہ کتاب ایک ایسے فرد کے حوالے سے ترتیب دی جا رہی ہے جس کا شمار صاحبان اقتدار میں نہیں ہو سکتا ، لہذا ان تحریروں کو جو اس کتاب میں شامل ہیں ، کسی اور زاویۂ نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا ۔

جناب یاور مہدی کی غیر معمولی شخصیت اور ان کے کارناموں اور خدمات کا یہ کتاب ایک اعتراف ہے جس میں خلوص و محبت کے جذبات کی کارفرمائی ہر جگہ نمایاں ہے: "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد" ۔ یہ کتاب انسان دوستی ، رواداری اور مسلکِ خلوص و محبت پر یقین رکھنے والوں ، معاشرے کے لیے بے لوث خدمت کے جذبوں کے ساتھ مصروفِ عمل لوگوں اور محنت اور لگن سے اپنے فرائضِ منصبی انجام دینے والوں کے لیے بالیدگی کا سرچشمہ ہے ۔ یہ کتاب اس بات کا ثبوت ہے کہ تمام تر نامساعد حالات کے باوجود ایک عام فرد اپنی محنت ، لگن اور ذاتی کوششوں سے مقبولیت کا وہ منصب حاصل کر سکتا ہے جو جناب یاور مہدی کا منصب ٹھہرا ہے ۔ کتاب میں شامل نگارشات جناب یاور مہدی کی کثیر الجہت شخصیت کی آئینہ دار ہیں ، بیشتر نگارشات میں ان کی انسان دوستی ، رواداری اور صلح کل کو ان کی ذات کا وصفِ خاص قرار دیا گیا ہے ۔

جیسا کہ میں نے ابتدائی پیراگراف میں اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا تھا کہ مجھے بھی جناب یاور مہدی کے ان احباب میں شامل ہونے کا موقع ملا جو ان کی شخصیت اور خدمات کا اعتراف کرنے والوں میں شامل ہیں اور اس کتاب میں ان کا اعتراف نامہ شامل ہے ، مجھے اس بات کی مزید خوشی ہے کہ مجھے اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں عملی شرکت کا موقع ملا جسے میں اپنے لیے اعزاز سمجھتا ہوں ۔ ترتیب و تدوین ادارۂ جاوداں کے سپرد ہوئی اور اس طرح زیرِ نظر کتاب سے میرے رشتے ناتے خاصے گہرے ہو گئے ، گویا جناب یاور مہدی کے بارے میں کچھ لکھنے کی میری تمنا کچھ سوا ہی پوری ہوئی ۔

چلتے چلتے یہ عرض کرتا چلوں کہ اس کتاب کا اجرا زندہ دوستی کی روایت کو فزوں تر کرنے میں ایک بہت اچھی مثال کے حوالے سے یاد رکھا جائے گا جس کے لیے جناب یاور مہدی سے زیادہ ان کے احباب مبارک باد کے مستحق ہیں جنھوں نے اس کتاب کی منصوبہ بندی کی اور جناب یاور مہدی کی خدمات اور کارناموں کے

اعتراف کے لیے منعقدہ تقریب میں بطور تحفہ انھیں پیش کرنے کا سوچا اور اس خیال کو عملی جامہ پہنایا۔ اس حوالے سے اہم نام جناب اویس ادیب انصاری کا ہے۔ یہ کتاب اگر کسی فرد واحد کا کارنامہ کہا جا سکتا ہے تو اس اعزاز کے حق دار اویس ادیب انصاری ہیں۔

maablib.org

maablib.org

اربابِ دانش

maablib.org

maablib.org

ادب و فن نواز شخصیت

میر حسین علی

(کمشنر کراچی، صدر آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی)

میرے لیے یہ بات باعثِ مسرت ہے کہ اہالیانِ کراچی جشن کمیٹی جشنِ یاور مہدی کا انعقاد کر رہی ہے اور اس موقع پر ان کی شخصیت کے بارے میں ایک کتاب شائع کی جا رہی ہے۔

یاور مہدی ایک ممتاز ادب نواز و فن نواز شخصیت ہیں۔ ریڈیو پاکستان اور آرٹس کونسل کے ذریعے انھوں نے ادب کے فروغ اور فنونِ لطیفہ کی ترقی و ترویج کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں، وہ اہم اور قابلِ قدر ہیں۔

میری خواہش ہے کہ وہ اسی طرح ادب و فن کی ترقی کے لیے اپنی خدمات انجام دیتے رہیں اور دیگر لوگ ان کی تقلید کریں۔

ممتاز دانش ور اور کوئٹہ یونی ورسٹی کے سابق وائس چانسلر پروفیسر کرار حسین

یاور مہدی صاحب میں روایتی شرافت کے اعلیٰ نمونے پائے جاتے ہیں، کیونکہ میں انھیں بطورِ انسان اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ بہت ہی شریف انسان اور فنِ تمثیل کے بھی ماہر ہیں، بلکہ فنِ تمثیل کی رنگین دنیا میں ان جیسا نیک اور مخلص انسان شاید ہی نظر آئے۔

میں نے ان کے پروگراموں میں بھی شرکت کی ہے۔ یہ وقت کی بہت قدر

کرتے ہیں اور وقت نے زمانے میں ان کی بھی قدر کرادی ۔ میں بھی ان قدردانوں میں شامل ہوں ۔ عزیزم تاج حیدر بھی یاور مہدی صاحب کے دوستوں ہیں ۔ تاج کی طرح یاور کو بھی میں اپنے بیٹے کی طرح عزیز تصور کرتا ہوں ۔ میری دعائیں یاور میاں کے ساتھ ہیں ۔

پیغام

حکیم محمد سعید

میں جناب یاور مہدی صاحب کو عرصۂ دراز سے ذاتی طور پر جانتا ہوں ۔ وہ ایک قابل ، فرض شناس افسر اور سادہ انسان ہیں ۔ وہ نہ صرف قابل ہیں بلکہ جوہرِ قابل کو پرکھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں ، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بہت سے باصلاحیت لوگوں کو ریڈیو سے روشناس کرایا ۔

میں نے ان کے بے شمار ریڈیو پروگراموں میں سے چند ایک میں حصہ لیا ہے جن میں بطور خاص " بزمِ طلبا " ، " شب کو ہے گنجینۂ گوہر کھلا " اور " ملاقات " وغیرہ شامل ہیں ۔ میں ان کی صلاحیتوں اور قوت کار کا قائل رہا ہوں ۔ وہ نہ صرف ریڈیو کو اپنی قابلِ قدر خدمات سے نوازتے رہے ، بلکہ آرٹس کونسل میں بھی ان کی خدمات لائق تحسین ہیں ۔

مجھے یہ جان کر یقیناً خوشی ہوئی کہ یاور مہدی کے چند دوست ان پر ایک کتاب مرتب کر رہے ہیں ۔ یقیناً ایسے لوگ اس بات کے مستحق ہوتے ہیں کہ ان کی خدمات کا اعتراف کیا جائے ۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں عمرِ دراز عطا فرمائیں اور انھیں مزید کام کرنے کا حوصلہ اور ہمت مرحمت فرمائیں ۔ آمین !

ہاشم رضا

آپ کے نوازش نامے بحیثیت کنونیز، اہلیان کراچی جشن کمیٹی کے جواب میں اپنے تاثرات پیش کرتا ہوں۔

میں ان ادیب اور علم دوست حضرات کو مبارک باد دیتا ہوں جنھوں نے جناب یاور مہدی سے منسوب جشن یاور منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میر انیس اعلی اللہ مقامہٗ نے فرمایا تھا:

زندگی میں تو نہ اک دن خوش کیا ہنس بول کر
آج کیوں روتے ہیں میرے آشنا میرے لیے

یاور مہدی صاحب بڑے خوش نصیب ہیں کہ ان کا جشن ان کی زندگی ہی میں منایا جارہا ہے۔

میں انھیں ۱۹۶۳ء سے جانتا ہوں جب انھوں نے ریڈیو پاکستان میں پروگرام پروڈیوسر کی حیثیت سے شمولیت اختیار کی۔ انھوں نے اسکول براڈکاسٹ کو بڑی خوبی سے پیش کیا۔ اس کے بعد وہ ترقی کرتے گئے اور آج کل پاکستان براڈکاسٹنگ کارپوریشن میں ڈپٹی کنٹرولر، سنٹرل پروڈکشنز کے معزز عہدے پر متعین ہیں۔

وہ جس طرح طالب علمی کے دور میں کامیاب رہے، کراچی یونی ورسٹی سے ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی، اسی طرح سروس کے دور میں ممتاز رہے۔ انھوں نے جس خوش اسلوبی سے تقریری مقابلے، علمی اور ادبی مذاکرے، یونی ورسٹی میگزین اور ہفتۂ طلبا کے پروگراموں کو پیش کیا، وہ یادگار رہیں گے جیسے "گویا دبستاں کھل گیا" "شب کو ہے گنجینۂ گوہر کھلا" اور "محاکمہ"۔ انھوں نے جو مشاعرے نشر کیے، وہ

بہت پسند کیے گئے۔

ریڈیو کے ساتھ ساتھ انھوں نے آرٹس کونسل، کراچی کو ایک فعال ادارہ بنادیا۔ یہ ادارہ کراچی کا ایک اہم علمی اور ادبی مرکز بن چکا ہے۔ ہر مہینے ادیب اور شعرا صحافت اور سیاست کے ستارے سامعین کو مستفید کرتے ہیں۔ سارے جلسے مثالی ہوتے ہیں جن میں عہدِ گزشتہ اور موجودہ دور کے مقتدر حضرات کے کارناموں کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ

نازم از زندگی خویش کہ کارے کردم

انھوں نے ریڈیو پاکستان کراچی میں سینئر پروڈیوسر کا عہدہ سنبھالا۔ قائدِ اعظم کے شہر کراچی میں انھوں نے روز ایک دلچسپ پروگرام پیش کیا جس کا عنوان تھا "شہرنامہ"۔

انھیں ترقی دے کر پروگرام منیجر پہلے کوئٹہ اور پھر کراچی میں مقرر کیا گیا۔ ۱۹۹۱ء میں انھیں پاکستان براڈکاسٹنگ کارپوریشن کے "آہنگ" اور "پاکستان کالنگ" کا مدیر مقرر کیا گیا۔ ۱۹۹۲ء میں ان کی ترقی ڈپٹی کنٹرولر کی حیثیت سے ہوئی۔ میری پیشین گوئی ہے کہ چند سالوں میں وہ کنٹرولر کے عہدۂ جلیلہ پر مقرر کیے جائیں گے۔

ممتاز فلسفی وادیب سید محمد تقی

عزیزم یاور مہدی صاحب کو بہت عرصے سے جانتا ہوں۔ خاصے ملنسار اور نیک انسان ہیں۔ جہاں تک ریڈیو کا تعلق ہے، اس میں بھی اعلیٰ افسر ہیں، بلکہ میں یہ کہوں تو زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ کئی حیثیتوں میں کامیاب ہیں.... اچھے افسر، عظیم

انسان، شیدائے ادب، دوستوں کے دوست۔

آرٹس کونسل میں ادب کی آبیاری میں جتنا کام یاور مہدی صاحب نے کیا ہے، اتنا کام شاید ہی کسی نے کیا ہوگا۔ جب بھی آرٹس کونسل کا نام کوئی لیتا ہے، پہلے یاور مہدی صاحب کا نام زبان پر آتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی ریڈیو کا نام لیتا ہے میری زبان پر پہلے یاور صاحب کا نام آجاتا ہے۔ "بزم طلبا" ایک زمانے میں یاور صاحب کی پہچان تھا، کیونکہ انھوں نے یہ پروگرام خوب کیے اور پھر دیگر پروگراموں میں بھی انھوں نے اپنی انفرادیت قائم رکھی۔

نئے شاعروں اور پرانے ادیبوں اور شاعروں کو جس طرح ریڈیو میں لانے اور مسلسل مصروف رکھنے کا کام یاور صاحب نے کیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔

جسٹس ایس۔اے نصرت

(سابق چیف الیکشن کمشنر آف پاکستان)

جناب یاور مہدی صاحب ایک عرصۂ دراز سے ریڈیو پاکستان کے ثقافتی اور ادبی شعبے سے وابستہ چلے آرہے ہیں۔ انھوں نے ریڈیو نشریات کے فن میں اعلیٰ تربیت حاصل کی ہے، مگر ان کی کامیابی اور ترقی میں ان کی ذاتی صلاحیتوں کو زیادہ دخل ہے۔ انھوں نے ریڈیو پاکستان کے لیے مختلف معلوماتی اور ثقافتی پروگرام ترتیب دیے جن کی عوام نے بہت پذیرائی کی۔ انھوں نے اسکول براڈکاسٹ بزم طلبا کا پروگرام شروع کیا جسے بہت پسند کیا گیا۔

وہ ریڈیو پاکستان کے سینئر پروڈیوسر کی حیثیت سے تقریباً پینتیس سال تک

نہایت کامیابی کے ساتھ خدمات انجام دیتے رہے ہیں جس سے ریڈیو نشریات سننے والوں کی دلچسپی میں اضافہ ہوا۔ وہ ریڈیو پاکستان کے جریدے "آہنگ" کے مدیر بھی رہے ہیں جس کی وجہ سے اس جریدے کا معیار بہت بلند ہوا۔ وہ آج کل ریڈیو پاکستان میں ڈپٹی کنٹرولر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

الیکٹرانک میڈیا میں ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ محض سماعتوں کے ذریعے منظر کشی کا مشکل کام انجام دینا ایک مخصوص فنی حیثیت رکھتا ہے جو ٹیلی وژن کی نشریات کے مقابلے میں ایک مشکل مرحلہ ہے۔ وہ ملک کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں اور ان دنوں آرٹس کونسل آف پاکستان کے لیے بھی بہت دلچسپ پروگرام ترتیب دے رہے ہیں۔

یاور مہدی صاحب عن قریب ریڈیو پاکستان کو الوداع کہنے والے ہیں، مگر ان جیسی باصلاحیت شخصیت کے لیے اور بھی کئی میدان خالی ہیں جہاں ان کی پذیرائی ہوتی رہے گی۔

E.F.U کے چیئرمین جناب روشن علی بھیم جی نے کہا

یاور مہدی کو کون نہیں جانتا! میرے خیال میں پاکستان کا ہر پڑھا لکھا طبقہ یاور صاحب کے نام سے واقف ہے، کیونکہ انھوں نے اپنے شعبے میں نمایاں کام کیا ہے۔ میں بھی ایک یا دوبار کراچی ریڈیو کے کسی پروگرام میں شرکت کرچکا ہوں۔ نام تو مجھے یاد نہیں کہ پروگرام کا کیا تھا اور کیوں تھا، ہاں! اس پروگرام کے خالق کا نام یاور مہدی اب تک یاد ہے۔

مجھے نوجوان صحافی و شاعر محمود حسن سے معلوم ہوا کہ یاور مہدی صاحب ۱۲ جولائی کو ریڈیو کو خدا حافظ کہہ رہے ہیں اور ان کی شخصیت پر ایک کتاب مرتب ہورہی ہیں ۔ یہ بڑی اچھی کوشش ہے ۔ میری دعائیں اور میرے ادارے کا تعاون یاور مہدی صاحب کے ساتھ رہے گا ۔ یاور مہدی صاحب نے تقریباً چالیس برس ایک ایمان دار انسان کے طور پر کام کیا ہے، اس وجہ سے ریڈیو سے وابستہ ہر شخص یاور مہدی کو ہمیشہ یاد رکھے گا ۔ خدا ان کی عمر دراز کرے اور ہمیشہ انھیں خوشیاں ملیں!

ڈاکٹر منظور احمد

یاور مہدی سے میری اتنی پرانی یاداللہ ہے کہ اب سال شمار میں نہیں آتے ۔ میرا اپنا تعلق ریڈیو سے شاید ۱۹۵۲ء میں قائم ہوا ۔ یہ ایک تعلیمی پروگرام تھا ۔ اسی طرح کا جیسے یاور مہدی بعد میں کرتے رہے ہیں ۔ عزیز احمد نے اردو ناول پر ایک مضمون پڑھا تھا اور طالب علموں کے سوالوں کے جواب دیے تھے ۔ اس کے بعد سے ریڈیو جانا تقریباً ایک معمول بن گیا ۔ ۱۹۶۶ء میں جب میں اپنی تعلیم مکمل کرکے وطن واپس آیا تو ریڈیو پروگراموں میں شرکت میں اور اضافہ ہوگیا ۔ یہی وہ زمانہ تھا جب یاور مہدی صاحب سے میری ملاقات ہوئی ۔ ان کے دھیمے طور طریقوں نے مجھے بہت متاثر کیا ۔ طالب علموں کے پروگرام جس حسن و خوبی اور دل جمعی سے وہ کرتے تھے، شاید ہی اور کوئی کرتا ہو ۔ کراچی کے کالجوں اور یونی ورسٹی کے وہ سب طالب علم جو ریڈیو سے مناسبت رکھتے تھے، سب یاور مہدی کے گرویدہ تھے ۔ بہت سے نوجوانوں

کو، جو بعد میں بڑے ریڈیو اور ٹی۔وی آرٹسٹ بنے، یاور مہدی نے ہی پہلی مرتبہ ریڈیو سے روشناس کرایا تھا۔ اس زمانے میں جب بھی میرا گزر ریڈیو اسٹیشن کی طرف ہوا، میں نے یاور کو نوجوانوں میں گھرا پایا۔

یاور ایک متنوع پروڈیوسر ہیں۔ انھوں نے ہر قسم کے پروگرام ریڈیو سے کیے ہیں اور ان تمام کا حق ادا کیا ہے۔ وہ پروگراموں میں شرکت کرنے والوں کے مزاج اور عادات سے واقفیت رکھتے تھے اور میں نے کبھی کسی کی زبان سے ان کے خلاف عدم اطمینان کا کوئی کلمہ نہیں سنا۔

ہمارے ملک میں ریٹائرمنٹ کی جو جبریت کارفرما ہے، اس کے تحت یاور ریڈیو سے رخصت ہو رہے ہیں۔ ریڈیو ان کی کمی کو بہت محسوس کرے گا۔ ایسے متعد اور جاں نثار کارکن اداروں کو کم میسر آتے ہیں۔ خدا یاور کو خوش رکھے اور ریڈیو میں ان کے احباب کو ان کی جدائی سے اداس رکھے!

سید ہمایوں اختر

(سینئر وائس پریزیڈنٹ، نیشنل بینک آف پاکستان)

یاور مہدی نہ صرف ایک اچھے دوست ہیں بلکہ ایک اچھے انسان بھی ہیں۔ میری ان سے دوستی کو اب کم و بیش پینتیس سال گزر چکے ہیں۔ میں نے انھیں روزِ اول سے آج تک ایک ہی جیسا پایا.... وہی انداز اور وہی محبت۔ کبھی یوں بھی ہوا کہ میں اور وہ برسوں ایک دوسرے سے نہیں ملے جس کا سبب یا تو میرا ملک سے باہر رہنا ہوا یا وہ اپنے پیشے اور ملازمت کی وجہ سے کراچی سے باہر رہے، لیکن جب کبھی ہم ایک دوسرے سے ملے تو وہی جوش اور وہی شفقت تھی۔ میرا خیال ہے

"شفقت" کا لفظ کچھ غلط ہے۔ اس سے بزرگی کا احساس کچھ زیادہ ہوتا ہے، جبکہ وہ عمر میں یا تو میرے برابر ہوں گے یا پھر شاید ایک، دو سال زیادہ، اسی لیے "شفقت" کی بجائے "محبت" بہتر ہے، یعنی وہی محبت اور وہی خلوص تھا۔

مجھے ۱۹۶۲ء یا شاید ۱۹۶۵ء کا زمانہ یاد آرہا ہے۔ میں نیشنل بینک میں پبلک ریلیشنز میں افسر ہوا کرتا تھا۔ اس زمانے میں میری ان سے روزانہ ملاقات ہوا کرتی تھی۔ کوئی روز ایسا نہیں ہوتا کہ ہم نہ ملے ہوں۔ وہ ریڈیو پاکستان کی ریکارڈنگ کے سلسلے میں جب کبھی باہر جاتے، میں ان کے ساتھ ہوتا۔ اکثر مختلف لوگوں سے انٹرویو کرنے میں ان کی مدد کرتا۔ اس طرح کئی سال گزر گئے۔ ان دنوں میں شاہراہِ فیصل پر رہا کرتا تھا۔ وہ گھر جاتے ہوئے مجھے ڈراپ کر جاتے۔ ان کے پاس ریڈیو کی گاڑی ہوتی تھی۔ عجب زمانہ تھا! دوستی میں غرض نام کی کوئی چیز شامل نہیں تھی جیسا کہ اب ہے۔ آج کل کوئی انسان دوسرے سے بغیر کسی غرض کے نہیں ملتا آج کے دور میں ہر انسان یہ جاننے کے بعد کہ کسی سے اس کا کتنا کام نکلے گا، وہ اپنی دوستی کا رشتہ جوڑتا ہے اور اس وقت تک ملتا ہے جب تک اس کا کام نہیں نکلتا۔

میں نے یاور کو ہمیشہ ایک اچھا دوست جانا، یہ جانے بغیر کہ وہ ہمارے کس کام آئیں گے۔ اس زمانے میں ریڈیو سے طلبا اور نوجوانوں کے لیے بہت سارے پروگرام ہوا کرتے تھے۔ ریڈیو ایک بہت ہی پاور فل میڈیا ہوا کرتا تھا اور اس کی بہت اہمیت تھی۔ پاکستان کا بچہ بچہ ریڈیو ہی سنا کرتا تھا، اس لیے کہ ٹیلی وژن کی آمد ان دنوں نہیں ہوئی تھی۔ میں بھی اکثر پروگراموں میں حصہ لیا کرتا تھا۔

یاور کے اندر انسان کو پرکھنے کی بڑی صلاحیت ہے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ان پروگراموں کے ذریعے بہت اچھے اچھے جواہر دریافت کیے۔ میں چونکہ شروع سے ہی غیر مستقل مزاج رہا ہوں، اسی لیے کبھی کسی کام کو جم کر کرنے کا عادی نہیں رہا، ورنہ ان کے دریافت کردہ جواہر میں میرا بھی کہیں نام ہوتا۔ میں آج بھی

یہی سوچتا ہوں کہ اگر میں بینکار نہ ہوتا تو یقیناً ریڈیو یا ٹیلی وژن سے وابستہ ضرور ہوتا۔

یاور مہدی جن کا جشن منایا جانے والا ہے، ان کے اپنے ارادے میں بلا کی مستقل مزاجی ہے۔ جو بات وہ ٹھان لیں، اسے پورا ضرور کرتے ہیں۔ ان میں ایک کمزوری ضرور ہے کہ وہ دوسروں کے بہلاوے میں جلد آجاتے ہیں۔ ان کی اس کمزوری کو ہم ان کے سیدھے پن اور شرافت سے منسوب کر سکتے ہیں۔ ایک بات جو مسلم ہے، وہ یہ کہ یاور مہدی commitment کے آدمی ہیں، دوستوں کے دوست اور وقت پر ہر ایک کے کام آنے والے۔ اس دورِ پر آشوب میں یاور مہدی ایسا شخص کم دستیاب ہے۔

یاور مہدی اور لکھنؤ

افضال احمد

بات اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب یاور مہدی ٹانڈا، ضلع فیض آباد سے لکھنؤ تشریف لائے اور لکھنؤ یونی ورسٹی کے بی۔ اے میں داخلہ لیا۔

غالباً اگست کی ایک شام وہ میرے غریب خانے پر تشریف لائے۔ انھیں ایک کتاب درکار تھی جو میرے پاس موجود تھی۔ اس آمد نے دونوں میں ایسی قربت پیدا کردی کہ کالج جانا آنا، شامیں اور اکثر راتیں ساتھ ہی گزرتیں۔

ہمدردی، انسانیت، شرافت اور وضع داری یاور کی انفرادیت ہے۔ بقول افتخار عارف:

"یاور بھائی کو خط لکھا ہے۔ وہ بہت محبتوں کے آدمی ہیں۔ میرے بنانے میں ان کا ہاتھ ہے۔ ہمیشہ شفقت سے ملتے ہیں۔ وہ

اس پتھر کی طرح ہیں جو دوسروں کو سونا بناتا رہتا ہے اور خود بے نیاز رہتا ہے۔ خدا ان کو سلامت رکھے! وضع داری میں ایسا آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا ہے"۔

یہ خط افتخار عارف نے مجھے لندن سے ۲۶ مئی، ۱۹۸۰ء میں تحریر فرمایا تھا۔

لکھنؤ میں یاور ایک اسٹوڈنٹ تھے۔ والدین باہر، بزرگ باہر، لیکن پھر بھی ان کی زندگی محدود اور اپنی چادر ہر وقت پیش نظر رہی۔

میری اور ان کی قربت کا یہ عالم ہو گیا کہ دوستوں کا خیال ہوتا کہ ایک کو تلاش کیجیے دونوں مل جائیں گے۔ جب بی۔ اے کے امتحانات ختم کر کے یاور ٹانڈے گئے تو چند یوم بعد میں نے بھی پروگرام بنا ڈالا اور ٹانڈے پہنچ گیا۔ پانچ، چھے یوم ان کے گھر پر قیام رہا جہاں کسی وقت بھی یہ احساس نہ ہوتا کہ میں مہمان ہوں بی۔ اے کے فائنل امتحان ختم ہوئے تو یاور ٹانڈے چلے گئے، لیکن ایک دن وہ، ان کی والدہ، بہنیں، سب لکھنؤ میں تھے کہ وہ لوگ پاکستان جا رہے ہیں۔ دو دن میرے غریب خانے پر ساتھ رہا اور پھر پاکستان چلے گئے۔

شروع شروع میں برابر خط آتے رہے، پھر تحفے عنایت ہونے لگے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر کوئی ہم دونوں سے ایک دوست کے نام کو معلوم کرنا چاہے تو ہم دوسرے کا ضرور نام لیں گے۔ میرے گھر میں شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جب ہم لوگ یاور کی بات نہ کریں۔

ٹانڈے سے جب یاور لکھنؤ یونی ورسٹی کی کشادہ فضا میں وارد ہوئے تو اردو ادب کے بڑے بڑے ستون استاد کی شکل میں ان کے سامنے تھے، صدر شعبہ اردو تھے سید مسعود حسن صاحب ادیب، پروفیسر تھے آل احمد صاحب سرور، سید احتشام حسین صاحب، ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی، ڈاکٹر وحید مرزا، سید راغب حسین۔ یاور نے ان استادوں سے پورا فیض حاصل کر لیا۔ سید احتشام حسین صاحب کے ساتھ ٹیوٹوریل

تھا جس میں صرف پانچ لڑکے ہوتے تھے، اس نے یاور کو احتشام حسین صاحب سے بہت قربت دے دی تھی اور پھر کتابوں کا شوق، پڑھنے سے عشق نے اس پر اور چار چاند لگا دیے۔

یوں تو پاکستان جا کر انھوں نے اپنی تعلیم مکمل کی لیکن جس بنیاد کو لکھنؤ یونی ورسٹی کے دوران رکھا گیا، اس نے آج یاور کو اس جگہ پہنچا دیا کہ آج اہل کراچی "جشن یاور" کا اہتمام کر رہے ہیں۔ اہل کراچی بھی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے کسی علم دوست، ہمہ گیر شخصیت کی خدمات کا اعتراف کرنا طے کیا۔

جناب دوست محمد فیضی نے کہا

یاور بھائی جیسا مزاج، یاور بھائی جیسا دماغ اور یاور بھائی جیسی ملنساری بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے اور ایسے لوگ ہر دل عزیز ہوتے ہیں۔ میں نے کبھی کسی سے یاور بھائی کی برائی نہیں سنی۔ ریڈیو میں ان کی خدمات کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں۔ بڑے بڑے ادیب اور فن کاروں کو انھوں نے اپنی ذاتی کوششوں سے آگے بڑھایا۔

آرٹس کونسل جو ایک زمانے میں اپنی ترقی کا سفر بہت دھیمے انداز میں کر رہا تھا، جب سے یاور بھائی نے آرٹس کونسل پر شفقت کا ہاتھ رکھا ہے، آرٹس کونسل کے ترقی کے سفر میں بہت تیزی آئی۔ آج آرٹس کونسل میں تقریباً روز پروگرام ہوتے ہیں۔ اس میں بہت بڑا عمل دخل یاور بھائی کا ہے۔

میں خوش نصیب ہوں کہ میرے دوستوں میں یاور بھائی کا بھی نام آتا ہے۔

یاور بھائی مجھ سے بڑے ہیں۔ میں ان کی عزت اپنے بزرگوں کی طرح کرتا ہوں۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یاور بھائی کو ہمیشہ خوش رکھے اور میرے استاد حماد صاحب کے بھانجے محمود حسن کو اللہ یہ توفیق دے کہ یہ کتاب جلد از جلد منظرِ عام پر لے آئیں۔

بڑا آدمی

ڈاکٹر عالیہ امام

ایک دن میں ریڈیو پاکستان اپنے ایک دوست کے کام سے گئی۔ چپراسی نے "کام" کا لفظ سنتے ہی ایک کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، "بیگم صاحب! کام تو بس یہاں ہی ہووے ہے۔ ہاں! باقی تو سب فضول، جی!" کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک صاحب نے ہنستے مسکراتے ہوئے پرتپاک انداز میں استقبال کیا.... لانبا قد چھریرا جسم، سرخ و سفید رنگت، سر سے پیر تک مسکرانے کا موسم.... سکون، ضبط، خوداعتمادی مضبوط بھاری بھرکم شخصیت کا پتا دے رہی تھی۔ کمرے میں ہجوم یاراں تھا، "سر! آپ نے ہمارے گھر کی تو قسطیں کرادی ہیں لیکن بھائی کے داخلے کا.... " "وہ بھی ہو جائے گا"۔ لڑکی جواب سے مطمئن ہو کر جا چکی تھی۔ "بھائی صاحب قبلہ! ہمارے پروگرام تو اپنے کرائے ذرا اضافہ کرادیجیے"۔ "دیکھیے! بیٹی کی شادی ہے.... بیٹا طبلے پر بہت اچھی سنگت کر رہا ہے".... "خان صاحب! آپ پریشان نہ ہوں، وہ بھی ہو جائے گا".... "چچا! امی کہہ رہی تھیں کہ بابو کے علاج کے لیے پیسوں کی اور بھی ضرورت ہے، وہ آپ ہی کرادیں.... اور بتائیے! کس سے کہیں؟" "گھبرائیے نہیں ہم کردیں گے".... سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے.... "اجی جناب! ہمارا کیا ہوا؟ کتاب تو آپ نے چھپوادی لیکن اس کی مارکٹنگ کا بھی تو بندوبست کیجیے، گھر کا خرچ بھی تو چلانا ہے"۔

ان صاحب کا کمرا تو بہت مختصر تھا لیکن دل میدانی درخت تھا جو بہت دیر تک جلتا اور لو دیتا ہے۔ چاروں طرف دھنک نکلی ہوئی تھی.... قرمزی، بادامی، فیروزی، سرمئی، یاقوتی۔ پورا وجود پھولوں اور پتیوں کے ہار پہنے ہوئے تھا۔ کسی نے بتایا کہ یہ کہانی تو روز کا معمول ہے۔ صرف ریڈیو اسٹیشن ہی نہیں، گھر پر بھی رنگ دیکھنے کا ہوتا ہے۔ اعزا اقربا کی دل جوئی، بہنوں کا مان، بیماروں کی عیادت، اپنوں کی تیمارداری، بچوں کی تعلیم، بیوی کی ناز برداری، غیروں کی ملازمت، اقربا کے بچوں کی فیس، پیسے کی تنگی کے باوجود دل تو بس گنگا جمنا بہتا ہی رہتا ہے۔ یوں سمجھیے آدم کے شرافتِ نفس کا خوب صورت باب، بے رنگی میں رنگوں کی معطر وادی۔

آدمی تو سبھی ہوتے ہیں، لیکن بقول بھٹائی کسی کسی شخص میں بہار کی خوشبو آتی ہے اور کبھی کبھی کوئی انسان رنگوں کی معطر وادی بنتا ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان دیکھنے میں تو سب یکساں ہیں لیکن ان کی بھی قسمیں ہوتی ہیں۔ مثلاً دو قسم کے سیاست داں، دو قسم کے شاعر اور ادیب و دانش ور، دو قسم کے انسان ایک چھوٹا ایک بڑا۔

چھوٹا انسان وہ ہوتا ہے جس کا خمیر مصلحت کوشی سے اٹھتا ہے۔ یہ ہر آن کہنی مار کر اپنی چمک دکھانے پر مصر رہتا ہے۔ ایسے شخص کا ضمیر مردہ، آنکھیں اندر سے افسردہ اور ہنسی اوپر سے چاندی کے ورق کی طرح چسپاں ہوتی ہے۔ اس کی گمر ہی کی رسی ڈھیلی ہوتی ہے۔ ہری گھاس چرنے کی ہوس میں یہ ہر تاریک چوکھٹ پر سجدہ ریز ہوتا ہے، لیکن جب چوکھٹ اکھیڑ دی جاتی ہے، زندگی کی سحر نمودار ہونے کو ہوتی ہے تو یہ عوامی لبادہ اوڑھ کر عوام کی صفوں میں شاعر، ادیب، دانش ور کے خطابات دکھاتے ہوئے در آتے ہیں اور عوامی عدالت میں تمام زندگی اپنے دامن پر لگے لہو کے دھبے چھپاتے ہی گزار دیتے ہیں۔

بڑے انسان خواہ وہ ادیب ہوں یا شاعر، صحافی ہوں یا مصور، سنگ تراش

ہوں یا دانش ور، وہ ہوتے ہیں جو پہلے اپنی ذات میں اعلیٰ صفات جیسے حق گوئی، شجاعت، تزکیۂ نفس، ایثار و قربانی کی جوت لپنے اندر جگاتے ہیں، "یک در گیر و محکم گیر" پر عمل پیرا ہوتے ہیں، یہ اعلیٰ نظریۂ حیات سے وابستہ ہوتے ہیں.... ایسا نظریہ جو گھنیرا درخت ہوتا ہے جس کی چھاؤں میں تھکے ہارے بیٹھتے ہیں ۔ ایسا درخت ساری دھوپ لپنے اوپر لے لیتا ہے، یہ جہل، تاریکی اور نفرت کی قوتوں سے سمجھوتا نہیں کرتا.... چار دانے کی خاطر اس نظام کو سلام کرنا اپنی بڑائی کے منافی گردانتا ہے جو عہدہ دیتا ہے، لیکن قوتِ احساس کو سلب کرلیتا ہے، "انکار" پر جرأتِ گفتار کو چھین لیتا ہے ۔ ایسے انسان رحمتِ خداوندی ہوتے ہیں، یہ ضمیرِ انسانی میں اپنی ساکھ بٹھا لیتے ہیں اور ان کی فکر کی شاخیں آسمان تک پہنچ جاتی ہیں.... یہ گرتے ہوئے کو تھام لیتے ہیں، گرسنہ نگاہوں کے لیے آبِ حیات بنتے ہیں.... جھلسے ہوئے ہونٹوں کے لیے سقائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں.... لپنے مفادات اور اپنی ذات کو پس پشت رکھتے ہیں، زمین کے درد سے جڑ جاتے ہیں.... یہ ریشم اور سوت کے دھاگوں کو کبھی خلط ملط نہیں کرتے.... ان کی نظر کی پختگی سیاہ و سفید تاروں کا حساب رکھتی ہے ۔ فکر و عمل کی دنیا اسی وقت شاداب ہوتی ہے جب زندگی سے اس کا رشتہ گندھ جاتا ہے، پھر اس کی ذات گل بداماں، اس کا عمل گل انداز، اس کی گفتگو پھولوں کی مہکار بن جاتی ہے ۔

یاور مہدی بڑا آدمی ہے ۔ اسے محبت کے ہار پہنانا سعادت بھی ہے اور عبادت بھی ۔

یاور مہدی صاحب

اظہر حسن صدیقی

محترم یاور مہدی صاحب دلی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ اس پر آشوب دور

میں عزت و آبرو کے ساتھ ، اگر اس نام کی کوئی چیز باقی رہ گئی ہے تو ، اپنی مدتِ ملازمت مکمل کر کے ریٹائر ہو رہے ہیں ۔ آج کل تو یہ حال ہو گیا ہے کہ پہلے صرف موت ناگہانی ہوتی تھی ، اب ملازمت کا جانا بھی ناگہانی ہو گیا ہے ۔ کب اور کس وقت اور کس طرح چلی جائے ، کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوتا ۔ مجھے قوی امید ہے کہ یہ اپنے وسیع تجربے سے قوم اور ملک کی مزید خدمت انجام دیں گے ۔ یاور مہدی صاحب اور آرٹس کونسل اب تو لازم و ملزوم بن گئے ہیں ۔ میرا بھی آرٹس کونسل سے پچیس ، تیس برس کا ساتھ ہے اور تین سال تک فیض صاحب کے ساتھ کمیٹی کا رکن بھی رہا ہوں مگر آج تک اتنا فعال عہدے دار کوئی دوسرا نہیں دیکھا ۔ جتنی ادبی و دیگر تقریبات ان کے دور میں ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں ، یہ حقیقت ہے کہ آج تک نہیں ہو پائی ہیں ۔ اگر اتفاقاً مروجہ دستور کے مطابق مجھے بھی اپنی کسی کتاب کی رونمائی کی تقریب منعقد کرنے کا خیال آجائے ، کیونکہ انسان کو بگڑتے دیر نہیں لگتی ہے ، تو مجھے یقین ہے کہ اکیسویں صدی سے پہلے تو کوئی شام خالی نہیں ملے گی ۔ اتنی تقریبات کرانا بھی ایک ریکارڈ ہے جو ہمیں یقین ہے کہ یاور مہدی صاحب ہی توڑیں گے ۔ مجھے جب انھوں نے بتایا کہ وہ بھی ریٹائر ہو رہے ہیں تو مجھے بڑا تعجب ہوا ، بظاہر تو لگتے نہیں ہیں ، ابھی تو ان کے کھانے کھیلنے کے دن ہیں ۔ ہمیں یقین ہے کہ آج کل کی روایت کے مطابق جب اکثر سرکاری ملازمین کو ریٹائرمنٹ کے قریب پتا چل رہا ہے کہ ان کی عمر زیادہ لکھی ہوئی ہے ، اور وہ اس کو درست کرانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں ، اگر یہ بھی ایسا کر لیتے تو واقعی ہو بھی جاتی کیونکہ یہ تو ریٹائرمنٹ کے قابل لگتے بھی نہیں ہیں ۔

یاور مہدی صاحب کے کتنے روپ ہیں ، وہ سب میں آج تک اتنی رفاقت کے باوجود بھی نہیں دیکھ سکا ۔ براڈکاسٹر ، مدیر ، ادیب ، ادب و ادیب نواز ، کتنے اچھے کارکن کہ اگر ان جیسے دو ، چار مل جائیں تو پاکستان میں کسی بھی بڑے سے بڑے

ادارے کا انتخاب بآسانی جیتا جا سکتا ہے۔ اچھے دوست، مہربان، کرم فرما اور سب سے بڑی بات یہ کہ اچھے انسان ہیں۔ جس سے ایک دفعہ ان کا دوستی کا رشتہ استوار ہو جائے تو وہ چاہے چھوڑ جائے، یہ چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ میرا، ان کا رشتہ بزرگ و خورد کا رہا ہے اور یہ آج تک اسے نبھا رہے ہیں۔ میں ان کی کرم فرمائی اور ذرہ نوازی کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یاور مہدی صاحب کو آئندہ بھی مزید کامیابیوں سے ہم کنار کرے، خوش و خرم رکھے اور اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین!

اظہر عباس ہاشمی

ایک بڑے شہر میں یا انسانوں کے گھنے جنگل میں معروف ہونا ایک مشکل امر ہے، اور پھر آج کل کے دور میں جہاں شہرت بھی زر و سیم کے محتاج ہو اور اکثریت کا کام سے زیادہ نام پر زور رہتا ہے، ایسے مخلص اور بے نام و نمود شخص کی موجودگی یقیناً ایک حیرت ناک بات ہے۔

یاور مہدی ان باقیات الصالحات میں سے ہیں جن کے دم قدم سے شرافت، لگن اور اخلاص کا دیا روشن ہے۔ یاور مہدی ریڈیو کی ملازمت اور آرٹس کونسل کی خدمت، دونوں کو عبادت سمجھتے ہیں اور اس انہماک اور سوئے نفس کے ساتھ ان دونوں محبتوں کو نبھا رہے ہیں جو اک عبادت گزار کی معراج ہوا کرتا ہے۔

ریڈیو کی ملازمت ٹیلی وژن کی آمد کے بعد وجہ شرف بھی نہ رہی اور تنخواہ بھلا کب درجۂ اعتبار دلاتی؟ لیکن یاور مہدی نے اپنی اسی ملازمت کو اس خلوص، تن دہی اور وفاداری سے نبھایا کہ لوگ رشک کرنے لگے۔ وہ جس جس شعبے سے متعلق رہے، اس میں پرانے لوگوں اور اہل کمال کی خدمت کے ساتھ ساتھ نئے نئے چراغ

روشن کرنے کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔

اسی طرح آرٹس کونسل سے محبت کی تو ایسی ٹوٹ کر کہ آرٹس کونسل کے نام کے ساتھ یاور اور یاور کے نام کے ساتھ آرٹس کونسل لازم و ملزوم ہو کر رہ گئے۔ آرٹس کونسل کے تمام ہی منصوبے یاور مہدی کی فکر و عمل و پیراہن اوڑھے ہوئے ہیں۔ لائبریری ہو یا آڈیو وژوئل لائبریری، آرٹ گیلری ہو یا منظر اکبر ہال، بخاری اوپن ایئر تھیٹر ہو یا نامکمل آڈیٹوریم، خبرنامہ ہو یا دیگر پبلی کیشنز، یاور مہدی کے مرہونِ احسان ہیں۔

میں گزشتہ بیس سال سے یاور کو دیکھ رہا ہوں اور پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ ایسی سچی محبت جو یاور کو ان دونوں مشغلوں سے ہے، مجھے کہیں اور نظر نہیں آئی، ہاں! یاور نے کسی دوسرے ادارے یا کاروبار کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اپنی عمر کے تقاضوں، صحت کے مسائل اور گھریلو ذمے داریوں کے معاملات میں تو شاید بے نیازی اور بے اعتنائی برتی ہو، لیکن ریڈیو اور آرٹس کونسل کے معاملات میں ذرا بھی کسر نہ آنے دی۔ ان دونوں محبتوں میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یاور مہدی نے صلے کی پروا یا ستائش کی تمنا سے دامن آلودہ نہ ہونے دیا۔ خدا ان کو تا دیر ان محبتوں کو نبھانے کی توفیق دے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی اوروں کو بھی توفیق عطا فرمائے!

آخر میں یاور کی بیگم اور اہلِ خانہ کو میں خراجِ تحسین ادا کرتا چلوں کہ ان کی یاور سے محبت نے یاور کو ان محبتوں میں سرخ رو کیا۔ میری طرف سے ان لوگوں کو بھی مبارک باد جو اس بے لوث شخصیت کو عقیدت کے پھولوں سے ہر وقت نواز رہے ہیں۔

maablib.org

یاور مہدی

ایس - ایم انعام

ایک دوست اور دوستی بھی ایسی جو وقت کے تقاضوں پر پوری اتری .... ایک عہد ساز شخصیت جس کے کارناموں کی گونج آج بھی سنائی دے رہی ہے .... ایسے انسان سے میری ملاقات پندرہ سال قبل محترمی علی رضوی، عزیز راقب نقوی (جو اب حیات نہیں ہیں) اور محترم منظر اکبر (یہ بھی اب حیات نہیں) کے ساتھ ایک شام میرے گھر پر ہوئی ۔ باعث ملاقات یہ تھا کہ آرٹس کونسل جو اس شہر میں موجود ہے، اس کے صرف ۱۳۷ ارکان ہیں ۔ یہ غیر فعال ہے ۔ اس میں کبھی کبھار کوئی تقریب ہوتی ہے، وہ بھی ایسی نہیں کہ تفریح کا سامان ہو ۔ اس میں کوئی ایسی محفل بھی نہیں جمتی ہے جو قابل ستائش ہو اور پھر اس کی افادیت شہریوں کے لیے ایک ثقافتی سرگرمیوں کے ادارے کی حیثیت سے بالکل نہیں ہے ۔

اس محفل کے انعقاد اور اس کے ایجنڈے کے عمل میں ایک گروپ تشکیل ہوا اور یوں نئے خون نے آرٹس کونسل کی آبیاری شروع کر دی ۔ ناکارہ اور فرسودہ پندرہ برس سے "لاگو" نظام تبدیلی عمل سے باہر پھینک دیا گیا ۔ ارکان کی تعداد ۱,۸۰۰ تک کی گئی اور پھر حال میں یہ تعداد ارکان کے بڑھ جانے سے اندازاً ۲,۲۰۰ کے قریب ہو گئی ہے ۔

آج اس آرٹس کونسل کے ارکان کی فہرست میں ادیب، شاعر، ڈراما نگار اور فنون لطیفہ سے تعلق رکھنے والے احباب نہ صرف شامل ہوئے بلکہ اس کے لیے پروگرام ترتیب دیتے اور ان میں خود شمولیت فرماتے ہیں ۔ آج اور کل کی آرٹس کونسل میں یہ فرق ظاہر ہے کہ اس میں ایک آرٹ گیلری محترم اے ۔ آر آفریدی کے نام پر موجود ہے، مولانا محمد حسین آزاد لائبریری، آڈیو وڈیو ریفرنس لائبریری بھی موجود ہے ۔ پھر ہر

ماہ" خبر نامہ" جو گزشتہ پانچ سال سے بلاناغہ شائع ہو رہا ہے جس میں کونسل کی تمام سرگرمیوں کی رپورٹ شامل ہوتی ہے۔یہی نہیں، اب اس کونسل میں ڈرامے کے ورکشاپ اور میوزک پروگرام، کتابوں کی آئے دن رونمائی اور بچوں کے مخصوص پروگرام منعقد ہو رہے ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ ان تمام امور کے انعقاد و وسعت کے پس پردہ ایک ایسا انسان ہے جو کسی سرکاری بندھن کی بنا پر ریڈیو پر وہ کچھ نہیں کر سکا جو اس آرٹس کونسل میں ہوتے ہوئے کر دکھایا۔یہ اس کی ذات کا کرشمہ ہے کہ اس نے گورننگ باڈی کی تنظیم و اتحاد و یگانیت کی روح قائم کی اور وہ سب اس شہر کے مکینوں کو مہیا کیا جو سنانے والے ریڈیو سے ممکن نہ ہو سکتا تھا۔یوں وہ آنکھ اور کان، دونوں کو محظوظ کرنے کا بندوبست کرنے میں کامیاب ہوا۔یاور مہدی نے نہ صرف گورننگ باڈی کو متحد رکھا بلکہ ہر سال اعتماد کا ووٹ اس گورننگ کے لیے ۲۲ سو ارکان کا الیکشن کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ان کی محنت اور لگن اور ٹیم ورک کی مکمل حوصلہ افزائی و تائید کا سبب ہے کہ الیکشن کے روز کی رونق میں چمکتے دمکتے جو چہرے نظر آتے ہیں، وہ اس پینل کے ہوتے ہیں جس کے لیے بھائی انیس زیدی نے کہا تھا کہ اس تمام جیت اور خوشی کے "آبابی" یاور مہدی ہیں۔یوں یاور مہدی سے دوستی کے رشتے کو استوار ہوئے پندرہ سال ہونے کو آئے ہیں۔اس عرصے میں دوستی نے کئی دورانیے دیکھے ہیں اور پھر یہ نہ ٹوٹنے والا رشتہ مضبوط ہی ہوتا گیا۔

یاور لکھنؤ کے سادات خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ لکھنؤ تہذیب کی چھاپ ان پر مکمل مسلط نظر آتی ہے۔زبان میں مزاح اور مٹھاس والی کھنک صرف لکھنوی تہذیب کا خاصہ ہے جو ان میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔

ان کے ایم۔اے سیاسیات کا کراچی یونی ورسٹی کا وہ دور تھا جب اس جامعہ کو بنے ابھی دس سال ہوئے تھے اور محنت اور لگن اس کا خاصہ تھی۔وہاں کلاسیں لگتی

تھیں تو لڑکے صرف پڑھائی کرتے تھے اور اساتذہ پڑھاتے تھے۔

یاور مہدی کے بقول اپنی مختلف جگہوں پر ملازمت کے بعد ایک خاص مشن لے کر ریڈیو سے وابستہ ہوئے اور پھر اس کے جس شعبے میں بھی رہے اور جس پروگرام کا بھی آغاز کیا، وہ ایک یادگار اور تاریخ بن گیا۔

لوگوں نے اردو کرکٹ کمنٹری ریڈیو پر سنی جس کا سہرا یاور ہی کے سر ہے۔ یہ بھی قوم کے لیے ایک اچھا تحفہ تھا جس نے نہ صرف قوم کو اپنی زبان دی بلکہ اس میں نئی تکنیک کی ابتدا بھی ہوئی۔

بچوں کے پروگرام ہوں یا طالب علموں کے، دانش کدہ ہو یا اردو بنگلا بول چال، اہم شخصیات کے انٹرویوز ہوں یا دستاویزی پروگرام.... یہ سب ان کی شناخت بن گئے تھے۔ یونی ورسٹی میگزین کا اردو اور انگریزی میں پروگرام "بزم طلبا" کے نام سے ان کی پہچان بن گیا۔ "شہر نامہ" جو "ریڈیو ویک" سے شہر نامہ بن کر آج بھی کراچی سے نشر ہوتا ہے۔ نہ جانے کتنے عنوان اور پروگرامز کا سہرا یاور بھائی کے سر جاتا ہے۔ یہی نہیں، کتنے شاعر اور جوہر آج ریڈیو پاکستان سے باہر پاکستان کی پہچان ہیں۔ تاجدار عادل ہوں یا فہمیدہ نسرین، محسن علی ہوں یا نصرت شاہین، ایوب خاور ہوں یا قاسم جلالی، شاہین انصاری ہوں یا اقبال حیدر، نصیر ترابی، پروین شاکر، جاذب قریشی، پیرزادہ قاسم، شاہد بخاری، اشرف شاد ہوں یا اردو مباحثے کے دوست محمد فیضی، جنید فاروقی، اسد اشرف ملک، انیس ہارون، کشور ناہید، منور ندیم، سید احمد یا پھر انگریزی مباحثے میں شاہد عزیز صدیقی، مظفر حسین شاہ، جاوید جبار.... یہ سبھی یاور بھائی کے متعارف کردہ حضرات ہیں۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی، بلکہ یہ بات بھی انھیں کی ذات کا خاصہ ہے کہ انھیں نے اس تلاش جوہر میں تمام کالجوں، جامعات کے پروگراموں، ڈراموں، موسیقی کے پروگراموں، خاکوں، مباحثوں اور مذاکروں میں شامل ہو کر انھیں ریڈیو پر لائے اور ایک پروگرام "جشن طلبا" کے نام

سے شروع کیا۔ اس کے سروے میں شکایات یہ رہیں کہ اس پروگرام سے لوگوں کے تمام اوقات بکار درہم برہم ہو گئے ہیں، کام کاج پر جانے والے اور صبح اسٹوڈنٹس اپنے اسکولوں، کالجوں میں وقت پر نہیں پہنچ پاتے، لیکن یہی پروگرام جو ڈھائی بجے رات تک جاری رہتا تھا، پاکستان کے درخشاں ستارے دریافت کرنے کا موجد بنا۔

یاور کی ذات بذاتِ خود ایک انجمن ہے۔ نہ انھیں کام میں وقت کا احساس رہتا ہے اور نہ تھکن کا۔ جسمانی و ذہنی ان تھک محنت کرتے ہیں، صاف ستھرے ذہن کے مالک ہیں۔ آپ انھیں اپنی پریشانی بتا دیں تو پھر وہ پریشانی آپ کی نہیں، ان کی ہو جاتی ہے۔

دعا گو ہوں کہ خدا انھیں نظرِ بد سے بچائے رکھے تاکہ وہ اپنا مشن ریڈیو اور آرٹس کونسل میں جاری رکھیں اور اس شہر کو ثقافتی سرگرمیوں سے محظوظ کرتے رہیں۔

میرے یاور بھائی

آغا مسعود حسین

یاور بھائی پر لکھنا بہت آسان بھی ہے اور مشکل بھی.... آسان اس لیے کہ ان کی شخصیت کے تمام پہلو عوام اور خواص کے سامنے ہیں۔ ان کی زندگی کا کوئی بھی رخ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق دوست یا دشمن نہ جانتے ہوں۔ ان کے متعلق لکھنا اس لیے مشکل ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی کے متعلق بہت کم بات کی ہے۔ بس وہ مسکراتے رہتے ہیں۔ بسا اوقات حاسدوں کے لیے ان کی مسکراہٹ بہت ہی گراں گزرتی ہے، کیونکہ اس قسم کے لوگ نہ تو خود خوش رہتے ہیں اور نہ دوسروں کو خوش دیکھ سکتے ہیں، لیکن ان ایسے لوگوں کی پروا نہیں ہے۔ ان کے بارے میں یہ لکھنا بالکل صداقت کے قریب ہے کہ وہ اب اپنی ذات میں ایک ادارہ بن چکے ہیں۔

یاور بھائی کی ریڈیو اور معاشرے سے متعلق اتنی خدمات ہیں کہ اس مختصر سے مضمون میں ان سب کا احاطہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے ۔ یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ انھوں نے جو بھی کام کیے ، ان کا بنیادی محور اور مقصد انسانوں کو فائدہ پہنچانا تھا ، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ریڈیو پاکستان کے ایک مقبول پروگرام "بزم طلبا" سے لے کر آرٹس کونسل تک ان کے چاہنے والوں کا ایک انبوہ ہے جنھوں نے ان سے سیکھا اور بعد میں دوسروں کو بھی سکھایا ۔ آج پاکستان ، خصوصاً کراچی اور بیرونی ممالک میں ایسے افراد آپ کو ہر قدم پر مل جائیں گے جن کی ذہنی و فکری تربیت یاور بھائی نے کی تھی اور جو آج اپنے شعبوں میں نمایاں مقام حاصل کر چکے ہیں ۔ اللہ نے یاور بھائی کو ان کی اپنی ہی زندگی میں جو عزت و شرف عطا کیا ہے ، وہ بہت کم لوگوں کے حصے میں دیکھنے میں آتا ہے ۔ یہ یاور مہدی بھائی کا خلوص اور انسان سے بے لوث محبت کا نتیجہ ہے کہ آج انھیں ہر طرف سے بے پناہ عزت اور محبت ملی ہے اور اس محبت نے ان کے سماجی کاموں کو نئی جہت عطا کی ہے اور حوصلوں کو بلند رکھا ہے ۔

یاور بھائی سے متعلق قارئین کو ، ان کے چاہنے والوں اور جاننے والوں کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ وہ تمام تر عظمت و بزرگی کے باوجود ایک انسان بھی ہیں جن میں بے شمار خوبیوں کے ساتھ ساتھ خامیاں بھی ہیں ۔ خوبیاں تو میں نے اوپر گنوا دی ہیں ، اب ذرا ان کی خامیوں سے متعلق کچھ بات ہو جائے ۔ خامیوں کی نشان دہی کرنے سے قبل یہ لکھنا ضروری ہے کہ ان کی یہ خامی ہر ذہین اور بڑے آدمی کی خامی ہے ، یعنی یاور بھائی زبردست قسم کے حسن پرست واقع ہوئے ہیں ۔ انھوں نے جوانی سے لے کر بڑھاپے تک (یعنی آج تک) بے شمار عشق کیے ہیں ۔ کچھ عشق مسکینانہ تھے ، یعنی یاور بھائی نے کسی خوب صورت خاتون کو دیکھا اور دل دے بیٹھے بالکل نام ور افسانہ نگار کرشن چندر کی طرح ، یعنی ۔ عشقوں میں آگ برابر کی لگی

ہوتی تھی ۔ لیکن ملاقات اور جگہ کا تعین نہ ہو سکنے کے سبب ناکام ہو گئے ۔ مگر ان عشقوں کے نشانات ان کے قلب و ذہن پر ابھی تک باقی ہیں ۔

یاور بھائی نے بعض عشق ایسے بھی کیے ہیں جن میں انھیں وصال بھی ملا لیکن معاشی حالات کے سبب دائمیت کے حصار میں نہ آ سکے ۔ بلکہ جب جیب میں پیسے نہیں رہے تو عشق بھی کہیں اور چلے گئے ۔ اس وقت جبکہ یاور بھائی جوانی کو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں اور بڑھاپے اور بزرگی نے بالوں پر چاندی اور چاندنی بکھیر دی ہے ، وہ عشق کے پیشے سے باز نہیں آئے ہیں اور بوڑھے شیر کی طرح غار کے سامنے بیٹھے کسی لومڑی کے ذریعے اپنے شکار کا بندوبست کر ہی لیتے ہیں ۔ ان کے بعض ناقدین کہتے ہیں کہ اس وقت تک تو یاور بھائی کے ہاتھ پاؤں چل رہے ہیں ، جب عمر ذرا اور مغرب کی طرف ڈھلے گی ، اس وقت عشق کی صورت کیا ہو گی ۔

عشق ہی کے سلسلے میں اپنے قارئین کو ایک اور بات بتاتا چلوں کہ یاور بھائی واحد بزرگ ہیں جن سے اس وقت بیک وقت دو خواتین عشق کر رہی ہیں ، اور جب وہ دونوں کے درمیان ہوتے ہیں تو اس وقت ان خواتین کی رقابت کا منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے ۔ بہرحال یاور بھائی خوش نصیب ہیں کہ انھیں اس بزرگی میں بھی عشق کرنے کی سعادت حاصل رہی ہے ، ورنہ اس عمر کے لوگ تو چلہ کشی کر کے دنیا کو خیر آباد کہہ دیتے ہیں لیکن یہ ان کی ہمت ہے کہ وہ ڈٹے ہوئے ہیں ۔ غالباً عشق کے معاملے میں ان کی ذہنی و فکری رشتے داری کرشن چندر سے ہوتی ہے جنھوں نے اپنی زندگی میں ہر اس عورت سے عشق جتانے کی کوشش کی جس نے مسکرا کر ان سے بات کی تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ سلمیٰ رشید نے شادی کے بعد ان سے پوچھا تھا کہ وہ ہر عورت پر کیوں عاشق ہو جاتے ہیں ۔ اس پر کرشن چندر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا ، " اگر میں عشق نہ کروں تو نہ تو ناول لکھ سکتا ہوں اور نہ زندگی ہی کو اعتدال کے ساتھ گزار سکتا ہوں " ۔ غالب نے بھی ایک ڈومنی کو دل دے کر یہ کہا

تھا کہ "عشق وہ آگ ہے جو لگائے نہ لگے، بجھائے نہ بجھے"۔ یاور بھائی کا بھی یہی استدلال ہے کہ زندگی کی دھوپ چھاؤں کے کھیل میں اگر کسی کو باہوش و حواس زندہ رہنا ہے تو عشق کو سہارا بنانا چاہیے تاکہ خوب صورت خیالات کی چاشنی میں دنیا کے غموں کو ماند کیا جاسکے۔

یاور بھائی ان تمام خامیوں کے باوجود ایک مہذب، علم دوست اور ایثار کرنے والے انسان ہیں۔ ان کی زندگی کا سب سے روشن اور نمایاں پہلو یہی ہے کہ وہ انسانوں کے ساتھ بھلائی، نیکی اور ایثار کو عبادت کا درجہ دیتے ہیں۔ اور جس کسی نے بھی انسانوں کے ساتھ اسی جذبے سے سلوک روا رکھا، وہ دنیا میں بھی کامیاب ہے اور آخرت میں بھی۔

پیغام

ظفر زیدی

"اہل کراچی جشن کمیٹی" جولائی، ۱۹۹۸ء میں شہر قائد کی ایک ممتاز اور ہردل عزیز شخصیت یاور مہدی کی طویل ثقافتی، ابلاغی اور تعلیمی خدمات کے اعتراف میں شہریوں کی جانب سے جشن کا اہتمام اور موقع کی مناسبت سے ایک کتاب بھی شائع کر رہی ہے۔ مجھے بے حد خوشی ہے کہ اس زمانے میں بھی جہاں لوگوں کی اکثریت خود پرستی، خود پسندی اور خود غرضی کا شکار ہو کر صرف اپنی ذات میں مگن ہو، وہاں بعض لوگوں کی سماجی و معاشرتی خدمات کا برملا اعتراف کرنے کا گہرا شعور اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارا معاشرہ ابھی مکمل بے حسی کا شکار نہیں ہوا ہے، اسے اجتماعی کوششوں کے ذریعے بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ میں "جشن کمیٹی" کے معزز ارکان کو اس بلند اخلاقی خدمت پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے عرض کرنا چاہوں گا کہ علم انسان کی ایک ناگزیر ضرورت ہے جو اسے باقی رکھے ہوئے ہے، اور مشیت الہیٰ بھی

ہے کہ وہ علم و آگہی کے ذریعے خود کو خلقی حیوانی سطح سے بلند رکھے اور انسانیت کی سطح پر سرگرمِ عمل ہو کر اپنے مقصدِ تخلیق کا اثبات کرے۔ مجھے خوشی ہے کہ جامعۂ کراچی اپنا یہ اساسی فرض ادا کرنے میں ناکام نہیں ہوئی۔ "جشن کمیٹی" کے ارکان کی اکثریت جامعۂ کراچی کے قدیم طلبا پر مشتمل ہے اور سید یاور مہدی بھی اسی مادرِ علمی کے ایک قابلِ فخر فرزند ہیں جو کبھی اپنے اس مقصدِ حیات سے غافل نہیں ہوئے جس کا شعور انھیں جامعۂ کراچی نے بخشا تھا۔

یاور مہدی نے ریڈیو پاکستان اور آرٹس کونسل، کراچی میں سرگرمِ عمل رہ کر معاشرے کی فکری، شعوری، تعلیمی، ثقافتی اور ابلاغی خدمات انجام دی ہیں، بہت سے باصلاحیت افراد کی مفید صلاحیتوں کو اجاگر کیا، ان کی ذہنی اور روحانی تربیت کی اور معاشرے کی خدمت پر آمادہ کیا۔ ایسا انسان جس نے محدود انسانی وسائل اور اپنی ذاتی مشکلات کے باوجود اپنے فکر و عمل سے قوم و ملک کے دانش ورانہ افلاس کو دور کرنے کے لیے کامیاب جدوجہد کی ہو، اس لائق ہے کہ اس کی دل سے تکریم کی جائے۔ اگرچہ ہماری زبانی تعریف و تحسین اس کے جذبۂ ایثار و قربانی کا بدل نہیں ہو سکتی، تاہم یہ اچھا طرزِ عمل معاشرے کے ان افراد میں امنگ پیدا کرنے کا باعث ہوگا جو خلوص کے ساتھ انسانیت کی خدمت میں مصروف ہیں۔

میں توقع کرتا ہوں کہ "جشن کمیٹی" یاور مہدی جیسے دیگر مشاہیر کی خدمات کے اعتراف کے لیے بھی ایسے اچھے اقدام کرے گی۔ میں اس حسنِ کارکردگی پر جامعۂ کراچی کے ان بیٹوں اور بیٹیوں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں جو اپنے اچھے کردار و عمل سے مادرِ علمی کا نام روشن کر رہے ہیں اور اپنے نوجوان زیرِ تعلیم ساتھیوں کے لیے اعلیٰ اقدار و روایات چھوڑ رہے ہیں۔ میری دعا ہے کہ "جشن کمیٹی" اور یاور مہدی کے لیے یہ تقریب خوش آئند اور بابرکت ثابت ہو اور ایسا حوصلہ افزا اقدام بھی جس کا ہم اتباع کرنے میں فخر محسوس کریں۔

بے لوث خدمت گار

مہتاب اکبر راشدی

ملازمت تو بہت سے لوگ کرتے ہیں، کئی اداروں سے وابستہ رہتے ہیں، لیکن بہت کم ملازمتیں، عہدے اور ادارے ایسے ہوتے ہیں جو کسی فرد کی وجہ سے پہچانے بھی جاتے ہیں یا پھر ان کی موجودگی اس ادارے یا عہدے کی اہمیت بڑھا دیتی ہے۔

ریڈیو پاکستان یوں تو ایک بہت بڑا ادارہ ہے جس نے کئی ناموں اور شخصیات کو متعارف کرایا اور شہرت دی، لیکن ریڈیو پاکستان کو نام و نمود، اعتبار اور اعتماد والے ادارے میں بدلنے والے کچھ ناموں میں ایک نام نامی یاور مہدی کا ہے، کہ محض ان کا نام لینے سے ہی ریڈیو پاکستان یاد آجاتا ہے۔ کرنے کو تو آدمی کہیں بھی، کوئی سا بھی کام کر کے وقت گزار سکتا ہے بلکہ کام نہ کرے تو بھی وقت تو گزر ہی جاتا ہے، لیکن یاور مہدی نے ریڈیو پاکستان کے ساتھ عرصۂ وابستگی میں جس طرح اپنے فرض کو عشق کی طرح نبھایا، ایسی وارفتگی اور لگن کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

آج جب یاور مہدی ملازمت سے پابندیٔ مہ و سال مکمل کر کے ریٹائر ہو رہے ہیں تو ایک رسم تو گویا پوری ہو رہی ہے، لیکن ریڈیو پاکستان سے ان وابستگی کی تین دہائیوں پر محیط عشق کی داستان ریڈیو کی دیواروں، گوشوں، کونوں، کھدروں، ہواؤں، فضاؤں اور ٹیپوں میں بند آوازوں میں اس طرح قید ہو گئی ہے کہ رسمی یا غیر رسمی، کسی کارروائی کے باوجود اس کا آزاد ہونا ممکن نہیں۔

دنیا کا دستور ہے کہ لوگ آتے ہیں اور اپنا مقرر وقت گزار کر چلے بھی جاتے ہیں کہ کائنات کی خوب صورتی اور تنوع شاید اسی میں پنہاں ہے، لیکن بعض جانے

والے اپنے نقوش ایسے گہرے چھوڑ جاتے ہیں کہ انھیں نظر انداز کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ۔ یاور مہدی ایسی ہی شخصیت ہیں ، آواز کی دنیا کے ایسے ہی بے لوث خدمت گار رہے ہیں ۔ ان کا ریٹائر ہو جانا خود انھیں تو شاید اچھا لگتا ہو ، لیکن ریڈیو پاکستان اپنے ایک بڑے معتبر کار کن اور افسر کو الوداع کہتے ہوئے بہت اداس ہو گا ۔

ہماری دعائیں یاور مہدی صاحب کے ساتھ ہیں ۔ اللہ انھیں صحت و تن درستی اور عمرِ دراز عطا کرے اور وہ جہاں رہیں ، خوش رہیں!

ملکۂ بلتستانی نے کہا

(رپورٹ : محمود حسن)

یاور مہدی صاحب میرے بڑے بھائی رضا انصاری صاحب مرحوم کے بڑے اچھے دوستوں میں سے ہیں ۔ میرے بھائی جان کے حوالے سے ہی میری پہلی ملاقات یاور مہدی سے ہوئی ۔ میں نے انھیں ہمیشہ بڑا بھائی تصور کیا ۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں کہ میں ان کی تعریف کروں ، بالکل بڑے بھائی کی طرح ہیں ۔ اگر کسی تقریب میں وہ نظر آجائیں تو میری خواہش ہوتی ہے کہ میں پہلے انھیں سلام کروں ، مگر وہ ہمیشہ سلام و دعا میں پہل کر دیتے ہیں ۔ یہ ان کی عظمت ہے ۔

آرٹس کونسل میں ، میں نے کئی پروگراموں میں شرکت کی ۔ یاور بھائی اتنے پیار سے بلاتے ہیں کہ میں ہمیشہ ان کے پروگرام میں جاتی ہوں ۔ اردو ادب ، ریڈیو اور آرٹس کونسل کے حوالے سے ان کی اتنی زیادہ خدمات ہیں کہ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی ۔ پاکستان میں جہاں جہاں اردو بولی جاتی ہے ، وہاں وہاں یاور بھائی پہچانے جاتے ہیں ۔ یہ ان کی بڑی کامیابی ہے ۔ بیرونی ممالک میں بھی انھیں پہچانا جاتا ہے اور پسند کیا جاتا ہے ۔

ہم مسلک و ہم مشرب

maablib.org

maablib.org

عبدالخالق اعوان

(سابق ڈائرکٹر جنرل، ریڈیو پاکستان)

جناب یاور مہدی ریڈیو پاکستان کی ملازمت سے ریٹائر ہو رہے ہیں۔ یہ بات میرے لیے قابلِ قبول نہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ سرِفہرست یہ وجہ ہے کہ وہ اس ادارے کے روح و رواں ہیں، اس کی آبیاری، ترویج و ترقی میں ان کی نمایاں خدمات ہیں۔ یہ بات صرف میں ہی نہیں کہتا، بلکہ ریڈیو پاکستان کے جملہ کارکن بھی ان کے لیے ایسے ہی خیالات رکھتے ہیں۔ اس گلشن میں جب کبھی بہار آئے گی، اپنے اس نام ور ساتھی کو خراجِ عقیدت پیش کرتی رہے گی۔

یاور مہدی صاحب ریڈیو میں چھتیس سال گزار کر رخصت ہو رہے ہیں۔ اتنا لمبا عرصہ اور اتنی خوش گوار یادیں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہیں۔ وہ خوب صورت سیاہ بالوں کے ساتھ ریڈیو میں داخل ہوئے تھے۔ محنت، لگن اور بے لوث خدمت سے انھوں نے اس ادارے کی سربلندی کے لیے اپنی ساری جوانی قربان کردی۔ آج وہ اسی تجربے کی وجہ سے ایک منفرد سرخ روئی کے ساتھ رخصت ہو رہے ہیں، اور اس تمام تجربے کی تمازت نے ان کے بالوں کو سفید کردیا ہے۔ انھوں نے ریڈیو کے اہم ترین شعبے، یعنی حالاتِ حاضرہ پروگرام میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے اور خود کو منوایا، تعلقاتِ عامہ کے پروگراموں کے معیار کو بلندی پر پہنچایا یہ سہرا صرف اور صرف یاور مہدی کے سر ہے کہ کراچی کے نوجوانوں کی خفیہ صلاحیتوں کو ریڈیو کے مختلف پروگراموں کے ذریعے بروئے کار لایا جاسکا اور اس طرح نئی نسل کی عمدہ تربیت ممکن ہوئی۔ یاور مہدی صاحب اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے مالک ہیں اور اپنے ساتھیوں میں اپنی ہر دل عزیزی کی وجہ سے مقبول ہیں۔

ریڈیو پاکستان کے ساتھ میری وابستگی کوئی سات سال رہی ۔ اس دوران مجھے اس ادارے کی سربراہی کا بھی موقع ملا ۔ مجھے خوشی ہے کہ آج یاور مہدی صاحب ایک کامیاب اور نیک نام کارکن کی حیثیت سے اس ادارے سے رخصت ہو رہے ہیں ۔ امید ہے کہ یہ نیک نامی ریٹائرمنٹ کے بعد بھی ان کے نام کے ساتھ رہے گی میری تمنا ہے کہ یاور مہدی صاحب خوش و خرم رہیں اور دعا ہے کہ اللہ ان کا حامی و ناصر ہو ۔ آمین!

یاور مہدی

آغا ناصر

(سابق ڈائرکٹر جنرل، ریڈیو پاکستان)

ایک اچھے ریڈیو اور ٹیلی وژن پروڈیوسر میں جن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے ، ان میں commitment ، leadership ، patience اور observation سب سے زیادہ اہم ہیں ۔ میرے نزدیک کوئی کتنا ہی ذہین اور پڑھا لکھا انسان ہو ، اگر اس میں یہ خصوصیات نہ ہوں تو وہ ایک کامیاب پروڈیوسر یا براڈکاسٹر نہیں بن سکتا ۔

برادرم یاور مہدی مذکورۂ بالا ساری خصوصیات کے حامل ہیں ۔ ریڈیو پاکستان سے اپنی پینتیس سالہ وابستگی میں انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ہر لحاظ سے ایک کامیاب براڈکاسٹر ہیں ۔ انھیں اپنے پیشہ سے والہانہ محبت ہے ، ان میں اپنے ساتھ کام کرنے والوں اور نئے فن کاروں کی رہنمائی کرنے کی بھرپور صلاحیت ہے ، خود پر تنقید برداشت کرنے کا حوصلہ ہے اور ماحول اور حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے نت نئے پروگرام تخلیق کرنے کا بے پناہ جذبہ ہے ۔ یہی سبب ہے کہ ریڈیو پاکستان کے جس شعبے سے بھی وابستہ رہے خواہ وہ تعلیمی پروگرام ہوں ، حالاتِ حاضرہ کے

پروگرام ہوں ، نوجوانوں اور طالب علموں کے پروگرام ہوں ، سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں کے پروگرام ہوں ، ادبی پروگرام ہوں ، موسیقی کے پروگرام ہوں ، مشاعرے ہوں یا "آہنگ" کی ادارت ہو، انھوں نے ہمیشہ اپنی ذمے داریوں کو بڑی کامیابی سے نبھایا اور ہر شعبے میں نام پیدا کیا۔

یاور مہدی سے میری ملاقات ۱۹۶۲ - ۶۳ء میں ہوئی جب وہ نئے نئے ریڈیو پاکستان ، کراچی میں بحیثیت پروڈیوسر ملازم ہوئے۔ مجھے زیادہ عرصے ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع نہیں ملا کیونکہ کچھ ہی عرصے بعد میں ریڈیو چھوڑ کر ٹیلی وژن میں آگیا، مگر اس مختصر عرصے میں انھوں نے مجھ سے اتنی قربت حاصل کر لی جو بے شمار ایسے لوگوں سے کہیں زیادہ تھی جو ایک عرصے میرے ساتھ کام کرتے رہے۔ انھوں نے صرف ایک منصوبے پر میرے ساتھ کام کیا اور وہ تھا ریڈیو پاکستان، کراچی کا پہلا "جشن طلبا"۔ طالب علموں کے اس جشن کی کامیابی میں، جو بعد میں ایک تاریخی حیثیت اختیار کر گیا، یاور مہدی نے جس لگن، محنت اور جذبے سے کام کیا، میں اس سے بے حد متاثر ہوا۔ مجھے اسی وقت اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ یہ دبلا پتلا، دراز قد گورے رنگ اور تیکھے خدوخال کا نوجوان ایک دن ریڈیو کی دنیا میں بڑا نام پیدا کرے گا۔ میرا خیال غلط نہیں تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یاور مہدی ریڈیو کی ایک مقبول شخصیت بن گئے۔ ایک کامیاب براڈکاسٹر کی طرح انھوں نے اپنی مصروفیات کو صرف ریڈیو کی نشریات تک محدود نہیں رکھا بلکہ شہر کے ثقافتی اور ادبی حلقوں میں بھی ان کا نام بڑی اہمیت حاصل کر گیا۔ آج یاور مہدی صرف ریڈیو پاکستان ہی کے حوالے سے نہیں پہچانے جاتے، بلکہ کراچی شہر کی معروف ثقافتی شخصیات میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ وہ ایک نہایت باخبر اور باحوصلہ انسان ہیں۔ باخبر اس طرح کہ ان کو اپنے اردگرد کے حالات کا اتنا زیادہ علم ہوتا ہے کہ جو عام طور پر ممکن نہیں، اور باحوصلہ اس طرح کہ وہ انتہائی مشکل اور کٹھن چیلنج کو بھی قبول کر لیتے ہیں اور ہمیشہ

کامیاب و سرفراز رہتے ہیں۔

یاور مہدی ایک بھرپور، معروف اور باعزت پیشہ ورانہ زندگی گزارنے کے بعد ریڈیو پاکستان کی ملازمت سے سبک دوش ہو رہے ہیں۔ میری دعائیں ان کے ساتھ ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ آنے والے دنوں میں بھی اپنی سرگرمیاں اسی توانائی اور لگن کے ساتھ جاری رکھیں گے جو ان کے کردار کا حصہ ہیں۔

برگد کا درخت

عبدالستار

(اسٹیشن ڈائرکٹر ریڈیو پاکستان، فیصل آباد)

جب میں نے ہوش کی آنکھ کھولی تو مجھے اپنے گاؤں کے وسط میں قدیم برگد کا درخت جس کی شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں، بہت اچھا لگا۔ گرمی کے دنوں میں اس درخت کے نیچے خوب رونق ہوتی۔ لڑکے بالے، عورتیں، مرد اور بوڑھے، سبھی اس کے سائے تلے دوپہر بسر کرتے۔ اس برگد کے درخت کی جڑیں زمین میں پیوست ہو کر اس کے تنے کا جزو لاینفک بن چکی تھیں، لیکن اس گاؤں کے لوگ بھی اس برگد کا حصہ بن چکے تھے، کیونکہ وہ اس کے بغیر زندگی بسر کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ یہ برگد کا درخت ان کا بلکہ ان کے بزرگوں کا بھی ساتھی تھا جو ان بزرگوں کی طرح ان پر سایہ کناں تھا۔

ماہ و سال کا سفر طے کرتے ہوئے جب تعلیمی مرحلے سے فارغ ہو کر ملازمت میں آیا اور میری پوسٹنگ ۱۹۷۴ء میں کراچی ریڈیو اسٹیشن پر ہوئی تو وہاں بھی ایک برگد کا درخت دیکھا۔ کراچی اسٹیشن کے بڑے بڑے نام ور، معروف اور مقبول فن کاروں کو برگد تلے کھڑے باتیں کرتے، قہقہے لگاتے، جملے کستے اور فن کی

باریکیوں پر گفتگو کرتے دیکھا اور سنا تو مجھے اپنے گاؤں کے برگد کا درخت یاد آگیا اور میں ماضی کے دل کش دھندلکوں میں کھو گیا۔ ریڈیو پاکستان، کراچی کے اس برگد کے درخت کے نیچے میں نے ایک اور برگد دیکھا، ان سے ملا تو مجھے اپنے گاؤں کے برگد کے درخت سے بہت مشابہ لگا۔ یہ شہرِ کراچی کا برگد ہے، اللہ اسے عمرِ خضر عطا کرے! اس کا سایہ پورے شہر کے فن کاروں، صداکاروں، ادیبوں اور شاعروں پر ہے اس کے سائے تلے ان گنت، بے شمار مبتدیوں نے فن کے رموز سیکھے، پلے بڑھے اور معروف و نام ور اناؤنسر، کمپیئر، مقرر اور تخلیق کار بن کر نکلے۔ یہ برگد میرے گاؤں کے برگد کی طرح بڑا شفیق اور مہربان بھی ہے۔ جو بھی آئے، اس کے لیے دیدہ و دل واہیں، اس کی تربیت، رہبری اور رہ نمائی کے لیے ہمہ وقت تیار اور اپنی محبت بھری گفتگو اور حسنِ سلوک سے گرویدہ کرنے کے لیے مستعد۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ برگد کا درخت ہمارے سینئر ساتھی قبلہ یاور مہدی صاحب ہیں۔

یاور مہدی بڑی متنوع صفات کے مالک ہیں۔ ان میں بعض ایسی نایاب خوبیاں پائی جاتی ہیں جن کا پتا حد درجہ قربت رکھنے والے شخص کو بھی نہیں چلتا، کیونکہ ان کی شخصیت نہایت نادرہ اور مجموعۂ خصائل ہے۔ ان کا شمار اللہ عزوجل کی نشانیوں میں سے کیا جاسکتا ہے جو باعثِ تکریم ہوتی ہیں اور اپنی مثال آپ بھی۔

یاور مہدی صاحب سے میرا تعارف ۱۹۷۲ء میں ہوا جب میرا تبادلہ راولپنڈی سے کراچی اسٹیشن ہوا۔ یہ وہ نام تھا جس کا ڈنکا کراچی کے اسٹیشن اور شہر، دونوں میں خوب بج رہا تھا، اس شخصیت کو دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔ تعارف و سلام دعا ہوئی مگر میں قطعی طور پر متاثر نہ ہوا، شاید اس وجہ سے کہ ذہن میں غائبانہ تعارف اور بے پناہ شہرت کے حوالے سے کچھ اور ہی تصور تھا۔ خیر، پھر چونکہ میرا قیام کراچی میں مسلسل چھ سال رہا، لہٰذا یاور مہدی صاحب کی دل کش شخصیت کے پرت کھلتے گئے پنہاں صلاحیتوں کے مظاہرے دیکھے، P.R. کے کرشمے ملاحظہ کیے، ہر دل عزیزی اور

مقبولیت کی کرامات دیکھیں، انکسار اور تواضع کی بہاریں دیکھیں تو واقعی جیسا سنا تھا، ویسا ہی پایا لیکن میرا ان سے تعلق ہنوز روزِ اول کا سا رہا۔ بہر کیف جب ملے، خندہ روئی سے ملے مسکراہٹ سے، چاہت سے، لیکن میں سینیارٹی کی باریک اور نازک حد کو نہ پھلانگ سکا اور پاسِ ادب واحترام سے فاصلے پر ہی رہا اور کچھ اس میں میری فطری کم آمیزی کا بھی دخل تھا، مگر میں اس بے پناہ شخصیت کے سحر میں گرفتار ضرور رہا۔

ریڈیو ایک ایسا ادارہ ہے جس کی پہچان اور شناخت ایسی ہی قابلِ فخر، اہلِ علم اور اہلِ فن شخصیات کی بدولت آج تک قائم ہے۔ یاور مہدی نے ریڈیو کو بہت کچھ دیا اسے فن کار دیے، عزت دی، وقار دیا، شہرت دی، بلکہ اپنی پوری زندگی دے دی اور یوں خود اس کی پہچان بن گئے۔

یاور مہدی دھیمے مزاج کے آدمی ہیں، لیکن اپنے منصوبوں کی تکمیل میں بے پناہ عزم وہمت، لگن، محنت و تن دہی کا مظاہر کرتے ہیں۔ ادیب بھی ہیں لیکن ادیب گر زیادہ ہیں، ایک بہترین تخلیق کار اور استاد ہیں جنھوں نے بے شمار لوگوں کی تربیت کی اور ریڈیو پر متعارف کروایا۔ ان کے شاگردوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ان کے تذکرے عرصۂ دراز تک زبان زدِ خاص و عام رہیں گے۔ اللہ عزوجل انھیں خوش رکھے!

یاور.... ایک فرد، ایک انجمن

مرزا عقیل اشرف

(سابق اسٹیشن ڈائرکٹر، ریڈیو پاکستان)

بیٹی کے لیے جب "بر" تلاش کیا جاتا ہے تو تین چیزیں ضرور دیکھی جاتی ہیں:

ایک .... وہ جو وہ ہوتا ہے

دو.... وہ جیسا ہم اسے چاہتے ہیں

اور تین .... وہ جو وہ شادی کے بعد بن جاتا ہے

براڈ کاسٹنگ میں جب جب "بر" (پروڈیوسر) کی تلاش ہوتی ہے تو اس کا اشتہار پڑھ کر (آپ نے بھی پڑھا ہوگا) ایسا لگتا ہے جیسے کسی ارسطو اور افلاطون کی ضرورت ہے۔ ہمارے وقتوں میں یہ "بر" کا انتخاب ہر سال ہوتا تھا۔ گئے برسوں آج سے اڑتیس سال پہلے ایسے ہی ایک "بر" دکھوے میں یاور مہدی کا انتخاب بحیثیت پروڈیوسر ہوا اور خوب ہوا۔ ادھر بیان کیے گئے تینوں اصولوں پر ہر طرح سے پورا اترنے والا یاور مہدی اب ایک کامیاب پروڈیوسر، ذہین منتظم اور ایک پرفیکٹ پبلک ریلیشن مین ہے۔

"بزم طلبا" اور "جشن طلبا" سے ایک دم راتوں رات شہرت کی بلندیوں پر پہنچنے والا یہ ان تھک شخص ریڈیو کی تاریخ کا اہم حصہ ہے۔ یاور نہ شاعر ہے نہ ادیب، نہ صداکار نہ اداکار لیکن وہ بادشاہ گر ہے۔ اس نے خوش بخت اور محمد نقی (ایس۔ ڈی بہاولپور) جیسے کمپیئر اور نیلوفر عباسی جیسی فن کارہ دریافت کی جن کا اب کوئی بدل نہیں اور دوسرے بہت سے۔ ادب کے حوالے سے بھی اس کا حلقہ بہت وسیع ہے۔

"بہار" کا صحیح لطف لینے کے لیے "اہتمام بہار" ضروری ہوتا ہے اور یاور مہدی "اہتمام بہار" کا اکسپرٹ ہے۔ اس کے منائے ہوئے جشن طلبا اور دوسرے جشن ریڈیو کی تاریخ کا سنہری باب ہیں۔ بعض موقعوں پر تو اس کے جشن طلبا نے ملک کی سیاسی ہلچل میں اپنا کردار ادا کیا (چینی پر چار آنے بڑھے، ایوب خان کے خلاف تحریک چلی، شہر میں ہنگامے ہوئے، اس نے جشن طلبا شروع کردیا۔ تمام توجہ ادھر ہوگئی، ہنگامے ختم)۔

یونی ورسٹی سے لے کر اب تک یاور مہدی اکسٹرا کری کولر ایکٹویٹی کا نہ

صرف شوقین ہے بلکہ ماہر ہے۔ اس کی مثال اس کی آرٹس کونسل، کراچی سے وابستگی ہے۔ برسوں سے اس نے اس سوئے ہوئے ادارے کو ثقافتی مرکز بنادیا۔ پس پردہ رہ کر وہ کام کرنا جانتا ہے۔ ایک سال میں ۳۶۵ سے زیادہ فنکشن کرانا، بیمار ہونے کے باوجود ہر جگہ موجود، ہر جگہ نمایاں مگر نہ صلے کی تمنا، نہ ستائش کی خواہش وہ ان تھک آدمی ہے۔ مجھے یاد ہے ہم شعبہ موسیقی میں تھے۔ ظفر حسین جیسے شفیق اور ملنسار اسٹیشن ڈائرکٹر تھے۔ یاور ان دنوں O.B سیکشن میں تھے۔ کراچی کی ساری تقریبات کی کوریج ان کی ذمے داری تھی۔ رات گئے تک کام ہوتا تھا۔ رات کو ایک بجے گاڑی یاور کو گھر چھوڑ کر آئی (یہاں یاور کی صابر اور شاکر بیوی کے صبر کی داد بھی دینی پڑتی ہے۔ بخدا! کس صبر سے اس نے یاور کے آؤٹ ڈور رہنے کو برداشت کیا ہوگا) ۔ ڈھائی بجے رات کو پھر گاڑی یاور کے گھر گئی۔ بیل بجی .... "خیرت؟" "ایس۔ ڈی صاحب نے بولا ہے کہ ایئر پورٹ پر ساڑھے ۳ بجے دلیپ کمار صاحب ایک گھنٹے کے لیے ٹھہریں گے۔ ان کا انٹرویو ....." بیگم یاور بولیں، "ابھی تو آئے ہیں کسی اور کو ہی بھیج دیتے"۔ مگر کسی اور کا یہ کام نہ تھا۔ یاور صبح ۵ بجے تک پھر ایئر پورٹ پر تھے۔

یہ تھا اس ان تھک آدمی کا ڈیلی روٹین اور وہ بھی برسوں۔ ہم اب بوڑھے ہوگئے ہیں، ریٹائر ہوگئے ہیں یا ہونے والے ہیں، لیکن یاور مہدی کبھی بوڑھا نہ ہوگا، کبھی ریٹائر نہ ہوگا، کیونکہ وہ میڈیا کا آدمی ہے، شوبز کا آدمی ہے اور شوبز اور میڈیا کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔

maablib.org

رفقائے کار میں بے حد مقبول

قاضی احمد سعید

(سابق ڈائرکٹر جنرل، پی۔ بی۔ سی)

یاور مہدی صاحب ریڈیو پاکستان کے عظیم نشریاتی ادارے سے ۱۹۶۲ء میں پروڈیوسر کی حیثیت سے وابستہ ہوئے اور آج چھتیس برس کی شان دار کارکردگی کے بعد بطور ڈپٹی کنٹرولر سنٹرل پروڈکشن سبک دوش ہو رہے ہیں۔ اس عرصے میں انھوں نے پروگراموں کے مختلف شعبوں میں کام کیا اور کئی شعبوں کے سربراہ بھی رہے۔ میں نے یاور مہدی صاحب کو ہمیشہ ذہین، مستعد، قابلِ اعتماد، باتدبیر اور ہر شخص کے کام آنے والے اور اپنے کام میں ماہر پایا۔ وہ اپنے حسن کارکردگی، جاذب شخصیت اور خوش خلقی کے باعث اپنے رفقائے کار میں بھی بے حد مقبول رہے ہیں اور عوام میں بھی۔

میری دعا ہے کہ اللہ کریم انھیں آئندہ زندگی میں بھی ہمیشہ صحت مند، کامیاب اور خوش حال رکھے۔ آمین!

یاور مہدی

ریڈیو پاکستان کی مقبول اور محبوب شخصیت

ظہیر حسن

(ریٹائرڈ ڈپٹی کنٹرولر پروگرامز، ریڈیو پاکستان ہیڈ کوارٹرز)

کچھ لوگ اتنی ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی کے بارے میں قلم اٹھانا جتنا آسان نظر آتا ہے، اتنا ہی مشکل بھی۔ آسان اس لیے کہ ان

کی شخصیت کے جس پہلو پر نظر دوڑائی جائے، وہ بھرپور زندگی کا نمونہ پیش کرتی ہے، اور مشکل اس لیے کہ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ زندگی کے کس پہلو پر روشنی ڈالی جائے اور کس کو چھوڑا جائے۔ اگر پوری شخصیت کا احاطہ کرتے ہیں تو ایک ضخیم کتاب بن جانے کے باوجود تشنگی کا احساس باقی رہتا ہے۔

یاور مہدی صاحب جو ریڈیو کے حوالے سے مجھ سے عمر میں کم ہونے کے باوجود ایک ہمدرد اور پرخلوص ساتھی ہیں، وہ پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں ہردل عزیز شخصیت کے مالک ہیں۔ خاموش طبع لیکن بامقصد گفتگو کے حامی، منافقت اور دوسروں کی ایذا رسانی سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ بردبار لیکن سادہ مزاجی کے علم بردار، ایمان دار، "پرخلوص اور ہمدردانہ رویہ رکھنے والے"، ہر طرح کے تعصب سے پاک، ادبی خدمات کی وجہ سے ادبی حلقوں میں بہت مانوس، تعلیمی، ثقافتی اور سماجی خدمات کی وجہ سے جوانوں اور بزرگوں میں یکساں مقبول، یہی وجہ ہے کہ ان کی خوبیوں کا احاطہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔

لکھنؤ یونی ورسٹی سے یاور مہدی صاحب نے گریجویشن کیا اور پھر پاکستان آگئے جہاں کراچی میں اپنے قیام کے دوران مالی مشکلات او دشوار گزار مسائل سے دو چار رہے، نوکری کی تلاش میں سڑکیں ناپیں جب کہیں کلرکی کی جاب نصیب ہوئی۔ گھر کی ضروریات پھر بھی پوری نہ ہو سکیں۔ کلرکی اور پڑھائی کے ساتھ ساتھ ٹیوشن بھی پڑھائے تاکہ اپنے بزرگ والدین کی خدمت اور تیمارداری اور چھوٹے بھائی بہنوں کی کفالت کرسکیں۔ پرآشوب وقت گزارا لیکن ہمت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا ساتھ ہی ساتھ اپنے بہتر مستقبل کی فکر بھی دامن گیر رہی۔ آخر کار یونی ورسٹی سے پولٹیکل سائنس میں ایم۔اے کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

یاور مہدی صاحب جو کراچی کے ادبی، ثقافتی اور سماجی حلقوں کی جان ہیں، انھوں نے شعبہ ہائے زندگی میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام حاصل کرلیا ہے۔ انھوں

نے کبھی بھی یہاں کی مالی مشکلات اور دشواریوں سے شرمساری محسوس نہیں کی بلکہ ان کا اظہار بہانگ دہل کیا۔ یہ ان کی عظمت کی نشانی ہے، ورنہ ڈینگیں مارنا تو اب ایک فیشن بن گیا ہے۔ کوڑے کرکٹ میں پوشیدہ ہیرا دیر یا بدیر اپنی چمک سے ضرور دوسروں کو اپنی طرف مائل کرلیتا ہے۔یہی حال یاور مہدی صاحب کا رہا اور آخر کار وہ اپنا لوہا منوا کر رہے۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب وہ بہتر روزگار کی تلاش میں نکلے تو اتفاقاً انٹرویو کے لیے تین جگہوں سے کال لیٹر ملے، تینوں اداروں کے انٹرویوز میں کامیابی حاصل کی حالانکہ سفارش کوئی نہیں تھی۔ ریڈیو کی پروڈیوسر شپ کو کالج کی لکچرر شپ پر ترجیح دی اور وقت نے بھی ثابت کردیا کہ اس جاب کے انتخاب میں صحیح فیصلہ کیا تھا کیونکہ قیام پاکستان سے اب تک نو تعلیمی پالیسیاں آچکی ہیں اور اب خدا سے دعا ہے کہ موجودہ حکومت کی تعلیمی پالیسی کامیاب ثابت ہو۔ تعلیم جو ملک و قوم کے نوجوانوں کے لیے ترقی کا زینہ تصور کی جاتی ہے، اس پر ہماری کم ہی توجہ رہی ہے۔ میرے خیال میں اسی وجہ سے یاور مہدی نے لکچرر شپ کے مقابلے میں ریڈیو پاکستان میں بطور پروڈیوسر کام کرنے کو زیادہ ترجیح دی۔ ریڈیو پاکستان جو اس وقت ایک سرکاری ادارہ تھا، اس کا مقصد بھی اپنے سامعین کو ایجوکیٹ کرنا، انفارم کرنا اور انٹرٹین کرنا تھا اور اب بھی یہی مقاصد ہیں۔ یہ کام آسان تو نہیں البتہ دلچسپ ضرور ہے۔ اپنی محنت کی وجہ سے یاور مہدی صاحب سیلف میڈ کہے جانے کے مستحق ہیں۔

یاور مہدی صاحب نے تحریری امتحان اور انٹرویو میں کامیابی کے بعد ۱۹ مئی، ۱۹۶۲ء سے ریڈیو پاکستان، کراچی سے پروگرام پروڈیوسر کی حیثیت سے اپنی پسندیدہ ملازمت کا آغاز کیا۔ اس زمانے میں ریڈیو پاکستان کے شعبۂ پروگرام میں بطور پروڈیوسر کامیابی حاصل کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ادب، ڈرامے یا موسیقی کے کسی

شعبے میں نہ صرف دلچسپی بلکہ کسی حد تک مہارت رکھنا انتخاب کے لیے بنیادی ضرورت سمجھی جاتی تھی ۔ ریڈیو پاکستان ایک ایسا ادارہ تھا جس سے ملک کے نامی گرامی اشخاص کسی نہ کسی صورت اس سے وابستہ ضرور رہے ہیں ۔ ریڈیو کی کینٹین میں کبھی پروڈیوسر کے ساتھ چائے پی لینا ہی باہر کے لوگوں کے لیے باعثِ فخر ہوا کرتا تھا ۔

ریڈیو پاکستان (پی ۔ بی ۔ سی) کے ایک ریٹائرڈ پروگرامر ہونے کے ناتے میں یاور مہدی صاحب کی ریڈیو پاکستان میں کارکردگی کے حوالے سے ہی زیادہ بات کروں گا ۔ وہ کراچی ریڈیو اسٹیشن کے علاوہ کوئٹہ اور خضدار کے ریڈیو اسٹیشنوں پر بھی اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دے چکے ہیں، لیکن یاور مہدی صاحب کا سب سے زیادہ قیام کراچی ریڈیو اسٹیشن پر ہی رہا ۔ پاکستان کو تین ریڈیو اسٹیشن (یعنی لاہور ، پشاور اور ڈھاکا (سابق مشرقی پاکستان) ورثے میں ملے تھے ۔ کراچی ریڈیو اسٹیشن کا قیام پاکستان کے بعد وجود میں آیا ۔ اس کی نشریات کا آغاز تو انٹیلی جنس اسکول کی عمارت سے ہوا تھا ، لیکن ۱۹۵۱ء میں اس کو موجودہ براڈ کاسٹنگ ہاؤس میں شفٹ کر دیا گیا جس کا باقاعدہ افتتاح قائدِ اعظم کے دستِ راست اور پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم جناب لیاقت علی خان کے ہاتھوں ہوا ۔ اس زمانے میں کراچی ہی ملک کا دارالسلطنت تھا ۔

کراچی جیسے ریڈیو اسٹیشن پر کام کرنا آسان نہ تھا ۔ ہر ریڈیو اسٹیشن اپنے عملے کی کارکردگی کی وجہ سے ایک پہچان رکھتا ہے جس طرح افواجِ پاکستان کے کسی بڑے سے بڑے جنرل کی خدمات کو سراہتے وقت کہا جاتا ہے کہ " وہ ایک بہترین سولجر ہیں " ۔ اسی طرح ریڈیو میں پروگرام سے تعلق رکھنے والے بڑے سے بڑے عہدے پر فائز افسر (چاہے وہ ریڈیو پاکستان کا ڈائرکٹر جنرل ہی کیوں نہ ہوں) کی تعریف کرنا مقصود ہو تو یہی کہا جاتا ہے کہ " وہ بہترین پروڈیوسر ہیں " ۔ زیڈ ۔ اے

بخاری (مرحوم) جو ریڈیو پاکستان کے پہلے ڈائرکٹر جنرل تھے، وہ حقیقت میں بہترین پروڈیوسر تھے۔

یاور مہدی صاحب تمام اصناف کے پروگرام پروڈیوس اور پیش کرچکے ہیں۔ طالب علموں کا پروگرام "بزم طلبا" ریڈیو پاکستان، کراچی سے ۱۹۶۲ء میں شروع ہوا اور انگریزی اور اردو میں یہ ماہانہ پروگرام "یونی ورسٹی میگزین" کے نام سے نشر کیا جاتا تھا۔ بعد میں یہ پروگرام ہفتے وار اور پھر ہفتے میں دو بار اور ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد ہفتے میں تین بار نشر کیا جانے لگا، اس کی وجہ کراچی کی بڑھتی ہوئی آبادی کی تعلیمی سرگرمیاں تھیں۔ ۱۹۶۶ء میں ریڈیو پاکستان، کراچی سے ہی پہلی مرتبہ جشن طلبا اور جشن تمثیل (طلبا) کی بنیاد ڈالی گئی۔ ان تمام پروگراموں کی کامیابی کا سہرا یاور مہدی صاحب کے سر ہے۔ انھوں نے ان پروگراموں کے لیے دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھا۔ یاور مہدی صاحب بذاتِ خود جوہر کی تلاش میں کراچی کے تمام تعلیمی اداروں کا دورہ کرنے میں سرگرداں رہتے تھے اور ذہین و شوقین طلبا و طالبات کو ڈھونڈ نکالتے تھے۔ وہ طالب علموں کی تربیت اتنی محنت اور لگن سے کرتے کہ طلبا و طالبات "جشن تمثیل" میں کھیل خود لکھتے اور خود صداکاری کرتے، ساتھ ہی ساتھ پیش کش بھی انھی کی ہوتی تھی۔ "جشن تمثیل" (طلبا) کے دوران کراچی ریڈیو اسٹیشن ایک جشن کا سماں پیش کرتا تھا۔ ہر طرف طلبا کی گہما گہمی ہوتی تھی۔ طاہر شاہ صاحب اور ظفر حسین صاحب جیسے اسٹیشن ڈائرکٹر کا تعاون یاور مہدی کو ہمیشہ حاصل رہا۔

ایک زمانے میں جب ریڈیو پاکستان، کراچی میں ڈراما نویسوں کا فقدان تھا تو زیڈ۔ اے۔ بخاری صاحب نے کراچی ریڈیو اسٹیشن ہی کی عمارت میں ڈراما نویسی کے لیے لیکچر شروع کیے۔ کتنی کامیابی ہوئی، اس کا تو مجھے علم نہیں البتہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جو کام بخاری صاحب جیسے براڈکاسٹر نے شروع کیا، اس کی تکمیل یاور مہدی

صاحب کے ہاتھوں ہوئی ۔ ڈراما نویس حسینہ معین ہوں یا فن کار منور سعید ، خوش بخت شجاعت ہوں یا فردوس عالم ، دوست محمد فیضی ہوں یا تاجدار عادل ، اقبال فریدی ہوں یا نثار میمن ، نصیر ترابی ہوں یا اقبال حیدر ، وحید ظفر قاسمی ہوں یا ام حبیبہ ، پروین شاکر ہوں یا کاظم پاشا.... کیسے کیسے لوگ بنا دیے اس شخص نے ۔ یاور مہدی صاحب کے پروگرام "بزم طلبا" سے ہی سیکھ کر سبھی اس مقام تک پہنچے ۔ یاور مہدی صاحب جب ورلڈ سروس ٹرانسفر ہوئے تو وہاں سمندر پار پاکستانیوں کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے بہترین پروگرام پیش کیے ۔

یاور مہدی صاحب کئی ممالک کا دورہ بھی کر چکے ہیں ۔ ان میں امریکا ، انگلینڈ نیپال ، ملیشیا ، سنگا پور ، بنکاک اور انڈیا شامل ہیں ۔ انگلینڈ کا دورہ بی ۔ بی ۔ سی کا ایک مقابلہ جیتنے کی وجہ سے ہوا ۔ سابق وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کی مصروفیات کی کوریج کے لیے امریکا کا دورہ کیا ، پاکستانی کرکٹ ٹیم کے ساتھ انڈیا بھیجے گئے جہاں کرکٹ کمنٹری کو سپروائز کیا ۔ اس کے علاوہ ریڈیو کے شعبے میں تربیتی کورسز میں شرکت کے لیے سنگاپور ، ملیشیا اور بنکاک بھی گئے ۔

ریڈیو پاکستان ، کراچی میں اپنی گونا گوں مصروفیات کے ساتھ ساتھ یاور مہدی صاحب نے سماجی کام بھی جاری رکھے ۔ آرٹس کونسل آف پاکستان ، کراچی سے تقریباً تیرہ سال سے وابستہ ہیں جہاں ادبی ، تعلیمی اور ثقافتی سرگرمیوں میں اعزازی طور پر کام میں مصروف ہیں ۔ انھیں کی کوششوں کی وجہ سے آرٹس کونسل ، کراچی آج علمی ، ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز بن چکا ہے ۔ ادیبوں اور شعرائے کرام کے ساتھ شامیں ہوں یا مشاعرے ، ادبی محافل ہوں یا موسیقی کے پروگرام ، ڈرامے ہوں یا کتابوں کی رونمائی ، غرض یہ کہ ان تمام سرگرمیوں کی کامیابی کے پیچھے یاور مہدی صاحب کا کسی نہ کسی صورت میں ہاتھ ضرور ہوتا ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آرٹس کونسل کی کامیابی کا سہرا انھیں کے سر ہے ۔ حکومت کی طرف سے

کونسل کو اتنے فنڈ بھی نہیں ملتے جس سے وہاں کے کام کرنے والے عملے کی تنخواہیں ہی نکل سکیں ۔ یہ اپنے تعلقات کی وجہ سے کونسل کو احسن طریقے سے چلا رہے ہیں کونسل کا چالیس صفحات پر مبنی ماہانہ مجلہ بعنوان "خبرنامہ" انھی کی کاوشوں سے نکل رہا ہے ، جس کے تمام اخراجات اپنے تعلقات کی وجہ سے اشتہار حاصل کر کے پورے کرتے ہیں ۔ یاور مہدی صاحب کا نام انھی خدمات کی وجہ سے ہمیشہ دائم و قائم رہے گا ۔

اسی سال ۱۴ جولائی کو ساٹھ سال کی عمر پوری ہونے پر یاور مہدی صاحب ریڈیو پاکستان سے ڈپٹی کنٹرولر ، سنٹرل پروڈکشن یونٹ ، کراچی کی حیثیت سے ریٹائر ہو رہے ہیں ۔ اس خوشی کے موقع پر وہ مبارک بادی کے مستحق ہیں ۔ ساٹھ سال کی عمر والے کو تو "ساٹھا پاٹھا" کہا جاتا ہے ۔ ابھی تو وہ جوان ہیں اور باہمت بھی ۔ امید کی جاتی ہے کہ اب ان کو اپنی سماجی ، ثقافتی اور ادبی سرگرمیاں جاری و ساری رکھنے کے لیے زیادہ وقت مل سکے گا اور نہ معلوم کتنے اصحاب ان کی اس خدمت سے مستفید ہو سکیں گے ۔

بقول غالب ہماری دعا ہے :

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

یاور مہدی

اعجاز احمد

(ڈائرکٹر ، فنانس)

یاور مہدی بھی ریڈیو چھوڑ چلے ۔ جو آتا ہے اس کو بہر حال ایک دن جانا پڑتا ہے اور اسی اصول کے تحت یاور مہدی نے بھی ریڈیو کو خیر باد کہہ دیا اور اب ان کا

شمار بھی "سابقین" میں ہوا کرے گا۔

یاور مہدی نے ریڈیو میں بڑا بھرپور وقت گزارا۔ اپنی بہترین جوانی کے ایام میں انھوں نے اس ادارے میں شمولیت اختیار کی۔ آج جب ان کے تمام سر کے بال سفید ہو گئے ہیں اور وہ بڑھاپے کی دہلیز عبور کر چکے ہیں، وہ ریڈیو سے رخصت ہو رہے ہیں۔ اس دوران انھوں نے جو کچھ کیا، وہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ یاور مہدی ریڈیو کی پہچان بن گئے تھے اور ریڈیو اور یاور مہدی علیحدہ علیحدہ نہیں بلکہ ایک ہی تصور کیے جاتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ ریڈیو نے یاور مہدی کو کیا دیا، لیکن یہ مجھے معلوم ہے بلکہ آپ سب کو معلوم ہے کہ یاور مہدی نے تخلیقی ذہنوں کی صورت میں ریڈیو کو بہت کچھ دیا اور ریڈیو کو ایک منفرد شناخت عطا کی۔

یاور مہدی اپنی ذات میں بھی ایک انجمن ہیں۔ انھوں نے تعلقاتِ عامہ میں وہ مہارت حاصل کی ہوئی ہے جو اس شعبے کے افراد کو بھی حاصل نہیں ہے۔ ان کے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع ہے اور یہ انتہائی کامیابی کی دلیل ہے کہ وہ اپنے احباب میں مقبولیت کی بھی سند رکھتے ہیں۔

میں نے یاور مہدی صاحب کو ہمیشہ ایک مخلص اور ہمدرد انسان پایا۔ وہ ریڈیو کے اندر اور ریڈیو کے باہر اپنے کام اور عمل کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ میں ان کے بہتر مستقبل اور عمدہ صحت کے لیے دعا گو ہوں۔

حسن ذکی کاظمی

(سابق کنٹرولر، ریڈیو پاکستان)

"سید یاور مہدی ریٹائر ہو رہے ہیں"۔ یہ اطلاع نہ میرے لیے نئی تھی اور نہ

اس میں اچنبھے کا کوئی پہلو تھا۔ جس دن میں ریٹائر ہوا، اس دن سے پہلے بھی میرے بہت سے افسر، رفیق اور احباب ریٹائر ہو چکے تھے اور جو باقی تھے، ان کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ بھی ایک نہ ایک دن ضرور ریٹائر ہوں گے۔ آج ہم، کل تمھاری باری ہے یا یا آج تم، کل ہماری باری ہے۔ تاہم عزیزم یاور مہدی کی ریٹائرمنٹ کی اطلاع کو نہ میرے دل نے قبول کیا اور نہ دماغ نے، وجہ اس کی یہ ہے کہ یاور صاحب نے ریڈیو پاکستان میں اس قدر بھرپور زندگی گزاری ہے کہ انھیں ریڈیو سے علیحدہ کر کے دیکھنا نہ صرف بے حد مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ انھوں نے اپنے اور اس عظیم ادارے کے درمیان فاصلے اور فرق کو اپنی محنت، لگن، کارکردگی، خلوص اور مہارت کے ذریعے اس طرح مٹایا کہ وہ ریڈیو پاکستان کا ایک لازمی جزو بن گئے۔ ایسے موقعوں پر اکثر بہت سے رسمی جملے کہے جاتے ہیں۔ میں بھی ایک رسمی جملہ دہرا رہا ہوں اور وہ یہ کہ "یاور مہدی کی ریٹائرمنٹ سے براڈکاسٹنگ میں ایک ایسا خلا پیدا ہو جائے گا جسے پر کرنا بہت مشکل ہوگا"۔ یقین جانیے کہ اس رسمی جملے کے پیچھے ایک ناقابلِ تردید سچائی ہے۔ کم از کم وہ لوگ تو مجھ سے سولہ آنے متفق ہوں گے جنھوں نے ۶۰ کی دہائی میں کراچی ریڈیو اسٹیشن سے بزم طلبا اور جشن طلبا کے پروگرام سنے ہیں یا ان میں شرکت کی ہے۔ جیسی دھوم ان پروگراموں کی تھی، شاید ہی کسی اور پروگرام کی ہوئی ہو۔

یاور مہدی کے ساتھ میں نے کسی یونٹ یا اسٹیشن پر بمشکل دو سال کام کیا، لیکن اس مختصر مدت میں میں ان کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں سے بے حد متاثر ہوا جن میں ان کی P.R ، یعنی معاشرے کے مختلف طبقوں میں ان کے مراسم، ان کی مقبولیت اور ان کا احترام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ عام زبان میں یوں کہیے کہ وہ P.R کے بادشاہ ہیں۔ یاور صاحب کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کے بارے میں دوسرے لوگ مجھ سے کہیں زیادہ جانتے ہیں لہذا میں تفصیل سے کچھ نہیں کہوں گا، البتہ ان کی

رفاقت کے بارے میں اپنا ذاتی تاثر ایک جملے میں یوں بیان کروں گا کہ یاور مہدی کے ساتھ کام کرنے میں مجھے ہمیشہ ایک طرح کی تقویت کا احساس رہا، اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس میں ان کے خلوص و محبت کے ساتھ ساتھ ان کے نام کا بھی بڑا دخل ہے۔

جیسا میں نے عرض کیا کہ میری اور یاور مہدی کی دفتری رفاقت دو سال ہے، لیکن دوستی پینتیس سال پر محیط ہے۔ بحیثیتِ انسان اور بحیثیتِ دوست وہ کتنے مخلص، کتنے ہمدرد اور کتنے کھرے ہیں، اس کی تفصیل میں جانے کی اس مضمون میں گنجائش نہیں۔ بس اتنا عرض کروں گا کہ دوستی اور تعلقات کے معاملے میں یاور مہدی نے ہمیشہ میر انیس کے اس شعر کو پیشِ نظر رکھا ہے:

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیس ! ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

پچیس سال قبل میرے لندن کے دوران قیام کئی بار مجھے ٹیلی فون پر یہ خوش خبری ملی: "میں فلاں ہوٹل میں مقیم ہوں، کراچی سے آیا ہوں۔ یاور مہدی صاحب نے آپ کے لیے آم بھیجے ہیں"۔ بظاہر شاید یہ زیادہ بڑی بات نہ لگے، لیکن میں ہمیشہ سوچتا تھا کہ کراچی کی مصروف زندگی میں انھیں یہ یاد رہے کہ میرا ایک دوست لندن میں آموں کے لیے ترس رہا ہوگا (اس زمانے میں وہاں آم بہت کم اور خراب ملتے تھے) اور پھر وہ اتنی دور آم بھیجنے کی زحمت کرے۔ اس کی دوستی بھی یقیناً آم کی طرح میٹھی ہوگی۔

یاور مہدی

ایس۔ ایم طاہر شاہ

(سابق اسٹیشن ڈائرکٹر ریڈیو پاکستان، کراچی)

ریڈیو پاکستان، کراچی کے گزارے ہوئے ایام میری ریڈیو کی زندگی کے

خوش گوار اثاثے کی مانند ہیں جون ، ۱۹۶۷ء سے مارچ ، ۱۹۷۲ء تک میں نے ریڈیو پاکستان، کراچی کے ریجنل ڈائرکٹر اور پھر کارپوریشن بننے کے بعد اسٹیشن ڈائرکٹر کے طور پر گزارے ۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ یہ عرصہ ریڈیو پاکستان ، کراچی کا پروگراموں کی پیش کش کے اعتبار سے انتہائی تابناک اور بھرپور ہے ۔ کسی بھی ادارے کے سربراہ کو کام کے لحاظ سے نیک نامی اس وقت میسر آتی ہے جب اس کو خوش قسمتی سے اچھی ٹیم میسر آجائے ۔ میں اپنے آپ کو اس لحاظ سے خوش نصیب گردانتا ہوں کہ مجھے ایک اعلیٰ صلاحیتوں کی حامل پروڈیوسرز کی ٹیم کی رہنمائی کا شرف حاصل تھا ۔ اس وقت میں اپنے ایک ایسے ہی ساتھی کا ذکر کرنا چاہتا ہوں ۔

" یاور مہدی " نام ہے اس شخصیت کا جس کے نزدیک کام کرنا عبادت کا درجہ رکھتا ہے ۔ یاور مہدی کام، کام اور صرف کام کے اس مقولے پر عمل کرتے ہیں جس کی تلقین بابائے قوم نے کی تھی ۔ وہ ایک فرض شناس ، محب وطن ، باعمل ، دفتری ضوابط پر عمل پیرا، غیرجانب دار اور ایک سچے کارکن ہیں ۔ آج وہ جبکہ سی ۔ پی یو ، کراچی کے سربراہ ہیں اور میں ان سے ملنے کبھی کبھی جاتا ہوں تو مجھے یہ دیکھ کے خوشی ہوتی ہے کہ وہ آج بھی اسی جذبے اور لگن کے ساتھ کام کر رہے ہیں جیسا کہ میرے اسٹیشن ڈائرکٹری کے دور میں کرتے تھے ۔

یاور مہدی پبلک ریلیشننگ کی تمام باریکیوں سے واقف ہیں اور اس کا فائدہ انھوں نے " بزم طلبا " اور " شہر نامہ " پروگراموں کی پروڈکشن میں اٹھایا ۔ یہی دو پروگرام تھے جو انھوں نے زیادہ تر میرے ساتھ کیے ، خصوصاً " بزم طلبا " کو اس عروج پر پہنچایا جو پورے پاکستان میں کسی بھی پروگرام کو نہیں ملا ۔ " بزم طلبا " نے ان دنوں ایک ایسی نرسری کا روپ دھارا ہوا تھا جس کے بوٹے پورے گلستان میں پھیلے ہوئے تھے ، اور جن کی خوشبو آج بھی صحافت ، ادب ، سیاست اور ابلاغ عامہ کے گلستانوں میں مہک رہی ہے ۔

"شہر نامہ" ایک ایسا پروگرام بن گیا تھا جس کے لیے اتنے کارڈز آتے تھے کہ ان کا انتخاب دشوار ہوتا تھا اور ٹیلی فون کے ذریعے علیحدہ سفارشیں آتی تھیں۔ اگر "شہر نامہ" میں کسی پروگرام کی کوریج ہو جاتی تھی تو یہ اس پروگرام کی کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا تھا۔

"بزم طلبا" کے تحت ہونے والے "جشن طلبا" اور "ہفتۂ طلبا" کے پروگرام یاور مہدی کی انتظامی صلاحیتوں کا منھ بولتا ثبوت ہوتے تھے۔ کراچی کے مختلف ہالوں سے پروگراموں کا براہِ راست نشر ہونا اور ایسے پروگرام جن میں طالب علم شریک ہو رہے ہوں، ان میں کسی گڑبڑ کا نہ ہونا اور بحسن و خوبی مکمل ہونا یاور مہدی کی کامیاب پالیسیوں کی دلیل تھی۔ یاور مہدی میں ایک اور خوبی میں نے پائی تھی کہ وہ صرف صلاحیت، یعنی talent پر انتخاب کرتے تھے اور کسی بھی سفارش کو قبول نہیں کرتے تھے۔

آج جب میں ریڈیو سے فارغ ہو کر فرصت کے ایام گزار رہا ہوں، جب اپنے ماضی پر نظر ڈالتا ہوں تو یہ سوچ کر خوش ہو جاتا ہوں کہ یاور مہدی کا شمار میرے ان احباب میں ہوتا ہے جن کی کارکردگی نے میری نیک نامی میں اضافہ کیا۔

میری دعا ہے کہ جس نشست پر بیٹھ کر میں نے یاور مہدی کی تھوڑی بہت رہنمائی کی تھی، یاور مہدی بھی اسی نشست پر ترقی پا کر بیٹھیں اور ایک اور یاور مہدی تیار کریں، اپنی ہی طرح کام سے عشق کرنے والا، سچا اور مخلص۔

maablib.org

واعظ الدین

(ڈپٹی کنٹرولر نیوز، ریڈیو پاکستان)

ایک ایسی شخصیت کے بارے میں تحریر کرنا جو اپنی زندگی سے زیادہ وسعت رکھتا ہو، سخت محنت طلب کام ہے۔ چند دن ہوئے میرے ایک ایسے دوست نے، جو یاور مہدی کی وساطت سے میرے آشنا بنے، مجھ سے فون کر کے پوچھا کہ کیا میں یاور مہدی صاحب کے بارے میں کچھ تحریر کرنا پسند کروں گا۔ میں نے اس کی وجہ معلوم کی تو مجھے بتایا گیا کہ یاور صاحب مستقبل قریب میں اپنے ریڈیو کے کیریئر کو الوداع کہنے والے ہیں اور اس مناسبت سے ان کے اعزاز میں منعقد ہونے والی ایک الوداعی تقریب کے موقع پر یاور مہدی کی شخصیت کے بارے میں ایک کتاب شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ اس دن سے میں اس سوچ میں غرق ہوں کہ یاور صاحب کے بارے میں کیا تحریر کروں۔

مجھے یہ یاد نہیں کہ کب اور کہاں میں یاور صاحب سے متعارف ہوا، لیکن گزرتے وقت کے ساتھ نامحسوس انداز میں اب میں ان کے قریبی احباب کے حلقے کا حصہ بن گیا ہوں۔ اس حلقے میں صرف میں ہی نہیں بلکہ پاکستان کے اندر اور پاکستان کے باہر کے بھی کئی سو افراد شامل ہیں۔ ان میں سے کچھ ملک کے صحافتی، ادبی، عوامی اور سماجی حلقوں کے معتبرین میں شامل ہیں۔ یہ سب شاید آج اس مقام تک نہ پہنچ پاتے اگر انھیں اپنی تعلیمی زندگی میں یاور صاحب کی پرخلوص رہ نمائی اور بے لوث مدد حاصل نہ ہوتی۔ سنیئر رضا ربانی، دوست محمد فیضی، خوش بخت عالیہ (حال شجاعت)، پروین شاکر مرحومہ، ایوب خاور اس نہ ختم ہونے والی فہرست میں شامل ہیں جو یاور صاحب سے فیض یاب ہوئے۔ یاور مہدی صاحب کے

"بزمِ طلبا" نے ان سب کے کیریئر کے لیے تربیت گاہ کا کردار ادا کیا۔ ۶۰ء کی دہائی میں "بزمِ طلبا" کراچی میں ایک ادارے کی حیثیت اختیار کر چکا تھا اور یاور مہدی اس کی قوتِ محرکہ تھے۔ اس زمانے میں کراچی کی کوئی بھی ثقافتی تقریب "بزمِ طلبا" کے شرکا کی بھرپور شرکت کے بغیر نامکمل سمجھی جاتی تھی۔ محمد علی جناح روڈ پر واقع براڈ کاسٹنگ ہاؤس پاکستان کے سب سے بڑے شہر کی ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ "جشنِ تمثیل" کے دوران صبح سے رات دیر گئے تک مختلف تعلیمی اداروں کے باصلاحیت طلبا ریڈیو اسٹیشن کی راہ داریوں میں گھومتے نظر آتے۔ یاور صاحب اپنے مددگار پروڈیوسروں کے ساتھ کئی بے نیند راتیں گزار کر مناسب تدوین کے بعد پروگرام نشر کرنے کے لیے تیار کرتے۔ یہ پروگرام سننے کے لیے پورا کراچی ہمہ تن گوش ہوتا تھا۔ اس دور کا آج سے تقابل کیا جائے تو براڈ کاسٹنگ ہاؤس ایک آسیب زدہ عمارت نظر آتا ہے۔

بہرحال میں اپنے بارے میں بغیر کسی ہچکچاہٹ کے یہ کہہ سکتا ہوں کہ آج میں جہاں ہوں، یہ سب یاور صاحب، سعید نقش بندی مرحوم، انعام صدیقی مرحوم، عبدالرب شجیع اور چند دیگر شخصیات کی حوصلہ افزائی اور محنت کا براہِ راست نتیجہ ہے، کیونکہ انھوں نے مجھ جیسے طلبا کی پیار اور محبت کے ساتھ کامیاب رہ نمائی کی۔

اس وقت کا کراچی لسانی اور فرقہ وارانہ تفرقات سے پاک تھا لیکن، اب ان تفرقات کا شکار ہو کر خون میں ڈوبا ایک شہر بن چکا ہے۔ ان تمام مشکلات نے یاور مہدی کو کسی طور متاثر نہیں کیا ہے اور وہ اب بھی کسی چٹان کی طرح اپنی جگہ ثابت قدمی سے کھڑے ہیں اور اپنے پیشہ وارانہ اور انسان دوستی کے اصولوں پر قائم ہیں۔ مستقبل کے رہ نماؤں اور اسکالروں کی تیاری میں مددان کی پیشہ وارانہ زندگی کا اولین مقصد رہا ہے، کیونکہ وہ اپنے اس نظریے پر سختی سے کاربند رہے ہیں کہ کوئی بھی پاکستانی چاہے اس کی نسل، رنگ اور ذات کوئی بھی ہو، اول اور آخر پاکستانی

ہے۔ یہ سب میں اپنے پختہ یقین کی وجہ سے کہہ سکتا ہوں، کیونکہ میرا تعلق پاکستان کے اس حصے سے ہے جو اب پاکستان کا حصہ نہیں رہا، لیکن میری اور یاور صاحب کی دوستی نے نہ صرف زمانے کی نیرنگیوں کو برداشت کیا ہے بلکہ اس کی پختگی میں اضافہ ہوا ہے۔

یہ تعین ہونا ابھی باقی ہے کہ کسی ادارے کی ترقی میں کسی فردِ واحد کا کردار کس قدر فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے، لیکن میں محتاط انداز میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یاور صاحب کے بعد ریڈیو میں ایک ایسا وسیع خلا پیدا ہو جائے گا جسے پر ہونے میں کئی دہائیاں لگیں گی۔

عبدالحفیظ میمن
(سینئر براڈکاسٹ انجینئر، رکن ادبی کمیٹی، کراچی کلب)

یاور مہدی کبھی بھی وقت کی موجوں کے حوالے نہیں ہوتے بلکہ وقت کے دھارے کو اپنے اصولوں کے مطابق موڑ لیتے ہیں۔ اسی بنیاد پر ریڈیو کے "بخاری دور" میں جہاں نام ور دانش ور، شعرا اور نقاد براجمان تھے، ایک نوجوان نے اپنا ایک منفرد مقام بنایا، اس کا نام یاور مہدی ہے۔

روایت کو عموماً قدامت کے مترادف سمجھا جاتا رہا ہے۔ روایت دراصل ایک تسلسل کا نام ہے۔ ماضی، حال اور مستقبل کے مابین ایک مسلسل رشتے کو روایت کہا جانا چاہیے۔ انسان خود ایک روایت ہے، البتہ ہر روایت کی طرح یہ کبھی کبھی ماہ و سال کی گرد میں گم ہو جاتا ہے، لیکن ہر دور میں اس کی بازیافت اور اس کی نشان دہی دانش و حکمت کا ایک اہم منصب رہی ہے۔ ادب کی روایت بھی ایک خاص تسلسل سے عبارت ہوتی ہے۔ یہ تسلسل کبھی کبھی نظروں سے اوجھل

ہو جاتا ہے، اس کو تلاش کرکے اس سے ہم رشتہ ہونا ایک جہاد ہے "فروغ ادب" اور "عمل"، دونوں کا جہاد۔ یاور بھائی مسلسل اسی جہاد میں مصروف نظر آتے ہیں، بے پایاں خلوص، بے لوث محبت، بے باک صداقت اور بے غرض خاموش عمل (نہ صلے کی پروا، نہ ستائش کی تمنا) ۔یہی ہتھیار ہیں یاور بھائی کے جہاد کے۔ گو مادی وسائل بھی محدود ہیں لیکن قدرت نے انھیں عجیب بے نیاز دل عطا کیا ہے۔ سادگی اور بے نفسی ان کی سب سے بڑی دولت ہے۔ یہ دولت نایاب صرف انھیں نصیب ہوتی ہے جن کا ضمیر آئینہ ہوتا ہے۔

تمھیں آسائش منزل مبارک!
ہمیں گردِ مسافت ہی بہت ہے

شخصیت کے حوالے سے بے حد دل نواز شخصیت کے مالک ہیں، دوستانہ انداز جس محفل میں بیٹھتے ہیں، بہت جلد اپنی گفتگو سے محفل پر چھا جاتے ہیں۔ انھیں گفتگو کا ڈھنگ آتا ہے، ہر موضوع پر بول سکتے ہیں، بذلہ سنجی بھی ان کے مزاج میں بقدرِ اتم پائی جاتی ہے۔ ان کے ملنے والے پہلی ہی ملاقات میں ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ خوش طبع، منکسر، دھن کے پکے، طبیعت درویشانہ، عادتیں قلندرانہ اور مزاج شاعرانہ۔ یہ ہیں میرے دوست یاور مہدی!

ٹی۔ وی کے ممتاز پروڈیوسر جناب قاسم جلالی نے کہا

میں بھی یاور مہدی صاحب کے مداحوں میں شامل ہوں۔ دراصل یاور بھائی اتنی خوبیوں کے مالک ہیں کہ جو بھی ایک مرتبہ ان سے مل لیتا ہے، وہ ان کی پرخلوص محبت اور شفقت کی وجہ سے ان کا مداح ہو جاتا ہے۔

مجھے "بزم طلبا" کے حوالے سے ریڈیو میں انھوں نے موقع دیا اور پھر کئی

پروگرام ان کے کیے، بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ مجھے "قاسم جلالی" بنانے میں یاور بھائی کا ہاتھ ہے تو بالکل صحیح ہوگا۔ میری پہچان کرانے میں یاور بھائی نے اہم کردار ادا کیا ہے، اور میں ہی کیا، شہر کراچی کے بہت سے پروڈیوسر اور فن کار یاور بھائی کے پروگراموں سے آگے بڑھے ہیں۔ انھوں نے ہزاروں فن کاروں، گلوکاروں، شاعروں، ادیبوں کی سرپرستی کی ہے۔

آرٹس کونسل کے حوالے سے بھی یاور بھائی نے گراں قدر کام کیا ہے۔ ذاتی زندگی میں وہ ایک بہت ہی پرخلوص اور دردمند دل رکھنے والے انسان ہیں۔ محمود حسن قابلِ مبارک باد ہیں کہ وہ یاور بھائی پر کام کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں میری دعائیں اور تعاون محمود حسن کے ساتھ رہے گا۔

میری دعا ہے کہ یاور بھائی ریڈیو سے رخصت ہونے کے بعد بھی ریڈیو کی خدمات انجام دیتے رہیں، کیونکہ ریڈیو ان کے بغیر اداس اداس رہے گا، اس لیے کہ تقریباً پینتیس برس کسی ادارے کی خدمت بہت بڑا عرصہ ہوتا ہے۔ میرے اور یاور بھائی کے تعلقات کو پینتیس برس سے زیادہ ہوگئے ہیں، مگر ٹی۔وی کے حوالے سے انھوں نے آج تک کوئی کام مجھ سے نہیں کہا اور شاید ہی انھوں نے ٹی۔وی پر قدم رکھا ہو۔ وہ تو اپنے کام میں ہی اتنے مگن اور مستقل مزاج ہونے کی وجہ سے اتنے مصروف رہتے ہیں کہ انھیں کہیں جانے کا وقت ہی نہیں ملتا، اور آرٹس کونسل کی ادبی سرگرمیاں ہی ان کی زندگی کا حصہ ہیں۔

کراچی ٹی۔وی کی پی۔آر۔او محترمہ غزالہ یاسمین نے کہا

(سروے: محمود حسن)

میں یاور مہدی صاحب کو ٹی۔وی سے پہلے ہی سے جانتی ہوں۔ مجھے یاد ہے جب میں کراچی یونی ورسٹی میں پڑھتی تھی تو اس وقت یاور مہدی صاحب "بزمِ طلبا"

کیا کرتے تھے۔ میں نے پہلی بار ریڈیو میں "بزم طلبا" کے حوالے سے کئی پروگراموں میں شرکت کی تھی جس کے پروڈیوسر یاور بھائی تھے۔ یاور بھائی نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی، ہم کو سکھایا، کیونکہ نئے فن کاروں، اداکاروں، گلوکاروں اور نئے شاعروں، ادیبوں کی انھوں نے بے حد حوصلہ افزائی کی۔

مجھے یاد ہے کہ ٹی۔وی کے موجودہ جی۔ایم جناب محسن علی، پروڈیوسر قاسم جلالی، پروڈیوسر ظہیر خان، پروڈیوسر حیدر امام رضوی اور اداکار ندیم اور غلام محی الدین جیسے لوگ بھی یاور مہدی صاحب کے پروگراموں میں شرکت کرچکے ہیں، کیونکہ یاور بھائی کی خوبو میں یہ بات شامل تھی کہ وہ نئے لوگوں کی بے حد حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

ذاتی زندگی میں بھی وہ بے حد نفیس اور باکمال انسان ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ میرے شوہر آفتاب عظیم صاحب کے بھی پرانے دوست ہیں۔

یاور بھائی نے جس طرح ریڈیو پاکستان کی خدمت کی ہے، مجھے یقین ہے کہ ریڈیو پاکستان یاور بھائی کو کبھی فراموش نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ یاور بھائی کی عمر دراز کرے، آمین!

کراچی ٹی۔وی کے جنرل مینجر جناب محسن علی نے کہا

یہ غالباً ۱۹۶۳ء یا ۱۹۶۴ء کا واقعہ ہے جب میں کراچی یونی ورسٹی کا ایک شوخ و شریر طالب علم ہوا کرتا تھا۔ تقریری مقابلوں کا مجھے بے حد شوق تھا۔ ایک دن میں تقریری مقابلے سے فارغ ہوا تو ایک نوجوان اور خوب صورت سے لڑکے نے مجھے روک لیا اور چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈ نکالتے ہوئے کہا، "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی تقریر نہیں سن سکا۔ براہ مہربانی اپنی تقریر دوبارہ کریں، میں ریکارڈ کرنا چاہتا ہوں"۔ میں نے حیرانی سے کہا، "مگر آپ ہیں کون اور کہاں سے آئے ہیں؟" انھوں نے بڑے

پیار سے کہا، "میرا نام یاور مہدی ہے اور میں ریڈیو پاکستان، کراچی سے آیا ہوں"۔ انھوں نے مزید کہا، "میں آج آپ سے ملنے اور آپ کی تقریر سننے آیا تھا"۔ چنانچہ میں نے تقریر ریکارڈ کروا دی، کیونکہ تقریری مقابلوں اور فنِ تمثیل کا مجھے ابتدا ہی سے شوق تھا۔ چند دن بعد میں خود ریڈیو اسٹیشن یاور مہدی صاحب سے ملنے چلا گیا اور کہا، "سر! آپ اس دن مجھ سے ملنے آئے تھے، آج میں آپ سے ملنے آیا ہوں"۔ میں نے کہا، "مجھے خبریں پڑھنے کا شوق ہے، مجھے کسی سے ملوائیں"۔ یاور صاحب نے مجھے فوری طور پر برہان الدین حسن صاحب سے ملوایا۔ انھوں نے میرا انٹرویو کیا اور مجھے مایوس کر دیا۔ مجھے بے حد افسوس ہوا، مگر یاور مہدی صاحب نے مجھے تسلی دی اور مجھے اپنے پروگراموں میں بک کرنے کا وعدہ کیا اور چند روز بعد مجھے "بزمِ طلبا" میں بلایا۔ یہ وہ پروگرام تھا جس میں آج کل کے نام ور ترین افراد شرکت کر چکے تھے۔ مجھے گاہے بگاہے اس میں شامل ہونے کا موقع ملتا رہا، اس طرح یونی ورسٹی میں میری مزید شہرت ہو گئی۔

ذاتی زندگی میں یاور مہدی صاحب مجھے بے حد عزیز ہیں۔ میں انھیں یاور بھائی کہتا ہوں۔ عزیزم محمود حسن صاحب بہت اچھا کام کر رہے ہیں کہ یاور بھائی کے بارے میں ایک کتاب مرتب کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یاور بھائی نے ریڈیو اور کراچی آرٹس کونسل کے حوالے سے بہت کام کیا ہے۔ سماجی حوالوں اور ادب کے حوالے سے بھی ان کی خدمات اتنی زیادہ ہیں کہ لکھنے کے لیے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہو گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محمود حسن کو اتنی توفیق دے کہ وہ جلد از جلد کتاب شائع کریں۔ میری یہ بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یاور مہدی صاحب کی عمر طویل کرے تاکہ وہ تادیر کراچی شہر کی خدمت کر سکیں۔

اے - الیف کلیم اللہ

(ڈائرکٹر پروگرامز، ریڈیو پاکستان)

آرٹس کونسل کراچی سے فون آیا، "یاور مہدی کے بارے میں آپ کا "تاثر" چاہیے" - یاور مہدی یا یاور مہدی کے حوالے سے میں نے کبھی کوئی بات ٹالی نہ تھی اس لیے ہاں کردی - میری یہی "کمزوری" یاور مہدی کی دل نواز شخصیت کی کسی حد تک غماز ہے -

ریڈیو میں ایک عمر گزار دی، لیکن یاور مہدی کے ساتھ کام کرنے کا موقع نہ ملا - آدھی ملازمت ڈھاکے میں، آدھی اسلام آباد میں، شروع میں قلیل مدت کراچی میں - اسلام آباد سے کراچی یا بیرون ملک جانے کا پروگرام بنتا تو یاور مہدی سے ملاقاتیں رہتیں - ریٹائرمنٹ کے بعد ۱۹۸۱ء سے ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھتا گیا - اس میں اپنی خود غرضی شامل ہے - کام اٹکتا تو پہلے یاور مہدی یاد آتے - خود غرضی بھی قربت کا بہانہ بن جاتی ہے -

گفتگو میں، میں نے اکثر یاور مہدی کو شاکی پایا کہ "اوپر والے" پروگراموں کے لیے اور پروڈیوسر کے لیے معقول فنڈ مہیا نہیں کرتے - زیادہ تر پیسے غیر پیشہ ورانہ عملہ لے جاتا ہے، راج پاٹ انھیں کا ہے - شور مچاؤ تو جواب ملتا ہے، "بس یہی کچھ دال دلیا ہے، گزارہ کرو، خوش رہو" - غالباً یہی وجہ ہے کہ یاور مہدی آرٹس کونسل اور دوسرے اداروں کے اشتراک سے ریڈیو کی "حالت زار" پر سیمینار اور مذاکرے کا اہتمام کر ڈالتے ہیں - ایسی دو تقریبوں میں مجھے بھی گھسیٹ کر لے آئے، یوں اپنی محبت اور میری رسوائی کا سامان فراہم کر دیا -

یاور مہدی شریف آدمی ہیں ، مروت والے ، دوسروں کا دکھ درد بانٹنے والے ، حفظِ مراتب کا خیال رکھنے والے (میرا خیال ہے حفظِ مراتب کی صفت انھیں گھر کی تربیت سے ملی) ۔ یہ ساری خوبیاں ایک اچھے پیشہ ور پروگرامر کی خوبیاں تصور کی جاتی ہیں ۔ پہلے انسان بنو، پھر کچھ اور، لیکن انسان بنیں کیسے ؟ مفلسی سب بہار کھوتی ہے ، مرد کا اعتبار کھوتی ہے ۔

یاور مہدی آرٹس کونسل کے فعال کارکن ہیں ۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اس ادارے کو زیادہ وقت دے سکیں گے ۔ چلیے ! ریڈیو نہ سہی ، آرٹس کونسل ہی ۔ شکر کہ انھوں نے بروقت اپنی مصروفیت کا معقول سلسلہ نکال لیا:

یار سے چھیڑ چلی جائے ، اسدؔ!

دعا ہے کہ یاور مہدی خوش رہیں اور دوسروں کو خوش رکھنے کا عمل جاری رکھیں ۔ آمین!

صبیح محسن

(سابق ڈائرکٹر پروگرامز ، ریڈیو پاکستان)

ہمارے معاشرے میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو دوسروں کو آگے بڑھنے میں ان کی مدد کر کے خوش ہوتے ہوں ۔ یاور مہدی بھی ایسے ہی کمیاب لوگوں میں شامل ہیں ۔

انھیں ریڈیو سے اپنی وابستگی کے طویل دور میں بہت سے مقبول پروگراموں کی پیش کش اور نگرانی کا موقع ملا ہے ۔ ان میں سے بیشتر پروگراموں کی مقبولیت میں تو خود انھی کی کوششوں اور انتظامی صلاحیتوں کو بڑا دخل حاصل تھا ۔ ان پروگراموں کے ذریعے انھوں نے نوجوان نسل کے بہت سے باصلاحیت افراد کو

متعارف کرایا جنھوں نے آگے چل کر سیاست، حکومت اور صحافت سے لے کر شعر و ادب، فنونِ لطیفہ اور شو بزنس تک کے شعبوں میں بڑا نام پیدا کیا۔ ان نوجوانوں میں یقیناً خداداد صلاحیتیں موجود رہی ہوں گی، لیکن انھیں کندن بنانے میں یاور مہدی کی شفقت بھری کوششیں بھی ضرور شامل رہی تھیں۔

یاور مہدی سے ہمارے دو طرح کے رشتے رہے ہیں۔ پہلا رشتہ ریڈیو کی ملازمت تھا۔ ہم دونوں نے ریڈیو کے کارکنوں کی حیثیت میں اس کے عروج کا دور اور پھر اس کے بے توقیر ہونے کا زمانہ ایک ساتھ دیکھا ہے۔

دوسرا رشتہ تنقید کرنے والے اور تنقید سہنے والے کا تھا۔ قصہ یوں ہے کہ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں، جب ریڈیو ابھی بے آبرو نہیں ہوا تھا، ہم کراچی کے روزنامہ ڈان میں ریڈیو پروگراموں پر تبصرے کا ہفتے وار کالم "ویسنوی" کے قلمی نام سے لکھا کرتے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب یاور مہدی کی کوششوں سے کراچی ریڈیو کا پروگرام "بزمِ طلبا" مقبولیت کی بلندیوں پر تھا، لیکن تبصرہ نگار کا کام تو یہی ہوتا ہے کہ وہ کمزوریوں اور کوتاہیوں کو سامنے لائے تاکہ پیش کش مزید نکھر جائے۔ ہماری بھی یہی کوشش ہوتی تھی۔ تبصرہ چونکہ قلمی نام سے شائع ہوتا تھا، اس لیے ایک عرصے تک کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ لکھنے والا کون ہے، لیکن بعد میں یہ راز، راز نہیں رہا۔

یاور مہدی سے ہمارے مراسم ان دونوں رشتوں سے ہمیشہ خوش گوار رہے ہیں۔ اس میں ہماری کوششوں کا حصہ تو شاید کچھ بھی نہیں، البتہ ان کی خوش اخلاقی اور مزاج کے دھیمے پن کا دخل ضرور ہے۔

ہمیں یاد نہیں کہ یاور مہدی سے ہماری پہلی ملاقات کب اور کیسے ہوئی، لیکن اتنا ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جب بھی ملے، دل خوش ہوا۔ ہمارے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے، کیونکہ ہم سب کے گرد دل دکھانے والے بہت ہوتے ہیں اور زخموں پر مرہم رکھنے والے بہت ہی کم۔

عصمت زہرا

(سابق ڈپٹی کنٹرولر، ریڈیو پاکستان)

جب میں نے ریڈیو پاکستان، کراچی میں بحیثیت پروڈیوسر شمولیت اختیار کی، اس وقت ریڈیو کی بڑی اہمیت تھی اور پروگرام بھی بہت سنے جاتے تھے۔ تمام پروڈیوسرز بڑی محنت اور لگن کے ساتھ پروگرام پیش کرتے تھے۔ ادارے کا ہر شخص پروگرامز کی اہمیت سے واقف تھا اور اپنے فرائض کو بڑی ذمے داری سے ادا کرتا تھا۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے بہت اچھے ذہین اور محنتی لوگوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ پروڈیوسرز کی پروگرامز میں دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ آفس آکر گھر جانا بھول جاتے تھے۔ نت نئے پروگرامز کے بارے میں بحث مباحثے ہوتے تھے، صحت مند مسابقت کا جذبہ بھی بہت تھا، پروگرام میکنگ میں کھلے دل کے ساتھ تنقید بھی ہوتی تھی۔ ہر طبقۂ خیال کے لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ علمی و ادبی اجتماع کا مرکز بھی ریڈیو پاکستان ہی تھا اور یہ مرکز نئے لوگوں کی تربیت گاہ بھی تھا۔

میرے بہت سے سینئر ساتھیوں میں جناب یاور مہدی "بزم طلبا" اور او۔ بی سیکشن کے انچارج ہوتے تھے (زیرِ نظر مضمون یاور صاحب کے بارے میں ہی لکھ رہی ہوں، اس لیے انھی کا تذکرہ کروں گی)۔ شروع میں مجھے جن پروگرامز کی ذمے داری سونپی گئی، ہفتے وار خواتین / بچوں اور "اپوا میگزین" کے پروگرام تھے اور شام کی ٹرانسمشن میں روزانہ بچوں کی کہانی تھی، لیکن اس کے ساتھ خواتین کے فنکشن میں او۔ بی ٹیم کے ساتھ میری ڈیوٹی بھی لگادی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ دوسرے پروگراموں میں بھی یاور صاحب میری رہ نمائی کرتے تھے۔ دو، ڈھائی سال کے بعد میری ڈیوٹی شعبۂ "بزم طلبا" میں یاور صاحب کے ساتھ لگادی گئی اور صحیح طور سے

پروگرامز سمجھنے، کام سیکھنے اور کام کرنے کا موقع مجھے یہیں ملا۔

اگر میں یہ کہوں کے براڈکاسٹنگ میں یاور مہدی صاحب میرے استاد ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ ان کے ساتھ کام کرنے سے مجھے بہت فائدہ ہوا اور انھوں نے مجھے بڑا اعتماد دیا۔ ان کی خوبی یہ ہے کہ وہ نئے آدمی کو اتنا اعتماد دیتے ہیں کہ کام کرنے والے آدمی کو محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ زیرِ تربیت ہے۔ وہ خود بھی نظم و ضبط اور قرینے سے کام کرتے ہیں اور کام بھی نظم و ضبط کے ساتھ ہی لیتے ہیں۔ یاور صاحب نے بلاشبہ سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں لوگوں کی تربیت کی ہے، ان کی صلاحیتوں کو بیدار کیا ہے۔

یاور صاحب کی شخصیت بڑی قد آور ہے، ان میں بڑی خوبیاں ہیں۔ ایک زمانے میں شعبۂ بزمِ طلبا کی شناخت یاور صاحب ہی کے حوالے سے ہوتی تھی۔ بڑی خوبی اور کامیابی سے انھوں نے بزم طلبا سیکشن کو چلایا۔ ان کے بارے میں بات بعد میں ہوگی، پہلے شعبۂ بزم طلبا کے حولے سے کچھ بات ہو جائے۔

شہر کے تمام تعلیمی اداروں کے طلبا و طالبات اور اساتذہ شعبۂ بزم طلبا میں حصہ لیتے تھے۔ تقریباً روزانہ یا دوسرے دن یاور صاحب جامعہ میں یا کسی نہ کسی کالج میں اساتذہ سے پروگرام discuss کرنے جاتے تھے اور وہاں باصلاحیت طلبا و طالبات کو شرکت کی دعوت دی جاتی تھی جو پرنسپل یا ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ کا خط لے کر آتے تھے تاکہ ان کے طالبِ علم ہونے کی تصدیق ہو سکے۔ روزانہ آدھے گھنٹے کا پروگرام نشر ہوتا تھا۔ یہ واحد شعبہ تھا جس میں اسٹیشن ڈائرکٹر کی ذاتی دلچسپی ہوتی تھی اس آدھے گھنٹے میں ہر طرح کے پروگرام شامل ہوتے تھے، مثلاً: تعلیمی خبرنامہ، توسیعی لکچرز، مباحثے، مشاعرے، تنقیدی نشست، مقابلہ، معلوماتِ عامہ، انٹرویوز، ڈرامے، موسیقی وغیرہ۔ ہفتے میں ایک دن انگریزی پروگرام ہوتا تھا جس میں ہر طرح کے پروگرام شامل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ امتحانات شروع ہونے سے پہلے

توسیعی لیکچرز کی ریکارڈنگ شروع ہو جاتی تھی اور Data Sheet کے مطابق یہ لیکچر نشر کیے جاتے تھے جن سے طلبا و طالبات کو امتحانات کی تیاری میں بڑی مدد ملتی تھی۔

شعبۂ بزم طلبا میں سالانہ دو جشن منائے جاتے تھے، ایک جشن تمثیل اور ایک جشن طلبا۔

"جشن تمثیل" میں طلبا کو ہی ڈراما لکھنے کی دعوت دی جاتی تھی، طلبا ہی صداکار اور پیش کار ہوتے تھے۔ طلبا کو ان صلاحیتوں کے مطابق انتخاب کیا جاتا تھا۔ سب سے پہلے مسودے طلبا سے حاصل کیے جاتے تھے اور تمام تعلیمی اداروں کے اساتذہ اور طلبا کو شمولیت کی دعوت دی جاتی تھی۔ آوازوں کے انتخاب کے لیے اسٹیشن کے ڈراما پروڈیوسرز جناب رضی اختر شوق، جناب نجم الحسنین اور محترمہ فاروق جہاں تیموری کو یہ ذمے داری سونپی جاتی تھی۔ مسودوں کی درستی کے لیے اساتذہ اور ڈراما رائٹرز کو دعوت دی جاتی تھی۔ پیش کش طلبا کی ہوتی تھی، مگر ہر ڈرامے کا نگراں اسٹیشن کا ایک پروڈیوسر ہوتا تھا جو طالب علم پروڈیوسر کی رہ نمائی کرتا تھا۔ ریکارڈنگ کے لیے اسٹوڈیوز کی سہولت انجینئر صاحبان کی ذمے داری ہوتی تھی۔ ریہرسل اور ریکارڈنگ کے دن اور وقت کا تعین بھی انجینئرز ہی کرتے تھے۔ نگراں پروڈیوسر کی طرح ہر ڈرامے کی ریکارڈنگ کے انچارج انجینئر کا تعین بھی کیا جاتا تھا اور اس طرح ہر کام خوش اسلوبی سے ہو جاتا تھا۔ طالب علموں کے آپس کے اختلافات اور جھگڑے یاور مہدی صاحب بہت خوش اسلوبی اور پیار کے ساتھ نمٹاتے رہتے تھے جس سے دونوں پارٹیاں مطمئن ہو جاتی تھیں۔ آفس کے انتظامی امور (شعبۂ بزم طلبا سے متعلق) بھی وہی حل کرتے تھے۔ اصل میں پورے جشن کا بوجھ ان کے کندھوں پر ہی ہوتا تھا۔

پندرہ روزہ "جشن طلبا" کچھ زیادہ ہی ہنگامے لے کر آتا تھا، کیونکہ اس میں مختلف نوعیت کے پروگرام ہوتے تھے، مثلاً: محفل قرأت، محفل نعت خوانی،

انگریزی / اردو مباحثہ ، مشاعرہ ، ڈراما ، خاکے ، مقابلۂ معلومات عامہ وغیرہ ۔ تمام تعلیمی اداروں کی نمائندگی ہر پروگرام میں ہوتی تھی اور ہر پروگرام کے لیے طلبا و طالبات الگ الگ ہر ادارے سے منتخب ہوتے تھے ، اس لیے ان کی تعداد بھی زیادہ ہوتی تھی ۔ پرنسپل صاحبان ، اساتذۂ کرام اور ماہرین کا تعاون بھی شامل ہوتا تھا ۔ پروگرام تقریباً تین گھنٹے کا ہوتا تھا جس کے لیے اکثر ٹرانسمشن کے اوقات کو بڑھا دیا جاتا تھا ۔ اس میں بھی ہر پروگرام کا نگراں اسٹیشن کا ایک پروڈیوسر ہوتا اور پروگرام کی پیش کش بھی اسی کی ہوتی تھی ۔ پورا اسٹیشن اس وقت اپنی اپنی ذمے داریوں کو اس طرح ادا کرتا تھا گویا یہ اس کا ذاتی کام ہے ۔

یاور صاحب کی یہ خوبی ہے کہ وہ اپنے ساتھ اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر چلتے ہیں اور اس تمام شو کے روح و رواں یاور صاحب ہوتے تھے جو کام کرنا اور کام لینا خوب جانتے ہیں ۔ ابتدائی کام اور رہ نمائی کا کام شعبۂ بزم طلبا ہی میں ہوتا تھا ۔ یاور مہدی صاحب انتظامی امور کو اس طرح انجام دیتے تھے کہ کام کرنے والوں کو کوئی دقت نہیں ہوتی تھی ۔ مثلاً ریکارڈنگ کے سلسلے میں اس دن کا تمام پروگرام لکھ کر تقسیم کر دیا جاتا تھا ، اس سے کام بھی خوش اسلوبی سے ہو جاتا تھا اور وقت کی بچت بھی ہو جاتی تھی ۔ وہ شہر کی مقتدر شخصیات کو ان کے شعبے اور دلچسپی کے مطابق مہمان خصوصی اور منصفین تجویز کرتے تھے ۔ اس طرح محترم یاور مہدی پورا سال عمومی پروگراموں کے ساتھ خصوصی نشریات میں مصروف رہتے تھے ۔

یاور صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن بھی ہیں اور ایک ادارہ بھی ۔ ان کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ دوستوں کے دوست تو ہیں ہی مگر دشمنوں کے لیے بھی بڑے مہربان ہیں گویا محبت دوستوں سے اور ہمدردی دشمنوں سے بھی ۔ اکثر بعض طلبا ان کے خلاف اخبارات میں لکھواتے تھے ، لیکن جب وہ یہاں آتے تھے تو ان سے نہ کوئی بازپرس ہوتی اور نہ ان کے پروگراموں پر پابندی لگائی جاتی تھی ۔ اور اگر ان

لوگوں کو کسی طرح کی مدد کی ضرورت ہوتی تو وہ بڑے کھلے دل سے ان کی مدد کرتے اور ایسا وہ اب بھی کرتے ہیں ۔ باصلاحیت طالب علم کو تو وہ نظر انداز کر ہی نہیں سکتے تھے ۔ ان میں منافقت بالکل نہیں ہے ۔ ہمیشہ دوست، دشمن کو صائب مشورہ دیتے ہیں ۔

ظفر حسین

(سابق ڈپٹی ڈائرکٹر جنرل)

میرے دیرینہ رفیق یاور مہدی چند ہفتوں میں ڈپٹی کنٹرولر کے عہدے سے سبک دوش ہو کر پنشن پر چلے جائیں گے ۔ میں اس موقع پر انھیں مبارک باد پیش کرتا ہوں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج کی دنیا میں کسی کا باعزت طور پر اپنی دوسری زندگی کا آغاز کرنا بہت بڑی بات ہے ۔ میں بغیر کسی جھجک کے یہ کہتا ہوں کہ یاور مہدی نے ایک براڈ کاسٹر کی حیثیت سے نہایت ہی باوقار، باعزت اور قابل قدر زندگی گزاری ہے ۔

میں اب سماعت اور بینائی، دونوں سے اس قدر محروم ہو گیا ہوں کہ نہ کسی کی بات سن پاتا ہوں اور نہ کسی کو پہچان سکتا ہوں جب تک کہ اسے بہت قریب سے نہ دیکھوں ۔ ذہن کا یہ عالم ہے کہ مجھے پچھلی زندگی کے بہت سے واقعات بھی یاد نہیں سوائے اس کے کہ میں ۲۹ اکتوبر، ۱۹۷۰ء کو ڈپٹی ڈائرکٹر جنرل کے عہدے سے ریٹائر ہوا ۔ اس وقت دنیا کے نقشے پر بنگلا دیش کا کوئی وجود نہیں تھا ۔ مجھے مشرقی اور مغربی، دونوں صوبوں کے ریڈیو اسٹیشنوں پر بار بار جانے کا موقع ملا اور اس لیے ذہن میں وہاں کی خوش گوار یادیں ابھر کر سامنے آتی ہیں، خصوصیت کے ساتھ وہ زمانہ بہت یاد آتا ہے جب کراچی اسٹیشن پر میں ریجنل ڈائرکٹر کی حیثیت سے کام کرتا

تھا۔یہ زمانہ بڑا گہما گہمی کا تھا۔اس زمانے میں براڈکاسٹنگ کے نئے تقاضے سامنے آئے مثلاً Presidential Publicity اور ۱۹۶۵ء کی جنگ بہت اہم تھے۔اس موقع پر میرے رفقائے کار نے جس ہمت اور عزم سے کام کیا اور کراچی اسٹیشن کی نشریات کو بے حد مقبول بنایا، میں اس کو فراموش نہیں کر سکتا۔اس میں جس تن دہی اور خصوصیت سے یاور مہدی نے کام کیا، وہ ہمیشہ قابل تعریف رہا اور میں نے وقتاً فوقتاً ان کی تعریف سے کبھی گریز نہیں کیا۔

میری کراچی اسٹیشن پر تعیناتی کے دوران ہی جنگ کے سیاہ بادلوں نے اس ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ریڈیو پاکستان نے اس جنگ کے دوران جو کردار ادا کیا، آج تک قوم نے اس کو فراموش نہیں کیا ہے۔گو جنگ میں ہر پروڈیوسر نے اپنی ذمے داریاں بحسن وخوبی سرانجام دیں، مگر یاور مہدی نے جو کام کیے، مجھ کو آج تک حیرت ہے کہ ایک اکیلے انسان نے تن تنہا اتنے کام کیسے کر ڈالے۔یاور مہدی نے نہ دن کو دن سمجھا اور نہ رات کو رات۔ فرائض منصبی کو قومی فریضہ سمجھا اور ایک سچے محبِ وطن کی طرح اپنا کام کیا۔مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یاور مہدی کے ذمے جنگ کے دوران سات پروگرام تھے جو انتہائی اہم تھے اور جن کی تیاری کے لیے اسٹوڈیو سے باہر کی (او۔بی) ریکارڈنگ بھی کرنی پڑتی تھی۔ان پروگراموں میں جہاد کے موضوع پر علمائے کرام کی تقاریر، شہر کی ممتاز شخصیتوں کے تاثرات "شہر کے لوگ" کے عنوان سے، "شہر نامہ" جس میں امدادی کاموں کی تفصیلات اور سماجی کارکنوں کے تاثرات ہوتے تھے، "یونی ورسٹی میگزین"، ابتدائی طبی امداد کے موضوع پر ڈاکٹر ایم۔این جیلانی کی تقاریر، ڈاکٹر ذکی حسن کی عام شہریوں کے ساتھ گفتگو بعنوان "جنگ کے نفسیاتی اثرات" اور سب سے اہم پروگرام "آئینہ" تھا جو ریاض فرشوری لکھتے تھے اور عبدالماجد مرحوم اپنے مخصوص انداز میں پڑھا کرتے تھے اور جو ہندوستانی محاذ پر نفسیاتی جنگ کا سب سے خطرناک ہتھیار تھا۔غرض جنگ اور

اس کے بعد یاور مہدی کی صلاحیتوں کے وہ جوہر آشکار ہوئے جن سے بعد میں آنے والوں نے فائدے اٹھائے۔

جنگ کے بعد بھی جو زبردست پروگرام "ہفتۂ طلبا" یاور مہدی نے نشر کیا، اس کی کامیابی کا زیادہ تر دارومدار انھی کی محنت اور لگن پر تھا۔ ایک انگریزی اخبار، جس کا مجھے نام یاد نہیں، نے ان پروگراموں کے متعلق یہ لکھا تھا کہ سننے والے آدھی رات گزرنے کے بہت دیر بعد تک ان پروگراموں کو سنتے رہے۔ اخبار کے الفاظ کچھ اس طرح تھے:

"Listeners remained glued to their radio sets till late after mid night."

اس جملے کی صدائے بازگشت اس ڈائرکٹرز کانفرنس تک بھی پہنچی جو جنگ کے بعد ڈھاکے میں منعقد ہوئی تھی اور جس کے بارے میں سکرٹری انفارمیشن، جناب الطاف گوہر نے فرمایا تھا:

"Karachi Station has dug a gold mine and other stations should follow that example."

یہ جملہ ڈائرکٹرز کانفرنس کی رپورٹ میں درج ہے۔ میں نے ڈھاکے سے واپسی پر یاور مہدی کو خصوصی مبارک بادی تھی، کیونکہ ان پروگراموں کی کامیابی میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔ جنگ کے زمانے میں جو ایک خاص فضا پیدا ہوئی تھی اور جس کی گونج سارے پاکستان میں سنی جاتی، ان میں وہ نغمے بھی شامل تھے جو اس موقع پر نشر ہوئے اور جن کی یادیں اب تک لوگوں کے دلوں میں ہیں۔ ان تمام کامیابیوں میں دراصل ان تمام ہدایات کو بڑا دخل ہے جو ڈائرکٹر جنرل جناب ظہور آذر صاحب دیتے تھے۔ اسی زمانے میں کچھ لوگوں نے میرے خلاف ایک پروپیگنڈا مہم شروع کی تھی جو

انھوں نے سختی سے دبا دیا تھا۔ اب ان تمام پروگراموں کی تفصیل دینا تو لاحاصل ہوگا جواب نہ میرے ذہن میں باقی ہیں اور نہ میں اب ان کو غور کرنے کے بعد بھی یاد کر سکتا ہوں۔

میں یاور مہدی کے لیے دعا کرتا رہوں گا کہ وہ اس نئی زندگی میں جس میں قدم رکھنے والے ہیں، کامیاب اور بامراد رہیں۔ ویسے میری کیفیت تو اب یہ ہے کہ

تیری یاد کے سہارے میرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا، نہ شکایتِ زمانہ

(ظفر حسین صاحب کے یہ تاثرات ان کی ایک شاگردہ نے لکھے ہیں جو ظفر صاحب نے لکھوائے ہیں۔)

غلام حسین جعفری

(ڈپٹی کنٹرولر، ریڈیو پاکستان)

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

ہم نے سوچا کہ یاور مہدی کے بارے میں لوگ ان کے ریٹائرمنٹ پر اپنے خیالات کا اظہار کریں گے، کچھ ان کے بارے میں زمین آسمان کے قلابے ملائیں گے اور کچھ ان کے پرزے اڑانے کی کوشش کریں گے۔ تو صاحب! ہماری خواہش دل ہی میں رہ گئی۔ جس کو دیکھو، وہ ان کی مدح سرائی میں لگا ہوا ہے۔ ہم نے سوچا کیا یاور مہدی میں سرے سے کوئی برائی ہے ہی نہیں؟ اور یہ ممکن کیسے ہے؟ انسان غلطی کا پتلا ہے اور یاور مہدی بھی انسان ہیں۔ ہم نے کھنگالنا شروع کر دیا۔ تو صاحب! کھودا پہاڑ،

نکلا چوہا۔ پتا چلا کہ یار من ضدی ہیں۔ جس کے پیچھے پڑجاتے ہیں، پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اب آرٹس کونسل کو ہی لے لیجیے۔ ایسے پیچھے پڑے ہیں کہ بیوی بچوں کو شاید بھلا دیا ہے۔ اس عمر میں آوارہ لڑکوں کی طرح گھر دیر سے پہنچتے ہیں، دن کا بیشتر حصہ آرٹ کونسل کے آنگن میں گزارتے ہیں۔ جس طرح ریڈیو اور بخاری لازم وملزوم ہوگئے تھے کچھ ایسا ہی حال تقریباً یاور مہدی کا بھی ہے۔

ہماری اور یاور مہدی کی رفاقت تقریباً تین عشروں سے زیادہ عرصے پر محیط ہے۔ یاور مہدی شمع محفل ہیں، جان محفل ہیں یا خود محفل ہیں، یہ تو پتا نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ جہاں بیٹھ جاتے ہیں، محفل سج جاتی ہے اور کچھ اس طرح سج دھج سے جمتی ہے کہ دل وہاں سے اٹھنے کو نہیں چاہتا۔ رہی ان کے دل کی بات تو وہ خود دل کو دل سے لگائے رہتے ہیں۔ جب دیکھو، جب سنو خبر ہوتی ہے کہ یاور مہدی فلاں ہسپتال میں دل کے وارڈ میں محفل سجائے لیٹے ہیں اور یاروں کا جم غفیر وہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑتا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ نام کے یاور نہیں ہیں بلکہ عملاً بھی یاور ہیں۔ کوئی نہ کوئی شخص اپنی پریشانیاں لیے یاور بھائی کے کمرے میں موجود ہوتا ہے اور وہ یاوری میں کوتاہی یا بخیلی نہیں کرتے، شرط یہ ہے کہ ان کو لے جانے کا بندوبست کر دیا جائے، اس لیے کہ اتنی عمر گورنمنٹ کی نوکری کرنے کے بعد بھی ان کے پاس اپنی سواری نہیں ہے۔ ادنیٰ سے اعلیٰ شخصیات تک سفارش کے لیے ہمہ وقت، ہمہ تن تیار رہتے ہیں۔ خوش لباس ہونے کے ساتھ خوش گفتار بھی ہیں، زیادہ وقت مسکراہٹ ان کے چہرے پر نمایاں رہتی ہے، خواہ وہ دانستہ اظہار نہ کرنا چاہیں۔ مزاج میں اقبال کے مرد مومن کی طرح گھن گرج بھی کبھی کبھار نظر آتی ہے اور وہ شاید وقتی ذہنی دباؤ کی وجہ سے ہوتی ہو۔ ریٹائر ہونے کو ہیں۔ غالب کے قویٰ مضمحل ہو چکے ہوں گے لیکن پھرتی اور طمطراق میں کمی نہیں آئی ہے۔ آج بھی ان کا کہنا ہے کہ عارضۂ دل کے باوجود ۱۸ سے ۲۰ گھنٹے کام کر سکتے ہیں۔

یاور مہدی ان لوگوں میں سے ہیں جو زندگی خود اعتمادی سے بسر کرتے ہیں اور کسی کمپلکس کا شکار نہیں ہوتے۔ وہ اپنے فیصلے پر قائم رہنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے پرستاروں اور مطیع لوگوں کی تعداد ان گنت ہے اور کٹھن سے کٹھن کام بھی ان کے اشاروں پر کرنے کو تیار رہتے ہیں، اور یہ صلاحیت ان کی ہمہ جہت خوبیوں کی عکاس ہے۔ کبھی کبھی تو وہ ایک ایسی ہرجائی محبوبہ کی طرح نظر آنے لگتے ہیں جو ہر ایک کا دل رکھنا جانتی ہو، قطع نظر اس بات کے کہ اس کے اپنے دل پر کیا گزر رہی ہے وہ ہر ایک کی خوشی میں خوش رہتے ہیں۔

یاور مہدی پروڈیوسر بنے اور محفلیں سجانی شروع کر دیں جن میں بزمِ طلبا بامِ عروج پر پہنچ گئی اور وہ وقت بھی آیا جب یاور مہدی اور "بزمِ طلبا"، دونوں ایک ہی نام سمجھے جانے لگے۔ کراچی کے تمام کالجوں، اسکولوں اور یونی ورسٹیوں میں ان کا نام جانا پہچانا بن گیا۔ طلبا برادری میں ان کی ایک شناخت بن گئی جو نہ جانے کب تک قائم رہے گی۔ سادات بارہ کی طرح یاور مہدی کا شمار بھی شیشہ گروں میں کیا جا سکتا ہے۔ "بزمِ طلبا" نے ہزاروں شیشہ تراش دیے جن کی جگمگاہٹ ہر سو نظر آتی ہے۔ کل تک جو بچے "بزمِ طلبا" میں جھجکتے، شرماتے اور گھبراتے ہوئے آتے تھے، آج زندگی کے مختلف شعبوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ خواہ وہ تعلیم ہو یا سیاست، ان لوگوں نے اپنا لوہا منوا لیا ہے۔ بقول یاور مہدی، ان کے "بزمِ طلبا" کے پروانوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ سے زائد ہو گی جن میں وہ ہر دل عزیز ہیں۔ شہر کی کسی محفل میں چلے جائیں، ان کے چاہنے والے ضرور مل جائیں گے اور کمال یہ ہے کہ ہر شخص کو نام سے جانتے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے کہ ہم دونوں اپنے مشترکہ دوست مشتاق گزدر کے دفتر گئے۔ وہاں ایک خاتون کسی ڈرامے کی ریہرسل کر رہی تھیں۔ گزدر صاحب نے اپنا فرض سمجھتے ہوئے ان صاحبہ سے ہمارا تعارف کروایا۔ معلوم ہوا کہ وہ خاتون "یاور بھائی" کو اچھی طرح جانتی ہیں اور یاور صاحب ان کے تمام خاندان سے واقف نکلے۔ ایسے مواقع پر اپنی

کم مائیگی کا بہت احساس ہوتا ہے اور اپنی اجنبیت پر دکھ ہوتا ہے کہ ہم نے بھی اسی ریڈیو میں زندگی گزار دی ہے۔

ایک دن ہم سوچ رہے تھے کہ آخر یاور مہدی میں ہر دل عزیزی والی کون سی بات ہے، تو جواب نفی میں نظر آیا۔ نہ وہ موسیقار ہیں، نہ شاعر ہیں، نہ ادیب ہیں اور نہ فن کار ہیں.... پھر ایسی کون سی گیدڑ سنگی ان کے پاس ہے کہ ایک دفعہ کوئی ملاقات کر لے تو گرویدہ ہو جاتا ہے۔ پتا چلا کہ وہ ہے ان کا خلوص، ہمدردی، انسان دوستی اور فنونِ لطیفہ سے لگاؤ اور سب سے زیادہ ان کی تنظیمی صلاحیت جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ "بزمِ طلبا" کے زمانے میں یہ صلاحیت بھرپور نظر آتی تھی۔ شہر کی ہر درس گاہ، اس کے اساتذہ اور ان کے ہونہار شاگرد، سب ان کی دسترس میں ہوتے تھے جس کو تلاش کرنا ہوتا، ریڈیو اسٹیشن کا رخ کرتا اور وہ بندہ "بزمِ طلبا" میں نظر آجاتا۔ نتیجہ اس کا یہ تھا کہ ریڈیو پر جو چہل پہل اس وقت نظر آئی، پھر کبھی نظر نہ آئی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کے اتنے ہمہ جہت پہلو ہوتے ہیں کہ اس کی شخصیت کا احاطہ چند سطروں میں کرنا ممکن نہیں ہوتا، اس لیے کہ بہت سی مخفی صلاحیتوں سے آدمی خود بھی ناواقف ہوتا ہے۔ آدمی اچھائیوں اور برائیوں کا پیکر ہے۔ زیادہ اچھائیاں آدمی کو اچھا کہلواتی ہیں اور شاید وہ آدمی انسان کے زمرے میں آجاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں "انسان" کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے.... یاور مہدی آدمی بھی ہیں اور "انسان" بھی۔ بہرحال یہ عزت، محبت اور ہر دل عزیزی بزورِ بازو نیست.... تا نہ بخشد، خدائے بخشندہ۔

یاور مہدی ٹی۔وی کی ممتاز شخصیات کی نظر میں

(سروے : محمود حسن)

حیدر امام رضوی

میری زندگی میں چند ہی لوگ ایسے ہیں جنھوں نے مجھ جیسے ناکارہ انسان کو حیدر امام رضوی بنایا۔ان میں ایک معتبر نام محترم یاور مہدی کا ہے۔میری ہی کیا، اس وقت کراچی میں بیشتر نمایاں افراد کے سر پر یاور مہدی صاحب نے ہی ہما بٹھایا ہے۔میں نے "بزم طلبا" سے ہی اپنی غیر نصابی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔یاور صاحب کے طفیل اور اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے مجھے بہت عزت ملی۔میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ برادرم یاور مہدی صاحب کو طویل عمر اور صحت دے۔ان کی شخصیت کے حصار میں ہم جیسے بہت سے لوگ ہیں۔ان کا مشفقانہ رویہ ہر ایک کے ساتھ ایسا ہے کہ ہر آدمی سمجھتا ہے کہ شاید یاور مہدی صاحب مجھی سے بہت زیادہ قریب ہیں۔کم از کم میں تو یہی سمجھتا ہوں۔

کاظم پاشا

ٹی۔وی کے نامور پروڈیوسر کاظم پاشا صاحب نے کہا کہ یاور مہدی صاحب وہ شجر سایہ دار ہیں جس کے سائے میں بہت سے لوگ راحت محسوس کرتے ہیں۔میں ٹی۔وی پر آج جو کچھ بھی ہوں، وہ محترم یاور مہدی صاحب کی وجہ سے ہوں۔وہ میرے شفیق استاد اور سرپرست ہیں۔مجھے شو بزنس کی دنیا میں یاور بھائی ہی نے

روشناس کروایا۔ ابتدا میں، میں نے "بزمِ طلبا" سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا جس کے انچارج یاور مہدی صاحب تھے۔

بطورِ انسان بھی یاور بھائی بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔ ہنس مکھ، خوش اخلاق اور بہت شفیق انسان۔ محمود حسن نے یہ بڑا اچھا کام کیا کہ وہ یاور مہدی صاحب کی شخصیت پر ان کے مداحوں سے تاثرات جمع کر رہے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ کتاب جلد منظرِ عام پر آئے!

ٹی۔وی کے سابق جی۔ایم جناب عبدالکریم بلوچ نے کہا

(رپورٹ: محمود حسن)

۱۹۶۰ء یا ۱۹۶۲ء کے زمانے میں کراچی کے فن کاروں کے لیے ریڈیو ہی ابتدائی تعلیم کا ایک مدرسہ ہوا کرتا تھا جہاں اس وقت مرحوم زیڈ۔اے بخاری، آغا ناصر، برہان الدین حسن صاحب وغیرہ ہوا کرتے تھے۔ پھر اسی دوران ایک نوجوان اور خوبرو پروڈیوسر "یاور مہدی" کے نام کا اضافہ ہوا۔ یاور مہدی صاحب دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں کے دلوں میں گھر کرتے گئے۔ انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے بہت جلد اپنے آپ کو منوا لیا اور اپنے بہت سے چاہنے والے پیدا کر لیے۔ میں بھی یاور صاحب کے چاہنے والوں میں سے ہوں۔

میں محمود حسن سے درخواست کروں گا کہ یاور صاحب پر جب یہ کتاب شائع ہو جائے تو مجھے ایک کاپی ضرور دیں، میں شوق سے پڑھوں گا۔ میں یاور صاحب کے لیے اتنا ضرور کہوں گا کہ ریڈیو کے ساتھ آرٹس کونسل میں بھی یاور صاحب کی پوزیشن نمبر وَن ہے۔

سلطانہ صدیقی

(ٹی۔وی پروڈیوسر)

یاور مہدی صاحب بڑے سچے اور کھرے قسم کے آدمی ہیں، اپنے کام میں بے حد محنتی، ریڈیو اور آرٹس کونسل کی جان۔سچ ہے کہ جس طرح آرٹس کونسل کی ادبی سرگرمیاں ان کی نگرانی میں اچھی اور بہت اعلیٰ ہو رہی ہیں، ایسا پہلے بہت کم ہوتا تھا۔شاید وہ ریڈیو کے بعد آرٹس کونسل میں پورا وقت دے سکیں، جب آرٹس کونسل مزید عروج پر ہوگا۔

سادہ مگر ذہین

عبدالحکیم

(سابقہ اناؤنسر ریڈیو پاکستان، کراچی)

میں ۱۹۵۶ء میں ریڈیو پاکستان، راولپنڈی سے وابستہ ہوا اور ۱۹۸۸ء میں ریٹائر ہوا۔اس دوران مجھے انتہائی مستند اور بڑے براڈکاسٹر حضرات مثلاً جناب سید انصار ناصری، جناب نسیم الظفر ملک، استاد یوسف ظفر، جناب سلیم گیلانی، جناب حمید اعظمی، جناب اصغر بٹ، جناب مختار صدیقی، جناب شمس الدین بٹ، جناب حمید نسیم، جناب ظفر حسین، جناب ایم۔بی انصاری وغیرہ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا

جب ۱۹۶۳ء میں میرا تبادلہ راولپنڈی سے کراچی ہوا تو یہاں میری ملاقات دیگر کے علاوہ ایک بالکل نئے، بہت سادہ مگر ذہین پروڈیوسر سے ہوئی جو صرف مجھ سے، سات

ماہ پہلے ہی ریڈیو میں داخل ہوئے تھے ۔ تھوڑے ہی وقت گزرنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ یہ پروڈیوسر نہ صرف ایک اچھا براڈکاسٹر ہے ، بلکہ ایک بہت ہی مخلص اور انسان دوست ، بے غرض فرد بھی ہے ، نیا پروڈیوسر ہونے کے باوجود انسانوں کے سمندر اس کراچی میں ان کی بڑی قدرو منزلت ہے ۔ کراچی میں میرا ابھی بالکل ابتدائی دور تھا کہ میرے ایک دوست نے ، جو پاکستان ایئر فورس میں افسر تھے ، اپنے اسٹیشن کمانڈر کے ذوق کی تسکین کے لیے مجھ سے فرمائش کر دی کہ ہمارے اسٹیشن پر ایک محفل مشاعرہ بغیر کسی معاوضے کے منعقد کروا دو ۔ میں نے معذرت کی کہ میں تو اس شہر میں بالکل نیا ہوں ، کسی کو جانتا نہیں ہوں ، مگر ان کا اصرار تھا کہ تم کر سکتے ہو ۔ چک لالہ ، راولپنڈی میں بھی وہ اس قسم کی فرمائشیں کرتے تھے ۔ میری نظر اس نئے مگر ابھرتے ہوئے پروڈیوسر پر پڑی جو دوسروں کی نسبت مجھ سے زیادہ قریب تھا ۔ ایک دفعہ ہی کے کہنے پر اس مخلص پروڈیوسر نے پورے شہر کے نامی گرامی شعرا کو جمع کر کے ماڑی پور ایئر فورس کے اسٹیشن پر ایک یادگار مشاعرہ منعقد کر دکھایا اور مجھے عزت بخش دی ۔ اکثر لوگ بلکہ پروڈیوسر حضرات بھی کہتے سنے گئے کہ منوں کام یا پروگرام پیچھے پڑ گیا ہے ، مگر اس پروڈیوسر سے کام کو شکایت رہی کہ وہ تو پیچھے پڑ گیا ۔ میں جب کراچی آیا تو کراچی کی معاشرتی سرگرمیوں کی صوتی تصویر ہفتے میں ایک دن Radio News Reel کے نام سے ۱۵ منٹ کے پروگرام میں پیش کی جاتی تھی ۔ جب یہ پروگرام اس پروڈیوسر کو دیا گیا تو اس نے اس پروگرام کو روزانہ ۱۵ منٹ "شہر نامہ" کے نام سے جاری کر دیا بلکہ قائم کر دیا ۔ پھر ایک پروگرام ۱۵ روزہ "یونی ورسٹی میگزین" کے نام سے ہوتا تھا ۔ اس پروگرام کی دلچسپی اور افادیت کو بڑھا کر اس پروڈیوسر نے اسے "بزمِ طلبا" کے نام سے روزانہ کا پروگرام بنا دیا اور آج بھی طلبا برادری میں پوری طرح مقبول ہے ۔ اب یہ پروڈیوسر زندگی کی منزلوں کے ساتھ محکمانہ درجات بھی عبور کرتا ہوا آج ڈپٹی کنٹرولر کے عہدے پر محکمے کو خدا حافظ کہہ

رہا ہے ، کہ یہی ملازموں کی عزت ہے کہ جب وہ اپنے فن یا اپنے شعبے میں مہارت حاصل کر لیں تو ان کو علم ہوتا ہے یا بتایا جاتا ہے کہ "آپ سٹھیا گئے ہیں ، آپ ساٹھ سال کے ہو گئے ہیں ، اپنے گھر جائیے" مگر میں سوچتا تھا کہ یہ متحرک شخصیت جسے کام سے بڑا لگاؤ ہے ، یہ ریٹائرڈ لائف کیسے گزارے گا ، مگر مجھے معلوم ہوا کہ اس نے پہلے بھی ایک فنون لطیفہ کے ادارے آرٹس کونسل میں اپنا مقام بنا لیا ہے ۔

پیارے انسان ، پیارے دوست ، سید یاور مہدی ! اللہ تمھیں خوش رکھے ۔ مجھے تمھاری دوستی پر ہمیشہ فخر رہا اور رہے گا ۔

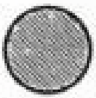

رفیق صدیقی

(ریٹائرڈ سینئر پروڈیوسر ، ریڈیو پاکستان)

یاور میرے بہت اچھے دوست ہیں ۔ ریڈیو سے میرا بھی تعلق ہے ۔

خلوص ، پیار ، محبت ، یگانگت ، ہمدردی ، رواداری ، مونس و غم خواری ....

ایسے ہی لفظوں کی معنویت کو اگر یک جا کر دیا جائے تو یاور مہدی بن جاتا ہے ۔

رفیق کو یاور کی رفاقت پر فخر ہے ۔

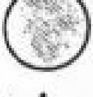

عبیدہ انصاری

(اناؤنسر ، اسٹاف آرٹسٹ ، ریڈیو پاکستان)

یاور مہدی کی شخصیت کے بارے میں اظہارِ خیال کرنا کچھ اتنا آسان نہیں ۔

پہلی بات تو یہ کہ دریا کو کوزے میں بند کس طرح کیا جائے ۔ محاورۃً تو یہ بات

درست لگتی ہے مگر حقیقتاً بہت مشکل کام ہے، تاہم لکھنا بھی ہے اور الفاظ کا کم سے کم ذخیرہ بھی استعمال کرنا ہے، کیونکہ صرف ایک بروشر یاور مہدی کی شخصیت کا احاطہ کرنے کے لیے کافی نہیں ۔ یاور کے معنی ہیں مددگار، اور وہ اپنے نام سے متصف شخصیت کے حامل ہیں ۔ تقریباً تیس سال میرا اور یاور صاحب کا آفس میں ساتھ رہا ۔ اس دوران کبھی کسی کو کسی کام کے لیے " نہیں " کہتے نہیں سنا ۔ وہ ہمیشہ دوسروں کے کام کے لیے پیش پیش رہے، بلکہ اکثر اوقات تو یوں محسوس ہوا کہ جیسے دوسروں کے کام آنا ہی ان کا مقصدِ حیات ہے اور جیسے ایسا کرکے انھیں دلی سکون ملتا ہے ۔ دوسری جانب دیکھیے تو ان کی شخصیت کا یہ پہلو چونکا دیتا ہے کہ نہ وہ شاعر ہیں، نہ ادیب، نہ فن کار، مگر جہاں جائیے، جس جگہ بیٹھیے، بڑے بڑے پڑھے لکھے، قابل، مشہور و معروف لوگوں کے درمیان جب بھی ریڈیو پاکستان کی بات ہوئی اور یاور مہدی کا ذکرِ خیر چھڑا تو اس طرح کہ " یاور صاحب ؟ وہ تو ہمارے استاد ہیں ۔ انھیں کے زمانے میں جب وہ 'بزمِ طلبا' کے انچارج تھے، ہم 'بزمِ طلبا' میں پروگرام کیا کرتے تھے ۔ وہ بہت شفیق، بااخلاق، مہربان اور نرم خو شخصیت کے حامل ہیں ۔ ہم نے ان سے اتنا کچھ سیکھا کہ آج اسی کو کامیابی کی سیڑھی بنا کر ترقی کی منازل طے کر رہے ہیں "۔ یہ تاثرات مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے کامیاب لوگوں کے تھے یاور مہدی کے بارے میں اور میں اس سے اتفاق کرتی ہوں ۔ دراصل انھوں نے اپنے پروگرام کے ذریعے بے شمار ادیب، شاعر اور فن کار پیدا کیے اتنے طویل عرصے آفس میں، تقریبات میں، آرٹس کونسل میں، اپنے بچوں کی شادی بیاہ کے موقع پر، کبھی، کہیں بھی انھیں اس طرح غصہ کرتے یا برا کلمہ زبان پر لاتے نہیں دیکھا جیسا کہ عام طور پر اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے ۔

جب میں نے ریڈیو پاکستان میں ملازمت اختیار کی تو یاور مہدی " بزمِ طلبا " کے انچارج تھے، پھر ترقی کی منازل طے ہوتی رہیں، عہدہ بڑھتا رہا، مگر وہ روزِ اول کی

طرح ویسے ہی رہے، ان کے رویوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، انھوں نے کبھی اپنی افسری کا احساس نہیں دلایا۔ کوئی مشورہ چاہتی یا کوئی شکوہ کرنا ہوتا تو میں دھڑسے ان کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتی اور اپنا مدعا اس طرح بیان کرتی کہ جیسے کسی عزیز دوست کے روبرو بلا جھجک حالِ دل کہا جائے، ان کی طرف سے جواب بھی ہمیشہ توقع کے عین مطابق آتا۔ ایسے دیدہ ور لوگ دنیا میں کم ہی ہوتے ہیں جن کے لیے ہزاروں سال نرگس کو اپنی بے نوری کا رونا رونا پڑتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ بادشاہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، اہم ہوتا ہے بادشاہ گر، اور میرے خیال اور تجربے کے مطابق یاور مہدی بادشاہ گر ہیں اور اس بادشاہ گر کے لیے ایک شعر ہے کہ

تم ہی پیمبرِ گل ہو، تمھیں ہو جانِ بہار
جہاں جہاں بھی گئے تم، وہیں بہار گئی

یاور مہدی کی ایک خامی جو میرے ذاتی خیال کے مطابق خامی ہے، وہ یہ کہ غالب جس طرح ساری زندگی مسجد سے دور رہے اور بیوی کو اس بات کا گلہ رہا، لیکن غالب بار بار جاکے پلٹ آتے تھے اور کہتے تھے:

کعبے کس منھ سے جاؤ گے؟ غالب!

یاور مہدی باہر کے کاموں کے باعث صبح ہی صبح گھر سے نکلتے اور رات دیر سے گھر لوٹتے تو شاید بیوی کو یہ گلہ ان سے رہا ہو کہ کبھی تو ایسا ہو کہ یہ جلدی گھر آجائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے کبھی کوئی شکوہ ہی نہ کیا ہو، کیونکہ وہ سیدھی سادی مشرقی اور میاں کی فرماں بردار قسم کی خاتون ہیں۔ ان کی اسی خو کے باعث یار لوگوں نے ایک لطیفہ بھی گڑھا کہ یہ موصوف ایک دن خلافِ معمول گھر جلدی چلے گئے۔ بیل دی۔ چھوٹی بچی دروازے پر آئی، پوچھنے پر بتایا، "ہم تمھاری امی کے دوست ہیں"۔ بچی نے اندر جاکر خوش خبری سنائی، "امی! آپ کے دوست آئے ہیں" اور بے چاری بچی کو مفت میں نرم گرم سننا پڑیں۔ بھلا وہ کیسے پہچانتی کہ یہ اس کے ابا

حضور ہیں! ان کے باہر جانے اور واپس گھر آنے کے اوقات میں وہ بے چاری خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی ہوتی تھی۔ خیر، اب اتنا بھی نہیں تھا، بلکہ مزے لینے کے لیے بات کو بڑھاوا دیا گیا تھا اور ویسے بھی یہ تو بہت پہلے کی بات ہے، مگر اتنا تو میں بھی جانتی ہوں کہ یاور مہدی کو اگر ڈاکٹر دو ہفتے آرام کا مشورہ دے تو وہ ایک ہفتہ بھی گھر پر بڑی مشکل سے گزار پاتے ہیں وہ بھی اس طرح کہ سارے کام ٹیلی فون کے ذریعے انجام پا رہے ہوتے ہیں۔ دراصل وہ کام، کام اور صرف کام پر یقین رکھتے ہیں۔

نیک تمنائیں اور ڈھیروں دعائیں یاور مہدی اور ان کے متعلقین کے لیے۔

سید یاور مہدی

حمید نسیم

میں اگست، ۱۹۶۱ء میں ریڈیو پاکستان کے کراچی اسٹیشن کا ڈائرکٹر مقرر ہوا۔ کراچی ریڈیو اسٹیشن اس وقت ریڈیو پاکستان کا مرکزی اسٹیشن تھا کہ قومی نشریاتی رابطے پر نشر ہونے والے سارے پروگرام یہیں سے originate ہوتے تھے، یعنی صبح کی دینی نشریات، اردو انگریزی خبروں کے تمام بلیٹن، تقریروں کے انٹر اسٹیشن سلسلے، سارے قومی پروگرام یعنی تقریریں، مباحثے، اہم سیمینار، کھیلوں کے ٹیسٹ میچوں پر رواں تبصرے (یہ پروگرام ٹیلی فون لائنوں پر دوسرے شہروں سے لے کر قومی رابطے پر یہیں سے نشر کیے جاتے)۔ وہ زمانہ ریڈیو پاکستان کی پیشہ ورانہ مہارت کے اعتبار سے ریڈیو پاکستان کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا کہ ابھی زیڈ۔ اے۔ بخاری، بابائے ریڈیو کی قائم کردہ لگن اور حسن و خوبی کی روایت اپنی بہترین سطح پر برقرار تھی۔

میں نے پروگراموں کی ادبی سطح کو بہتر بنانے کی اپنی سی کوشش شروع کی۔

اناؤنسمنٹس اور کمپیئرنگ کی سطح میں اصلاح اور ترقی کی گنجائش تھی، سو کچھ عرصے کے لیے اس پر بیش از بیش توجہ کی ۔ ۱۹۶۲ء میں پروگرام پروڈیوسروں کے نئے سلیکشن ہوئے اور میری خوش قسمتی یہ تھی کہ مجھے ایک، دو بڑے باصلاحیت نوجوان مل گئے ان میں سب سے زیادہ ذہین، زیادہ لگن والے اور زیادہ محنتی نوجوان پروڈیوسر سید یاور مہدی تھے ۔ یہ ایک چھریرے بدن، کھلے رنگ کا، نکلتے قامت کا خوش رو نوجوان تھا ۔ خوش طبع، خوش کلام، شائستہ آداب و اطوار والا شاگرد جو جلدی سے جلدی استاد بننے کی آرزو رکھتا تھا ۔ مجھ پر اس کی شخصیت کے یہ نمایاں پہلو اور خوب سے خوب تر کے حصول کے لیے کاوش و محنت بہت جلد عیاں ہوگئے اور میں نے یاور مہدی کی پیشہ وارانہ تربیت کو اپنے فرائض منصبی میں شامل کرلیا ۔ یہ نوجوان دنوں میں برسوں کی مہارت حاصل کرگیا ۔ میں نے اس کی طبیعت کے رجحانات کا اندازہ پہلے چار مہینے کے دوران میں لگالیا تھا، سو "بزم طلبا" کے اہم پروگرام کا چارج اسے دے دیا اور صرف دو باتیں ہمیشہ پیش نظر رکھنے کے لیے بتادیں ۔ اول یہ کہ یہ پروگرام مستعد، ذی علم اور محب وطن پاکستانی تیار کرنے کی تربیت گاہ ہے ۔ اس کا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ اس پروگرام میں آنے والے عظیم تر پاکستان کے معمار بن کر سامنے آئیں، یعنی جرأت، ہمت، استطاعت اور دیانت رکھنے والا فن کار، معمارِ وطن ۔

اب سید یاور مہدی کو چھتیس برس ریڈیو پاکستان کے ذریعے اپنی قوم اور ملت اور وطن کی گراں بہا خدمات انجام دیتے ہوگئے ۔ وہ ترقی کرتے کرتے اسٹیشن ڈائرکٹر ہوگئے ہیں ۔ جس منصب پر اس طویل عرصے میں وہ رہے، اس کے لیے باعثِ صد عزت و افتخار خود کو ثابت کیا ۔ ان کے تربیت یافتہ ان گنت طلبا قومی زندگی کے مختلف شعبوں پر کلیدی عہدوں و مرتبوں اور قیادت کے مناصب تک پہنچے اور اب بھی ملک و قوم کی قابل قدر خدمت کررہے ہیں ۔

سید یاور مہدی آج بھی جب اپنی مدتِ خدمت کے آخری مرحلے میں ہیں،

ویسے ہی مستعد اور کلی وابستگی رکھنے والے پیشہ ور براڈکاسٹر ہیں جو اب سے بیس برس پہلے، تیس برس پہلے اور چھتیس برس پہلے تھے۔ عمر اور تجربے سے پیشہ ورانہ مہارت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں ہو رہی ہے کہ ریڈیو نے اپنی ساٹھ سالہ مدت العمر میں جو بہترین پروڈیوسر اور پیشہ ور براڈکاسٹر پیدا کیے، سید یاور مہدی ان میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ریڈیو سے رخصت ہوں تو یہ کہہ کر کہ

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ
سن رکھو! اک فسانہ ہیں ہم لوگ

سید یاور مہدی ریڈیو پاکستان کی عظیم الشان پیشہ ورانہ روایت کے آخری علم بردار اور اس کی آخری علامت ہیں۔ اس کے بعد ریڈیو پاکستان کی اس روایت کے علم کو اٹھانے والا اب مجھے کہیں کوئی نوجوان دکھائی نہیں دیتا۔ اللہ سید یاور مہدی کو صحت واستطاعتِ کار کے ساتھ عمرِ دراز عطا فرمائے!

عفت نقی

(پروگرام منیجر ریڈیو پاکستان، کراچی)

جب پروڈیوسر کی حیثیت سے میری پہلی پوسٹنگ کراچی ریڈیو اسٹیشن پر ہوئی تو اس وقت تک کراچی اسٹیشن علمی، ادبی اور ثقافتی مرکز کے طور پر جانا جاتا تھا۔ پھر جب جلد ہی میری شادی کراچی ریڈیو کے ذہین پروڈیوسر سے ہو گئی تو ان کی زبان سے

ایک شخص کی بہت تعریف سنی، میں انھیں دیکھ چکی تھی۔ بظاہر کوئی ایسی غیر معمولی شخصیت بھی نہیں مگر محبت، ہمدردی اور خلوص کا چشمہ جس کے قریب جاکر، جس سے باتیں کرکے ٹھنڈک اور روانی کا احساس ہوتا ہے۔

جی ہاں! یہ یاور مہدی صاحب ہیں.... ریڈیو کی نام ور شخصیت، ایک ایسا گھنا پیڑ جس کی چھاؤں اتنی گھنی ہے کہ میں خود ہی کیا، میرے شوہر اور دیگر اچھے پروڈیوسرز بھی اس چھاؤں تلے بیٹھ کر آگے بڑھنے کا حوصلہ پاتے ہیں۔

ٹی۔ وی کے ممتاز پروڈیوسر جناب آصف انصاری نے کہا

(رپورٹ: محمود حسن)

ریڈیو نے ایسے لوگ بہت کم پیدا کیے ہیں جو مختلف النوع پروگرام پیش کرنے میں یکساں صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوں اور ہر کس و ناکس سے اپنی صلاحیتوں کا اعتراف بھی پوری شد و مد سے کروالیتے ہوں۔ یاور مہدی صاحب بھی ایسے ہی لوگوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

آج ہمیں اپنے چاروں طرف حکومت کے ایوانوں سے لے کر فن و ثقافت کی دنیا تک جو بڑے بڑے نام نظر آتے ہیں، تقریباً سبھی یاور مہدی صاحب کی یونی ورسٹی "بزم طلبا" سے نکلے ہیں۔ اس طرح آج جب یاور مہدی صاحب ریٹائر ہو کر جارہے ہیں تو اپنے پیچھے بہت سے "یاور مہدی" چھوڑ کر جارہے ہیں۔ یہ تمام لوگ ان کا شروع کیا ہوا نام آگے بڑھاتے رہیں گے اور اس طرح ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

حسن نجمی

(ریڈیو پاکستان، اسلام آباد)

یاور مہدی صاحب محترم بھی ہیں اور متحرک بھی ۔ اور اب جبکہ وہ کنٹرولر کے عہدے پر فائز ہونے والے ہیں، کراچی کے حوالے سے ہماری نشریاتی تاریخ کا سرمایہ بھی بن چکے ہیں ۔

یاور صاحب کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی ۔ انھوں نے بہت سے فن کاروں کو متعارف کرایا اور یہ تعارف ملک سے باہر پاکستان کا تعارف بھی بنا ۔

میری تمنا ہے کہ یاور بھائی ایسے ہی فعال رہیں اور رونق بزم شہریاران وطن بنے رہیں ۔

یاور مہدی.... میری نظر میں

روبیلہ اکرم

(سینئر پروڈیوسر ریڈیو پاکستان سنٹرل پروڈکشن یونٹ، کراچی)

ی = یاور ہوئے مشکل میں ہر اک بندے کی

ا = انسان دوست و اخلاص مند

و = وسیع النظر، وسیع القلب

ر = روشن خیال، روشن ضمیر

م = مہربان و مشفق

ہ = ہمدرد و ہمدم

د = دانا و دور اندیش

ی = یگانۂ روزگار

یہ ہیں میرے محسن، میرے افسرِ اعلیٰ یاور مہدی!

میرے دوست، میرے افسر یاور مہدی

نثار میمن

(پروگرام منیجر، ریڈیو پاکستان)

میرے .s.d ایم۔بی انصاری مجھے بلواتے ہیں اور اپنے مخصوص انداز میں کہتے ہیں، "اللہ معاف کرے! یاور مہدی ایئرپورٹ پر او۔بی کرنے گئے ہیں اور وہاں سے انھوں نے فون کیا ہے کہ ان کے بیٹے کو ناک پر چوٹ لگی ہے۔ان کی بیگم بچے کو لے کر ریڈیو آرہی ہیں۔ نثار میمن سے کہیں کہ وہ انھیں سول ہسپتال لے جائیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انھوں نے اس کام کے لیے پورے ریڈیو سے آپ کو کیوں منتخب کیا ہے"۔

صاحب! اگر ہر آدمی میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ صحیح انتخاب کرسکے تو پھر ہر آدمی "یاور مہدی" نہ ہو جائے۔ میرے حلقے میں میرے علاوہ کئی ذہین لوگ ہیں، لیکن کس کام کے لیے کون بہتر ہے، یہ فنِ انتخاب صرف اور صرف یاور مہدی کے پاس ہے۔تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ اگر کسی کام کے آدمی کو عضوِ معطل بنانا چاہیں تو وہ یہ بھی کرسکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ دوسروں سے کام لینے کے بادشاہ ہیں اور کمال یہ ہے کہ آپ کو محسوس ہوگا کہ تمام کام یاور بھائی نے خود کیا ہے۔ خیر، ہم سول ہسپتال پہنچے۔اتفاق سے ڈاکٹر ٹیپو مل گئے۔وہ بچے کو لے کر او۔ٹی میں چلے گئے اور چند لمحوں میں بچے کی ناک سیدھی کروا کر لے آئے۔اس کے بعد ہم ریڈیو آگئے۔ مسز

یاور مہدی کو روانہ کرنے سے پہلے میں نے ان سے پوچھا، "بھائی! کوئی اور کام ہو تو فرمائیے"۔ کہنے لگیں، "یاور صاحب سے کہیے گا کہ ان کا بیٹا بیمار بھی ہے"۔ فوری طور پر مجھے رضی اختر شوق کا شعر یاد آیا:

ہم اہلِ فن کی نہ پوچھو، کہ وہ متاع ہیں ہم
کہ سب کے دل میں رہے اور اپنے گھر سے گئے

یاور صاحب نے جو کچھ اوروں کے لیے کیا، اپنے ریڈیو کے لیے کیا یا اب آرٹس کونسل کے لیے کر رہے ہیں، اگر اس کا تھوڑا سا حصہ اپنے لیے کرتے تو کم از کم ڈیفنس میں کوٹھی تو بنا ہی لیتے۔ انھوں نے لوگوں کے دلوں میں کوٹھیاں بنائی ہیں کسی صاحب نے کہا کہ کوئی ریڈیو کو جانے یا نہ جانے، یاور مہدی کو ضرور جانتا ہوگا یاور مہدی جمہوریت پسند آمر ہیں جو سنیں گے سب کی، کریں گے اپنی لیکن زیادہ تر ٹھیک ہی کرتے ہیں۔

آج ہمارے ملک میں وہ لوگ جو آج بھی کسی جگہ فائز ہیں، کسی لحاظ سے ان کا نام ہے، ان میں بہت سے ایسے ہیں جنھیں سب سے پہلے ریڈیو کے مائک پر یاور مہدی لائے۔ یاور مہدی اس کریڈٹ پر بہت خوش ہوتے ہیں لیکن ریڈیو کی موجودہ صورتِ حال سے بہت ناخوش ہیں، وجہ یہ ہے کہ ان کے ماتحتوں میں ہم جیسے اور جن کے یہ ماتحت ہیں، ان کے کیا کہنے! جب کسی افسرِ بالا کا تذکرہ ہوتا ہے تو لوگ پوچھتے ہیں، "یہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے؟" جو لوگ یاور صاحب سے لبرٹی لیتے ہیں، ان میں ایک میں بھی ہوں۔ جب وہ اپنے کارنامے سناتے ہیں تو میں ان سے کہتا ہوں، "یاور بھائی! آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ کو افسر بہت اچھے ملے

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ

انتہائی دل آویز و دل کش

صلاح الدین صدیقی

(کنٹرولر سیلز ریڈیو پاکستان، کراچی)

ریڈیو پاکستان کے مختلف شعبوں میں باہمی رابطہ اور اتفاق ہی ریڈیو کے اچھے پروگرام کا ضامن ہوتا ہے۔ وہ ریڈیو کا کوئی بھی شعبہ ہو، اگر کسی بھی دوسرے شعبہ سے رابطہ ختم کردے تو ریڈیو پروگرام متاثر ہو جائے گا اور اپنی افادیت کھو دے گا۔

میرا تعلق ریڈیو کے جس شعبے سے ہے، وہ بالکل مختلف شعبہ ہے۔ اگر دوسرے شعبوں سے میرا شعبہ رابطہ نہ بھی رکھے تب بھی نہ کوئی پروگرام متاثر ہوگا اور نہ کسی پروگرام کی کوالٹی خراب ہوگی۔ اس لیے اگر میں یا میرے شعبے کے دوسرے افراد پروگرام والوں سے دفتری رابطے کے علاوہ تعلقات قائم نہ رکھیں تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ اس کے باوجود اپنی فطرت اور طبیعت کی وجہ سے میں نے پروگرام کے افراد سے ذاتی تعلقات رکھے اور بحمد اللہ! انتہائی اچھے دوست بنانے میں کامیاب رہا۔

یاور مہدی کا تعلق بھی انھی افراد سے ہے جن کے ساتھ میری رفاقت کو ربع صدی سے زائد ہو چکا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ریڈیو پاکستان کی کمرشل سروس کا آغاز ہوا تھا۔ میں ان دنوں براڈکاسٹنگ ہاؤس، کراچی میں دفتری امور کی انجام دہی کے لیے جایا کرتا تھا اور سیلز کی روایتی پیلی کیو شیٹ پر عمل کروانے کے لیے پریزنٹیشن والوں سے ملا کرتا تھا۔ یاور مہدی اس وقت اپنے سنہری دور سے گزر رہے تھے اور ریڈیو میں اپنی ایک علیحدہ حکومت کے بے تاج بادشاہ تھے۔ اپنے فرائض میں مگن، commitment پر باعمل اور سرتاپا پروگرام کا آدمی یاور مہدی

مجھے تب سے بھاتا تھا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

میری اور یاور مہدی کی دوستی کسی منفعت یا لالچ کے بغیر مسلسل قائم ہے وہ یاروں کے یار ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اپنی ذات سے اپنے احباب کی یاوری کرتے رہیں۔ ان کے دفتر میں ہر وقت ان احباب کی آمد رہتی ہے جنھیں کسی نہ کسی محکمے میں، کسی نہ کسی افسر سے کوئی نہ کوئی کام ہوتا ہے، اور سب نے یہ دیکھا ہے کہ یاور مہدی نے ہر ایک کے لیے کچھ نہ کچھ کیا ہے۔ اپنا کارڈ بھی دیا ہے، فون بھی کیا ہے اور ذاتی طور پر بھی کوشش کی ہے۔

یاور مہدی نے ریڈیو کو بڑا نام دیا ہے۔ انھوں نے وہ پروگرام کیے ہیں جن کی وجہ سے ریڈیو کی professionalism کی ساکھ بلند ہوئی ہے۔ انھوں نے ریڈیو کے مائک کو شہر کی سماعت گاہوں میں عزت و احترام کی نشانی بنا دیا۔ انھوں نے شہر کے نوجوانوں کی صلاحیتوں کو جانچا، پرکھا، انھیں استعمال کیا، نئی راہیں دکھائیں اور آج ادب، صحافت، فلم، ریڈیو، ٹیلی وژن، اخبارات، اشتہاری ایجنسیوں اور سرکاری اداروں میں ان کی تیار کردہ فوج تخلیقی و تعمیری کاموں میں مصروف ہے۔

مجھے یقین ہے کہ یاور مہدی کے اور میرے تعلقات یاور مہدی کی ریٹائرمنٹ کے بعد بھی جاری رہیں گے، کیونکہ ان کی شخصیت انتہائی دل آویز اور دل کش ہے۔ میں ان کی صحت و سلامتی کے لیے دعا گو ہوں اور ریڈیو کے لیے ان کی خدمات پر ان کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ خدا ان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے!

maablib.org

یاور بھائی .... میرا اپنا بھائی

بیگم بدر عالم

(سابق اسٹیشن ڈائرکٹر ریڈیو پاکستان، کراچی)

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد ریڈیو وہ واحد ذریعہ تھا جو لوگوں کو تفریح کے ساتھ معلومات اور دنیا بھر کی خبریں بہم پہنچایا کرتا تھا۔ اس وقت ریڈیو آج کے ٹی۔وی سے بہت معتبر (جو آج بھی ہے)، بہت زیادہ پسند کیا جانے والا ذریعۂ ابلاغ تھا۔ گو یا ٹی۔وی نے ناظرین بہت بنائے، لیکن ریڈیو کی اہمیت کسی طرح کم نہ ہو سکی۔ اب تک بہت سے مواقع اور بہت سی جگہیں ایسی ہیں جہاں ٹی۔وی نہیں ہوتا نہ پہنچ سکتا ہے۔ وہاں ریڈیو کا مائک اپنے مونوگرام کے ساتھ چمکتا نظر آتا ہے۔

اسی ریڈیو سے وابستہ ایسی ایک شخصیت "یاور مہدی" صاحب کی ہے جن کو اہل کراچی تو کیا، پورا پاکستان اور شاید بیرونی دنیا کے لوگ بھی جانتے اور بہت اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اس پہچان میں ان کی اپنی تیس، پینتیس سال کی ان تھک محنت اور کام سے لگن کا بہت بڑا دخل ہے۔

میں یاور بھائی کو تقریباً تین عشروں سے اسی طرح جانتی ہوں جیسے اپنے کسی بھائی کو۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ریڈیو سے میرا رشتہ محض ایک سامع کا تھا۔ ہر اہم موقع پر، ہر اہم شخصیت کی آمد پر ایک بہت معتبر سے صاحب ہاتھ میں مائک لیے ریڈیو کے نمائندے کی حیثیت سے اخبار کی تصویروں میں ضرور نظر آتے تھے، یہی صاحب "یاور مہدی" صاحب ہوتے تھے۔ ۱۹۶۳ء کے شروع میں میرے شوہر نے ریڈیو پاکستان کی سروس شروع کی یہاں سے یاور بھائی تصویروں اور مائک سے نکل کر مجسم ہو کر سامنے آئے۔ میرے شوہر بدر عالم صاحب (مرحوم) نے اپنی سروس کا بیشتر حصہ یاور بھائی کے ساتھ گزارا اور میں نے تو یہی دیکھا کہ ہر وقت ہر کام، ہر

مشکل کے لیے ٹیلی فون کا ڈائل یاور صاحب کے لیے گھومتا تھا۔

یاور بھائی کی بے شمار خوبیوں میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جو کام کوئی نہ کروا سکتا ہو، وہ کروا لیتے ہیں، کر دیتے ہیں ۔ اس بھاگ دوڑ اور کوشش کے لیے انھوں نے کسی سے کبھی کوئی دنیاوی صلہ نہیں چاہا ۔ ان کا ریڈیو اسٹیشن پہنچنے کا تو ایک وقت مقرر تھا لیکن گھر جانے کا نہیں ۔ معلوم نہیں بچوں اور بھابی کے کیا تاثرات تھے، لیکن ریڈیو پاکستان، کراچی نے ہر ہر طرح یاور صاحب کی صلاحیتوں سے فیض پایا۔

ریڈیو پاکستان، کراچی نے ایک پروگرام شروع کیا بزم طلبا جو ایک بڑا دلچسپ (یاور بھائی کے لیے) لیکن بہت پھیلا ہوا پروگرام تھا ۔ اس پروگرام کے کرتا دھرتاؤں میں یاور بھائی سرفہرست ہیں، کیونکہ طلبا سے براہ راست سابقہ صرف انھی کا رہتا تھا۔ ریڈیو کے اس پروگرام نے بڑے بڑے مشہور لوگ بنائے جو آج ملک اور بیرون ملک تک پھیلے ہوئے ہیں ۔ طلبا کی اس ٹیم سے بڑے بڑے سیاست دان، سرکاری افسر اور بیوروکریٹس آج تمام ملک میں اور ملک سے باہر پھیلے ہوئے ہیں ۔ مجھے یقین ہے کہ ان میں سے کوئی یاور بھائی کو نہ بھولا ہوگا، نہ بھول سکتا ہے۔

جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، یاور بھائی سے ابتدا سے آج تک میں نے کبھی کوئی تکلف نہیں محسوس کیا، یہ شاید یاور بھائی کی اپنی محبت اور طبیعت کی وجہ ہے یا بدر عالم صاحب کی ان سے محبت اور اعتماد کا نتیجہ ہے ۔ وہ اپنی زندگی میں جب کبھی کسی سرکاری ذمے داری کے لیے باہر گئے تو ہمیشہ مجھ سے یہی کہہ کر گئے کہ "کوئی کام، کوئی خدمت ہو تو یاور سے کہہ دینا" ۔ یہ سلسلہ ان کے بعد آج تک جاری ہے ۔ اب جبکہ یاور بھائی ماشاءاللہ اپنی سروس مکمل کر کے ریٹائر ہو جائیں گے تو مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ ریڈیو اسٹیشن میں کوئی کام نکل آیا تو فون کس کو کروں گی

بہرحال میرے نزدیک کسی ایسے ادارے سے باعزت سروس کے تمام سال

مکمل کر کے ریٹائر ہونا بڑے اعزاز کی بات ہے اور قابل مبارک باد ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو لمبی صحت مند زندگی عطا کرے!

ٹی۔ وی کی ممتاز پروڈیوسر محترمہ شاہین انصاری نے کہا

(رپورٹ: محمود حسن)

یاور مہدی کے بارے میں لکھنے بیٹھی ہوں تو ذہن ریڈیو کے کوری ڈور اور کمروں میں گردش کر رہا ہے۔ بیتی ہوئی بہت سی باتیں یادوں کے پردوں سے ٹکرا رہی ہیں، "بزم طلبا" کا وہ زمانہ جب نئی نئی کالج میں گئی، پھر اچانک شوق شوق میں طلبا کے پروگرام میں منتخب ہو جانا اور یاور مہدی جیسا استاد میسر آجانا۔ آج ٹیلی وژن پر جو تعلیم کام آرہی ہے، وہ وہی تعلیم ہے جو یاور مہدی جیسے اساتذہ سے حاصل کی ہے.... ہر دم مسکرانے والا چہرہ، مدھم مدھم سا سمجھانے والا انداز اور ہر اچھی صداکاری پر ایک بھرپور ستائش۔ ان کے ہاتھوں سے نکلے ہوئے کتنے ہی افراد آج ٹی۔ وی پر میرے رفقائے کار ہیں اور اپنا اپنا کام احسن طریقے سے انجام دے رہے ہیں۔

یاور مہدی جن کو ہم سب "یاور بھائی" کہتے ہیں، آج بھی ان کی عنایات ہم پر ہیں۔ آرٹس کونسل میں کوئی بھی تقریب ہو، کوئی بھی کام ہو، سب سے پہلے یاور بھائی ہی یاد آتے ہیں۔

یاور مہدی اب اپنی عظیم خدمات سے ریٹائر ہو رہے ہیں، پر امید ہے کہ ان کا فیض اپنے چھوٹوں تک پہنچتا رہے گا۔ یہی دعا ہے کہ اللہ ان کو عمر دراز عطا فرمائے اور اپنی تمام تر رحمتوں اور برکتوں کے سائے میں رکھے۔ آمین!

یاور مہدی، ایک مخلص دوست اور درد مند انسان

جمیل زبیری

یاور مہدی سے میری دوستی اتنی پرانی ہے جتنے پرانے تو اب دشمن بھی نہیں ملتے۔ میں جب کوئٹہ ریڈیو اسٹیشن سے تبادلہ ہونے پر کراچی اسٹیشن آیا، اس وقت ان سے مراسم پیدا ہوئے، پھر تعلقات بڑھے اور دوستی کی بنیاد پڑی۔

کچھ ہی عرصے بعد ہم دونوں عالمی سروس میں اکٹھے ہوگئے۔ میں ان سے کچھ سینئر تھا، اس لیے میں پروگرام منیجر بن گیا اور وہ سینئر پروڈیوسر، مگر کئی سال ساتھ کام کرنے کے دوران ہم میں کبھی افسری ماتحتی کا احساس پیدا نہیں ہوا کیونکہ ہم دونوں میں اتنا خلوص تھا کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی، ہمیشہ معاملات اور دل صاف رکھتے تھے۔

ریڈیو پاکستان، کراچی کے بزم طلبا سیکشن میں انھوں نے جو کارنامے انجام دیے تھے، ان سے کون واقف نہیں تھا! ریڈیو کے بہت سے آرٹسٹ بنانے میں انھوں نے بڑا کام کیا ہے۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان جیسا پبلک ریلیشننگ والا میں نے کوئی انسان نہیں دیکھا۔ نہ معلوم ان میں کیا جادو ہے کہ جو بھی ان سے ملتا ہے، وہ ان کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ ان کی دوسری صفت، جو کم لوگوں میں پائی جاتی ہے، یہ ہے کہ وہ اس بات سے ہمیشہ باخبر رہتے ہیں کہ کس شخص میں کون سی صلاحیت ہے جو بروئے کار لائی جاسکتی ہے۔ پھر ان کا طریقہ ایسا منفرد ہے کہ ان کی کسی بات کو کوئی شخص ٹال نہیں سکتا۔

انھوں نے ریڈیو کے لیے بہت کام کیا ہے جو ریڈیو سے ان کے ریٹائر ہو جانے کے بعد بھی یاد رکھا جائے گا۔

میں نے اپنے ریٹائرمنٹ کے بعد دیکھا ہے کہ ان کے رویوں میں کبھی فرق

نہیں آتا۔ یہ ان کے مخلص ہونے کی دلیل ہے، ورنہ آج کل ایسا کہاں ہوتا ہے۔
میں جب بھی ریڈیو جاتا ہوں، وہ مجھ سے اسی خلوص سے ملتے ہیں جس کی میں بہت قدر کرتا ہوں۔

پچھلے دنوں وہ کچھ علیل ہوگئے تھے جس سے کافی پریشانی رہی۔ میں ان کی مکمل صحت کی دعا کرتا ہوں، کیونکہ آج کراچی جیسے شہر میں ایسے ہمدرد اور خلوص والے انسان ناپید ہوچکے ہیں۔

ظفر اقبال

(سابق ڈپٹی کنٹرولر، ریڈیو پاکستان)

یہ کوئی نصف صدی کی بات نہیں، کل کی بات معلوم ہوتی ہے۔ ایک شخص لکھنؤ سے چلا اور کراچی کو اپنا مسکن بنایا۔ یہ کوئی ہیر رانجھا، سسی پنوں یا اور کوئی قصہ نہیں، یوسف زلیخا کا معاملہ تھا۔ گبرو جوان، زندگی سے بھرپور، تازہ تازہ یونی ورسٹی سے فارغ التحصیل، ذریعۂ معاش کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ ایک بہت ہی اہم سیاسی شخصیت نے چنا اور اپنا سکرٹری مقرر کردیا۔ کچھ دن تک وہ خاموش رہیں، پھر اپنے ہتھکنڈے دکھانے شروع کیے۔ یہ نوجوان، جو اپنے کردار میں نہایت مضبوط تھا، یہ برداشت نہ کرسکا اور دامن چھڑا کر بھاگا اور نشرگاہ پاکستان میں پناہ مل گئی۔ پتا نہیں اس کا دامن پیچھے سے پھٹا تھا، مجھے یقین ہے ایسا ہی ہوا ہوگا۔ یہ حوالہ ضمناً عرض کردیا ہے، ورنہ اصل قصہ اب شروع ہوتا ہے۔

ریڈیو آتے ہی اپنے خفیہ جوہر دکھانے شروع کیے۔ کون سا میدان تھا جہاں اس شہ سوار نے اپنا جھنڈا نہ لہرایا ہو، چاہے وہ بزم طلبا ہو، ڈراما ہو، تقاریر ہوں۔

مگر ان کی ایک خواہش کہ بڑے سے بڑے لوگوں کو گرویدہ بنانا، وہ اللہ نے پوری کی اور خوب کی۔ مقابلے کے شعبے میں کامیاب رہے، بی۔بی۔سی سے مقالہ نویسی میں حصہ لیا اور کامیاب رہے۔ ایک ماہ تک لندن وغیرہ کی سیر، پھر سربراہِ مملکت کے ساتھ ملک ملک کا دورہ کیا۔ امریکا ہو، لندن ہو، مشرقِ وسطیٰ ہو، غرض اپنے شعبے میں خوب خوب کامیابیاں حاصل کیں اور قسمت نے بھی خوب یاوری کی اور تادمِ تحریر فتح و ظفران کا مقدر بن چکا ہے۔

یاور کہتے ہیں کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میں کہتا ہوں کہ نہیں، میں اڑسٹھ سال کا ہو کر بھی اپنے آپ کو ضعیف نہیں سمجھتا اور یاور ساٹھ سال کا کیسے بوڑھا ہو سکتا ہے، ہمت جواں ہے، عزم جواں ہے۔ اللہ ان کو زندگی بلکہ خوش گوار زندگی عطا کرے، آمین ثم آمین! وہ ہمیشہ خوش رہیں اور اسی طرح بھرپور زندگی گزارنے کا حوصلہ عطا ہو!

نوٹ: ریڈیو پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یاور اور میں نے "ریڈیو نیوز ریل" کی جس میں محترم ذکا درانی (مرحوم)، وراثت مرزا (مرحوم)، ماجد مرحوم اور محترم فضل کمال صاحب جیسے باکمال لوگ تھے۔

گاڈ فادر

سید عابد رضوی
(سابق اسٹیشن ڈائرکٹر ریڈیو پاکستان، کوئٹہ)

"اماں! تم کراچی کیوں نہیں آجاتے؟" ایک روز کراچی سے تربت ٹیلی فون پر انھوں نے تجویز پیش کی۔

"مگر کس لیے؟" میں نے ان کے سوال پر سوال کیا۔ "میری سمجھ سے تم

کراچی آجاؤ۔ قسم خدا کی! زندگی بن جائے گی"۔

"مگر یاور صاحب! میری زندگی بگڑی کب ہے کہ بن جائے گی؟"

"اماں چھوڑو! یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ کیا نام کہ! تربت میں پڑے ہو، کچھ دنوں میں کوئٹے چلے جاؤ گے۔ کہو تو ایف۔ڈی سے بات کروں؟ ویسے خٹک صاحب بھی آنے والے ہیں، کراچی"۔

میں نے گزارش کی، "ابھی بات نہ کریں، سوچ کر بتاؤں گا"۔

اگلے دن کراچی سے جعفر بلگرامی کا فون آیا۔ میں نے یاور کی تجویز دہرا کر ان سے مشورہ مانگا۔ انھوں نے چھوٹتے ہی کہا، "مسئلہ صرف یہ ہے کہ یاور کو آرٹس کونسل کے الیکشن میں ایک ووٹ اور مل جائے گا، یہ سوچ کر تمھارا تبادلہ وہ کراچی کرا رہے ہیں۔ تم کراچی ہرگز نہ آنا! میں یاور کے لیے ایک ووٹ کا بندوبست کردوں گا"۔

یہ ہیں یاور مہدی!.... اور یہ ہے ان کی زندگی کا ایک پہلو بلکہ غالب پہلو! آرٹس کونسل یاور مہدی کا اوڑھنا بچھونا ہے.... فل ٹائم آرٹس کونسل۔ ہاں! اگر کبھی کبھار کچھ وقت مل جائے تو وہ بھی بکمال مہربانی ریڈیو کو عنایت کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر سال، چھ مہینے میں چند لمحے مزید بچ جاتے ہیں تو وہ گھر والوں کو دے دیتے ہیں، اور گھر والے اتنے سیدھے کہ یہ چند سالانہ لمحے سب کی زندگیوں پر محیط ہیں۔ بیگم ایسی اللہ والی مومنہ ہیں، ایسی صابر و شاکر ہیں کہ کبھی بیوی بن کر نہ دکھایا، ورنہ ان کی زندگی کی ترتیب بالکل الٹی ہوتی، یعنی آرٹس کونسل والا وقت بیگم کو ملتا اور بیگم کا وقت آرٹس کونسل کو، البتہ ریڈیو کے حصے میں وہی چند لمحے ہی آتے۔ جو خاتون یاور مہدی کی بیوی بن کر صبر و شکر کے ساتھ ساری زندگی گزار دیں، وہ یقیناً آخرت میں جنت کی حق دار ٹھہریں گی (اللہ انھیں سلامت رکھے!)۔ البتہ یاور مہدی خود کہاں جانا پسند کریں گے، جنت میں یا دوسری جگہ، اس کا انحصار

آرٹس کونسل پر ہے.... جہاں آرٹس کونسل ہوگی، یاور بھی وہیں جائیں گے اور کسی حور کو اس کا سکرٹری بنوا کر دھڑلے کے ساتھ فرشتوں میں الیکشن کراتے پھریں گے

یاور سے یوں تو میری نیاز مندی کا سلسلہ گزشتہ تیس، بتیس سال پر محیط ہے، لیکن ان سے زیادہ قربت کا موقع مجھے اس وقت حاصل ہوا جب وہ پروگرام منیجر کی حیثیت سے کوئٹے ٹرانسفر ہو کر آئے اور دو سال تک انھوں نے مجھے اپنی میزبانی کا شرف بخشا۔ کوئٹے آتے ہوئے وہ اپنی مستقل مصروفیت اپنی آرٹس کونسل کو کراچی ہی میں چھوڑ آئے تھے، لہذا انھوں نے قسم کھالی کہ کوئٹے میں کوئی کام نہیں کرنا، چنانچہ یہاں انھوں نے دو سال ظفر اقبال کے اس شعر کی تفسیر بن کر گزار دیے:

نہ کوئی بات کرنی ہے، نہ کوئی کام کرنا ہے
اور اس کے بعد مجھ کو دیر تک آرام کرنا ہے

یہی وجہ تھی کہ ان کا کوئٹے کا دو سالہ قیام محض لذتِ کام و دہن تک محدود ہو کر رہ گیا اور یہ کام بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ اور نہایت سلیقے کے ساتھ ترتیب دیا جاتا تھا۔ مہینا ختم ہونے سے پہلے ہی اگلے مہینے کا شڈول تیار ہو جاتا تھا کہ اگلے تیس دن کس کس کے ہاں ناشتا کرنا ہے، کسے دوپہر کی میزبانی کی عزت عطا کرنی ہے اور کون شکایت کا مارا رات کے کھانے کا ذمے دار ہوگا۔ اس ورک پلان پر بڑی سختی سے عمل ہوتا تھا۔

یاور پیٹو ہرگز نہیں ہیں، البتہ انھیں چٹورا ضرور کہا جاسکتا ہے۔ اس چٹورپن کا اثر یاور پر تو کچھ نہ ہوا کہ بہت کم خوراک ہیں، البتہ ان کے احباب پر اس کے اثرات بہت نمایاں طور پر پڑے۔ قدوس کو دل کا دورہ پڑگیا، نزاکت موٹی ہوگئیں، نسیم پھیل گئیں، تنویر کی توند نکل آئی، فیروزہ اور زیادہ خشوع و خضوع کے ساتھ کج بحثی کرنے لگیں، میرا بیٹا حسن پھول کر کپا ہوگیا اور خود مجھے اپنے گھر کے کھانوں سے نفرت ہوگئی۔ ان دو برسوں میں شاید ہی کسی دن میں نے اور یاور نے اپنے گھر پر

کھانا کھایا ہو ۔ ہر روز کوئی نہ کوئی شامت کا مارا شرط ہار کر چاستا، طباق یا لال کباب میں ہمیں کھانا کھلا رہا ہوتا۔ یہاں تک کہ فیروزہ جیسی کنجوس اور فیروز جیسے پیسے خرچ کرنے میں محتاط شخص سے بھی ہمیں کئی مرتبہ کھانا کھانے کا شرف حاصل ہوا ۔ فیروزہ چونکہ میرے گھر سے بہت قریب گرلز کالج کے ہوسٹل میں مقیم تھیں ، لہذا سب سے زیادہ شامت اسی کی آتی تھی ۔ اکثر اس سے گھر کے بنے ہوئے پراٹھوں کی فرمائش ہوتی اور پراٹھے کھانے کے بعد ہمیشہ ان میں نمک کی کمی بیشی کا بہانہ بنا کر اگلے دن کا انتظام کیا جاتا ۔ میری ان باتوں سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یاور صرف کھاتے ہی ہیں ، وہ کھلانا بھی جانتے ہیں اور دل کھول کر کھلاتے ہیں ۔ میں سمجھتا ہوں یہ کھانے کھلانے کا سلسلہ محض اس بنا پر چلتا رہتا ہے کہ

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق

ہنگامہ یاور کی زندگی کا ایک ضروری حصہ بن چکا ہے ۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ کر دکھانا یا کرتے رہنا یاور کی عادتِ ثانیہ بن چکا ہے ۔ وہ تو خدا نے خیر کی کہ ان کے ذہنِ ہنگامہ پسند اور ہنگامہ پرور کا رخ آرٹس کونسل کی جانب ہو گیا ، ورنہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے ہاتھوں اس ملک ، اس معاشرے یا اس شہرِ کراچی کا کیا حشر ہوتا

یاور کے دوست ان کی شخصیت کے بارے میں طرح طرح کی اور متضاد باتیں کرتے رہتے ہیں (یاد رہے کہ یاور نے زندگی میں صرف دوست ہی بنائے ہیں اور اس پورے کرۂ ارض پر ان کا ایک بھی دشمن نہیں سوائے ان کی اپنی ذات کے) کسی کا کہنا ہے کہ تین دہائی تک ریڈیو میں رہ کر بھی یاور کوئی براڈکاسٹر نہ بن سکے ۔ کوئی اس بات کا شاکی ہے کہ صبح سے شام تک شعر و ادب کے ماحول میں رہنے والے یاور کے منھ سے کبھی کوئی ایک شعر بھی نہیں سنا ۔ ایک نے شکوہ کیا کہ آج تک یاور کے ہاتھ میں نہ کوئی کتاب دیکھی ، نہ قلم دیکھا ۔ ایک دوست نے حقیقتِ حال بیان کی کہ کبھی انھیں روسٹرم کے پیچھے کھڑا نہیں دیکھا گیا ۔ یہ تمام باتیں اپنی جگہ

درست ، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہرچند یاور خود براڈ کاسٹر نہ بن سکے، لیکن براڈ کاسٹرز کی ایک کھیپ کی کھیپ انھوں نے تیار کردی .... کبھی کوئی شعر خود نہ سنایا، لیکن شاعروں بلکہ اچھے شاعروں کی ایک پوری نسل پروان چڑھادی .... کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی ، لیکن کتنے لوگوں کو صاحبِ کتاب بنا ڈالا .... خود قلم نہیں پکڑا، لیکن قلم کاروں کا ایک لشکر تیار کر ڈالا ۔ بات دراصل یہ ہے کہ یاور ایک بہت ہی کامیاب منیجر ہیں ، ایک بہت بڑے منیجر یا آپ انھیں ٹکنیکل ایڈوائزر کہہ سکتے ہیں ۔ اچھے منیجر یا ٹی ۔ اے خود کام نہیں کرتے ، دوسروں سے کام لیتے ہیں ، دوسروں سے کام کرواتے ہیں ، اور میں سمجھتا ہوں یہ ان کی شخصیت کی ایک بہت بڑی خوبی اور جوہر ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں آدمی کو پہچاننے والی آنکھیں عطا کی ہیں ۔ وہ شخص کو پہچانتے ہیں اور اس کی صلاحیتوں کے مطابق اس سے کام لینا جانتے ہیں ۔ ایسی جوہر شناس آنکھیں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہیں جو خدا نے انھیں عطا کی ہیں ۔ ایسی آنکھوں والوں کو خواب بھی بہت خوب صورت نظر آتے ہیں اور ان کی تعبیریں بھی خوب صورت ہوتی ہیں ۔ شاید کسی شاعر نے یاور کے لیے ہی دعا مانگی تھی کہ

اس قیامت کی جو اس شخص کو آنکھیں دی ہیں
اے خدا ! خواب بھی دینا تو سنہرے دینا

پتھر کو موتی بنانے والے .... میرے یاور بھائی

فہمیدہ نسرین

(کراچی ٹی ۔ وی)

میں نے یاور مہدی صاحب کو ہمیشہ اپنا بڑا بھائی تصور کیا ۔ اسی حوالے سے میں ان کو " یاور بھائی " کہتی ہوں ۔

میری یاور بھائی سے ۱۹۶۸ء میں "بزمِ طلبا" کے حوالے سے ملاقات ہوئی اور پھر کئی پروگرام "بزمِ طلبا" کے میں نے کیے اور لکھے بھی۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے پروگرام کیے۔ عالمی سروس کے سلسلے میں بھی انھوں نے مجھے خاصا موقع دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یاور بھائی جب بھی کسی کو موقع دیتے ہیں، اسے بھائی، بیٹا یا بہن تصور کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ہر فن کار یا شو بزنس سے متعلق ہر شخصیت ان سے بے حد قریب ہو جاتی۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی تھا۔ مجھے وہ ہمیشہ شفیق بھائی کی طرح معلوم ہوئے۔ کسی کا کوئی ذاتی مسئلہ ہو یا اجتماعی، سب یاور بھائی سے مشورہ کرتے تھے۔ اگر انھیں معلوم ہو جاتا کہ کسی کو کوئی معاشی مسئلہ درپیش ہے تو وہ فوراً پروگراموں کے ذریعے اس کی مدد کرتے۔ اگر کسی کو عملی زندگی میں ان کی مدد درکار ہوتی تو وہ اس سلسلے میں بھی بھرپور تعاون کرتے۔ یہ تو ماضی کی باتیں تھیں، مگر یہ یاور صاحب کا شیوہ ہے کہ وہ اب تک سب کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔

میں نے ایک مرتبہ "بزمِ طلبا" پر ایک مضمون پڑھا تھا جس میں، میں نے کہا تھا کہ یاور بھائی جوہری ہیں اور ان کو جوہروں کی شناخت ہے۔ وہ تراش خراش کر پتھروں کو موتی بنا دیتے ہیں اور پھر یہ موتی شو بزنس کی دنیا میں سالہا سال چمکتے رہتے ہیں۔ بہت سے موتی فلم، ٹی۔ وی اور ریڈیو کی دنیا میں ایسے چمک رہے ہیں جن کو چمکانے میں میرے یاور بھائی کا ہاتھ ہے۔ میں کہوں گی کہ میرا یہ ایمان ہے کہ میرے زمانے کے بھی بہت سے لوگوں کو انھوں نے محنت کر کے نام ور بنا دیا ہے جو آج اپنی اپنی جگہ استادوں کی صف میں نظر آتے ہیں۔

میں آج جہاں ہوں، یا میرے شوہر ٹی۔ وی پروڈیوسر کاظم پاشا جہاں ہیں، یہ سب بلکہ بہت زیادہ کریڈٹ یاور بھائی کو جاتا ہے۔ ان کی رہ نمائی میں ہم لوگوں نے جو راستے اختیار کیے تھے، وہ ہم لوگوں کو صحیح منزل تک لے جاتے تھے۔ ہم جہاں بھی جائیں گے، اپنا وہ خوش گوار وقت نہیں بھولیں گے جب ہمارے سر پر شفقت کا ہاتھ

تھا۔ میرے والد کا جب انتقال ہوا تو میں اپنے تاریک مستقبل سے ڈر رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کیا کروں۔ پھر ایئر ہوسٹس بننے کا خیال آیا۔ یاور مہدی سے مشورہ کیا۔ انھوں نے کہا، "فہمیدہ! یہ تمھاری نیچر نہیں۔ اور جو تم کرو گی، وہ تمھارے بھائی بہنوں کے لیے مثال بھی بنے گا"۔ واقعی ان کا صحیح مشورہ تھا۔ پھر انھوں نے ریڈیو آنے کا مشورہ دیا۔ یوں "بزم طلبا" سے میں نے آغاز کیا۔ اس زمانے میں جو کھیپ نکلی تھی، وہ سب "بزم طلبا" کے باصلاحیت طلبا تھے جن کی تربیت یاور بھائی کے ہاتھوں نے کی۔ ان میں، میں، کاظم پاشا، محسن علی، ظہیر خان، تاجدار عادل اقبال لطیف، قاسم جلالی، حیدر امام رضوی اور بے شمار لوگ شامل ہیں۔

اب یاور بھائی سے ملنا کم ہوتا ہے۔ گزشتہ دنوں نوجوان صحافی محمود حسن میرے پاس آئے کہ یاور بھائی کے لیے کچھ لکھ کر دیں۔ حالانکہ میری طبیعت سخت خراب تھی، مگر میں نے یاور بھائی کا نام سن کر ان کو اگلے روز کا وقت دے دیا۔ یاور بھائی بہت خوبیوں والے آدمی ہیں۔ آج بھی کہیں ریڈیو اور ٹی۔ وی کے لوگ جمع ہوں تو یاور بھائی کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔

فنافی الآرٹس کونسل

ہما وحید

یاور مہدی سے میری ملاقات اس وقت ہوئی جب میری کسی سے بھی ملاقات نہ تھی۔ میں اپنے والدین، بہن بھائیوں اور اسکول کی دوستوں کے بعد کسی سے واقف تھی تو وہ میرے نانا ماہر القادری اور پاپا کے دوست زیڈ۔ اے۔ بخاری تھے جن کی وجہ سے ریڈیو کے دروازے میرے لیے کھلے اور یاور مہدی بطور یاور انکل میری زندگی میں داخل ہوئے۔

میرا اور یاور انکل کا ساتھ بہت مختلف سا ہے۔ وہ بھی کم گو اور میں بھی اظہار کے تسلسل سے گریزاں ۔ وہ فضول اور لاحاصل ملاقاتوں ، باتوں اور مشاغل سے دور اور میں بھی وقت ضائع ہونے سے محتاط ، مگر وہ میرے لیے لازم اور میں ان کے لیے قابلِ اعتبار ۔ ہماری کوئی ملاقات آدھے گھنٹے سے زیادہ کبھی نہیں ہوئی اور کبھی گھڑی نے اس مدت سے ذرا آگے سوئی بڑھائی اور یاور انکل نے باآوازِ بلند تنبیہ کی ، "اب تم جاؤ" ۔ نہ کچھ کہا ، نہ سمجھایا مگر یہ اشارہ بہت کافی تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ دلوں کے ناتوں نے ایسی کیفیت پیدا کر دی جو اور ناتوں سے زیادہ میرے اور یاور انکل کے درمیان رشتے کو مضبوط کر گئی ۔ میں نے ان میں کیا دیکھا ؟ میں نے ایک ایسا انسان دیکھا جو عورتوں کا احترام کرنا جانتا ہے ، جو ایک بار اس کمرے میں داخل ہوا ، معتبر ہی ٹھہرا ۔ میں نے دیکھا کہ جب سب اپنی اپنی بولیوں میں کسی کی برائی کر رہے ہوتے تب وہ نہایت خاموشی سے کہنے والوں کی باتوں کو ذہن کی ترازو میں تول رہے ہوتے مگر موضوعِ گفتگو کا جزو بننے سے گریز کرتے ۔ میں نے دیکھا کہ اکثر ضرورت مند ان کے پاس بیٹھے ہوتے اور وہ مختلف لوگوں کے پتے انھیں دے رہے ہوتے نہ جانے کتنے نوجوان آج اچھے عہدوں پر یاور انکل کی پرخلوص طبیعت کے باعث فائز باعزت زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں ۔ میں نے دیکھا کہ کس طرح ذرہ یاور انکل کے پاس آکر آفتاب بن جاتا ہے ، کس طرح وہ ایک فرد کی ذات سے اس کی شخصیت میں پوشیدہ کامیاب شخص کشید کرتے ہیں ۔ یقیناً وہ شخصیت ساز ہیں ۔ انھوں کبھی کسی سلگتی چنگاری کو آگ بنا کر آگ تک پہنچنے کی کوششیں نہیں کی ۔ یہ تو وہ لوگ کرتے ہیں جنھیں "مزید" کی ہوس ہوتی ہے ۔ میں نے دیکھا کہ عزت ، محبت اور وقار خود بخود یاور انکل کے پاس کھینچ کر یوں چلے آتے جیسے ان کو بھی اسی دامن میں امان ملتی ہو ۔ بہت دفعہ ایسا بھی ہوا کہ مخالفوں نے ان کو دیوار کے ساتھ لگانے کی کوششیں کیں ، مگر جن کے اطراف خود

سہارے نہ ہوں، وہ یاور انکل جیسے تناور سایہ دار درخت کو کس طرح گرا سکتے تھے! وہ خود تنکا تنکا ہو کر بکھر گئے۔ آج جب ریڈیو پاکستان کی راہ داریاں ویران پڑی ہوتی ہیں تو یاور انکل کے کمرے میں زندگی کی رمق جگمگاتی نظر آتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ آرٹس کونسل کی بک شاپ سے ذرا پرے الیکشن کے ہنگاموں میں پیش پیش یاور انکل کرسی ڈالے پوری الیکشن کی مہم کو monitor کر رہے ہیں، مگر خود نہ وہ صدر ہیں نہ سکرٹری، نہ treasurer اور نہ ممبر گورننگ باڈی۔ یہ کیا بات ہوئی؟ یہ خود کیوں شامل نہیں ہیں؟ پھر اس بچے کی طرح جو اسکول میں جانا نہ چاہتا ہو، دھکیل دھکیل کر آرٹس کونسل کے اس اہم ستون کو کھڑا کیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس ادارے کو اپنی جان سے زیادہ عزیز کون رکھ سکتا ہے، صرف یاور مہدی۔ ان کے سوا اور کون ثقافتی اآرٹس کونسل ہو سکتا ہے؟ حالات کی شدت کا شکار آرٹس کونسل جس کو زندہ رکھنے کے لیے دن اور رات کا فرق مٹا کر یاور انکل کچھ اس طرح تشویش کا شکار ہوئے کہ دل کے مریض بن گئے، ورنہ گھر اور بچوں کی طرف سے تو وہ فکر مند ہی نہ تھے۔ اللہ نے سب کو وقت پر اپنے اپنے مقام پر پہنچا دیا تھا اور کچھ اس غیر محسوس انداز میں کہ خود ان کو بھی نہ پتا چلا اور ذمے داریاں پوری ہوتی چلی گئیں میں نے دیکھا کہ ایک ذمے داری جو آرٹس کونسل کی صورت میں ان کو ایسی ملی کہ پہلے hypertension ہوا، پھر اس مرض نے اسی آرٹس کونسل میں یاور انکل سے آنکھ مچولی کھیلی اور کھلا چیلنج دیا تم جیتے ہو کہ میں۔ بشریٰ رحمان کی کتاب کی رونمائی میں سفید پڑتے یاور انکل کو میں نے دیکھا تھا مگر لغزش پا نہ آنا تھی، نہ آئی۔ باوجود اس اصرار کے کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی، وہ مسلسل اس محفل کو monitor کرتے رہے۔ میرے ساتھ میرے کہنے پر گروپ فوٹو بنوایا اور پھر دوسرے دن اطلاع ملی کہ فالج کا اثر ہوتے ہوتے رہ گیا۔ وہ جیت گئے، بیماری ہار گئی صرف یہی نہیں، میں نے دیکھا کہ بستر علالت پر پڑے یاور مہدی نے میری صورت

دیکھتے ہی فرمایا، "یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ اتنی بڑی recovery "خبرنامہ" کی باقی ہے اور تم کو کوئی احساس نہیں ہے"۔ مجھے ایسی صورت میں اس سے زیادہ محفوظ مقام جان بچانے کے لیے نظر نہیں آتا، مگر وہ بے چاری کیا کہہ سکتی ہیں اور یاور انکل نے ان کی کون سی سنی ہوتی ہے۔ پھر بیماری سے اٹھے اور پھر بیمار پڑے، مگر گھر میں ان کے اپنے تکیے کے نیچے "خبرنامہ" کے قرض دار اور مقروض دونوں کی فہرست موجود ہے۔ اور میری شکل دیکھتے ہی چپکے سے تمام تفصیل سے آگہی دینا ان کے نزدیک اس بات سے کہیں زیادہ اہم تھا کہ میں ان کی خیریت دریافت کرتی، ان کی مزاج پرسی کرتی۔ لاکھ سمجھانے کے باوجود کہ "یاور انکل! جان ہے تو جہان ہے، سب چلتے دم کے ساتھ ہے، اپنی صحت کو مقدم سمجھیں"۔ مگر میں نے دیکھا کہ وہ ہر چیز پر افضل اس ذمے داری کو سمجھتے رہے ہیں جو وہ ایک بار اٹھا لیں۔ اس لو پوری کرنے میں بلاشبہ یاور انکل نے اپنی جان کی بازی ہی لگائی ہے۔ کون دیتا ہے فی زمانہ خون دل کا خراج! یہ بات افسانوں میں ہی ہوا کرتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ اپنی ملازمت سے محبت کرنے والے بیوی بچوں کی محبت کا حق ادا نہ کر سکے۔ یہ گھر تو آنٹی اور ثمینہ زیبا کے ساتھ بہن بھائیوں کو ہے، مگر سات بچوں میں سے کوئی بھی نہ بدتمیز ہے نہ بدتہذیب، نہ چالاک ہے نہ ہوشیار، والد سے بے انتہا محبت کرنے والے اور صرف یہ گھر رکھنے والے کہ جس طرح غیروں کے گلے لگ کر گزاری ہیں شامیں، وہ لمحے ہمارے نام کیوں نہ ہوئے۔ آنٹی کو آج بھی یہ غم ہے کہ اگر ہم کو روایتی پابندیوں میں نہ جکڑا جاتا تو ہم بھی کوشش کرتے کہ اپنے شوہر کے مزاج کے مطابق ان کا ساتھ دیتے۔ ہم نے تو صرف انتظار کیا ہے سردیوں اور گرمیوں کی راتوں میں بہت دیر تک۔ یہی وجہ تھی کہ آنٹی نے اپنے داماد کو ان کی مرضی کے باوجود ٹی۔وی پر ملنے والی ملازمت نہیں کرنے دی۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ جس کرب سے وہ گزری ہیں، اسی تکلیف سے ان کی بیٹی آشنا ہو، اور آج بھی یہ

بات ان کے داماد کو کفِ افسوس ملنے پر مجبور کرتی ہے۔

میں نے بہت کم عرصے میں بہت کچھ دیکھا۔ ایک شخص جو علم بردار ہے پرانی روایات کا، مرکز ہے بہت سے تعلقات کی تجدید کا، جن کی ہستی کی وجہ سے زندہ ہے رونق آرٹس کونسل کی.... "یاور مہدی" نام ہے انسانی جذبوں، ذمے داریوں کے اس سیمنٹ کا جو ایک تعلق کو بیدار رکھتا ہے اور ان کے گرد بے شمار افراد انسانیت کی کڑی سے جڑے رہتے ہیں۔ یہ افراد کو متحرک رکھتے ہیں۔ پریشاں، گریزاں افراد ان کے ساتھ دوڑنے پر مجبور ہیں، کیونکہ وہ خود بھی کچھ کر گزرنے کے جذبے سے چور دوڑے چلے جارہے ہیں۔

"خبرنامہ" کی سال گرہ سے پہلے پھر طبیعت خراب ہوئی اور آغا خان میں داخل ہوئے۔ میں پہنچی، دلاسہ دیا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا، پروگرام کی تاریخ آگے بڑھا دیں۔ مگر جواب وہی، "نہیں! تاریخ نہیں بڑھے گی، آپ کام کیجیے"۔ اور ٹھیک دو دن بعد وہ اپنے آفس میں "خبرنامہ" کے پروگرام کے لیے مصروفِ عمل تھے اور مجھے پھر کر کسی بڑی اور میدان میں اترنا پڑا اور وہ جیت گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ کسی کو ناراض نہیں کرنا چاہتے۔ وہ سب کو مطمئن اور اپنے قریب دیکھنا چاہتے ہیں، مگر کسی سے اپنا کوئی کام نہیں کہتے. کسی سے اپنا دکھ نہیں کہتے۔ وہ اپنی ذات کی خاطر کسی کو پریشان نہیں کرنا چاہتے۔ ان کی خاطر جب دل دکھتا ہے تو تین رازدار آپس میں کچھ کہہ سن لیتے ہیں: میں، زیبا اور آنٹی مگر تینوں بے بس اور تماش بین ہیں۔

میں نے یاور مہدی کا بچپن نہیں دیکھا، مگر گزرے دنوں کو آواز دینا مشکل تو ہے، ناممکن نہیں۔ زیبا نے بڑی رازداری سے دادی تک میری خواہش پہنچا دی۔ دادی جو ہم سب کی دادی ہیں، مگر یاور انکل کی والدہ ماجدہ طرح دار، یاور انکل کی طرح سوشل مگر مضبوط اعصاب والی ماں ہیں۔ انھوں نے بیتے دنوں کے دریچے ہمارے لیے بھی وا کر دیے۔ جنوری کی کڑکڑاتی سردیوں میں جب دن پھیکے اور

راتیں سنسنان ہو جاتی ہیں ، اداسی موسم کی روح سے کھنچ کر انسان کے مزاج میں شامل ہو جاتی ہے ۔ ہندوستان کے شہر پرتاپ گڑھ میں اللہ تعالیٰ نے عید کی گہما گہمیوں کے ساتھ ایک خوب صورت بچے کی نوید سنا کر حماد حسین اور یوسف جہاں کے دلوں میں جون ، جولائی کی حرارت سے کہیں زیادہ خوشیوں کی حرارت بھر دی اور شفقتِ پدری سے اجالا کر دیا ۔ اس بچے کا نام یاور مہدی رکھا گیا ۔ چونکہ ان کے والد پولیس میں ملازم تھے ، لہٰذا شہر شہر گھومنا مقدر ٹھہرا تھا ۔ یاور انکل کی والدہ کو بچوں کو اس طرح شہر شہر لے کر گھومنا پسند نہ تھا ۔ انھیں اپنے بچوں کی تربیت اور تعلیم کی فکر اس قدر تھی کہ انھوں نے اپنے شوہر سے جدا اپنے سسر کے ساتھ قصبے ٹانڈا کے محلے چھجاپور میں رہنا پسند کیا ۔ گرچہ یہاں اسکول قصبے سے باہر واقع تھا ، مگر وہ یہاں کی تعلیم سے مطمئن تھیں ۔ یاور مہدی اور حسن مہدی ، دونوں بھائی مگر عادات میں ایک دوسرے کی ضد ۔ یاور مہدی سادہ طبیعت ، شوخی و شرارت سے دور ، تعلیم اور کھیل کود کے ساتھ دوستیوں کے شوقین تھے اور حسن مہدی شریر ، نچلے بیٹھنے سے گریزاں ۔ والد جتنے شوق اور اطمینان سے یاور مہدی کو ساتھ لے جانا پسند کرتے تھے اتنا ہی حسن مہدی کو لے جانے پر جز بز ہو جاتے ، کیونکہ حسن مہدی کی چوکیداری بھی کرنا پڑتی تھی اور حسن مہدی کو شرارتیں بھی بہت سوجھتی تھیں ۔ یاور مہدی کے تمام دن کی مصروفیت کا ایک شیڈول تھا جو ان کی والدہ نے بنا رکھا تھا اور آندھی طوفان میں بھی وہ شیڈول بدل نہیں سکتا تھا ۔ صبح ٹھیک ۶ بجے اٹھنا ، دینی پڑھائی ، پھر اسکول کی تیاری ۔ پھر دوپہر کو آرام اور شام کو ۲ گھنٹے تفریح اور کھیل کود کے ، پھر ۹ بجے تک پڑھائی ۔ یاور مہدی کو اس شیڈول میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی تھی ، مگر جب حسن مہدی اس شیڈول کے عادی بنائے گئے تو رگِ شرارت پھڑک اٹھی ۔ ایک دفعہ انھوں نے گھڑی ایک گھنٹا آگے کر دی ۔ جس طرح کھانے وقت جلدی ہوا ، اسی طرح سونے کی گھڑی بھی جلدی آ گئی ، مگر جب رات کو اٹھنے کا وقت ہوا تو یاور مہدی

کی آنکھوں نے کھلنے سے انکار کر دیا۔ بار بار اٹھانے پر یاور مہدی نے احتجاجاً والدہ کو بتایا کہ اس وقت تو صرف ۳ بجے ہیں۔ یہ گھڑی حسنہ نے رات کو ایک گھنٹا آگے کر دی تھی۔ دیر سے بولے جانے والے سچ کا الٹا اثر ہوا اور ان کی والدہ نے سزا کے طور پر یاور مہدی کو اسی وقت اٹھا کر بٹھا دیا اور ڈانٹ کر کہا، "جب تم کو یہ بات معلوم تھی تو تم نے رات کو کیوں نہ بتائی؟ اب تم سزا بھگتو"۔

یاور مہدی کو بچپن سے دوستیاں کرنے کا شوق رہا ہے اور نبھانے کا فن بھی بچپن سے جانتے ہیں، سیر و تفریح بھی فطرت میں شامل تھی۔ کھیل میں ہاکی اور فٹ بال کے بہترین کھلاڑی تھے، ہمیشہ اپنی ٹیم کو جتاتے تھے۔ جب موقع ملتا، دوستوں میں بیٹھے نظر آتے جس پر ان کو تنبیہ کی جاتی اور کوشش یہی ہوتی کہ وہ وقت پر گھر سے باہر نکلیں۔ بڑوں کی عزت اور احترام کرنا ان کی فطرت میں شامل تھا میٹرک اپنے قصبے سے کیا، مگر ہاتھ میں کندہ سفر کی لکیروں نے کروٹ لی اور مزید تعلیم کے لیے پہلی دفعہ یاور مہدی پابرکاب ہوئے اور لکھنؤ سدھارے۔ ملازم ساتھ تھا، مگر اس اجنبی دیس میں یاور مہدی کے لیے دوست بنانا دشوار نہ تھا۔ وہاں کے کوچے، قریے، سبھی ان کی دوستی کے امین ہوئے۔ آج بھی شارب ردولوی اور افضال احمد گزرے دنوں کے تانے بانے ادھیڑادھیڑ کر بنتے ہوں گے اور آج بھی یاور مہدی کے دل میں گزری کل کے شاداب مناظر چنگاری بن کر جلتے بجھتے ہوں گے

بی۔اے کیا ہی تھا کہ حسن مہدی کو پھر شرارت سوجھی۔ اماں، باوا، تینوں بہنوں اور بھائی کو خدا حافظ کہا اور پاکستان چل پڑے۔ سفر ہے شرط کا نعرہ حسن مہدی نے لگایا مگر شکار یاور مہدی ہوئے۔ اماں نے رو رو کر برا حال کر لیا۔ والد تو ریٹائر ہو چکے تھے، مگر یاور مہدی کسی طرح یاروں کو چھوڑ کر، خوب صورت گزرے دنوں کی یادوں کو دل سے لگا کر اجنبی جگہ چلے آئے مگر یہ فیصلہ نصیب کا تھا۔ بھرا گھر سجا سجایا مکان، زمینیں، سبھی کچھ چھوڑا اور حسن مہدی کے نقش قدم پر سفر

شروع کیا۔ پاکستان میں جائداد کے کلیم (claim) کی تاریخ نکل چکی تھی ، لہٰذا جو کھویا وہ پایا بھی نہیں اور ٹھکانا پرایا ملا۔ زندگی کا پہیا چلتا رہتا ہے ، مسائل حل اور حالات مانوس تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ سو مزید تعلیم حاصل کی اور پھر ملازمت کی فکر لاحق ہوئی۔ پہلی ملازمت ٹیکسٹائل کمشنر آفس میں ملی مگر طبیعت تھی کہ لگتی نہ تھی۔ دوسری ملازمت A.G سندھ کے محکمے میں ملی مگر کیا کیجیے کہ طبیعت اچاٹ سی رہتی۔ اسی دوران والدہ کے اصرار پر والد کے دوست نے رشتہ بتایا اور یاور مہدی کا نکاح کر دیا گیا۔ یہ نکاح دو سال رہا۔ پھر شادی ہوئی۔ پہلی بچی کی ولادت کے ساتھ ہی ۱۹۶۲ء میں یاور مہدی کی دل کی مراد بر آئی اور ان کے لیے ریڈیو پاکستان کے دروازے وا ہوئے۔ گرچہ یاور مہدی کا گھرانا خاصا مذہبی اور پردہ و صوم صلوٰۃ کا پابند تھا ، مگر اس ملازمت پر کسی نے اعتراض نہیں کیا اور یاور مہدی اس ملازمت کے ایسے دل دادہ ہوئے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہو گئے۔ جہاں اس ملازمت نے یاور انکل کو شہرت عطا کی ، وہاں ان کی تفریح کرنے کے شوق کو بھی کسی حد تک پورا کیا۔ لندن ، امریکا ، نیپال ، انڈیا اسی ملازمت کے حوالے سے جانا ہوا ، جبکہ زیارت کے لیے ایران اور عراق کا سفر ذاتی طور پر کیا۔ یاور انکل نے اپنی ملازمت سے کبھی ناانصافی نہیں کی اور نہ اس ملازمت میں رہتے ہوئے معاشی فلاح کے لیے اور ذرائع کو اپنانے کی کوشش کی۔ جتنا ریڈیو نے ان کو دیا ، اس سے زیادہ انھوں نے اسے لوٹانے کی کوشش کی۔ وہ بااصول اور نظریاتی شخصیت ہیں۔ وہ اپنی ملازمت کو اولاد کی طرح عزیز رکھتے ہیں ، یہی وجہ ہے کہ انھوں کبھی بھی دھوکے اور فریب کو اپنی زندگی میں شامل نہیں ہونے دیا۔ کئی بار ان کو مختلف کاموں کی پیش کشیں ہوئیں ، مگر یہ اپنی ملازمت کے ساتھ دیانت داری سے وابستہ رہنا چاہتے تھے اور وابستہ رہے ہیں۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ جو توانائی ، وقت اور وسائل کل تھے ، وہ گزرتے وقت کے ساتھ معدوم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ موجودہ دور کے اس فلسفے کے تحت جو آج ملتا

ہے۔ اسے حاصل کر لو کی نفی کرتے ہوئے قسمت پر بھروسا کرتے ہیں ۔ وہ مطمئن ہیں جو کچھ بھی ان کے پاس ہے اس سے ۔ وہ کہتے ہیں، "میرے اور میری بیوی کے لیے بہت زیادہ نہیں چاہیے، جتنا ہے وہ ہمارے لیے کافی ہے ۔ اور میرے بچے اپنے پیروں پر کھڑے ہیں، مجھے اور زیادہ کی تمنا نہیں ہے" ۔ بردباری، توکل، محبت، خلوص، احترام و عزت اور یہ اوصاف اللہ نے ان کے ضمیر کے ساتھ گوندھے ہیں ۔ وقت کے چکر اور تجربات سے یہ چیزیں حاصل نہیں ہوتیں ۔

مجھے فخر ہے کہ میں یاور مہدی کی نگاہوں میں ہوں اور وہ میرے دل میں ہیں ۔

یاور مہدی

عون محمد رضوی

یاور مہدی سے میرا رشتہ بہت ہی اپنائیت کا ہے، اسی لیے میں نے ان سے بہت سی باتیں سیکھی ہیں ۔ ان کے "محبت، محنت اور محنت" کے نظریے کا مطلب ہے کہ کسی پروڈیوسر کو گھر والوں کے سونے سے پہلے گھر نہیں جانا چاہیے اور اہل خانہ کے جاگنے سے پہلے گھر سے نکل جانا چاہیے ۔ شاید اسی لیے وہ اپنے بچوں کے قد زمین سے اوپر کی طرف، یعنی عمودی (vertical) کے فاصلے کے حساب سے کبھی نہیں بتاتے بلکہ دونوں ہاتھ پھیلا کر ان کے درمیانی، یعنی افقی (horizontal) فاصلے سے بتاتے ہیں ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انھوں نے اپنے بچوں کو زیادہ تر سوتے ہوئے ہی دیکھا ہے، جاگتے ہوئے دیکھتے تو ہاتھ اونچا کر کے ان کے قد بتاتے ۔ لہٰذا ان کے ساتھ خاصا طویل عرصہ گزارنے کی بنا پر میری بھی گھر جانے کی عادت ختم ہو گئی ۔ طعام ان کے ساتھ ہمیشہ کسی نہ کسی پرہیزگار کے ہاں ہوا، کیونکہ وہ رزق حلال کے سوا کچھ نہیں کھاتے ۔ ان کا نظریہ ہے کہ اچھے پروڈیوسر کو شہر بلکہ صوبے اور ملک کی ہر قابل ذکر

شخصیت سے رابطے میں رہنا چاہیے ۔ اس ضمن میں ان کی سخت ریاضت و تربیت کے باعث میرے پاس بھی ایسی کئی کئی ڈائریاں رہنے لگی ہیں جن پر پتے اور ٹیلی فون نمبر درج ہیں ۔ وقت و تاریخ طعام کے لیے ہمیشہ انھوں نے علیٰحدہ ڈائری maintain کرنے کی تلقین کی ۔

یاور مہدی جگت بھائی ہیں اور ہر عمر کے مرد و خواتین انھیں " یاور بھائی " کہہ کر پکارتے ہیں ۔ یہ بھی اللہ کی مہربانی تھی کہ ان کی شادی جلد ہو گئی ، ورنہ ریڈیو کی ملازمت کے تین سے زائد عشروں میں ان سے جتنی بھی خواتین ملتی گئیں ، وہ پورے خلوص سے ان کے بھائی بنتے گئے ۔ اور اب اس طویل عرصے میں پورا پاکستان ان کے بہنوئیوں ، بھانجے بھانجیوں اور ان سب کی اولادوں سے بھر چکا ہے ۔ یہی کیفیت ان کی بھابیوں ، بھتیجوں بھتیجیوں اور ان سب کی اولادوں کی ہے ۔ پاکستان میں ایسا کوئی گھر مشکل سے ہی ملے گا جو یاور مہدی کے لیے اجنبی ہو ، اور اس کا خمیازہ مجھے بھگتنا پڑتا ہے ۔ ریڈیو کی ملازمت اور محنت شاقہ سے انھیں کچھ اور ملا ہو یا نہ ملا ہو ، محبتیں بہت ملی ہیں ، اور وہ خود بھی محبت و شفقت کا ایسا منارہ ہیں کہ یاور مہدی کی بجائے " نادر مہدی " کہنے کو جی چاہتا ہے ۔

میرا ان سے تعلق اس وقت ہوا جب میں ۱۹۶۷ء میں کراچی میں ٹیلی وژن اسٹیشن کے قیام کے سلسلے میں مختصر ٹیم کے رکن کی حیثیت سے آیا ۔ یہ تعلق وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اتنا بڑھا کہ وہ میرے " سیٹلائٹ پن " اور میں ان کے " نادر پن " کا ذکر فخر و محبت سے کرتے ہیں ۔

ان کے پروگراموں کا ذکر یقیناً بہت سے لوگ کریں گے ۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ میں نے ان کے ریڈیو کے کمرے کو ہمیشہ شہر کی علمی ، ادبی اور سماجی تقریبات کا مرکز بنا ہوا دیکھا اور اسی کی جھلک ان کے پروگراموں اور عوامی سطح پر ان پروگراموں کی مقبولیت میں دیکھی ۔

کراچی ریڈیو کا ایک سنہری دور

پروین اختر
(سابقہ سینئر پروڈیوسر)

دوڑ پیچھے کی طرف ، اے گردش ایام ! تو

ایسا ممکن تو نہیں ہے، لیکن ہاں! الفاظ کے سہارے ماضی کو ذہنوں میں ضرور اجاگر کیا جا سکتا ہے۔ آج ۱۹۹۸ء میں ریڈیو کی ایک بہت ہی معروف شخصیت جناب یاور مہدی کے ریٹائرمنٹ کے موقع پر مختصراً ریڈیو پاکستان، کراچی کے اس سنہری دور کا احوال یقیناً ایک توشۂ خاص ہو گا۔ یہ سنہری دور اس گزرتی ہوئی صدی کی چھٹی دہائی کے آخری اور ساتویں دہائی کے ابتدائی چند سالوں پر محیط ہے۔ ویسے تو اس دور کے بہت سے پروگرام مقبول تھے جن میں ڈراما "حامد میاں کے ہاں" سیلانی کا پروگرام "دیکھتا چلا گیا"، "کہکشاں" وغیرہ، لیکن اسی دور میں کالج کے طلبا و طالبات کے پروگرام "بزم طلبا" کو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کے چرچے شہر بھر میں ہونے لگے، اخبارات میں روزانہ کالم لکھے جانے لگے، محفلوں میں تذکرے ہونے لگے، تعلیمی اداروں میں اس کی دھوم مچ گئی۔ یہ اس دور کے طلبا و طالبات کی زندگی کی غیر نصابی سرگرمیوں میں سرِفہرست پروگرام بن گیا، اساتذہ بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے، حتیٰ کہ کالجوں میں داخلے اس بنیاد پر بھی ہونے لگے کہ یہ طالب علم ریڈیو کے "بزم طلبا" کا ایک شریک ہے۔ ان پروگراموں میں بڑی دلچسپی کے اور مختلف النوع پروگرام شامل ہوتے جن میں ڈرامے، خاکے، تقاریر، مذاکرے، مباحثے، موسیقی، حمد و نعت وغیرہ شامل تھے۔ اساتذہ کی بے حد دلچسپی کے پیشِ نظر ہفتے میں ایک دن "بزم اساتذہ" بھی بجنے لگی۔ تفریحی اور معلوماتی پروگرام کے علاوہ امتحان کے دنوں میں مختلف مضامین پر توسیعی لکچر بھی نشر کیے جاتے جن سے طلبا کی ایک بڑی تعداد استفادہ کرتی۔

اس سلسلے میں ہزاروں خطوط موصول ہوتے۔ اسی ذوق و شوق کے پیش نظر "ہفتۂ طلبا" اور "جشن طلبا" کے نام سے ہفتے بھر کے خصوصی پروگرام ترتیب دیے گئے جن کی مقبولیت انتہا درجے کو پہنچی۔ ان پروگراموں میں شرکت کے لیے شہر بھر کے کالجوں اور تکنیکی تعلیمی اداروں اور یونی ورسٹی کے طلبا و طالبات جوق در جوق آنے شروع ہو گئے۔ ڈراموں وغیرہ میں شرکت کے لیے جو آواز کا ابتدائی ٹیسٹ ہوتا تھا، وہ بھی کئی کئی دن جاری رہتا اور روزانہ سیکڑوں امیدواروں کا ٹیسٹ ہوتا۔ ریڈیو پاکستان، کراچی کا لان دوپہر ۲ بجے سے رات گئے تک ایک میلے کا سماں پیش کرتا۔ انھی پروگراموں میں "ادبی عدالت" جیسے منفرد پروگرام بھی پیش کیے گئے۔ اس طرح ریڈیو پاکستان، کراچی نے "ٹیلنٹ" کی دریافت اور ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ "ہفتۂ طلبا" اور "جشن طلبا" کے پروگرام رات گئے تک ریکارڈ ہوتے اور پھر ان میں سے جو پروگرام خاص نوعیت کا ہوتا کہ جس کو کم کرنے سے کئی دلچسپ باتیں رہ جانے کا خدشہ ہوتا تو "ہیڈ کوارٹر" سے خصوصی اجازت کے ذریعے ریڈیو پاکستان، کراچی کی نشریات (جو رات ۱۱ بجے ختم ہوتی ہیں) کا وقت بڑھا دیا جاتا۔ اس وقت کام کرنے کا جذبہ اور جوش دیدنی تھا۔

اس وقت کے "بزم طلبا" کے شرکا کی ایک بڑی تعداد آج زندگی کے مختلف شعبوں میں نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔ ان میں وزرا سے لے کر مختلف اداروں کے سربراہ اور سرکردہ افراد شامل ہیں جن میں سے ہر ایک کا نام اس مختصر تحریر میں شامل کرنا ممکن نہیں ہے، پھر بھی چند نام مثال کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ وہ نام یہ ہیں: جناب جاوید جبار، جناب دوست محمد فیضی، جناب رسول احمد کلیمی، ڈاکٹر پیرزادہ قاسم جناب قاسم جلالی، جناب تاجدار عادل، جناب کاظم پاشا، محترمہ فہمیدہ نسرین، محترمہ خوش بخت شجاعت، محترمہ نیلوفر عباسی، جناب منور سعید، جناب نیر عزیز مسعودی، جناب شاہد بخاری، ڈاکٹر انور بٹ، ڈاکٹر منیزہ نیاز، جناب خواجہ رضی حیدر، پروفیسر

انیس زیدی۔ ان میں ایک بڑی تعداد ٹی۔وی پروڈیوسرز کی ہے جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ریڈیو کے پروگرام بزم طلبا سے تربیت حاصل کرنے والوں نے ٹی۔وی کی ایک مضبوط بنیاد رکھی اور اسے نہایت کامیابی سے آگے بڑھایا۔ یہی بات دوسرے شعبوں کے لیے بھی کہی جا سکتی ہے کہ ریڈیو کی تربیت نے ان کی لکھنے، بولنے اور آگے بڑھنے کی صلاحیتوں کو جلا بخشی۔

ہر کامیابی کے لیے ایک بہترین ٹیم ورک لازمی چیز ہے۔ "بزم طلبا" کی اس شان دار کامیابی کے پیچھے بھی ایک ٹیم کی دن رات کی ان تھک محنت شامل ہے، اس میں اس وقت کے اسٹیشن ڈائرکٹر طاہر شاہ سے لے کر عام کارکن تک کی دلچسپی اور محنت کا بھی دخل ہے۔ اس ٹیم کی روح و رواں تھے یاور مہدی جنھوں نے کسی مرحلے پر ناامیدی یا مایوسی کا احساس نہیں ہونے دیا اور ہر ایک کو اس کی حثیت کے مطابق شامل رکھا اور پروگرام فیئر کے اس بڑے چیلنج کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اسے کامیاب بھی بنایا۔

آج بھی اگر اسی جذبے اور محنت سے کام کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ریڈیو پاکستان اپنی کھوئی ہوئی مقبولیت دوبارہ حاصل نہ کر سکے۔

میرا ہمدم، میرا دوست

عنایت بلوچ

(ڈائرکٹر پروگرامز، ریڈیو پاکستان)

یاور مہدی سے میرا گہرا تعلق رہا ہے۔ یہ تعلق اتنا ہی پرانا ہے جتنا ریڈیو سے میرا وابستہ ہونا۔ میں کسمنز سے ریڈیو میں آیا تھا۔ ریڈیو کی نشریات ان دنوں بے حد مقبول تھیں اور یاور مہدی کے تو ڈنکے بج رہے تھے۔ ایس۔ ایم طاہر صاحب، یعنی

طاہر شاہ صاحب مرحوم و مغفور ان دنوں کراچی ریڈیو کے ریجنل ڈائرکٹر تھے ۔ وہ بے حد اچھے منتظم تھے اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے ۔ شاہ صاحب کو خاموشی اور سناٹے سے نفرت تھی ۔ ان کے بوڑھے جسم میں ایک جوان دل تھا جو ہر وقت ہنگاموں کی تلاش میں رہا کرتا تھا ۔ انھوں نے براڈکاسٹنگ میں نت نئے تجربے کیے ۔ وہ بے حد خوش نصیب انسان تھے ۔ جو تجربہ بھی کرتے ، اس میں کامیاب ہو جاتے ۔ یاور مہدی ، طاہر شاہ صاحب کو بے حد عزیز تھے ، کیونکہ وہ شاہ صاحب کے سارے ہنگاموں کی جان تھے ۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کراچی ریڈیو کی بیرکس میں ، اس کی عمارت میں اور اسٹوڈیوز میں ، ہر جگہ کسی نہ کسی پروگرام کی تیاریاں ہوا کرتی تھیں ۔ کہیں ڈرامے کی ریہرسل ہو رہی ہے تو کہیں دانش کدے کے دانش ور جمع ہیں ، کسی جگہ "حامد میاں کے ہاں" کی کاسٹ بیٹھی ہے تو کہیں "کہکشاں" کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی ہیں ۔ یاور مہدی کے ذکر سے پہلے یہ عرض کروں گا کہ میں ان خوش نصیبوں میں سے تھا جنھوں نے ان دنوں رفیق غزنوی ، سلیم احمد ، انتظار حسین ، ایس ۔ ایم سلیم امیر خان ، استاد حامد حسین ، استاد نتھو خان ، استاد امراؤ بندو خان اور بے شمار صاحبان فن کو جن کا کراچی ریڈیو سے تعلق تھا ، قریب سے دیکھا ، ان سے گفتگو کی ، صف اول کے لکھنے والوں کی تحریریں پڑھیں اور فن موسیقی کی قدر آور شخصیتوں کی محفلوں میں خود بھی شریک ہوا ۔ ان میں سے بعض ہستیاں تو ایسی تھیں جن کے پاکستان آنے سے آل انڈیا ریڈیو میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا تھا ۔ ان سے مل کر اور ان کے کمال فن سے واقف ہونے کے بعد میری ذات میں بڑی خود اعتمادی پیدا ہوئی اور میں نے محسوس کیا کہ میں نے کسٹم سے ریڈیو پاکستان آکر غلطی نہیں کی ۔

اب پیچھے ! نئی بات شروع ہو رہی ہے ، لیکن میں یاور مہدی کے ذکر کو ہر گز نہیں بھولوں گا ، کیونکہ کراچی ریڈیو کے بہترین دنوں میں اس اسٹیشن کی آدھی

رونقیں یاور مہدی ہی کے دم سے تھیں۔ میں دراصل کسٹم میں ایگزامنگ آفیسر تھا جب میں ریڈیو کی ملازمت کے لیے سنٹرل پبلک سروس کمیشن کے مقابلے کے امتحان میں شریک ہوا تو میرے شناساؤں کو بڑی حیرت ہوئی۔ انھوں نے مجھے دیوانہ سمجھا۔ ایک ایسا دیوانہ جو سمندر کے کنارے اپنی جھولی میں چھپے ہوئے تمام ہیروں کو لٹا کر سیپیوں کی تلاش میں سرگرداں ہو۔ طاہر شاہ صاحب کو جب یہ معلوم ہوا کہ میں نے کسٹم کی نوکری چھوڑ کر ریڈیو پاکستان کی ملازمت اختیار کی ہے تو انھوں نے بہت ہی عمدہ تبصرہ کیا۔ آج بھی یاد کرتا ہوں تو ہنسی آجاتی ہے۔ وہ بولے، "بلوچ برخودار! تینوں کس پاگل دے پتّر نے مشورہ دتّاسی کہ کسٹم چھوڑ کے ریڈیو دی نوکری کر؟" یہ بات انھوں نے پنجابی میں کہی تھی۔ طاہر شاہ صاحب کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ انگریزوں سے بھی پنجابی میں گفتگو کرتے تھے۔ وہ بڑی ٹھیٹ پنجابی بولتے تھے، دل کے کھرے اور سب سے محبت کرنے والے انسان تھے۔ ان کی خوبیوں نے ان کے تمام عیبوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔ وہ بظاہر سخت لیکن اندر سے بے حد نرم مزاج آدمی تھے۔ اب آتا ہوں یاور مہدی کی طرف جو جولائی، ۱۹۹۸ء میں ریٹائر ہو رہے ہیں۔ میں ریڈیو پاکستان میں اسسٹنٹ ریجنل ڈائرکٹر کی حیثیت سے ملازم ہوا تو ہر شخص کی زبان سے یاور مہدی کا ذکر یوں سنتا جیسے کوئی بھاری بھرکم بوڑھا آدمی ہو گا، جہاں دیدہ بلکہ گرگ باراں دیدہ۔ ملا تو وہ ایک دبلا پتلا سا خوب صورت نوجوان تھا جس کی آنکھوں میں بجلیاں بھری ہوئی تھیں اور جس کے چہرے پر ذہانت بھی تھی اور شوخی بھی۔ بہت جلد مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ یاور مہدی ایک اچھے اور سچے ریڈیو والے کی طرح نئے نئے پروگراموں کی تلاش میں رہتا ہے اور بیک وقت کئی مقبول پروگراموں کو پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ طاہر شاہ صاحب کو یاور مہدی کی یہی ادا پسند تھی۔ یاور مہدی ان کے ایک اشارے پر کسی پروگرام کے ذریعے نیا ہنگامہ کھڑا کر دیتا تھا۔ یاور مہدی نے ان دنوں طلبا کے کئی

"جشنِ تمثیل" کرائے ۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ آج ریڈیو، ٹیلی وژن اور فلم کے کئی صداکار، کہانی نویس، پروڈیوسر اور اداکار ایسے ہیں جنھیں ان دنوں یاور مہدی نے تلاش کیا تھا ۔ ادبی عدالتوں، تقریری مقابلوں، مشاعروں، نعتوں اور قرأت کے مقابلوں میں بھی جو طلبا اور طالبات ان دنوں شریک ہوئے، ان میں سے کئی نام ایسے ہیں کہ بتائے جائیں تو سننے والوں کو مشکل سے یقین آئے گا کہ یہ بڑے لوگ یاور مہدی کے دریافت کردہ جوہر تھے ۔ میں صرف ایک نام لوں گا جناب جاوید جبار کا جو اطلاعات و نشریات کے وزیر رہ چکے ہیں ۔ چلیے! ایک نام اور پروین شاکر کا ۔ یہ گڑیا سی بچی شاید ہر روز یاور مہدی کے کسی نہ کسی پروگرام کی کمپیئرنگ کرتی تھیں ۔ یہ بہت بڑی شاعرہ بنی اور عین شباب کے عالم میں دنیا سے رخصت ہو گئی ۔ یاور کے لیے جو کچھ بھی اس تحریر میں لکھا جائے گا، اس کی مکمل شخصیت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ جتنے جوہر یاور مہدی نے ریڈیو سے متعارف کرائے، ان سب کے نام تو شاید یاور مہدی کو بھی نہ یاد ہوں ۔

یہ دور میری اپنی تربیت کا دور تھا اور یہی زمانہ ریڈیو پاکستان کا سنہری زمانہ تھا ۔ میں نے ان دنوں جتنی قدرآور شخصیتوں سے کراچی ریڈیو پر ملاقات کی، ان میں سے بیشتر اب زندہ نہیں اور وہ ہماری تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں ۔ میرا شمار استادِ محترم جناب شمس الدین بٹ کے قریبی شاگردوں اور دوستوں میں ہوتا ہے جن کا ایک جملہ میرے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے ۔ ایک دن پروگرام میٹنگ میں کہنے لگے، "یارو! تم لوگوں کی انگریزی انتہائی خراب ہے ۔ اگر تھوڑی سے غنیمت ہے تو عنایت بلوچ کی انگریزی ہے" ۔ بٹ صاحب مرحوم کے گھر پر جو تقریبات ہوتی تھیں، ان میں مجھے اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ مدعو کیا جاتا تھا ۔ وہ مجھ سے زیادہ میرے بچوں سے شفقت کرتے تھے ۔

اب کچھ احوال ریڈیو پاکستان، کراچی کے کینٹین کا ۔ جن دنوں یاور مہدی

پروڈیوسر تھے ۔ ان دنوں کراچی ریڈیو کے کینٹین کی رونقیں بھی کراچی اسٹیشن کی رونقوں سے کم نہیں تھیں ۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں ہر قد ، ہر ذات ، ہر سائز اور ہر قوم کا فن کار ملتا تھا ۔ ایک میز پر رفیق غزنوی مرحوم اپنی نئی دھن گنگنانے میں مصروف ہوتے تو دوسری میز پر استاد امراؤ سید خان تانیں اڑا رہے ہوتے ۔ تمن بیگم ، جنھیں ذوالفقار علی بخاری مرحوم ٹھمریوں کی رانی کہا کرتے تھے ، پان کی گلوری منھ میں دبائے آدھا دن کینٹین میں گزار دیتیں (وہ مہناز کی والدہ ہیں ۔ کاش مہناز بھی شہرت کی بلندیوں کے ساتھ تمن بیگم کی طرح کمال فن کی بلندیوں کو چھو سکے !) ۔ استاد نزاکت علی خان ، سلامت علی خان ، استاد امانت علی ، فتح علی ، خورشید طبلہ نواز .... استاد واجد علی طبلہ نواز .... غرض صف اول کے موسیقاروں اور گائکوں کا جھرمٹ اس کینٹین میں لگا رہتا ۔ کچھ میزوں پر شاعر اور ادیب بھی دکھائی دیتے ۔ موسیقی والے کینٹین سے جاتے تو مشاعرہ برپا ہو جاتا ۔ یاور مہدی جن دنوں پروڈیوسر تھے ، ان کا قبضہ کراچی ریڈیو کے آدھے اسٹوڈیوز پر رہا کرتا تھا ، کیونکہ بیک وقت کئی کئی پروگراموں کی ریکارڈنگ ان کی نگرانی میں ہوا کرتی تھی ۔ اب کراچی ریڈیو کا کینٹین اپنی رونقیں کھو چکا ہے ، اسٹوڈیوز بھی سونے پڑے ہیں ۔

کراچی ریڈیو کی عمارت کے سامنے والے احاطے میں بڑ کا ایک درخت کھڑا ہے جو اس ریڈیو اسٹیشن کی عظمتِ رفتہ کی کہانیاں سنا رہا ہے ۔ اس درخت نے کبھی یاور مہدی کو جوان دیکھا تھا اور یہی درخت انھیں ریڈیو سے رخصت ہوتے دیکھ رہا ہے ۔

یاور مہدی ایک سچا اور کھرا براڈکاسٹر ہے اور رہے گا ۔ میرا دوست ، میرا ہمدم ، یاور مہدی !

عرفان علی

(سابق پروگرام منیجر، ریڈیو پاکستان)

یاور مہدی صاحب سے میری پہلی ملاقات ۱۹۶۲ء میں ۱۷، گارڈن روڈ جو ریڈیو پاکستان کا ہیڈ کوارٹر تھا، وہاں ہوئی۔ یہ پروگرام پروڈیوسر کی آسامی کے لیے امیدوار کی حیثیت سے آئے تھے، میں بھی اسی غرض سے ٹہل رہا تھا۔ چونکہ ہم دو ہی آدمی تھے اس لیے وہ انتظار کا وقت گفتگو میں کٹنے لگا۔ یاور مہدی پوسٹ گریجویٹ تھے۔ میں صرف گریجویٹ تھا۔ انھیں ان کی اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر رکھ لیا گیا۔ مجھے انصار ناصری مرحوم نے، جو ڈپٹی ڈائرکٹر جنرل اور انٹرویو بورڈ کے چیئرمین تھے، بلغض معاویہ میں رکھ لیا، اس لیے کہ کسی زمانے میں ان کو sun of the soil نے بہت پریشان کیا تھا۔ اب جو موقع ملا تو انصار ناصری صاحب نے اپنے دل کے پھپھولے اس طرح پھوڑے۔ میری پوسٹنگ تو راولپنڈی ہو گئی، یاور مہدی صاحب کراچی میں رہ گئے۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں یاور مہدی صاحب کو چلتا پھرتا مائکروفون دے دیا گیا تاکہ عام شہریوں کے تاثرات ریکارڈ اور نشر کریں۔ بس یہیں سے یاور مہدی صاحب کی یاوری شروع ہوئی اور پورا شہر یاور مہدی کے نام سے واقف ہو گیا۔ مارشل لا کا دور تھا، یونی ورسٹی اور کالجوں میں طلبا تنظیمیں معدوم ہو گئی تھیں، چنانچہ ریڈیو پاکستان سے "بزم طلبا" کا ایک پروگرام شروع کیا گیا تاکہ طلبا کو ادھر مصروف کر دیا جائے۔ "بزم طلبا" پروگرام اتنا مقبول ہوا جو اپنی مثال آپ تھا۔ یاور مہدی صاحب پتا نہیں زمین دار گھرانے کے تھے یا نہیں، لیکن "بزم طلبا" کے ذریعے ایک طرح کی

ریاست کے والی بن گئے اور ان کے مزارعوں میں شہر کی چیدہ چیدہ ہستیاں شامل ہو گئیں ۔ مثلاً پروفیسر حشمت اللہ لودھی، پروفیسر مکرم شیروانی، پروفیسر سراج ادیب پروفیسر شمیم اختر، ڈاکٹر ایم ۔ ایچ قاضی، ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی، پروفیسر محمد فائق، پروفیسر اویس احمد ادیب انصاری، پروفیسر انجم اعظمی، نصیر ترابی، پیرزادہ قاسم، خواجہ رضی حیدر، انیس تفضل، کوثر غنی، منور غنی، خوش بخت عالیہ، پروین شاکر، ولی رضوی، شاہد حسین بخاری اور اسی طرح کے تمام اہل علم اور اہل قلم یاور مہدی کے لیے بیج بونے لگے ۔ اور نئی نسل کے نمائندہ افراد جو اب سول سروس کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں، ان سے فصل کٹوانے لگے اور تمام کریڈٹ یاور مہدی کو ملنے لگا۔ اس طرح طلبا برادری میں یاور "یاور بھائی" ہو گئے اور ان کا طوطی بولنے لگا۔

"بزم طلبا" میں یاور مہدی اتنے عرصے رہے کہ یاور بھائی کو نئی آنے والی نسل "یاور انکل" کہنے لگی ۔ بس اسی عرصے میں ریڈیو پاکستان میں ان کی مخالفتیں بھی شروع ہو گئیں ۔ وہ حضرات مخالفت میں آگے آگے ہو گئے جو خود کچھ نہیں کرتے تھے ۔ یہ مخالفت نہ صرف نجی سطح پر رہی بلکہ کسی حد تک سیاسی اور فرقے کی سطح پر بھی پہنچ گئی ۔ کچھ افسران بھی کان کے کچے نکلے، چنانچہ ان کو "بزم طلبا" کا شعبہ چھوڑنا پڑا مگر "یاور بھائی" اور "یاور انکل" کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔

یاور مہدی صاحب کو "بزم طلبا" سے جو فرصت ملی تو پھر وہ سوشل کاموں میں لگ گئے ۔ پروین شاکر کی کتاب کی تقریب رونمائی ہو تو یاور مہدی صاحب آگے آگے ۔ شہر میں کوئی مشاعرہ ہو تو یاور کی خدمات لیے بغیر کام نہیں ہو سکتا تھا ۔ طلبا و طالبات کو مالی مشکلات کا سامنا ہو تو یاور مہدی صاحب کی خدمات سے اسکالر شپ کا بندوبست ہونے لگا۔

یہ سب تو ان کے تعمیری پہلو تھے ۔ تخریبی پہلوؤں میں بھی وہ سب سے آگے تھے ۔ ان کو جب معلوم ہوا کہ عرفان علی، جو ان کے ساتھی تھے، کی ملاقات شہر کی

ایک بہت خوب صورت خاتون سے ہے تو بس انھوں نے اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہوئے ان خاتون کو اپنی طرف راغب کر لیا۔ یہ خود تو کھیلتے نہیں تھے مگر دوسروں کو بھی کھیلنے نہیں دیتے تھے، یہ ان کی پرانی عادت تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ یاور مہدی ہمہ صفت شخصیت کے مالک ہیں۔ باقاعدہ دربار تو کبھی نہیں لگایا، لیکن ان کا دفتر درباریوں سے کبھی خالی بھی نہیں رہا۔

حشمت حسین جعفری

بات اگر صرف یاور مہدی کی شرافت کے حوالے سے ہوتی تو میرے لیے یہ بہت آسان تھا کہ میں ایک شریف اور نیک انسان کی تمام خوبیاں ایک ساتھ لکھ کر ان کے آگے یاور مہدی لکھ دیتا کیونکہ یہ تمام خوبیاں ان پر سو فی صد صادق آتیں، مگر میرے لیے مشکل یہ ہے کہ یاور مہدی کی ان بہت سی خوبیوں سے جن کا تعلق شرافت نہیں بلکہ ذہانت، بصیرت اور قابلیت سے ہوتا ہے، چھانٹ کر کن کن خوبیوں کا ذکر آپ کے سامنے کروں۔

بہر حال یاور مہدی صاحب کی ایک بڑی خوبی تو یہی ہے کہ کسی بھی کام سے پہلے وہ اندازہ کر لیتے ہیں کہ اس کے لیے موزوں ترین شخص کون ہے، پھر یہ کہ وہ کہاں اور کس طرح دستیاب ہوگا، اور بالفرض وہ دستیاب نہ ہو سکا تو اس کا متبادل کون ہو سکتا ہے اور اس سے رابطہ کس طرح ممکن ہوگا۔ اسی طرح اپنے ماتحت عملے سے کام لینے کا ہنر بھی جتنا انھیں آتا ہے، کم لوگوں کو آتا ہوگا۔ انہیں یہ بھی ان کو پتا ہوتا ہے کہ کس کام کے لیے کس کو لگایا جائے۔

یاور مہدی کی ایک اور بڑی خوبی ان کی پبلک ریلیشننگ کی صلاحیت ہے۔

"نیوز ریل" کے شعبے سے اپنا کیریئر شروع کرنے والے یاور مہدی کو شروع سے ہی تمام شعبوں کی اہم شخصیتوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جو ان کی مخصوص طبیعت کے عین مطابق تھا، لہٰذا دیکھتے ہی دیکھتے ان کا حلقۂ احباب وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ اس کے علاوہ "بزم طلبا" میں خاصا لمبا عرصہ گزارنے کے بعد ان کی حیثیت بھی ایک ایسے استاد کی مانند ہو گئی جس کا کوئی نہ کوئی شاگرد ہر شعبے میں موجود ہوتا ہے۔

آج عالم یہ ہے کہ آپ شہر کے کسی حصے میں ہوں، وہاں لوگوں کے بیچ یہ بتائیے کہ آپ کا تعلق ریڈیو پاکستان سے ہے تو ان میں سے کوئی نہ کوئی آپ سے یہ ضرور پوچھے گا کہ "آپ کے یہاں ایک یاور مہدی ہوتے تھے، وہ آج کل کہاں ہیں؟"

اڑتیس سال تک ریڈیو میں رہنے کے بعد یاور مہدی ریٹائر ہو رہے ہیں۔ اب وہ ریڈیو میں نہیں، ہمارے، آپ کے دلوں میں رہیں گے۔

یاور مہدی

سبط اصغر بلگرامی

میرا تعلق ریڈیو پاکستان سے ہے اور یاور مہدی صاحب سے میرا تعلق ریڈیو کے حوالے سے ہی ہے۔ جب یاور صاحب "بزم طلبا" نشر کر کے کراچی کے طالب علموں میں خاصے مقبول تھے، تب میں ان کے پروگرام میں شرکت کرنے کے لیے پریشان رہتا تھا۔ شاید ۱۹۶۴ء یا ۱۹۶۵ء کے "بزم طلبا" میں، میں نے اپنے کالج (نیشنل کالج) کی نمائندگی کی اور "جشن طلبا" میں حصہ لیا مگر یاور مہدی صاحب کی "زیارت" نہیں ہوئی، کیونکہ ہمارا واسطہ ان کے کسی وزیر سے پڑا اور یاور صاحب کی حکومت میں وزیروں کی بلکہ درباریوں کی کبھی کمی نہیں رہی۔

۱۹۷۱ء میں، میں نے ریڈیو پاکستان جوائن کیا اور ریڈیو سے ابتدائی تعلق میں

جو افراد میرے رہنما بنے ، اتفاق سے وہ یاور مہدی صاحب کا مخالف گروپ تھا، لہٰذا میرا اور یاور صاحب کا تعلق بن نہیں سکا۔ ۱۹۷۴ء میں جب عالمی سروس شروع ہوئی تو میرے گروپ نے اس کی ابتدا کی اور یاور مہدی صاحب اس میں سینئر پروڈیوسر کی حیثیت سے تعینات ہوئے ۔ بڑے شان دار قسم کے ہمارے درمیان پروفیشنل معرکے ہوئے اور مخالف کیمپ کا ہونے کی بنا پر میرے اور یاور مہدی صاحب کے تعلقات میں اجنبیت ہی رہی ۔

یہ ۱۹۸۴ء کا اختتام اور ۱۹۸۵ء کا ابتدائی دور تھا ۔ میں ریڈیو پاکستان، کراچی کے حالاتِ حاضرہ کے شعبے میں تھا کہ یاور صاحب خضدار سے ٹرانسفر ہو کر کراچی آئے اور میرے سیکشن کے انچارج بنے اور تب سے میری اور یاور مہدی کی رفاقت کی ابتدا ہوئی جو آج تک بحمداللہ قائم ہے ۔ ہماری دوستی افسری ماتحتی کے رشتے کے باوجود قائم ہے اور لگتا ہے کہ یاور صاحب کی ریڈیو سے رخصتی کے بعد بھی قائم رہے گی ۔

یاور صاحب گوناگوں خوبیوں کے حامل ہیں ۔ دوستوں کے دوست ہیں اور دشمن سے بھی دوستی نبھانے کا سلیقہ جانتے ہیں ۔ ماتحتوں کے لیے شفیق قسم کے افسر ہیں ۔ کبھی کبھار افسری جھاڑنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اس کو نباہ نہیں پاتے ہیں، اس لیے ماتحت ان کی افسری سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوتے ۔ ہر معاملے میں اپنی ایک رائے رکھتے ہیں اور اس کو منوانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اپنے افسروں سے اپنی بات منواتے تھے، لیکن اپنے ماتحتوں پر اپنی بات ٹھونستے ہیں ۔ بلکہ منواتے ہیں اپنے پروفیشنل ساتھیوں کی اہلیت کو مشکل سے تسلیم کرتے ہیں ، کیونکہ اپنے پروفیشن میں بڑا نام کمایا ہے اور انتہائی اعلیٰ صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے ۔ صرف اور صرف ذاتی صلاحیتوں کی بنا پر اپنے ادارے میں ترقی کے مدارج طے کیے ہیں اور عزت بنائی ہے ۔

یاور صاحب کی ایک اور خوبی ان کی بادشاہ گری ہے۔ انھوں نے ریڈیو کے پروگرام بزم طلبا کے ذروں کو ماہتاب بنادیا جو آج کل سیاست، صحافت، تعلیم اور دوسرے شعبوں کے آسمانوں پر چمک رہے ہیں۔ یاور صاحب کی ہمیشہ سے یہ خوبی رہی کے وہ اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں سے کام لینے کا فن جانتے ہیں۔ چاہے وہ ریڈیو پاکستان ہو یا آرٹس کونسل، یاور مہدی نے ہر شخص سے اس کی صلاحیت کے مطابق کام لیا ہے اور یہ علیحدہ بات ہے کہ اس شخص کو اس بارے میں پتا بھی نہ چلا ہو۔

بات نامکمل رہے گی، اگر یاور مہدی صاحب کی پبلک ریلیشننگ پر گفتگو نہ کی جائے کہ وہ اس شعبے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اور ریڈیو کے ادارے کو ان کی اس صفت سے جتنا فائدہ پہنچا ہے، اتنا فائدہ خود انھوں نے اپنی ذات کو نہیں پہنچایا۔ اس پبلک ریلیشننگ کی وجہ سے انھوں نے بہت سے ساتھیوں کے کام بھی کروائے، مگر اس کی اولین شرط خود یاور مہدی صاحب کا مطمئن ہونا ہوتا تھا جو مشکل سے ہی ہوتا تھا۔

یاور مہدی صاحب کو اپنے پروفیشن سے جنون کی حد تک عشق ہے اور اس وجہ سے ان کا خاندان ان کی شفقتوں سے کم ہی لطف اندوز ہو سکا۔ ان کی اولاد آج کامیابی کی جن منزلوں پر ہے، اس میں ان کی بیگم کا ہاتھ ہے، یاور صاحب کا صرف نام کام آیا ہے۔

ان سطور کے لکھنے کے وقت یاور مہدی صاحب کو ریڈیو پاکستان سے رخصت ہونے میں تین ماہ رہ گئے ہیں، اور ایسا لگتا ہے کہ یاور صاحب تھک چکے ہیں اور ریڈیو کے مستقبل سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اب وہ ریڈیو کو صرف اپنی ذات اور اپنے ریٹائرمنٹ تک محدود کرتے ہیں، اور یہ بات ان کے دوستوں، ماتحتوں اور ساتھیوں کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ ریڈیو کو آپ نے بہت کچھ دیا ہے اور ریڈیو سے بہت کچھ حاصل بھی کیا ہے۔ اب جاتے وقت اس کی بربادی کا مت سوچیے، بلکہ

کچھ ایسا کر کے جائیے کہ آپ کے جانے کے بعد آپ کے ماتحت آپ کے نام سے نہیں بلکہ آپ کے کام سے آپ کو یاد رکھیں۔

ظفر اقبال

میرا بڑا اچھا دوست، ساتھی اور ہم مکتب آج زندگی کے ساٹھ سال پورے کرنے کے بعد اپنے فرائض سے سبک دوش ہو رہا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ بڑی بھرپور زندگی گزارنے کے بعد وہ اس منزل تک پہنچا۔ ویسے شک ہے کہ تاریخ پیدائش لکھوانے والے نے کچھ غلطی کی، ورنہ موصوف "اتنے کم سن" بھی نہیں۔ خیر، جو ہوا سو ہوا۔

یاور کے بارے میں کیا کہوں! ہمارے تمام ساتھیوں میں سب سے معصوم، خاموش اور کم گو ہوا کرتے تھے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ "پوت کے پاؤں پالنے میں" کیوں نہ دیکھے، اس لیے کہ آج کا یاور کل سے بڑا مختلف ہے۔ یاور کی زندگی کے بہت سارے گوشے ہیں، کچھ عیاں اور کچھ مخفی۔ ہم دونوں نے لکھنؤ یونی ورسٹی سے بی۔اے کیا۔ ہمارے دیگر ساتھیوں میں شارب ردولوی، محمودالحسن، شمیم نکہت، حسن عابد، اقبال اور بہت سارے دوسرے احباب تھے۔ ہماری زندگی کا یہ دور بہت ہی ہنگامہ خیز تھا۔ برصغیر میں ترقی پسند تحریک زور شور سے جاری تھی اور لکھنؤ کو مرکزیت حاصل تھی۔ ہماری شامیں یا تو حضرت گنج کے کافی ہاؤس میں یا پھر وزیر منزل میں گزرتیں۔ وہاں ہم ہندوستان کے گوشے گوشے سے آنے والے ادیب اور شعرا سے ملاقاتیں کرتے، ان سے باتیں ہوتیں اور ان تمام جگہوں پر یاور بھی ہم سب کے ساتھ تواتر سے شریک ہوتے۔ زندگی کے دو سال اس طرح گزر گئے اور پھر یاور اپنے چھوٹے بھائی کی تلاش میں کراچی آگئے۔ دکھ ہوا یاور کے بچھڑنے کا، لیکن دو سال

بعد میں بھی "تلاش یار" میں کراچی آگیا اور کراچی کا ہو کر رہ گیا۔ یاور سے ملاقاتوں کا سلسلہ پھر چل نکلا۔ اب یاور وہ معصوم سا بچہ نہیں تھا۔ ہماری شامیں ریگل کے کیفے ٹیریا میں گزرنے لگیں۔

۶۰ء کے شروع میں، میں نے اور یاور، دونوں نے ریڈیو کی ملازمت کے لیے انٹرویو دیا اور یہ بھی اتفاق تھا کہ ہم دونوں کو منتخب کرلیا گیا۔ میں نے بخاری صاحب کے اصرار کے باوجود ریڈیو کی ملازمت نہیں کی (گو میں آل انڈیا ریڈیو سے پروگرام کرتا رہا تھا)۔ یہیں سے یاور کی زندگی کو ایک نئی جہت ملی۔ ریڈیو کی زندگی نے یاور میں اس چھپے ہوئے "یاور" کو تلاش کرلیا جس کا خود یاور کو بھی پتا نہیں تھا

لکھنؤ کے قیام میں، میں، یاور اور شارب کا ٹرائنگا تھا۔ ہم جتنے اچھے دوست تھے، اتنے ہی خطرناک رقیب، گو ہم سب شکست خوردہ رہتے، فتح کسی اور کا مقدر بنی۔

ریڈیو سے وابستہ ہونے کے بعد یاور نے اپنا سب کچھ ریڈیو کے لیے وقف کردیا، سارے سکھ، سارے چین۔ "بزم طلبا" سے لے کر عالمی سروس اور پھر سنٹرل پروڈکشن تک یاور کی فنی زندگی کا ایک طویل سفر ہے جس میں یاور نے نہ صرف یادگار پروگرام کیے بلکہ بہت سارے فن کار بھی پیدا کیے اردو کمنٹری، عالمی سروس کے پروگرام اور مباحثے جس کی زندہ مثالیں ہیں۔ میں نے بھی یاور کے اصرار پر ریڈیو پروگرام شروع کیا اور اس وقت تک کرتا رہا جب تک یاور نے چاہا، اور علیحدگی اس وقت اختیار کرلی جب کراچی اسٹیشن ویرانیوں سے ہم کنار ہوا، ہر شاخ پر الو بیٹھا دیکھا یا پھر ترجمہ کرنے والوں کو افسروں کی صفوں میں۔ چونکہ ریڈیو کے پروگرام میرے لیے ایک شوق تھا ذریعۂ معاش نہیں، اس لیے میں نے کاسہ لیسی... جو فطرت نہیں تھی... نہ کرسکا۔

ریڈیو کو یاور نے کیا دیا، اس کا فیصلہ خود ریڈیو کرے گا۔ ریڈیو یاور کو کیا

دیتا ہے، یہ ہم کو دیکھنا ہے۔ رنگ و بو کی دنیا کا یہ مسافر اپنی قلندرانہ زندگی میں جہاں نواب واجد علی شاہ کی طرزِ زندگی گزارتا ہوا نظر آتا ہے، وہیں ہمہ صفت شریف اور متین بھی ہے۔

محبتوں اور رقابتوں کے اس سفر میں، میں نے ہر اس گل اور شجر سے استفادہ کیا جہاں جہاں مجھے یاور کا سایہ نظر آیا۔ میری دعا ہے کہ سبک دوشی کے بعد یاور مہدی اپنی نئی زندگی میں آرٹس کونسل کو وہ سب کچھ دے جو اس نے ابھی کہیں چھپا رکھا ہے اور ایک بار پھر شاہانِ اودھ کی طرح رنگ و نور کی دنیا میں کھو جائے۔

یاور کی زندگی، اس کے مشاغل اور اس کی ذات پر بہت کچھ لکھا اور کہا جا سکتا ہے۔ اس کی معصوم فطرت نے جہاں گل بوٹے پیدا کیے ہیں، وہیں اپنے اطراف میں ایسے اشجار کی بھی آبیاری کی جنھوں نے اسے محض کانٹوں سے نوازا اور یہی میرے اور یاور کے درمیان وجہِ اختلاف بھی رہا۔ دعاگو ہوں کہ وہ ہزاروں سال صحت مند اور آبرومندانہ زندگی گزارے۔

صورت و سیرت میں لاثانی

نسیم طارق

دراز قد، دمکتا چہرہ، کھلتے لب، مسکراتی آنکھیں، لہجے میں خلوص، گفتگو میں مٹھاس.... ان تمام خوبیوں کو سن کر یقیناً کسی خوب صورت دوشیزہ کا سراپا ذہن میں آتا ہے، کیونکہ حسن اور شیرینی صرف کسی خاتون ہی کی میراث سمجھے جاتے ہیں لیکن ابھی روئے زمین پر اس قدر نفسا نفسی کے دور میں ایسی مشفق ہستیاں موجود ہیں جو حسنِ صورت و حسنِ سیرت، دونوں میں لاثانی ہیں۔ یاور مہدی بھی نام ہے ایک ایسی ہی شخصیت کا جس کے ارد گرد ہر وقت دوستوں اور مہربانوں کا ایک وسیع حلقہ

موجود رہتا ہے۔ مجھے حیرت ہوتی تھی کہ اس بے ثباتی کے دور میں بھی کوئی شخص بیک وقت اتنے لوگوں کو خوش رکھ سکتا ہے۔

ریٹائرمنٹ کا ذکر شروع ہو گیا، جبکہ ابھی تو میں یاور مہدی کی کوئٹے آمد کی یادوں کو یکجا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یادوں کے اس سفر میں مڑ کر پیچھے دیکھا تو لگتا ہے کل ہی کی بات ہے۔ بڑا ذکر ہو رہا تھا کہ کراچی سے کوئٹے میں نئے پروگرام منیجر تعینات ہو کر آئے ہیں جن کا بڑا نام ہے بے شمار پروگراموں، بہت سی خوب صورت تخلیقات کے حوالے سے۔ نہ جانے کیسی شخصیت ہو گی، کیسا مزاج ہو گا، لیکن ان کے لیے وہی بات صادق آئی کہ وہ آیا، اس نے دیکھا اور فتح کر لیا۔ کہاں کی افسری اور کیسا غرور! سب کی قیاس آرائیاں مانند حباب ختم ہو گئیں اور ہر کوئی ان کا گرویدہ ہو گیا۔ کوئٹہ ریڈیو اسٹیشن کے ماحول میں خوش گوار تبدیلی آگئی، تازگی آگئی۔ نئے نئے آئیڈیاز زیرِ بحث آتے، پروگراموں کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوششیں ہوتیں، ریڈیو تقریبات کا اہتمام ہوتا، غرض ایک ہلچل پیدا ہو گئی جو زندگی کا پتا دیتی ہے۔

یاور مہدی صاحب سے میرا محبت، خلوص، اپنائیت اور دوستی کا رشتہ ہے جو شاید دنیا کے تمام رشتوں سے زیادہ پائدار ہے اور اچھے دوستوں کی طرح میں اس موقع پر جبکہ وہ ریڈیو پاکستان میں اپنی زندگی کے قیمتی اور یادگار لمحے بتا کر خیرباد کہہ رہے ہیں، بہت سی دعاؤں اور تمناؤں کے ساتھ کہ خدا کرے جس طرح وہ ریڈیو پاکستان میں کامیاب رہے، زندگی کے ہر مقام پر انھیں اتنی ہی کامیابیاں اور کامرانیاں نصیب ہوں (آمین!)۔ ویسے جاتے جاتے ان سے یہ راز ضرور جاننا چاہوں گی کہ وہ اتنے سارے دوست کیسے بنالیتے تھے۔

یاور مہدی.... ایک فلاحی ادارہ

زاہد نقوی

۹۸۰ء میں میرا تبادلہ جب ریڈیو پاکستان، کراچی کا ہوا اور میں اسٹیشن ڈائرکٹر کے کمرے میں اپنی آمد کی اطلاع دینے پہنچا تو وہ اپنے کسی عزیز سے ٹیلی فون پر بات کر رہے تھے، اپنے رخساروں کو ایک ہاتھ سے مسلتے ہوئے، اپنی زبان اور اپنے خاص لہجے کے ساتھ .... "اوہ یار! تو آ تو ہی میرے پاس۔ یاور سے آکر مل لے، بس تیری بچی کا داخلہ ہو جائے گا۔ ارے یار! تیرے سمجھ نہیں آئے گی۔ تین بار کیا، تین سو بار بھی پرنسپل نے انکار کر دیا ہوتا تب بھی تیرا کام ہو جاتا۔ تو نہیں جانتا یاور کو، بڑی شے ہے!" فون پر بات ختم کی۔ مجھ سے مخاطب ہوئے ہی تھے کہ ایک مسکین سے صاحب آئے۔ "کی گل ہے؟" طاہر شاہ نے پوچھا۔ وہ بولے، "بس شاہ جی! یاور صاحب کے ایک فون نے وہ کام کیا کہ بتا نہیں سکتا۔ دوسرے ہی دن میرے بھائی کا تبادلہ گھر کے قریب بینک میں ہو گیا"۔ "جا کے پھر مزے کر!" تھوڑی دیر بعد جب میں شاہ صاحب سے رخصت ہونے لگا تو بولے، "کوئی مسئلہ ہو دکان دا، ٹرانسپورٹ دا، داخلے دا، یاور کو پکڑ لے"۔

میں یہ سوچتا ہوا پروڈیوسروں کے بیرک کی طرف جا رہا تھا کہ واقعی یاور ہوگی بڑی عجیب سی شے۔ جب ڈائرکٹر کی زبان پر ۵ منٹ میں دس بار ان کا نام آیا، تو ہوگا کوئی یقیناً معقول آدمی، کام کا اور سلیقے کا۔ بیرک کے دو کمرے ویران پڑے تھے، تیسرا کمرا بزم طلبا کا تھا۔ یاور مہدی سامنے ہی بیٹھے تھے۔ تل رکھنے کو جگہ نہیں تھی۔ تعارف ہوا، گلے ملے، مانوسیت کی خوشبو وجود میں سما گئی۔ دراز قد، سرخ و سفید رنگ، گھنگھریالے بال، گول سا جسم، پورا سراپا مہکتا ہوا سا، دو دانت ذرا باہر کو نکلے ہوئے (تیس سال کے عرصے میں یہی دانت کچھ اس زاویے سے آگے کی طرف

کھسک آئے ہیں کہ اگر آپ یاور کے دائیں جانب بیٹھ کر ان کو دیکھیں اور وہ گردن جھکا کر کسی اہم اور سنجیدہ سرکاری خط پڑھ رہے ہوں تو آپ یہ سمجھیں گے کہ وہ ابن انشا یا مشتاق احمد یوسفی کا کوئی کالم یا مضمون پڑھ کر ہنسنے کی حد تک مسکرا رہے ہیں

بات ہو رہی تھی ان سے پہلی ملاقات کی۔ تقریباً آدھ گھنٹے بیٹھا رہا۔ اس عرصے میں فون آئے اور کیے بھی گئے، بزم طلبا کے پروگرام کے بارے میں بات چیت بھی ہوئی، کچھ بزرگ بھی آئے، تواضع بھی کی گئی، گفتگو بھی ہوئی، سفارشی خطوط وصول بھی کیے گئے اور لکھے بھی گئے اور نتیجہ ان تمام مرحلوں کا یہ نکلا کہ ایک ڈاکٹر سے ایک غریب مریض کے سلسلے میں سفارش کی گئی، ایک کا تبادلہ کروایا گیا، دو داخلوں کا کالج اور اسکول میں بندوبست ہوا، چار تقریبات کی ریڈیو کوریج کا انتظام کیا گیا، شام کے بزم طلبا کے پروگرام کے بارے میں مکمل اور واضح ہدایات دی گئیں۔ اتنے کم عرصے میں اس بات کا بھی علم ہوا کہ یاور کا تکیہ کلام ہے "میری سمجھ سے" اور یہ جملہ قطعی فیصلے کی صورت میں زبان پر آتا تھا: "میری سمجھ سے آپ یہ سین واپس لکھیں دوبارہ جیسا میں نے بتایا ہے، بس جائیے" یا یہ کہ "میری سمجھ سے آپ ٹھیک کام نہیں کر رہے ہیں، سمجھے آپ!" میں بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا یہ آدمی جو یاور ہے، یہ بنا کس مٹی کا ہے۔ چاروں طرف سے اسے نوچا جا رہا ہے۔ یہ کر دیجیے، وہاں فون کر دیجیے اس پروگرام کا کیا ہوگا، جہاں منسٹر آ رہا ہے وہاں کون جائے گا، پروگرام منیجر نے یہ کہلایا ہے، اسٹیشن ڈائرکٹر سے بات کر لیجیے، فلاں صاحب کے یہاں آپ کو تعزیت کے لیے جانا ہے، کل کاظمی صاحب کے لڑکے کی شادی ہے.... اور یہ صرف ایک ہے اور ہر کام ہو رہا ہے، صحیح فیصلہ کیا جا رہا ہے، ہر جگہ شرکت ہو رہی ہے، دوستی بھی نبھائی جا رہی ہے، خوش اخلاقی، انکسار، ہمدردی، محبت اور خلوص کا اظہار بھی ہو رہا ہے، باتوں میں درشتی نہیں مٹھاس ہے، اپنائیت ہے۔ یاور کی شخصیت کے بارے میں اگر مختصر ترین الفاظ میں کچھ کہا جا سکتا ہے تو انیس کا یہ مصرع مناسب رہے گا:

خوش لہجہ و خوش خصلت و خوش وضع سراسر

اسی شام کو یاور، میں، عرفان اور نقی صابری ہوٹل میں بیٹھے نہاری کھا رہے تھے اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ہم برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ میں تقریباً چار سال کراچی اسٹیشن پر رہا۔ زیادہ وقت یاور ہی کے ساتھ گزرتا تھا۔ اس کا ہر دن، ہر لمحہ ایسا ہی گزرتا تھا جس کا تذکرہ میں کر چکا ہوں، بے حد ہمدرد انسان، دوسروں کے ہر وقت کام آنے کے لیے تیار، تعلقاتِ عامہ کا اتنا ماہر میری نظروں سے اب تک نہیں گزرا۔ حافظہ ایسا بلا کا کہ توبہ! "یاور صاحب! وہ میرا تبادلہ؟" "اویس صاحب سے مل لو، میرا نام لو۔ پتا یہ ہے، فون نمبر یہ ہے"۔ "یاور بھائی! بات یہ ہے"۔ "ٹھیک ہے، اس نمبر پر شیراز سے بات کرواؤ"۔ ہر ایک کا نام یاد، عہدہ یاد۔ کراچی کے سرکاری اور غیر سرکاری محکمے کے ہر بڑے اور چھوٹے اہل کار سے واقف ہیں تو یاور صاحب، ہر ایک کا کام خلوص اور محبت سے کر رہے ہیں۔ یاور کو اگر چلتا پھرتا رفاہی ادارہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ میرا خیال ہے اگر ایسے تین، چار یاور پاکستان میں پیدا ہو جائیں اور سر جوڑ کر بیٹھ جائیں تو دنیا کے سارے وسائل، دولت پاکستان میں جمع ہو جائے اور پھر ہر مسئلہ اور ہر ایک کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔ خوش حال پاکستان کی تعبیر ممکن ہے تو یاور ایسے لوگوں کی ذہانت، خلوص، مدد کرنے کا جذبہ اور لگن اور "میری سمجھ سے"۔

یاور اپنے پیشے کا بھی ماہر ہے، بے حد اچھا پروڈیوسر۔ "بزم طلبا" کو اس نے کراچی اسٹیشن کی پہچان بنا دیا۔ ایسے باصلاحیت افراد تلاش کیے، انھیں سکھایا، نکھارا اس طرح کہ وہ ریڈیو، ٹی۔وی، فلم اور اسٹیج کے بڑے نام بن گئے۔ ایسے فن کاروں کی بڑی طویل فہرست ہونی چاہیے لیکن مجھے جن کا علم ہے، ان میں چند نام ہیں: پروین شاکر، جاوید شیخ، معین اختر، طلعت اقبال، ایوب خاور، کاظم پاشا، محمد نقی۔ دوست ایسا کہ مثال مشکل۔ جس کا دوست رہا، اس کے ہر سکھ اور دکھ میں برابر کا

شریک ۔ نہ جانے کتنی بار وہ پاکستان کے مختلف شہروں میں محض اپنے دوست یا دوست کے کسی عزیز کے خوشیوں اور غم کے لمحات میں شرکت کی غرض سے پہنچا۔ اس کی کیا کیا خوبیاں بیان کی جائیں، اگر لکھی جائیں تو ایسا لگے گا جیسے خوشامد کی جارہی ہے، لیکن کیا کیا جائے! وہ ہے ہی ایسا، وہ ہے بھی اتنا ہی پیارا۔ مجھے فخر اس بات پر ہے کہ اس کے دوستوں میں سے ہوں۔

ایک خرابی بھی ہے اس میں، وہ یہ کہ اس نے اپنے اور اپنے خاندان کے بارے میں اتنا نہیں سوچا جتنا وہ دوسروں کے بارے میں سوچتا ہے۔ ایک برائی بھی ہے اس میں، وہ یہ کہ اس نے کسی کے کام کرنے میں نہ تساہلی برتی، نہ انکار کیا۔ یہ برائی اس میں بہت زیادہ ہے۔ خدا اسے اس نیک راہ پر چلنے کی توفیق عطا کر جس پر سب چل رہے ہیں تاکہ وہ اجنبی نظر نہ آئے۔

وہ دل کا مریض ہے، لیکن ایک لگن ہے، ایک آگ اب بھی اس کے دل میں روشن ہے جو اسے زندگی کی طمانیت بخش رہی ہے۔ وہ اب ملازمت کے فرائض سے سبک دوش ہو رہا ہے۔ خدا اسے اور حوصلہ دے اور قوت دے تاکہ ادبی اور ثقافتی سرگرمیاں بڑھتی رہیں!

حالی نے غالب کے لیے جو بات کہی تھی، وہ میں یاور مہدی کے لیے کہنا چاہتا ہوں:

نکتہ داں ، نکتہ سنج ، نکتہ شناس
پاک دل ، پاک ذات ، پاک صفات

Hai Ganjina-e-Gohar Khula, was broadcast at 9 p.m. every saturday. It featured voices of late public figures, and extracts from books and challenged listeners to **Pehchaan Pe Hai Naaz To Pehchaan Jaiyay**. Listeners would call telephone number 70761 and those who had won, their names would be announced at 9.25 p.m. the same evening, and they would be interviewed in the next programme.

"I can also claim to have broadcast the first Quiz programme on the radio. The Late Major Aftab Hasan was my first compere.

My audience were the students. I always tried to produce programmes that were useful for them. Three months before their exams, I would broadcast lectures, seminars, discussions on subjects that were likely to help them. After about 12 years of this work, I was transferred to **World Service**. I introduced **World Sports Quiz**, a programme that awarded a cricket bat signed by test stars and books on Pakistan as prizes. Other programmes that I started explained Customs Rules and Regulations, Investment Opportunities in Pakistan and the export potential of national goods. Since 1993, I have been promoted to the post of Deputy Controller.

How does he see the Broadcasting Corporation keeping up with the times? "That can be done only with a modern approach in production. We need new engineering equipment for channel recording. We have only one channel. Iran and Malaysia, for example, have many more. Their equipment, too, is modern. Similarly for Australia and India. Private organization in Pakistan boast of as many as 24 channels. We must invest."

Yawar Mehdi was born in Partabgarh, eastern UP between Allahabad and Lucknow. He did his intermediate in Arts from Hobart Triloknath Intermediate College, and he graduated from Lucknow University in 1955. Karachi University gave him his Masters in Political Science in 1960. The man is reluctant to talk about his own self and when ever he does he only proves, wittingly or unwittingly that he is a committed person.

(Star)

in English and Urdu. It was promoted to a daily programme of 15 minutes during the 1965 War and has continued as **Shehernama** ever since. "This programme enabled me to become totally familiar with whatever was happening in the city. I cam proudly claim that there was no place in Karachi I was not thoroughly familiar with. But the secret lay in getting out of one's office, doing the leg work yourself, meeting people and establishing personal report." This kind of commitment is unfortunately lacking in the new generation of producers, a point he didn't mention though.

Yawar Mehdi may be credited with giving innumerable young voices the chance to be heard on the radio. He'd go around the 54 colleges then running in Karachi, plus the University and the two premier professional colleges, NED and Dow Medical, locate and identify potential talent. "Who was good in what field, for example, music, debate, quiz, play-writing, producing skits, acting and what not. The whole city was involved. All college students would root for their class mates, all families would be agog with excitement as a son or a daughter, brother or sister would come on air, and neighbours would pat one's back with *shabash* the day after one's performance at the Broadcasting House."

Another way to keep the students involved in the creative activities of the radio was to celebrate **Hafta-e-Talaba** once every year. This involved debates in Urdu and English, quiz programmes and *mushairas*. Undoubtedly, this was a major event among the higher educational institutions in the city. All colleges would participate. Trophies and cash prizes would be awarded.

Yawar also produced **Jashn-e-Tamseel-e-Talaba** every year, in which he would encourage students to write scripts and undertake work on all aspects of producing plays for the radio, under the supervision of a senior radio producer.

Listeners of radio will remember with fondness programmes like **Subahdam Darwaza-e-Khawar Khula** the morning of every Sunday the ten weekly holiday. This featured new ideas, new voices, extracts from journals and magazines and book reviews. A complementary programme, **Shab Ko**

panel of senior officers of the Ministry of Information and Radio Pakistan." The way he describes his progress in Radio Pakistan is typical of the man. He is generous in his praise of the men he has worked under. " I was lucky in another way too, for I have had the good luck to serve my training period, as it were, under the late Altaf Ali who was an expert in all the departments of producing radio programmes. This was the section where I succeeded Sadequain, the great artist. Altaf Sahib taught me to plan well ahead. Our programmes would be ready for broadcast two to three months before the scheduled date. We would script, book voices, take care of production, administration, announcement and payment problems in such an orderly manner that the entire process would seem to be naturally smooth and easy. "After this training, I was thought to have become ready to take on more challenging assignments. Mr. Hameed Naseem, the Station Director, gave me what was then known as the Talks Section. I had to produce **Brains Trust** in English and **Danishkada** in Urdu. One week it was the first and the next week it was the other. In addition, I used to produce **University Magazine** too. This I later produced as **Bazm-e-Talaba** on the daily basis. It continues as such till today. However, my 'prime time' on the radio, that is, the period of my greatest growth came during my association with Mr. S. M. Tahir known popularly amongst us as Tahir Shah. My association with him began around 1970. He was bold in taking decisions. Once he had had the measure of his colleagues and subordinates, he relied on their judgement implicitly. 'Go ahead, do it,' he would say when we broached any new idea to him. Such one idea was initiating commentary in Urdu in cricket matches. I had long been producing programmes on sports, too in fact since the time they gave me **University Magazine**. It was an idea lightly floated but Tahir Shah took it up in the greatest earnestness, and thus Munir Husain became the first cricket commentator to speak directly to the audiences in Urdu."

It was Yawar who introduced **Radio Newsreel**, a fortnightly programme with a colleague Zafar Iqbal, alternately

In addition to the activity from which he has derived his livelihood for more than three decades, Yawar Mehdi has indulged his desire to be active and useful in other activities, too. For example, in 1957, he helped to establish a cultural society known as **Islah-e-Muashra Society**, a cover organization which ran a library, a reading room, an industrial home, and more important than all these, a school, then known as Abbas Secondary School which, till its nationalization in the early seventies, had more than 1500 students on its rolls. At that early age and almost no experience or standing, Yawar seems to have cultivated the art of roping in the famous and the distinguished. Personalities of the stature of Raja Sahib of Mehmoodabad, Z.A. Bukhari, Shaukat Thanvi, Josh Maleehabadi, Jigar Muradabadi, Dr. Mohammad Ahsan Farooqi were invited to lecture on various subjects to the members of the society. Their views and talks, and recordings of the proceedings were published in booklets which Yawar and his colleagues would then sell on the footpaths of the city for two or four annas each. There used to be sixteen annas to the rupee at the time. The profits would go to help serve the objectives of the Society. One could become a member of the Society for four annas, and "I used to walkfor miles to meet people and persuade them to become members."

"I have always been lucky. Within 15 days of my arrival in Pakistan, I had secured a job in the Textile Commissioner's office. I worked there for one year, but I soon realized that my job and my desire to further my education could not go together. So I left in and joined the office of Controller Southern Area (now the office of Accountant General, Sindh). Here, I worked for three years. The organization was benevolent towards students and I found time to attend university classes." Yawar appears to have adopted the same attitude towards students he met when he became a radio producer. He would allot programmes to the more needy and poor students and thus help them.

"I joined Radio Pakistan because it suited my temperament, but it was no walk-in. I was thoroughly grilled by a

Yawar Mehdi : radical changes in radio programmes

Sikandar Sarwar

Thirty-three years ago Yawar Mehdi joined Radio Pakistan, to be exact, on the 19th May, 1962, as a producer. He has grown with the organization during these years. His contribution, as one can see, has been more than considerable. He has started many a new programme, improved innumerable ones, and introduced literally hundreds of new voices to the air, but it is a sad commentary upon the nature of things in the country that he has remained largely unsung.

Yawar has been a committed man all his life. He believes that individuals have responsibilities towards communities in which they live, therefore they must do what they can to raise the quality of life around them.

اربابِ قلم

maablib.org

محنتی اور دیانت دار

سید احتشام حسین
(شعبۂ فارسی و اردو، لکھنؤ یونی ورسٹی)

مجھے دلی مسرت ہو رہی ہے کہ میں سید یاور مہدی کو گزشتہ کئی برسوں سے جانتا ہوں۔ دو سال قبل جب وہ گریجویشن کی غرض سے لکھنؤ یونی ورسٹی میں داخل ہوئے تو وہ میرے اور بھی نزدیک ہوتے چلے گئے۔ اردو چونکہ ان کے مضامین میں شامل تھا، اس لیے وہ میرے لکچرز میں شامل ہوتے تھے اور یوں میں نے ان کی دلچسپی کا خود مشاہدہ کیا۔

یاور مہدی نے ہمیشہ مجھے اپنی اطاعت، نیک طینت اور حسن کارکردگی سے متاثر کیا۔ وہ ایک محنتی، دیانت دار اور ضروری کاموں سے بخوبی عہدہ برآ ہونے والے انسان ہیں۔ اپنی تعلیمی مصروفیات کے علاوہ وہ غیر نصابی سرگرمیوں اور ادبی نشستوں کے انعقاد میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ ایک اچھی شخصیت کے حامل ہیں اور قانون کے پاس دار بھی۔

لکھنؤ یونی ورسٹی کی چکبست سوسائٹی کو قائم کرنے میں یاور مہدی نے اہم کردار ادا کیا ہے اور اس کے تحت مختلف ادبی پروگرام پیش کیے جس میں تمثیلی مشاعرہ، مرزا غالب اس دور میں، اور مشاعرے قابل ذکر ہیں۔ ان مشاعروں میں جوش ملیح آبادی، فراق گورکھپوری، مرزا جعفر علی خاں اثر، دل لکھنوی، فناکان پوری وغیرہ شرکت کر چکے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ ان کو جہاں بھی کوئی کام دیا جائے گا، یہ اس کو بحسن و خوبی سرانجام دیں گے۔ میں ان کی بہتر و کامیاب زندگی کے لیے دعا گو ہوں۔

تابش دہلوی

آج سے کوئی بیس برس پہلے ریڈیو پاکستان کراچی کے شعبۂ اسکول براڈ کاسٹ کے عملے میں ایک خوب صورت نوجوان کا اضافہ ہوا، نام تھا یاور مہدی .....
درمیانہ قد، متوسط جسم، خط و خال دل کش اور روشن، چال ڈھال سبک اور میانہ رو گفتگو میں ملائمت اور نرمی، اٹھنے بیٹھنے میں مہذب، بڑوں کے ساتھ مودب، چھوٹوں کے ساتھ شفیق، طبیعت میں انکسار مگر اپنی عزت نفس کی پاس داری بھی۔

یاور مہدی سے روز کا سابقہ رہتا۔ دفتری کاموں میں ان کا انہماک اس بات کی دلیل تھا کہ وہ ایک دن ریڈیو کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوں گے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ ترقی کی منزلیں طے ہوتی رہیں اور اس کے ساتھ ساتھ شہر کے علمی و ادبی حلقوں میں بھی وہ اپنی دل کش شخصیت اور اپنے کام میں انہماک کی وجہ سے ہر دل عزیز ہوتے چلے گئے اور انھی خوبیوں کی وجہ سے وہ آج کل آرٹس کونسل، کراچی کے اعلیٰ منصب پر مامور ہیں۔

مجھ سے ان کے محبتوں کے رشتے ہیں اور ان رشتوں میں حسن صورت کے ساتھ ان کے حسن سیرت کو بھی بڑا دخل ہے۔

تقریظ

ڈاکٹر جمیل جالبی

(سابق وائس چانسلر، کراچی یونی ورسٹی)

یاور مہدی کو میں اس وقت سے جانتا ہوں جب سیاہ بال اور جوانی سے دمکتے گال ان کے رنگ روپ کا غازہ تھے۔ اب جبکہ شام کے سائے زندگی کی منڈیروں پر پڑنے لگے ہیں، ان کے چہرے کی مسکراہٹ اور حسن اخلاق کا اجالا آج بھی اسی طرح دامن دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس وقت بھی وہ مجھے اچھے لگتے تھے اور آج بھی اچھے لگتے ہیں.... بھلے آدمی ہیں، سب کے کام کرتے اور سب کے کام آتے ہیں۔ یہی ان کا مزاج ہے۔

یاور مہدی ساری عمر ریڈیو پاکستان سے وابستہ رہے۔ پتھر اپنی جگہ بھاری ہوتا ہے۔ وہ بھی ریڈیو کی بھاری بھر کم شخصیت ہیں اور سب چھوٹے بڑے انھیں عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ادھر خدمتِ خلق کے جذبے نے انھیں آرٹس کونسل سے ایسا وابستہ کیا کہ اب آرٹس کونسل اور یاور مہدی لازم وملزوم ہو گئے ہیں۔ اگر شام کو آپ آرٹس کونسل جائیں اور یاور مہدی نظر نہ آئیں تو وہاں کا منظر بدلا بدلا سا نظر آتا ہے۔ وہ صاف دل کے آدمی ہیں اور سب سے کھلے دل سے ملتے ہیں۔ نہ ان کے دل میں کھوٹ ہے اور نہ وہ انسانی تعلقات کے زرِ خالص میں منافقت کی کھوٹ ملاتے ہیں۔ وہ ایسے ہی ہیں جیسے وہ نظر آتے ہیں، اور اس دورِ ناہنجار میں یہ ایک بڑی بات ہے۔ ان کے چہرے کا بھولپن ان کے کردار کی راستی سے مل کر ان کی شخصیت میں جادو کا اثر پیدا کر دیتا ہے۔ اسی لیے آرٹس کونسل کے سالانہ انتخاب میں جب ووٹ پڑتے ہیں تو ان کی تعداد ضرورت سے زیادہ ہوتی ہے۔

لوگ شاعر ہوتے ہیں، ادیب ہوتے ہیں، مصور ہوتے ہیں، اداکار ہوتے

ہیں، ڈرامانگار ہوتے ہیں ۔ یاور مہدی نہ شاعر ہیں نہ ادیب، نہ اداکار ہیں نہ مصور یا ڈرامانگار، لیکن وہ ایسے ادب دوست، اداکار نواز اور مصور پرور انسان ہیں کہ کراچی شہر میں ادب، ڈراما، مصوری ان کے سہارے خوب ترقی کر رہے ہیں اور آج آرٹس کونسل ادبی وثقافتی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز بنی ہوئی ہے ۔ وہ اور ان کے ساتھی ادب، مصوری، ثقافت اور ڈرامے کے فروغ کے لیے دن رات کام کر رہے ہیں اور یہ سب لوگ اسی لیے ہماری داد و تحسین کے بہمہ وجوہ مستحق ہیں۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یاور مہدی کو صحت مند و سلامت اور شاد و آباد رکھے تاکہ وہ اسی طرح برسوں ادب وثقافت کی خدمت کرتے رہیں۔

یاور مہدی سماجی وثقافتی سرگرمیوں کی پہچان ہیں

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

اپنے عزیز، مکرم اور دوست گرامی یاور مہدی کی ذات و صفات کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں اور بہت کچھ لکھنا چاہتا ہوں، لیکن کیسے لکھوں؟ اگر ان کی شخصیت بعض دوسروں کی طرح یک رخی و یک رنگ ہوتی تو کام آسان ہو جاتا۔ مشکل یہ ہے کہ ان کی شخصیت حد درجہ رنگا رنگ اور پہلو دار ہے، چنانچہ ان کی شخصیت و زندگی کی جملہ بوقلمونیوں اور طرح داریوں کو بیک وقت سمیٹنا میرے لیے ایک دشوار گزار مرحلہ ہے۔

یاور مہدی اگر صرف شاعر ہوتے تو ان کے بارے میں میرا قلم تیزی سے چل نکلتا، اگر محض ادیب ہوتے تو بھی چنداں قباحت نہ ہوتی، صرف نقاد یا افسانہ نویس یا محض ناول نگار و انشائیہ نگار یا نرے مصور و کالم نویس ہوتے تو بھی ہچکچاہٹ کے باوصف صفحے، دو صفحے کھینچ دینے میں دیر نہ لگتی.... لیکن یہاں تو مشکل یہ آن پڑی ہے

کہ یاور مہدی سبھی کچھ ہیں سے کہنے دیجیے، قدرِ تصرف کے ساتھ مصرع یوں پڑھنے دیجیے:

آنچہ خوباں ہمہ دارند ، او تنہا دارد

ایسے میں یاور مہدی کے بارے میں لکھنا گویا اپنے عہد کے سارے ادیبوں، سارے نقادوں اور جملہ قلم کاروں، نیز فنونِ لطیفہ کے معماروں کے بارے میں کچھ نہ کچھ لکھنا ہے۔ ظاہر ہے یہ کام آسان نہیں، بہت مشکل ہے بلکہ مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے، اس لیے کہ تہذیبی اور ثقافتی خدمات کے حوالے سے میری نظر میں یاور مہدی کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ وہ شاعر ہوں یا نہ ہوں، شاعر گر ضرور ہیں.... ادیب و نقاد ہوں یا نہ ہوں، ادیبوں اور نقادوں کے قدردان و کارکشا بہرحال ہیں۔

کبھی کبھی تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کراچی کے صاحبانِ شعر و ادب اور عاملانِ فنونِ لطیفہ کے قافلہ سالار ہیں، اس لیے کہ سماجی و معاشرتی حالات کیسے ہی ناسازگار کیوں نہ ہوں، یاور مہدی اہلِ قلم اور اہلِ علم و فن کی دل جوئی اور پذیرائی و حوصلہ افزائی کے لیے تیار رہتے ہیں، قدردانی و دل نوازی کی نئی نئی راہیں نکالتے ہیں، طرح طرح کے جلسے سجاتے ہیں، اہلِ قلم کو دولھا بنا کر بٹھاتے ہیں۔ دولھا کے دامن کو صرف ہار اور پھولوں سے نہیں بلکہ گاہے گاہے نقدی اور انعام و اکرام سے بھر دیتے ہیں۔ یاور مہدی کا یہ ایسا وصفِ خاص اور حسنِ عمل ہے کہ جسے اللہ کی توفیق کے سوا کسی اور نام سے موسوم نہیں کر سکتے۔

یاور مہدی کی زندگی اور شخصیت کے اجتماعی و سماجی پہلو سے قطعِ نظر، وہ اپنی یکسر ذاتی و شخصی زندگی میں سراپا رافت و مجسم اخلاص کی زندہ مثال ہیں۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں، کراچی کی علمی و ادبی اور سماجی و ثقافتی سرگرمیوں کی پہچان ہیں، کسی کا دل کسی کی جان ہیں، صلہ و ستائش سے بے نیاز اپنا کام کیے جاتے ہیں۔ غالب کی طرح

قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

کا مبالغہ آمیز دعویٰ انھوں نے نہیں کیا، لیکن اس امر پر ان کا ایمان و ایقان ہے کہ

چمن زارِ محبت میں اسی نے باغبانی کی
کہ جس نے اپنی محنت ہی کو محنت کا ثمر جانا
(چکبست)

میں ان کے جشن کے موقع پر ان کی بے لوث، خاموش و سنجیدہ و ثقافتی و تہذیبی خدمات کے حضور سلام پیش کرتا ہوں اور ان کی صحت و سلامتی کے لیے دعا گو ہوں۔

یاور مہدی.... دل آویز شخصیت، مستعد انسان

ڈاکٹر اسلم فرخی

تعلقات اتنے پرانے ہو گئے ہیں کہ اب سوچنے پر بھی یاد نہیں آتا کہ یاور مہدی سے پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی۔ بس ذہن میں یہ تاثر ہے کہ جب تلاش کرو تو براڈ کاسٹنگ ہاؤس کے کسی کمرے میں بیٹھے ہوئے ملیں گے اور کبھی تنہا نہیں ہوں گے، دو، چار آدمی ضرور گھیرے ہوئے ہوں گے اور وہ اس بھیڑ بھاڑ کے باوجود طمانیت اور یک سوئی کی تصویر بنے نظر آئیں گے۔

میں یاور مہدی کو محنت، لگن اور انسان شناسی اور دوست پروری کی علامت قرار دیتا ہوں۔ محنت ایسی کہ جس کام پر لگ گئے، دن رات ایک کر دیے.... نہ دن کو دن سمجھا، نہ رات کو رات۔ مجھے یاد ہے کہ "بزم طلبا" ریڈیو کا ایک کمزور شعبہ تھا ہفتے میں ایک یا دو دن پروگرام ہوتا تھا جس کا طلبا برادری پر کوئی اثر نہیں تھا۔ یہ

شعبہ یاور مہدی کے سپرد کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اصل شعبہ تو یہی ہے ۔ وہ پروگرام جو ہفتے میں ایک دن یا دو دن ہوتا تھا، روزانہ ہونے لگا، ماہرین تعلیم شرکت کرنے لگے، ہر سطح کے طلبا جوق در جوق آنے لگے .... کبھی تعلیمی مذاکرہ ہو رہا ہے، کبھی تقریری مقابلہ ہے.... امتحان نزدیک ہیں تو ان کے حوالے سے پروگرام ہو رہے ہیں، طلبا استفادہ کر رہے ہیں.... نئے نئے پروگراموں کی منصوبہ بندی ہو رہی ہے اور یہ ساری رونق، جہاں پہلے محض ایک فرد، یعنی یاور مہدی کی ذاتی محنت اور کوشش کا نتیجہ تھا ۔ یاور مہدی محنت بھی کرتے ہیں اور ان میں کام کو خوش اسلوبی سے انجام دینے اور خوش اسلوبی سے دوسروں سے کام لینے کا بھی بڑا اچھا سلیقہ ہے ۔ وہ ہر آدمی کی صلاحیت کا صحیح اندازہ کر لیتے ہیں اور اس سے صلاحیت کے مطابق کام لیتے ہیں ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انھیں ہر کام میں بڑی کامیابی حاصل ہوتی ہے ۔ ریڈیو ہو یا آرٹس کونسل، ان کی محنت دونوں جگہ یکساں ہے ۔

یاور مہدی کی ایک اور خصوصیت جس کا میں بے حد مداح ہوں، وہ ان کا انکسار اور فروتنی ہے ۔ وہ ریڈیو کے اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جب ہر ریڈیو والا گلیمر میں ڈوبا ہوا نظر آتا تھا، مگر اس دور میں بھی یاور مہدی کسی گلیمر، خود پسندی یا نخوت کا شکار نہیں تھے ۔ آج جس طرح ہر شخص سے محبت، مروت اور انکسار سے پیش آتے ہیں، یہی کیفیت اس زمانے میں بھی تھی، بلکہ عمر کے ساتھ ساتھ ان کے انکسار میں بھی اضافہ ہو گیا ہے ۔ میں اسے ان کے مثبت اندازِ فکر اور بڑے پن سے تعبیر کرتا ہوں ۔ یہ خصوصیت اور محبت ہر شخص میں نہیں ہوتی ۔

یاور مہدی کے یہاں انسانی رشتوں کا احترام حد سے زیادہ ہے ۔ بزرگی اور خوردی کے بڑے قائل ہیں اور تعلقات کی سطح کو قائم رکھنے کے ماہر ہیں ۔ تعلقات برقرار رکھنے میں تکلیف بھی اٹھانا پڑتی ہے، کبھی کبھی آزردگی بھی ہوتی ہے، بعض اوقات وقت اور توانائی کی قربانی بھی دینا پڑتی ہے، مگر یاور مہدی کو دیکھ کر اور ان

سے مل کر یہ احساس ہوتا ہے کہ اس شخص کو تعلقات برقرار رکھنے میں کبھی کوئی مشکل ہی پیش نہیں آئی۔ یہ ہر شخص کی دل داری کرتے ہیں، ہر شخص کے کام آتے ہیں اور ہر شخص سے محبت کرتے ہیں۔ ان کے یہاں نفرت اور ناپسندیدگی کا کوئی گزر نہیں۔

زندگی کے دوسرے شعبوں میں کام کسی نہ کسی طرح چل جاتا ہے، لیکن ریڈیو میں اگر کوئی کارکن نروس ہو جائے تو پھر پروگرام کا بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔ میں نے ریڈیو پاکستان کے پروگراموں میں بڑوں بڑوں کو نروس ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور بدحواسی کے بہت سے واقعات کا شکار بھی ہوا ہوں، لطف اندوز بھی ہوا ہوں۔ اصل میں سارا معاملہ ذہانت، برجستگی، ذہن کی تیزی اور حاضر دماغی کا ہے۔ یاور مہدی کی خوبی یہ ہے کہ اول تو نروس نہیں ہوتے اور اگر خدانخواستہ ایسا موقع آجائے تو اسے اپنی ذہانت اور حاضر دماغی سے اس طرح ختم کر دیتے ہیں کہ سننے والے کو کسی بدحواسی یا بدمزگی کا احساس نہیں ہوتا۔ ان کی یہ ذہانت ریڈیو تک ہی محدود نہیں بلکہ عام زندگی میں بھی اسی طرح نمایاں ہے۔ میں نے دو، ایک دفعہ اپنی بعض پریشانیوں کے سلسلے میں ان سے دوستانہ مشورہ کیا تو انھوں نے فوراً اور برجستہ ایسا حل تجویز کیا جو ایک ذہین اور پراعتماد آدمی ہی بتا سکتا تھا۔ آپ کسی مسئلے میں ان سے مشورہ کیجیے، وہ لمحے بھر کے تامل کے بعد ایک مثبت اور قابلِ قبول حل پیش کر دیں گے۔ ریڈیو میں ان کی ترقی کا راز مسلسل محنت اور حاضر دماغی ہے۔

یاور مہدی ملنسار آدمی ہیں۔ لوگ ان کی طرف کھنچتے ہیں، بے اختیار کھنچتے ہیں، گرداگرد ایک حلقہ سا رہتا ہے۔ یہ مقبولیت کی دلیل ہے۔ لوگ اسی کے پاس جاتے ہیں، اسی سے ملتے ہیں جو انھیں خوش آمدید کہتا ہے، انھیں اپنا سمجھتا ہے اور ان کے کام آتا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے یاور سے کسی کام کے لیے کہا ہو اور وہ نہ ہوا ہو، کسی نہ کسی طرح ہو ہی جاتا ہے۔

یاور کے مزاج میں سادگی ہے۔ کرتے شلوار میں مگن یہ سادہ زندگی گزارنے والا زندگی برتنے کا سلیقہ جانتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ سادگی میں جو بڑائی اور عظمت ہے، وہ شان و شوکت اور دھوم دھام میں نہیں ہے، شاید اسی وجہ سے یاور نے اپنی ساری زندگی بڑے سلیقے سے گزاری ہے۔ بقول میرؔ:

مرے سلیقے سے میری نبھی محبت میں

اگر آپ کسی شام کو آرٹس کونسل کی کسی تقریب میں جائیں، کسی کتاب کی رسمِ اجرا ہو، محفلِ نقد و نظر ہو، شعری نشست ہو تو سب سے پچھلی صف میں ایک آدمی خاموش بیٹھا نظر آئے گا۔ اس کے گرداگرد حلقہ تو ہو گا، مگر وہ سب سے بے نیاز چپکا بیٹھا ہو گا، پہلو نہیں بدلے گا، سرگوشی نہیں کرے گا، درمیان میں اٹھ کر کہیں نہیں جائے گا، بس بیٹھا رہے گا، آخر تک بیٹھا رہے گا.... تو سمجھ لیجیے کہ یہی یاور مہدی ہے جس نے ریڈیو پاکستان میں دھوم مچائی اور اب آرٹس کونسل میں دھوم مچا رہا ہے۔

مجھے یقین نہیں آتا کہ یاور مہدی ریڈیو پاکستان سے سبک دوش ہو جائے گا، مگر پھر خیال آتا ہے کہ سبک دوشی تو سب کا مقدر ہے۔ جانے والا ادارے سے چلا جاتا ہے، مگر اس کی عظمت کے نقوش ہمیشہ نمایاں رہتے ہیں۔ یاور مہدی کی داستانِ عظمت بھی ریڈیو پاکستان کے ایوانِ عالی شان اور ہمارے دلوں میں ہمیشہ نمایاں رہے گی۔ اللہ تعالیٰ انھیں صحت مند، مسرور اور مطمئن رکھے اور وہ آرٹس کونسل کے مرکز سے دلوں کو طمانیت بہم پہنچاتے رہیں!

maablib.org

یاور مہدی

شارب ردولوی

(زیر ترتیب کتاب 'میرا لکھنؤ' کا ایک ورق)

میری لکھنؤ کی یادوں میں یاور مہدی کی شخصیت بھی بڑی عجیب و غریب ہے۔ آپ کسی ایسے خوب صورت، دراز قد، شگفتہ رو، پر کشش شخص کا تصور کر سکتے ہیں جو آپ سے کسی بات کا مطالبہ نہ کرے، مطالبہ تو دور رہا کسی خواہش کا اظہار بھی نہ کرے اور ہر وقت، ہر جگہ آپ کے ساتھ موجود رہے اور ہر کام میں اس طرح مدد کرے جیسے اس کا اپنا کام ہو، جو کبھی کسی بات کا نہ برا مانے، نہ لڑے اور نہ خفگی کا اظہار کرے، لیکن بات نقطۂ نظر کی آجائے یا دوستی زد میں ہو تو اتنا سخت ہو جائے کہ کوئی جھکا نہ سکے۔ یاور کے بارے میں کبھی سوچتا ہوں تو غالب کا یہ شعر ذہن میں گردش کرنے لگتا ہے:

شوق اس دشت میں دوڑائے ہے مجھ کو کہ جہاں
جادہ غیر از نگہ دیدۂ تصویر نہیں

اور میں حیرت زدہ آنکھوں کے ساتھ انھیں راستوں پر بھٹکنے لگتا ہوں۔

لکھنؤ کی ادبی و تہذیبی زندگی میں میری طالب علمی کا زمانہ بڑا اہم زمانہ تھا، ہر جگہ علمی و ادبی بحثیں، ہر شخص کی ایک انجمن، ہر روز جلسے اور ہر رات مشاعرے اس وقت کا معمول تھے۔ صبح آنکھ کھلتی تو کوئی نہ کوئی کل کے جلسے کے کسی موضوع یا مشاعرے کی کسی غزل یا شعر کے بارے میں کسی بحث کے ساتھ وارد ہو جاتا۔ اس بحث مباحثے کو ہوا دینے والوں میں ایک طرف لکھنؤ کے پرانے شعرا اور ان کے گروہ تھے، دوسری حفیظ نعمانی تھے جو نہ قدامت پسندوں میں تھے اور نہ ترقی پسندوں

میں اور جن کے ساتھ دونوں ہی گروہوں کے ایک، دوسر پھرے نوجوان شاعر اور ادیب تھے۔ لیکن اس میں سب سے بڑا رول لکھنؤ یونی ورسٹی کے نوجوان طالب علموں کا تھا جو اس وقت کے لکھنؤ کی پوری فضا پر چھائے ہوئے تھے۔ مسعود حسن رضوی، احتشام حسین، آل احمد سرور، نورالحسن ہاشمی، محمد احسن فاروقی، ڈی۔پی مکرجی، کالی پرشاد کی تربیت نے ان پر ایسی جلا کی تھی کہ ہر محفل ان کے بغیر سونی رہتی۔ انھیں طالب علموں میں یاور مہدی بھی تھے۔ یونی ورسٹی کے یہ طلبا گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ کسی گروہ کے لیڈر ذکی شیرازی تھے کسی میں حسن عابد، آغا سہیل، نجم الحسن، کسی میں ابن حسن، حیدر عباس، کسی میں ایم۔ کے فاطمی اور سید محمد سعید۔ ان میں سیاست کا میدان ہو یا ادب، بعض تو آسمان سر پر اٹھانے والے تھے ان میں ایک قدرے بے ضرر اور چھوٹا سا گروپ تھا جس میں دو لڑکے نمایاں حیثیت رکھتے تھے: ایک یاور مہدی، دوسرے افضال احمد، دونوں ہی لازم و ملزوم کی طرح ساتھ رہتے۔

لکھنؤ یونی ورسٹی کی خوب صورت اور نازک برجیوں والی عمارت کی پہلی منزل کے مشرقی گوشے کے ایک بڑے کمرے میں شعبۂ اردو تھا جس کے دونوں طرف کشادہ، خوب صورت اور طویل برآمدے تھے۔ شعبۂ اردو کے ایک طرف آبنوسی رنگ کی لکڑی کا بہت خوب صورت چوڑا زینہ اور دوسری طرف ایک لمبا کمرا جس میں فارسی کے کلاس ہوتے تھے اور جس میں عام طور پر ڈاکٹر نذیر احمد صاحب بیٹھے اپنے طالب علموں کا انتظار کرتے تھے۔ شعبۂ اردو کے سامنے عمارت کے مغربی حصے کو جوڑنے والی کھلی ہوئی چھت تھی جہاں سے یونی ورسٹی کا وسیع میدان، نیچے کے کلاس روم، ڈیپارٹمنٹ اور خاص طور پر جامن کے پیڑ کے برابر چھتوں والا وہ کمرا جو لڑکیوں کا کامن روم تھا، دکھائی دیتا تھا۔ یہ کھلی چھت شعبۂ انگریزی اور شعبۂ تاریخ کو شعبۂ اردو و فارسی، شعبۂ عربی اور شعبۂ سنسکرت سے جوڑتی تھی اور ہر گھنٹے پر

پچاسوں طلبا اور طالبات اپنے ایک کلاس سے نکل کر دوسرے کلاس میں جانے کے لیے اسی چھت پر سے گزرتے۔ کچھ طلبہ شعبہ اردو کے اسی کونے پر کھڑے ہو کر اپنے کلاس کا انتظار کرتے اور لالہ و گل کے ساتھ پیرہن کی رنگینیوں کا بھی لطف اٹھاتے۔

ان دنوں شعبہ اردو ہی یونی ورسٹی کے طلبا کی ساری سیاست کا مرکز تھا۔ بہت سے علمی اور ادبی مباحثے یہیں سے شروع ہوتے اور یہیں ختم ہوتے۔ اس زمانے میں چودھری محمد نعیم ہوں یا قاضی عبدالستار، قمر رئیس، شارب ردولوی، عالیہ عسکری (عالیہ امام)، عطیہ شاہد، آغا سہیل، حسن عابد، اقبال مجید، احمد جمال پاشا، ذکی شیرازی، شکیب رضوی، عارف نقوی، یاور مہدی، سب دن کے کسی نہ کسی حصے میں اس جگہ ضرور ملتے اور ہر شخص کے پاس کوئی نہ کوئی کہانی ہوتی۔ ایک دن اسی جگہ ہم لوگوں کے ساتھ یاور مہدی بھی کھڑے تھے اور حسب معمول افضال ان کے ساتھ تھے کہ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے ڈاکٹر محمد احسن فاروقی صاحب ادھر سے گزرے۔ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی مشہور ناول نگار اور لکھنؤ یونی ورسٹی کے انگریزی ادب کے ہر دل عزیز استاد تھے، لڑکے ان پر جان دیتے تھے اور وہ لڑکوں سے دوستوں جیسا برتاؤ کرتے تھے۔ وہ اکثر اپنے کلاس ختم کر کے شعبہ اردو میں آجاتے تھے اور احتشام صاحب کے ساتھ بیٹھے رہتے۔ اس دن ہم لوگو کو دیکھ کر رک گئے۔ ترقی پسندوں سے انھیں اللہ واسطے کا بیر تھا اور اردو کے طالب علموں کی بڑی تعداد پر ترقی پسندی کی چھاپ تھی، اس لیے کبھی وہ ہم لوگوں کو چھیڑنے کے لیے احتشام صاحب یا سرور صاحب پر بھی اعتراض کر دیتے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت ہم لوگوں کی حیثیت انھیں جواب دینے کی نہیں تھی اس لیے ہم لوگ ان کی باتیں سن لیتے۔ اس دن دوران گفتگو یاور مہدی نے ایک چھوٹی سی آٹو گراف بک نکالی اور فاروقی صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ اس پر کچھ لکھ دیجیے۔ وہ اس وقت بھی ترقی پسندوں کے بارے میں ہی کچھ کہہ رہے تھے، اسی رو میں ترقی پسندوں کے خلاف ایک جملہ لکھ کر

دستخط کرکے آٹو گراف بک واپس کردی۔ میں نے جب ان کا جملہ پڑھا تو یاور کو مشورہ دیا کہ اب تم اس کو دکھا کر احتشام صاحب اور سرور صاحب سے بھی آٹو گراف لو۔ یاور نے ایسا ہی کیا اور آٹو گراف کے صفحات پر ایک نظریاتی بحث چھڑ گئی اور اس میں مختلف لوگ شامل ہوتے گئے۔ مجھے اس وقت ڈاکٹر محمد احسن فاروقی کا جملہ اور اس کے ردِ عمل کے طور پر لکھے گئے جملے یاد نہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ یاور مہدی کی آٹو گراف بک عرصے تک یونی ورسٹی اور شہر کے ادبی حلقوں میں گفتگو کا موضوع رہی۔ اگر یاور مہدی کے پاس وہ آٹو گراف بک محفوظ ہے تو وہ اس زمانے کی ایک دلچسپ تاریخی دستاویز ہے۔

یاور نہ افسانے لکھتے تھے اور نہ شعر کہتے تھے۔ افضال بھی شعر نہیں کہتے تھے، حالانکہ وہ لکھنئو کے مشہور شاعر اخگر لکھنوی کے بیٹے تھے جو آرزو لکھنوی کے عزیز ترین شاگرد تھے، لیکن دونوں یونی ورسٹی اور شہر کی ہر محفل میں موجود رہتے اور اس وقت کی ادبی سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔

یاور کے سلسلہ میں جب میں یہ سطریں لکھ رہا تھا تو شمیم نگہت (میری بیوی) ایک کاغذ لیے ہوئے آئیں۔ شمیم بھی اسی زمانے میں لکھنئو یونی ورسٹی میں پڑھتی تھیں اس لیے یاور ہو یا اس زمانے کے دوسرے لوگ، سب سے واقف تھیں۔ انھوں نے یاور کے بارے میں کچھ لکھا تھا جس میں موٹے چشمے کے پیچھے سے چمکنے والی ان کی آنکھوں کا ذکر تھا۔ میں نے ان سے پوچھا، "کیا یاور چشمہ لگاتے ہیں؟" انھوں نے بڑے وثوق سے ہاں کہا۔ میں نے شک کا اظہار کیا تو کہنے لگیں، "شعاع کے کمرے میں آرٹس کونسل، کراچی کا وہ گروپ فوٹو لگا ہے جو اس جلسے میں لیا گیا تھا جو لکھنئو یونی ورسٹی، اولڈ بوائز، کراچی، ۱۹۸۶ء میں ہم لوگوں کے اعزاز میں کیا تھا"۔ میں واقعی اٹھ کر اس گروپ کو دیکھنے گیا اور ہنستا ہوا واپس آیا۔ میں نے کہا کہ میں "فنفیں پنج تن" سادات کالونی کے سید یاور مہدی زیدی کی بات نہیں کر رہا تھا، میں

تو چھریرے بدن اور دل کش ناک نقشے والے یاور مہدی کا ذکر کر رہا ہوں جو میرے ساتھ پڑھتا تھا۔ پاکستان بننے سے کسی کا کوئی نقصان ہوا ہو یا نہیں، لیکن میرا بہت بڑا نقصان ہوا کہ میرے سارے دوست مجھ سے چھوٹ گئے۔ شمیم اگر ضد کر کے مجھے ۱۹۸۶ء میں پاکستان نہ لے گئی ہوتیں تو شاید میں انھیں تصویروں کو اپنے ذہن میں سجائے رہتا۔

کراچی میں میری ملاقات ایک نئے یاور مہدی سے ہوئی جس کے پاس ہماری مشترک یادیں تو ضرور تھیں، لیکن باقی سب بدل چکا تھا اور بہت کچھ اس چشمے کے پیچھے چلا گیا تھا جس کا ذکر شمیم نے کیا۔ اب بڑے بڑے کمروں اور دالانوں والا اس کا مکان تھا۔ خود اس سے زیادہ خوب صورت اس کی بیوی اور اس کے برابر کے اس کے بیٹے اور بیٹیاں تھیں۔ سب کو دیکھ کر ایسا لگا جیسے کسی ایسے باغ میں پہنچ گیا ہوں جس کا پہلے کبھی تصور نہ کیا ہو، لیکن یاور میں ذاتی تبدیلی دور دور تک نظر نہیں آئی، وہی مخلص، سادہ سا لکھنؤ والا یاور.... وہی بات بات میں ہنس پڑنا، کسی مشکل کو مشکل نہ سمجھنا، دوستوں کے لیے جان دینے پر تیار، اس قدر وسیع الاخلاق بلکہ وسیع الاحباب کہ سارا شہر ان کے دوستوں میں، چھوٹا ہو یا بڑا ہر ایک سے ان کی ملاقات۔ یہی سبب تھا کہ کوئی کام ہو، کسی سے نہ ہو پا رہا ہو تو یاور سے کہو تھوڑی دیر میں ہو جائے گا۔

یاور کی ملازمت میں سیاست کی گنجائش نہیں تھی لیکن آرٹس کونسل کے احاطے میں داخل ہوتے ہی ان کی سیاست شروع ہو جاتی تھی اور مجال نہیں کہ کوئی ان کے سامنے پیش پا جائے۔ آرٹس کونسل ان کے لیے اسی طرح کا میدان تھی جیسے عمران خان کے لیے کرکٹ کی کوئی فیلڈ۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ اپنے احباب اور مداحوں کے ساتھ آرٹس کونسل پر ہمیشہ حاوی رہے اور انھیں کراچی کے تمام بڑے شاعروں اور ادیبوں کا تعاون حاصل رہا۔ آج بارہ سال بعد بھی اس میں کوئی تبدیلی

ہوئی ہو، اس میں مجھے شک ہے۔ان کی شخصیت کی کشش اور مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ریڈیو پاکستان ہو یا آرٹس کونسل یا کراچی کی کوئی علمی و ادبی تنظیم، ہر جگہ، ہر آدمی کو میں نے ان کا معترف اور مداح پایا۔عام طور پر ریڈیو کے افسران کی اگر چار آدمی تعریف کرتے ہیں تو سولہ آدمی شکایت کرتے ہیں، لیکن یاور کی شکایت یا برائی کرنے والا مجھے کوئی نہیں ملا۔کراچی کے میرے چند روزہ قیام کے زمانے میں وہ ہر وقت میرے ساتھ رہے۔ بعض ایسی جگہوں پر بھی وہ میرے ساتھ رہے جن سے ان کو کوئی تعلق نہیں تھا لیکن نہ کبھی بے دلی کا اظہار کیا اور نہ تھکن کا اپنے حلقۂ احباب میں وہ نہ جانے کتنے اعلیٰ عہدے داروں، شاعروں اور ادیبوں سے ملانے لے گئے اور جس طرح ان لوگوں نے ہماری پذیرائی کی، اس سے ان کے اس تعلق کا اندازہ ہوتا ہے جو انھیں یاور سے تھا۔آج جب لکھنؤ ہی کی طرح کراچی میں یاور کی ہردل عزیزی یاد آتی ہے تو ایسی خوشی ہوتی ہے جسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔

آج جب وقت کی طنابیں
کھنچتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں
جب میں پینسٹھ سال، یعنی
تیئیس ہزار، سات سو پچیس دن اور اتنی ہی راتوں
کا حساب کرتا ہوں
کہ کیا کھویا اور کیا پایا
تو سوچتا ہوں
کس کے پاس ہیں
ایسی خوب صورت یادوں کے
اتنے سارے دن اور رات

یاور مہدی .... جو خود ایک مٹتی ہوئی روایت ہے

ڈاکٹر محمد علی صدیقی

برادرم یاور مہدی کے بارے میں فرصت سے لکھنے بیٹھوں تو ایک دفتر لکھا جا سکتا ہے۔ مجھے ان سے پہلی ملاقات کی روداد بیان کرنے میں اس لیے بھی تامل ہے کہ پہلی ملاقات تو برسوں جاری رہی، پھر بھی روداد اس قدر مختصر رہی کہ وہ بے رودادی کے زمرے میں آسکتی ہے.... لیکن جب سے باقاعدہ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا، اور اس وقوعے کو بھی پندرہ سال بیت چکے ہیں، ان سے "ملاقات" ختم ہی نہ ہوئی۔ وہ ملیں یا نہ ملیں، ملاقات ہے کہ جاری ہے.... نہ جانے کیا کیا باتیں ہو جاتی ہیں، کیا کیا قصے کہانیاں ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر ہو جاتے ہیں، کبھی کبھی تو شہر بھی ادھر ادھر ہو جاتے ہیں۔ میرے اور ان کے لکھنؤ کے دوستوں کے بارے میں تو یہ بات کہی ہی جا سکتی ہے، کیونکہ کبھی کبھی ان کے قریبی دوست بھی لکھنؤ کے کسی واقعے کی بجھ سے سند لیتے ہیں اور پھر وہ سوچتے ہیں کہ شاید یہ سند لکھنؤ کے بارے میں سنائے گئے کسی واقعے کی ہی ہو سکتی ہے، چونکہ ان کے لکھنؤ کے طالب علمی کے دور میں، میں امروہہ میں تھا۔

یاور مہدی نے مجھ ایسے ایک زمانے کے پنبہ دہن کو مجبور کیا کہ میں اسٹیج پر آؤں اور کچھ بولنے کی سعی کروں، خواہ وہ سعی مشکور ہو یا نا مشکور۔ آج وہ مجھے بولتے دیکھتے ہیں تو میری تقریر کے نفس مضمون سے قطع نظر اپنے اس کریڈٹ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ میں ظاہر ہے یہی کہہ سکتا ہوں کہ نہ بول سکنے کے زمانے میں ہزاروں کتابوں کو بڑا اور اہم کہنے سے بچا رہا، اور جب سے بولنا شروع کیا ہے تو اہم اور اچھی کتابوں کا ایسا فقدان ہے کہ مہینے میں ایک یا دو کتابوں پر بات ہو سکتی ہے

موافقت میں یا کم موافقت میں۔ جس کتاب پر مخالفت ہی میں بولنا ممکن ہوتا ہے، اس کتاب کے مصنف سے عذرِ معقول کے ساتھ معذرت کرلی جاتی ہے۔

یاور مہدی ہی مجھے ریڈیو پاکستان کے ادبی پروگراموں میں لائے۔ میں لاکھ بھوں لیکن ان کی ضد اپنی جگہ۔ یاور مہدی کی ضد میں جب "یاری" یا "مان" کا پہلو آجاتا ہے تو پھر سارے تحفظات یا معقول وجوہات از خود غیر معقول نظر آنے لگتی ہیں۔ یاور مہدی نے ہی مجھے آرٹس کونسل کی گورننگ باڈی کی رکنیت کا الیکشن لڑنے کے لیے آمادہ کیا۔ خیر، ہوئی کہ یہ تقریباً سلیکشن ہو گیا اور میں چار، پانچ سال ملک کی اس سب سے پرانی آرٹس کونسل کی گورننگ باڈی کا ممبر رہا اور ادبی سب کمیٹی کا چیئرمین رہا۔

میں نے یاور مہدی کو پرخلوص دوست، ان تھک ٹیم ورکر، دوستوں کا اچھا دوست اور دشمنوں کے لیے بھی بامروت پایا۔ اگر ریڈیو پاکستان، کراچی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ ان دنوں اس تاریخی ادارے کا واحد کلیدی رکن ہے جو شہر کی کسی شخصیت کو کسی بھی وقت، کسی بھی پروگرام میں لا سکتا ہے اور اسے قرار واقعی عزت دے کر اپنی بھی عزت و توقیر میں اضافہ کر سکتا ہے تو وہ یاور مہدی ہی ہے۔ اس بیان سے کسی بھی فرد کو دکھی ہونے کی ضرورت نہیں کہ یہ بیان بذاتِ خود عمومی ہے، اور شاید محبت و خلوص کا تقاضا تو یہ ہے کہ مستثنیات کے لیے گنجائش رکھ کر اس بیان سے بھی زیادہ زوردار بات کہی جاسکے۔

یاور مہدی ایک ایسا شخص ہے جس نے ریڈیو پاکستان کے ذریعے سامعین کی تین نسلوں کو نہ جانے کیا کیا خوشیاں، مسرتیں اور جوش و خروش کے لمحات دیے، جو وہ پس پردہ ہوتے ہوئے بھی مدمقابل رہا، کاری سے کاری مذاق کو بھی اپنی مسکراہٹ سے ٹالتا رہا اور کبھی کبھی دوستوں کے درمیان موجود نہ ہوتے ہوئے بھی اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہا۔ ریڈیو نے بڑی بڑی شخصیات کی "بڑائیوں" کو معتبر بنا دیا اور یاور مہدی بھی اپنے وجود میں ایک ایسی شخصیت رکھتا ہے جس کے وعدے پر یقین کیا جا

سکتا ہے اور اس یقین پر ہزاروں گمان قربان کیے جا سکتے ہیں۔ کیا یہ خوبی آج کے دور میں عنقا نہیں؟ اور اس دعوے کی سچائی پر ہم گریہ ہی کر سکتے ہیں۔

کسی نے کہا تھا کہ افسانہ حقیقت کی بڑی بہن ہے۔ بات درست ہے۔ سچائی یا صداقت وہ حقیقت ہے جو زندگی کو ممکن بناتی ہے اور اسے کسی رشتے کے ذریعے سمجھنے کی مجبوری آپڑے تو سچائی آفرید گار زندگی ہے، شاید اس طرح یاور مہدی اور زندگی کی علامتوں کے عنقا ہونے کی بات زیادہ واضح ہو جائے۔

کہانی میری

پروین شاکر

۱۴ اگست ، ۱۹۶۸ء ..... میری زمین کی اکیسویں سال گرہ کی شام ..... اپنے ہاتھوں میں دھنک کے پھول لیے میری پلکوں پر اتر رہی تھی۔ میری انگلیوں نے ان رنگوں کے نام کوئی دعا لکھنی چاہی۔ میرے ہونٹوں نے اس دعا کو حرف دیے اور تبھی ہوا نے مجھ سے میری آواز کا رشتہ مانگ لیا۔ اس رات جب وقت رقص کرتے کرتے ۱۲ بج کر ۱۰ منٹ کو چھو رہا تھا تو میری پندرہ سالہ آواز اپنی زمین کو سلام کرتی اپنی ہوا میں اڑنے لگی۔

دفعتہً نور ہوا ، آگے بڑھا اک جبریل
دل میں روشن کیے آزادی کی نوریں انجیل
عزم کی آگ تھی ، ایماں کی حرارت دل میں
ظلمتیں پگھلیں ، ترشنے لگی اک صبح جمیل
(صبح وطن)

اور پھر یوں ہوا کہ اس صبح جمیل کے ساتھ میرا اپنا وجود ترشتا چلا گیا۔ جس

ہاتھ نے میری آواز کی قامتوں کو سنوارا، اس کا نام یاور مہدی ہے ۔ میں نے اور یاور بھائی نے رفاقت کے ان سات برسوں میں کئی موسم دیکھے ۔ میں ان کے پروگرام پر روزنامہ جنگ میں ایسے تبصرے لکھتی تھی جو مضبوط سے مضبوط اعصاب کے مالک انسان کو اشتعال دلانے کے لیے کافی تھے، لیکن وہ ہمیشہ ہنس کر ٹلے ۔ بے حد قریبی ساتھ کے باوجود ایک بار ہم میں اختلاف ہو گیا اور ہم نے ڈیڑھ برس تک ایک دوسرے سے گفتگو تک نہیں کی ۔ یاور مہدی ریڈیو پاکستان کے وہ واحد پروڈیوسر ہیں جن کے کمرے میں جا کر میں بے حد اطمینان سے کہتی ہوں، "یاور بھائی ! ذرا کوک منگوائیں" ۔

یاور بھائی کو مجھ پر بہت اعتماد تھا، انھیں یقین تھا کہ وہ کوئی بھی پروگرام کریں، میں اسے conduct کر لوں گی ۔

ایک بار ان کا فون آیا، "مجنوں صاحب کے ساتھ ایک تنقیدی نشست ہے آپ کو 'مجنوں صاحب بحیثیت ایک استاد' پر مضمون پڑھنا ہے" ۔

"یاور بھائی! میں نے ساری زندگی مجنوں صاحب سے نہیں پڑھا" ۔

"ناظم آباد میں پہلی چورنگی پر سبطین منزل سے تین گلیاں آگے، بائیں ہاتھ کو مڑ کر پانچویں گھر میں فلاں بیگم صاحبہ کے شوہر رہتے ہیں ۔ کسی زمانے میں مجنوں صاحب کے شاگرد رہ چکے ہیں، ان سے مل کر مضمون تیار کر لیں" ۔

"میری بات تو سنیئے !.... " دوسری جانب ٹیلی فون بند کر دیا گیا ۔ اور پھر میں ان فلاں بیگم صاحبہ کے شوہر سے ملتی ہوں، کچھ سحر انصاری صاحب سے مدد لیتی ہوں اور مضمون تیار ہو جاتا ہے ۔ دوسرے دن ریڈیو پہنچتی ہوں تو یاور بھائی مسکرا دیتے ہیں ۔

"لیجیے ! کانٹریکٹ پر سائن کیجیے" ۔

"فرض کیجیے میں نے مضمون نہ لکھا ہو ؟"

"ایسا ہو ہی نہیں سکتا"۔

اعتماد کی اس فضا میں جب میں مجنوں صاحب کے سامنے وہ مضمون پڑھتی ہوں تو وہ سراہتے ہیں اور مدتوں اس بات کو یاد رکھتے ہیں کہ شاگرد رہے بغیر، ایف۔اے میں پڑھنے والی لڑکی ان کی استادی پر مضمون لکھتی ہے۔

اس قسم کے فون ان کے اکثر آتے: "آپ کو فلاں اصلاحات پر نظم لکھنی ہے"۔

"میں نے وہ اصلاحات ہی نہیں پڑھیں"۔

"ریڈیو تشریف لے آئیے، یہاں ان کی ایک کاپی آپ کو دے دی جائے گی"۔

چنانچہ میں اسٹیشن جاتی ہوں اور اسٹوڈیو نمبر ۱۴ کے ایک کونے میں بیٹھ کر، ان اصلاحات کو سامنے رکھ کر نظم لکھتی ہوں کہ آدھے گھنٹے بعد وہ نظم لائیو نشر ہونی ہے (یہ درست ہے کہ وہ شاعری نہیں، صحافت ہوتی تھی، لیکن مسئلہ لمحۂ موجود کو بپتسمہ دینے کا ہوا کرتا ہے۔اگر لمحوں کی تخلیق کے سے ہاتھ میں recognition کی شبنم نہ ہو تو پھر بعد میں چشمۂ حیواں کا سفر بھی ان کے لیے زندگی نہیں لا سکتا)۔

اس طرح کی ہنگامی نظموں میں ایک نظم نے بڑا ہنگامہ کیا۔ایک بار یاور بھائی نے مجھے پیغام بھجوایا، "فوری طور پر تھرڈ ڈویژنرز کے داخلے کے مسئلے پر ایک نظم لکھ کر بھیج دو، لڑکے اسے قوالی کی طرز پر گائیں گے"۔

میں نے مسدس کے انداز میں نظم لکھ دی جس میں ٹیپ کا مصرع تھا:

امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

بقول شخصے شہر میں اودھم مچ گیا۔ایک مولانا کا درجۂ حرارت تو نقطۂ ابال تک آپہنچا اور انھوں نے اوپر نیچے فون پر فون کر کے ریڈیو والوں کا ناطقہ بند کر دیا۔یکے از مطالبات یہ شق بھی تھی کہ میری نظم ان کے حوالے کر دی جائے، لیکن یاور بھائی میرے لیے سپر بن گئے اور کسی قیمت پر میری نظم کسی کے حوالے نہیں کی۔

سرپرائز پروگرام کرنے میں یاور بھائی کو خاص لطف آتا تھا، اور اس سلسلے کی سب سے دلچسپ ایکٹویٹی انھوں نے ہم شاعروں کے ساتھ ہی کی۔ ایک بار شہر کے تمام طالب علم شعرا کو مشاعرے کا دعوت نامہ ملا۔ مقررہ دن سب ریڈیو پر جمع ہو گئے اور اب اسٹوڈیو نمبر ۹ میں بیٹھے حیران ہو رہے تھے کہ ابھی تک خلافِ معمول ہماری نظمیں اور غزلیں سنسر کے لیے نہیں مانگی گئیں۔ اچانک پروگرام اسسٹنٹ آئے، ہم سب کی چیزیں لے کر ایک سادہ کاغذ تھما دیا۔ ان کے نکلتے ہی "اسٹوڈیو آن دی ایئر" کا نشان سرخ ہو گیا اور اناؤنسر نے اعلان کیا:

"بزمِ طلبا"! سامعین! آپ حیران ہوں گے کہ ۶ بجے شام "بزم طلبا" آپ سے کیوں مخاطب ہے۔ دراصل ہمارے اسٹوڈیو میں اس وقت فلاں فلاں طالب علم شعرا جمع ہیں، انھیں دو مصرعے طرح کے طور پر غزل کہنے کے لیے دیے گئے ہیں۔ یہ فی البدیہہ مشاعرہ رات ساڑھے ۹ بجے سماعت فرمائیں"۔

ایک لمحے کو تو اسٹوڈیو میں بیٹھے لوگوں کو سانپ سونگھ گیا، اور پھر جو ہڑبونگ مچی ہے تو الامان! کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی .... بہت سے لوگوں کو بہت سے ضروری کام یاد آگئے، کسی کی والدہ کی طبیعت خراب ہو گئی، کسی کے ذاتی مزاج ناساز ہو گئے، شہر میں الگ سنسنی پھیل گئی۔ اس ایکٹویٹی کا اتنا فائدہ ہوا کہ بہت سے چہروں سے نقاب اور میک اپ اتر گیا اور بلیک شاعروں کا کاروبار کافی عرصے تک ٹھنڈا رہا۔ اس مقابلے میں کوالیفائی صرف ہم پانچ لوگ کر سکے، یعنی ثروت حسین، شوکت عابد، اقبال فریدی، ایوب خاور اور میں۔

میری ریڈیائی زندگی کا یہ سب سے دلچسپ تجربہ تھا۔ دوسرا دلچسپ تجربہ مجھے ۱۹۷۱ء میں ہوا جب میں نئی نسل کا ایک پروگرام کیا کرتی تھی "ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند"۔ ایک بار ایک کھلاڑی صاحب کا انٹرویو لے رہی تھی۔ گفتگو میں معلوم ہوا کہ انھیں غالب سے خاصا شغف ہے، چنانچہ میں نے ان سے ان کا پسندیدہ شعر

سنانے کی فرمائش کی۔ فرمایا:

دل سے تری نگاہ ، جگر تک اتر گئی
حیراں ہوں ، دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں

یہ شعر آج بھی مجھے بغیر ہنسی کے یاد نہیں آسکتا۔

یاور بھائی کے ساتھ بلامبالغہ میں نے دو، ڈھائی سو سے زیادہ پروگرام کیے ہیں۔ ان کے علاوہ نجم الحسنین، ضمیر علی، عصمت زہرا، جمیل زبیری اور انعام صدیقی کے پروگرام میں شرکت کی ہے۔

"کہکشاں" کی کمپیئرنگ کے زمانے میں مجھے نجم الحسنین صاحب کے ساتھ کام کرنے کا اتفاق ہوا اور پروگرام پر ان کی محنت کرنے کی عادت مجھے اچھی لگی انعام صدیقی صاحب "فنون" میں میری نظمیں، غزلیں پڑھ کر ان میں سے تین، چار ریکارڈ کروالیتے ہیں، پھر فنون کا اگلا شمارہ آنے تک اپنے دیگر کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ عصمت زہرہ سے میری گپ شپ زیادہ ہوتی ہے، پروگرام کم ہوتے ہیں۔ پروڈیوسرز کے علاوہ ریڈیو پاکستان کے ریجنل ڈائرکٹر طاہر شاہ صاحب کی حوصلہ افزائی بھی مجھے ہمیشہ حاصل رہی۔ انھوں نے میری ہر کاوش کو ہمیشہ سراہا جس کے لیے میں ان کی ممنون ہوں۔

ریڈیو نے مجھے بڑے اعزاز دیے۔ طلبا کے "جشن تمثیل" میں میرے لکھے ہوئے ڈرامے "آئینہ ساز" کو سات بہترین ڈراموں میں شامل کیا گیا۔ اسی طرح کے ایک مقابلے میں میرے ایک خاکے کو دوسرا انعام ملا۔ پھر میں نے ریڈیو پر ہونے والے "جشن طلبا" ۱۹۷۰ء کے مشاعرے میں پہلا انعام حاصل کیا جو مجھے اپنے تمام انعامات میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ پھر فی البدیہہ مشاعرے کے تیسرے انعام اعلان (انعام آج تک نہیں ملا) بھی میرے لیے ایک خوش گوار یاد ہے۔

ریڈیو کی ہی وساطت سے میں اپنے ملک کی ادبی شخصیتوں سے متعارف ہوئی

ان کے ساتھ پروگرام کیے۔ مثلاً: مجنوں گورکھپوری، سلیم احمد، منیر نیازی، ڈاکٹر ممتاز حسین، شوکت صدیقی، جمیل الدین عالی، ابن انشا، غلام عباس وغیرہ۔ ابن انشا صاحب کے ساتھ بڑا دلچسپ پروگرام رہا۔ جب ہم نے ان کے ساتھ ریڈیو پر نشست کی تو میرے حصے میں ان کی شاعری پر تبصرہ آیا۔ اس زمانے میں، میں آنرز فائنل میں تھی اور شیلے سے گویا obsessed تھی، چنانچہ "چاند نگر" سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر چاند کی علامات نکالیں اور شیلے کے تصور مہتاب سے ان کا موازنہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچی کہ ابن انشا صاحب شیلے سے سخت متاثر ہیں۔

اسٹوڈیو سے باہر نکلے تو اپنی دانست میں میں نے ان سے ٹریڈ سیکرٹ پوچھا،

"انشاجی! آپ نے تو شیلے کو خوب پڑھا ہوگا"۔

انشاجی ادھر ادھر دیکھ کے بولے، "بی بی! ذرا آہستہ بولیے"۔

اسٹوڈیو کی راہ داری کافی دیر تک میری ہنسی سے گونجتی رہی۔

میں نے ریڈیو سے مختلف پروگرام کیے، مثلاً مذاکرے، مشاعرے، تنقیدی نشستیں، اناؤنسمنٹ، کمپیئرنگ (جشن موسیقی میں ساڑھے چھے گھنٹے مسلسل)، پھر ریڈیو کے لیے بہت کچھ لکھا جو ہوا برد ہو گیا۔ اپنی دلچسپی کا صرف ایک پروگرام ابھی تک نہیں کیا، وہ یہ کہ میری شاعرہ دوست فاطمہ حسن کو بڑوں کے اور مجھے بچوں کے خطوط کے جواب دینے کا احمقانہ شوق ہے۔

میری نمو میں آواز کی دنیا کا بڑا ہاتھ ہے۔ اپنی شادابیوں کے لیے میں اس فضا کی شکر گزار ہوں۔ اس ہوا سے ربط نے ہی میری سوچ کو اجنبی پروازوں کا ذائقہ دیا، مجھے ترتیب دیا، شاید اس پس منظر میں میری ایک غزل یوں شروع ہوتی ہے:

خوشبو کی ترتیب ہوا کے رقص میں ہے

ممتاز ادیب، شاعر اور اسکالر جناب شان الحق حقی نے کہا

ریڈیو کا شعبہ بھی ایک کانِ جواہر تھا ۔ کیسے کیسے معروف لوگ اس سے وابستہ رہے جنھوں نے پسِ پردہ رہ کر اس اہم ذریعۂ ابلاغ اور گہوارۂ ثقافت کو مقبول اور معتبر بنایا ۔ یاور مہدی اسی گروہ مابقات کے باقیات الصالحات میں سے ہیں ۔ بہت سے لوگ جنھوں نے اپنے کیریئر کا آغاز ریڈیو کی ملازمت سے کیا، ان کے حق میں اس سے وابستگی کی نسبت اس سے باہر نکل آنا زیادہ مبارک ثابت ہوا ۔ ریڈیو کے ادارے سے نکلے تو زیادہ کام گار اور نام ور ہوئے ۔

یاور مہدی نے اپنی عمرِ عزیز کے چالیس برس ریڈیو کو دیے ۔ وہ اس سے نیک نامی کے ساتھ سبک دوش ہونے پر اپنے یادگار کارناموں پر آفرین کے ساتھ مبارک باد کے مستحق ہیں ۔ میری دعا ہے کہ یہ سبک دوشی ایک نئے، زیادہ مبارک اور بارور دور کا آغاز ثابت ہو ۔ ان کا حسنِ لیاقت، ذوقِ کار، باوضع و باصلاحیت کردار اس کی قبولیت کا ضامن ہوگا ۔

ممتاز ادیبہ و نام ور افسانہ نگار محترمہ ہاجرہ مسرور نے کہا

(رپورٹ : محمود حسن)

یاور مہدی صاحب نے اپنے میدان میں بڑے کارنامے انجام دیے ہیں اور بڑی مہارت سے انجام دیے ہیں جو ریڈیو پاکستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے ۔ ذاتی طور پر میرا ریڈیو سے کم ہی واسطہ پڑا ہے، کیونکہ قیام پاکستان کے کچھ ہی عرصے بعد غالباً بیس سال تک میرا نام بھی اکثر ادیبوں کے ساتھ بلیک لسٹ رہا ۔ بعد میں جب ریڈیو سے واسطہ پڑا تو اکثر حضرات کو افسرانہ شان میں مبتلا پایا، لیکن جب

بھی یاور مہدی صاحب درمیان میں ہوئے تو براڈکاسٹنگ ہاؤس جانا ایک خوش گوار یاد بن گیا۔ وہ اپنے پروگرام میں آنے والوں کو اس کی اہمیت کا احساس دلاتے ہیں نہ کہ اپنی اہمیت کا۔ یہ یاور مہدی صاحب کیا دھیمے مزاج کے مہذب انسان ہیں! براڈکاسٹنگ ہاؤس ہو یا آرٹس کونسل یا کہیں کوئی ادبی محفل، ان کی شخصیت کا یہ تاثر ہمیشہ قائم رہتا ہے۔

مشتاق احمد یوسفی

محبان یاور مہدی نے ان کے ریٹائرمنٹ کے جشن کا شایان شان اہتمام کر کے ایک صحت مند اور قابل تقلید مثال قائم کی ہے۔ مغرب میں جب کوئی شخص ریٹائر ہوتا ہے تو اس کے احباب اسے مبارک باد کے کارڈ بھیجتے ہیں، وہ خود بھی ایک عمر کی چکی کی مشقت کے بعد اس دن کے لیے دن گنتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں اگر کسی عزیز دوست کو ریٹائر ہونے پر مبارک باد کا کارڈ ارسال کر دیا جائے تو ہمیشہ کے لیے بول چال بند اور تعلقات منقطع ہو جائیں۔ ہمارے ہاں افسر اور بیوروکریٹ کبھی ریٹائر ہونا نہیں چاہتے۔ ان کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ جنازہ بھی نالائق ماتحتوں کے کاندھوں پر دفتر ہی سے اٹھے اور انھیں ان کی عزیز از جان و آبرو کرسی پر بٹھا کر دفن کیا جائے تاکہ ان کے بعد اس پر کوئی اور نہ بیٹھ سکے۔

عہدے اور مناصب اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ، ان پر فائز رہنے کے بعد سرخ رو ہو کر سبک دوش ہونا بہت بڑی نعمت اور اعزاز ہے۔ اس ایک لمحے کے لیے تیس، پینتیس برس کا ریاض درکار ہے۔ اگلے وقتوں کے بزرگ اپنے یا دوسروں کے حق میں دعا کرتے تھے تو سرفہرست "اللہ عزت سے رکھے" کی تمنا ہوتی تھی۔ عزت سدا سے جنس

نایاب ہی نہیں، تو نا چشم بھی رہی ہے۔ نظیر اکبر آبادی کوئی دو سو برس قبل نکتۂ راز بیان کر گئے ہیں:

جتنے سخن ہیں ، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تن درست

یاور مہدی صاحب لائق مبارک باد ہیں کہ رب العزت نے انھیں دونوں نعمتوں سے نوازا ہے۔ وہ انتہائی عزت، وقار اور طمانیت کے ساتھ اپنی اننگز مکمل کر رہے ہیں۔ کارکردگی کے پیچھے جب تک نشاطِ کار نہ ہو، بات نہیں بنتی۔

ریڈیو پاکستان سے نشر ہونے والے نئے پروگراموں کے آغاز، تشکیل اور ترتیب و پیش کش میں انھوں نے بڑی جدت و ذہانت کا ثبوت دیا۔ "گویا دبستاں کھل گیا"، "شب کو ہے گنجینۂ گوہر کھلا"، "محاکمہ" اور طلبا کے لیے خصوصی نشریات کو قبولِ عام کا درجہ ملا جو میڈیا میں کامیابی کی سب سے بڑی سند ہے۔ اسی طرح آرٹس کونسل کو اس کے حوصلہ شکن مالی محدودات کے باوجود فعال ادارہ اور ادبی و ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز بنانے میں انھوں نے نہایت اہم اور وقیع کردار ادا کیا ہے جو لائقِ تحسین ہے۔ بہت سے دلچسپ اور خیال انگیز ادبی پروگراموں کے اہتمام و انصرام کا کریڈٹ بھی یاور مہدی صاحب کو جاتا ہے۔

دست بدعا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ریٹائرمنٹ کے بعد جو فرصت انھیں نصیب ہوگی، اس میں وہ وہ اپنے جز وقتی مشغلوں کو کل وقتی شغف میں منقلب کرلیں گے۔

جمیل الدین عالی

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ یاور مہدی پر ایک ارمغان مرتب ہو، کیونکہ میں ہمیشہ سے مستحق تحسین خواتین و حضرات کو معاشرے کی طرف سے ان کی زندگی میں ہی خراج سپاس پیش کرنے کا طرف دار و مبلغ رہا ہوں۔ آزادی کے بعد پاکستان و بھارت میں بھی تاریخ پر سے بھروسا ایسا اٹھا ہے کہ سب کچھ اس پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ مورخین و معاصرین کو تبصرے کا حق تو ہے حقائق کو مسخ کرنے یا نظر انداز کرنے کا حق نہیں۔

ہاں بھئی یاور مہدی! اب تم ریٹائر ہو رہے ہو۔ احباب تم پر ارمغان نکال رہے ہیں۔ اللہ انھیں جزا دے! میں بھی حاضر ہوں یہاں، مگر اب واقعی کچھ ٹھوس مشکلات سامنے آئیں۔ کیا میں تمھیں اچھی طرح جانتا ہوں؟ نہیں! کیونکہ تم یقیناً ائمۂ معصومین میں سے نہیں ہو اور تم میں کچھ عیوب، کچھ کمزوریاں بھی لازم ہیں لیکن میں انھیں نہیں جانتا۔ اگر لکھنے والے ہوتے تو تحریر سے ہی خاصا کچھ نکال کر اپنے مجموعی تاثرات میں آمیز کر لیتا مگر یہ بھی نہیں ہے۔ اور حیرت کہ میں تم کو تیس، بتیس برس سے دیکھ رہا ہوں۔ تفاوتِ عمر اور پیشوں کے فرق نے ہمیں ایک دوسرے کو بہت قریب سے جاننے کا موقع بھی نہیں دیا.... لیکن کیا ضروری ہے کہ میں اس تلاش عیوب میں اتنا وقت ضائع کر دوں؟ میں نے تم کو دور سے جیسا پایا، کیا میں اس کا نقشہ کھینچ سکتا؟ شاید ہاں!

روزِ اول میں نے تمھیں ریڈیو پاکستان کے حوالے ہی سے جانا۔ اب ریڈیو پاکستان سے میرا تعلق اتنا ہی پرانا ہو چکا ہے جتنا خود ریڈیو پاکستان۔ میں نے اچھے اچھے پروڈیوسر اور افسر بھی دیکھے اور اور.... بے ادب شرط، منھ نہ کھلواؤ! .... اللہ

انھیں اور ان کے مقرر کرنے والوں کو معاف کرے! تم چند بہترین پروڈیوسرز اور منتظمین میں شمار کیے جاؤ گے۔ یعنی میں گزشتہ پچاس برس کا براڈکاسٹر اور گواہِ حالات و واقعات تو تمھیں اس مرتبے پر رکھ رہا ہے۔ یاد رہے! میں اس شہر سے باہر بھی خاصا رہا مگر ہوں اسی شہر کراچی کا اور میرے پاس بھانت بھانت کے لوگ آتے رہے، حیرت (اور بوقتِ تحریر یہ حیرت ایک بے ساختہ مبارک باد بنتی ہے) کہ میں نے کسی سے کبھی کوئی قابلِ ذکر برائی نہیں سنی، بیشتر تو تمھاری ملنساری اور رضاکارانہ ہمدردی کی تعریف ہی کرتے رہے جبکہ میری، تمھاری دوستی بھی معروف نہ تھی۔ دراصل ہم کسی معروف معنیٰ میں دوست رہے ہی نہیں جیسا کہ کہہ گیا ہوں، تفاوتِ عمر اور تفاوتِ پیشہ و فصلِ مکانی بھی (ہم کبھی ہم محلہ بھی نہیں رہے)۔ براڈکاسٹنگ میں تمھارا تعاون جو مجھے ہمیشہ ملا، وہ اس لحاظ سے قابلِ ذکر امر ہے کہ ممکن ہے آئندہ دوسرے پروڈیوسر کے لیے بہتر اور مفید تر ثابت ہو سکے۔ جب تک ٹی۔ وی ٹاور نیوت نے سر نہیں اٹھایا تھا اور ریڈیو پاکستان ہی دنیائے نشریات کا لیڈر تھا، تمھارے بہت سے سینئرز نئے لوگوں کی ہمت شکنی اور جے ہوئے لوگوں کی بھی کم قدری میں کوئی کثر نہیں چھوڑتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ چونکہ انتخابِ شعرا و ادبا ان کے ہاتھ میں ہے (ان دنوں اوپر سے کم کم لوگ امپوز کیے جاتے تھے کہ منتظمین، اعلیٰ رائے عامہ بطورِ خاص اہلِ گوش سامعین و افسران سے کسی قدر ڈرتے تھے)۔

تم ان معدودے چند میں سے ہو جنھوں نے ہمیشہ میری توقیر کی، اوقات کے معاملے میں اپنی آسائش کی قربانی دے کر تعاون کیا، ریکارڈنگ کے وقت غلطیاں تمام تر اخلاق اور ملائمت سے بتا کر دوبارہ، سہ بارہ ریکارڈ کیا اور حرفِ شکایت بھی زبان پر نہیں لائے (ہمیں بعد میں یعنی چند روز کے اندر اندر تمھارے شرکائے کار اور ان سے لے اڑنے والے سب کچھ بتا دیتے تھے)۔ میں یہ بھی سنتا رہا ہوں کہ تم براڈکاسٹر کی تلاش بھی کرتے ہو، بچوں، نو عمروں، بزرگوں میں بھی جوہر کی تلاش،

انھیں خود آگاہ کرنا، انھیں تربیت دینا اور پھر اپنے محکمے کی معروف دل شکن روایات اور کسی حد تک سازشوں سے بھی ٹکر لے کر اپنے اظہار خیال کا موقع دلوانا.... یہ سب میں نے تمھارے بارے میں برسوں سنا اور کسی قدر، تو اپنی آنکھوں سے بھی دیکھا اور میں ان صفات کو معمولی نہیں سمجھتا۔

ایک دور تمھارے آرٹ کونسل سے رضاکارانہ تعلق کا بھی ہے جو ابھی گزر رہا ہے۔ ریڈیو پاکستان میں نوکری تھی اور کونسل میں ایک منتخب عہدے دار ہو، اور ابھی مدتوں بذریعۂ انتخاب رہ سکتے ہو۔ میں برسوں سے اس کونسل میں کوئی عملی دلچسپی نہیں لیتا کہ مایوس ہو چکا تھا اور مصروف بھی بہت رہا۔ انتخاب تو کبھی لڑا ہی نہیں، گو لوگوں نے اور خود تم نے بڑا زور ڈالا۔ اس کے انتخابات سے اتنا تعلق ہے کہ تم پر بھروسا قائم ہے اور تمھاری خاطر سے اگر کراچی میں ہوں تو سالانہ انتخاب میں ووٹ ڈالنے آجاتا ہوں۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ جب تم اور قدسیہ اکبر اس کے روح و رواں ہو تو کونسل نے کم از کم شعبۂ ادب پر اتنی توجہ دی ہے کہ تم دونوں سے پہلے ہم نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ مجھے بتایا جاتا ہے کہ قدسیہ اکبر کی افادیت اپنی جگہ، شعبۂ ادب میں اتنی فعالیت اور فعالیت میں تسلسل کا سہرا تمھارے سر بندھنا چاہیے۔ سو لو! میں اپنے بوڑھے ہوتے ہوئے ہاتھوں سے آج کا سہرا تمھارے سر باندھتا ہوں۔

دیکھو بھائی! تمھارا بھائی حسن مہدی برسوں نیشنل بینک میں میرا شریکِ کار رہا۔ وہ ایک سمجھ دار، بادب آدمی ہے۔ میں نے اس وقت اپنے محکمے میں ہرنائی (کوئٹہ) تمھارے ایما پر ٹرانسفر کرایا تھا۔ جب میں نیشنل بینک میں دوبارہ آیا تھا، دراصل اپنے معاون ذاتی کے لیے ایک سینئر افسر درکار تھا۔ تم نہ جانے کس لیے میرے دفتر آئے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی مشکل بیان کی۔ تم نے کہا، "آپ میرے بھائی کو بلا لیجیے"۔ میں نے بلا لیا۔ الحمدللہ کہ جب تک وہ میرے ساتھ رہا، تمھارے

میرے اعتماد کو شکست نہیں پہنچی، جبکہ..... پھر..... خیر، دوسروں کی دوسری کہانیاں ہیں۔

تمھاری ایک اور صفت یاد آرہی ہے (کیا میں آج ہی رخصت ہو رہا ہوں؟)۔ حسن مہدی نے میرا ماتحت رہتے ہوئے کہا "مجھے گا ہے گا ہے چھیڑا ہے"، جناب! آپ نے فلاں کی شاعری کی تو تعریف کر دی، لیکن لوگ کہتے ہیں اسے اچھا انسان نہیں کہا"۔ جبکہ وہ جانتا تھا کہ اس اچھے انسان نے میری عیب جوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی میں نے کہا، "بھئی! اس کا حق فن تھا، وہ ادا کر دیا"۔ کہا، "یہ بھی تسلیم کروں کہ اس اچھے انسان نے مجھ میں جتنے عیب نکالے، "ذاتی" بھی، سب درست ہیں؟" شرارتی نظروں سے دیکھ کر چپ ہو جاتا ہے۔ یہ حرکت اس نے جب ہم ساتھ کام کرتے تھے، اس وقت بھی کئی بار کی۔ تم سے ملاقات قدیم تر، تم سے تعلقات زیادہ بے تکلفانہ، مگر تم نے غالباً میری دل آزاری کے خیال سے کبھی کسی کا کوئی ایسا قول بھی نقل نہیں کیا۔

میں یہ بھی خاصی حد تک جانتا ہوں کہ تم نے اپنے چھوٹے بڑے عہدے کو تعلقات بنانے یا دوسروں کو بگاڑنے کے لیے استعمال نہیں کیا۔ تمھارا عہدہ ایسا ضرور رہا کہ کم طاقت لوگوں کو چھوٹے چھوٹے نقصان تو پہنچا ہی سکتے تھے، تم نے نہیں پہنچائے۔

کاش میں تمھارے اہل خاندان کی ان محبتوں اور محنتوں کا تفصیلی ذکر کر سکتا جو مجھے ۱۹۷۷ء کے انتخابی مہم میں ملیں!

لو! میں تھک گیا۔ ورق تو تمام نہیں ہوئے اور مدح ابھی بہت باقی ہے، لیکن اب میں یہ سفینہ لکھ نہیں سکتا۔ اس مضمون کو نامکمل سمجھنا اور میرے لیے یہ دعا کرنا کہ بہت جلد شاید اس ارمغان کی یوم اجرائی پر میں اور بہت کچھ لکھوں اور بولوں۔

اے اچھے آدمی! اچھے ہی رہنا اور مجھے اپنی دعاؤں میں شامل رکھنا، شاید تم میری وجہ سے مستجاب الدعوات بنا دیے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ بڑا غفور و رحیم ہے، مجھے ضرور معاف کرے گا، شاید تمھاری دعاؤں سے ہی معاف کر دے۔

یاور مہدی

حمایت علی شاعر

ریڈیو کا ماحول بھی عجیب ہوتا ہے۔ جب آدمی ایک بار اس سے متعلق ہو جائے تو ساری زندگی اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے، چاہے ریڈیو سے باضابطہ وابستہ رہے یا نہ رہے۔ دکن ریڈیو، آل انڈیا ریڈیو اور ریڈیو پاکستان میں (۱۹۴۷ء تا ۱۹۶۲ء) میں نے تقریباً پندرہ برس گزارے، مگر اب بھی میری وابستگی کا عالم وہی ہے جو ابتدا میں تھا۔ جب بھی جاتا ہوں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اپنے گھر میں آگیا ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ درو دیوار کی خوبی نہیں، اس ماحول کی خوبی ہے جس نے ریڈیو کو یہ "عالمِ محبوبی" عطا کر رکھا ہے۔ یہ ماحول ان خوب صورت لوگوں کے سبب ہے جو آج بھی وہاں موجود ہیں یا وہاں سے جا چکے، لیکن ان کی حسین یادیں اب بھی وہاں آباد ہیں۔

یاور مہدی اتفاق سے اس وقت ریڈیو میں آئے جب میں یا تو ریڈیو چھوڑ چکا تھا یا چھوڑنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ مطلب یہ کہ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ کام کرنے کا بہت کم موقع ملا۔ ہم سب کا تجربہ ہے کہ ریڈیو میں وقت اپنی رفتار کا پابند نہیں رہتا بلکہ وہ جاری رفتار کا پابند ہو جاتا ہے۔ میں ریڈیو جب بھی جاتا ہوں، یاور مہدی کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ میری رفاقت کے لمحات کو محفوظ کر دیں۔

یاور دوستوں کا بہت اچھا دوست ہے۔ وہ بظاہر جتنا خوب صورت ہے، اندر

سے بھی اتنا ہی حسین ہے۔ اندر کا حسن میں یوں بھی دیکھ سکتا ہوں کہ میں نے اجنتا کی وادیوں میں پرورش پائی ہے، وہ اجنتا جہاں فن کاروں نے پہاڑوں کو میلوں اندر سے تراش کر ایک رنگ برنگ نگار خانے میں تبدیل کر دیا ہے۔ یاور مہدی نے شاید اجنتا نہیں دیکھا ہوگا، مگر میں نے اس کے اندر ایک اجنتا دیکھا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ میں اس سے اتنا مانوس کیوں ہوں۔ وہ شاعر اور ادیب بھی نہیں، مصور و موسیقار بھی نہیں، پھر اس کی ذات میں اتنی کشش کہاں سے آگئی؟ اصل میں ہر چیز کا تعلق انسان کے "اندرون" سے ہوتا ہے۔ اندر کی دنیا خوب صورت ہو تو دل میں خود بخود شاعرانہ فضا بن جاتی ہے، تصویریں مسکرانے اور گانے لگتی ہیں اور رنگ رقص کرنے لگتے ہیں۔ ایسے عالم میں نہ ساز و آواز کی ضرورت ہوتی ہے نہ رنگ و موقلم کی۔ یاور کا دل ایک ایسا ہی نگار خانہ ہے۔ جب وہ مسکراتا ہے تو اس کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں اور ان میں محبت کے کنول جل اٹھتے ہیں .... صاف اور شفاف کنول، شبنم میں دھلے ہوئے۔ دراصل یہ اس کی روح کی پاکیزگی ہے۔ میں نے اس کے منھ سے کبھی کسی کی برائی نہیں سنی۔ اگر اسے کسی سے کوئی تکلیف بھی پہنچتی ہے تو یہ مسکراہٹ دل کا سارا غبار دھو دیتی ہے۔ وہ غبار آلود دل کا متحمل ہی نہیں۔ بقول فیض:

غمِ جہاں ہو، غمِ یار ہو کہ تیرِ ستم
جو آئے آئے، کہ ہم دل کشادہ رکھتے ہیں

یاور میں ایک خوبی اور بھی ہے کہ اگر کسی کا کوئی کام ہو تو وہ ہمیشہ تیار نظر آئے گا۔ ٹیلی فون سے لے کر کسی کے گھر جانے تک، ہمیشہ آمادہ۔ ظاہر ہے کہ جب گھر جا کر کسی سے سفارش کی جائے تو کون سنگ دل ہوگا جو لحاظ نہ کرے۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جن کے سبب وہ اپنے محلے سے دفتر تک، دوستوں سے بزرگوں تک، سبھی کے دل میں جگہ کیے ہوئے ہے۔ اپنے بھی یاور مہدی کے گرویدہ ہیں اور بے

گانے بھی۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا، یاور کا دل ایک نگار خانہ ہے، مگر اس کے دو گوشے ہیں، ایک طرف ریڈیو اور دوسری طرف آرٹس کونسل۔ آرٹس کونسل کو ایک طرح ریڈیو پاکستان (کراچی) کا حاصل کہا جاسکتا ہے۔ وہاں جتنے بھی فن کار، ادیب اور شاعر مصروف کار نظر آتے ہیں، ان میں بیشتر ریڈیو کے تربیت یافتہ ہیں۔

کراچی ریڈیو سے یوں تو پاکستان کی اہم ترین شخصیات وابستہ رہی ہیں..... زیڈ۔ اے۔ بخاری اور چراغ حسن حسرت سے لے کر رفیع پیر اور احمد عبدالقیوم تک .... سارنگی نواز استاد بندوخاں سے لے کر بانسری نواز استاد سلامت خاں تک..... موسیقاروں میں کلاسیکی اور نیم کلاسیکی کے علاوہ غزل اور عوامی گیت گانے والے سریلے گلوکار..... سبھی ریڈیو کو اپنے فن سے نوازتے رہے، لیکن ان سب کے پس پردہ کچھ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو نام و نمود سے بے نیاز ان شخصیتوں کا "جوہر" ہم تک پہنچاتے ہیں.... ریڈیو کی اصطلاح میں انھیں "پروڈیوسر" کہا جاتا ہے۔ ریڈیو کے پروڈیوسروں نے کتنے ہی فن کاروں کی قدر پہچان کر انھیں اپنے مقام اعزاز تک پہنچایا ہمارا اولین اور وسیع ترین ذریعۂ ابلاغ ریڈیو کے سوا کیا تھا؟ فن و ادب کی تشہیر میں ریڈیو کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اس سے پہلے کہ "قدر جوہر" جوہری پہچانتا، ریڈیو کے پروڈیوسر نے اپنے ذہن رسا اور نگاہ روشن سے کام لیا اور "زر خام" کو بھی پرکھ لیا۔ کتنے ہی نوجوان ادیب، شاعر اور فن کار، کتنے ہی طالب علم ریڈیو سے تربیت پاکر نکلے اور دنیا بھر میں مشہور ہوگئے۔

پچھلے دنوں میں عارف شفیق کے نئے رسالے "ادبی دنیا" کا پہلا شمارہ دیکھ رہا تھا تو ایک مضمون یاور مہدی کے بارے میں بھی نظر سے گزرا۔ یہ غالباً دسمبر ۹۷ء کا شمارہ تھا۔ اس مضمون نے کئی یادیں تازہ کردیں۔ ایک تصویر ایسی بھی ہے جس میں میں ابراہیم جلیس کا انٹرویو لے رہا ہوں اور نوجوان یاور مہدی بڑی توجہ سے سن

رہا ہے۔ اسی طرح اور بھی کچھ تصویریں ہیں جن میں ممتاز حسن، سید محمد تقی، ابن انشا، سراج الدین ظفر، حمید نسیم، نجم الحسن، عارف شفیق اور ایک تصویر میں خالد لطیف اور عصمت چغتائی کے ساتھ یاور مہدی ہے.... بہت ہی نو عمر، شاید یہ تصویر ان کی سروس کے ابتدائی دنوں کی ہے۔خالد لطیف کے بارے میں صرف اتنا عرض کردوں کہ یہ بھی ریڈیو کے پروڈیوسر تھے اور عصمت چغتائی کے شوہر اور شاہد لطیف کے چھوٹے بھائی ہوتے تھے، بڑے خوش مزاج اور ذہین انسان تھے۔ یہ تصویریں ان پروگراموں سے متعلق ہیں جنھیں یاور مہدی نے پروڈیوس کیا تھا۔

یاور کا ایک پروگرام "بزم طلبا" بہت مشہور و مقبول تھا۔ یہ مضمون پڑھتے ہوئے میرے ذہن میں سارا ماضی تازہ ہوگیا ہے، ہر چہرہ نظر میں روشن ہے۔ کتنے ہی لوگ تھے جو اب موجود نہیں، مگر ریڈیو کی معرفت نہ صرف ان کی یادیں محفوظ رہ گئیں بلکہ ن کے فرمودات، ان کی تخلیقات اور ان کی رفاقتوں کے خوب صورت لمحات بھی جن میں بیشتر علمی، ادبی اور فکر انگیز سلسلوں کا تعلق یاور مہدی سے تھا۔ طلبا کے مختلف پروگراموں سے قطع نظر "گویا دبستاں کھل گیا"، "شب کو ہے گنجینہ گوہر کھلا"، "محاکمہ"، "آپ کی پسندیدہ کتاب"، "داستاں بنتی گئی"، "تنقیدی نشست" وغیرہ ایسے پروگرام تھے جن میں اہم اور بڑی شخصیتوں کے علاوہ نوجوان بھی حصہ لیتے تھے۔ جن طالب علموں نے یاور کے پروگراموں سے فیض پایا، وہ نہ صرف بے شمار ہیں بلکہ آج اپنی لیاقت اور تخلیقی جوہر کے سبب فن، ادب اور دیگر شعبہ ہائے علوم میں اعلیٰ مقامات پر فائز ہیں اور شہرت کے اعتبار سے ملک گیر اور شخصیت کے لحاظ سے منفرد حیثیت کے مالک ہیں۔ بعض طالب علم ایسے بھی ہیں جو سیاسی میدان میں اپنی خاص پہچان رکھتے ہیں، بعض حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر براجمان ہیں کتنے ہی ایسے ہیں جو آج نئی نسل کے معتبر شاعر و ادیب شمار ہوتے ہیں اور دنیا بھر میں مشہور ہوچکے ہیں۔ انھیں میں میرے دو بیٹوں کے نام بھی نظر آئے، کمانڈر

روشن خیال اور پروفیسر اوج کمال، پڑھ کر خوشی ہوئی اور اپنا طالب علمی کا زمانہ یاد آگیا۔

یاور سے کم کم ملاقات کرنے کے باوجود میں ہمیشہ اسے اپنے قریب محسوس کرتا رہا ہوں۔ عجیب بات ہے کہ ہم ایک محلے میں رہتے ہیں اور مہینوں ایک دوسرے سے نہیں ملتے، مگر جب بھی ملتے ہیں یوں محسوس ہوتا ہے:

یہ وقت اور فاصلہ دھوکا نظر کا تھا

میرا آرٹس کونسل جانا بھی کم کم ہوتا ہے، حالانکہ میں اس کا رکن ہوں او وہاں ادبی تقریبات بھی ہوتی رہتی ہیں، مگر کچھ میری ہی زندگی بے ترتیب ہے، ملک میں بھی رہنا بہت کم ہوتا ہے۔ جب سے سندھ یونی ورسٹی سے ریٹائر ہوا ہوں، آزاد پنچھی کا سا عالم ہے۔ کام بہت ہے اور وقت کم۔ گزشتہ تین سال سے اپنی منظوم سوانح حیات لکھ رہا ہوں، اب تک دو ہزار سے زیادہ اشعار ہو چکے ہیں (ہر ماہ "افکار" کراچی میں شائع ہوتی ہے)۔ اس سوانح میں ریڈیو کے حوالے سے بھی لکھا ہے اور ریڈیو کے دوستوں کے بارے میں بھی۔ یاور بھی میری خوب صورت یادوں کے حصہ ہے۔ اس میں ایک باب ہی حساب دوستاں کے عنوان سے لکھ رہا ہوں۔

مجھے یہ معلوم کرکے انتہائی خوشی ہوئی کہ یاور مہدی کی خدمات اور اس کی شخصیت کے حوالے سے ایک کتاب شائع کی جارہی ہے۔ یقیناً یہ اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہوگی۔ کاش ہمارے ملک میں ایسے ٹھوس کام دوسرے ادارے بھی انجام دیا کریں!

خدا یاور کو صحت مند اور تادیر سلامت رکھے!

maablib.org

رضی اختر شوق

پینٹنگز کی ایک نمائش میں رکھی تصویر اپنے مصور کا نام بڑے فخر سے بتاتی ہے، نغمہ اپنے نغمہ گر کی شناخت کراتا ہے، شاعر کا شعر جہاں جہاں پہنچتا ہے، اپنے شاعر کو بھی زمان و مکان کی قید سے ماورا وہاں پہنچا دیتا ہے۔ سنگ تراش کی انگلیاں لہو ہوتی ہیں تو اس کی صورت گری کے ساتھ اس کا نام بھی نقش ہو جاتا ہے، لیکن ایسے صورت گر بھی ہوتے ہیں جن کا نقار خانہ تو موجود ہوتا ہے مگر سب کو دکھائی نہیں دیتا۔ صورت گری کی ایک صورت تو وہ ہے جو مصور یا سنگ تراش کے ہاتھ کرتے ہیں، دوسرے وہ جو صاحبِ کمال و صاحبِ علم جن کے علمی فیض سے کوئی شخص شخصیت بنتا ہے۔ لیکن عہدِ جدید میں صورت گری کی ایک صورت اور بھی ہے (بلکہ شاید پہلے بھی تھی) اور اس کی ضرورت یوں شدید ہوئی ہے کہ ہم اپنی اس جدید دنیا میں حادثات سے پامال ہونے والے جسم تو دیکھ لیتے ہیں لیکن معاشرے کے اسٹیرنگ پر رکھے ہوئے قصے کہاں کہاں اور کب کسی صاحبِ صلاحیت کی روح، کسی فن کار یا لکھنے والے کے خواب اور حوصلے پامال کر گئے، یہ بات بہت کم کیمرے دیکھ پاتے ہیں۔ نہ جانے کتنے صاحبِ صلاحیت لوگ ایسی casualties میں اپنے اندر ہی سارے رنگ، سارے لفظ، سارے خواب لیے مر جاتے ہیں۔ جہاں یہ حادثات زیادہ ہو رہے ہوں، وہاں ضروری ہے کہ کوئی ہاتھ ایسا ہو جو انھیں تھام کر حوصلہ دیتا ہوا وہاں تک لے جائے جہاں وہ اپنا تماشا کر سکے۔ یہ بھی صورت گری ہے، یہ بھی شخص کو شخصیت بناتی ہے اور یاور مہدی ایسی ہی شخصیات میں سے ایک ہے۔

یاور مہدی ..... مشفق و مہربان

افتخار عارف

یاور مہدی میرے لیے ایک غیر مشروط محبت کا نام ہے۔ اگر کسی کو صرف اور صرف خالص شفقت اور کھری شخصیت دیکھنا ہو تو یاور مہدی کو ایک نظر دیکھنا کافی ہو گا۔

خداوند کریم نے زندگی میں بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں، ایسی ایسی نعمتیں کہ سو زندگیاں بھی ملیں تو میں خدا کا شکر اس طرح ادا نہ کر سکوں گا کہ جیسا ادا کرنے کا حق ہے۔ گزشتہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو آغاز سے لے کر عمر کی اس منزل تک محسنوں کی ایک ایسی قطار نظر آتی ہے کہ جنھوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی، تربیت کی، بہت مشکل اور آزمائش کے دنوں میں دست گیری کی اور وہ بھی کچھ اس انداز سے کہ جیسے یہ سب ان کا فرض تھا۔ نہ کبھی اسے جتایا، نہ کبھی اسے بتایا، نہ کبھی اس کی داد چاہی، نہ کبھی اس کا تذکرہ کیا۔ اس فہرست میں ایک بہت نمایاں، بہت روشن اور بہت بڑا نام ہے یاور مہدی کا۔

یاور بھائی سے میری ملاقات ۱۹۶۰ء کی دہائی میں ہوئی تھی۔ شاید ان کو یہ بھی یاد نہیں ہو گا کہ میں پہلی بار ان سے کب ملا تھا۔ میں نے ۱۹۶۵ء میں پاکستان کی شہریت حاصل کی تھی مگر میں قیامِ پاکستان کے بعد غالباً ۱۹۵۲ء سے ہر دوسرے تیسرے سال گرمیوں کی چھٹیوں میں کراچی آتا رہتا تھا اور غالباً ۱۹۶۳ء یا ۱۹۶۴ء میں جب میں پہلی بار ریڈیو پاکستان، بندر روڈ، کراچی گیا اور بابا (مرحوم شکیل احمد) مجھے براڈکاسٹنگ ہاؤس کے بزرگوں سے ملوانے اور اسٹوڈیو دکھانے لے گئے تو انھوں نے یاور بھائی سے متعارف کرایا۔ یاور بھائی لکھنؤ یونی ورسٹی کے فارغ التحصیل تھے۔

میں نے بھی اپنی تعلیم لکھنؤ یونی ورسٹی سے مکمل کی تھی۔ یاور بھائی کے وہ دوست اور ساتھی جو پاکستان آ گئے تھے، میرے سینئرز میں تھے اور وہ لوگ بھی جو لکھنؤ میں رہ گئے تھے، میرے سینئرز میں تھے۔ نیازمندی کا ایک فطری تقاضا تھا جو اس وقت بھی مجھے یاور بھائی سے قریب رکھتا تھا جب میں نے انھیں صحیح معنوں میں قریب سے نہیں دیکھا تھا۔ برادر بزرگ معظم خداوندِ کریم ان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے! ڈاکٹر افضال احمد، یاور بھائی کے یار جانی تھے۔

جب میں اپنی تعلیم مکمل کر کے والدین کو خدا حافظ کہہ کر ہمیشہ کے لیے ہجرت کر کے پاکستان آیا تو جن چند لوگوں سے سب سے پہلے ملاقات ہوئی، ان میں یاور مہدی بھی تھے۔ میرے بعض بزرگوں اور اساتذہ نے حسبِ روایت جاننے والوں کے نام سفارشی اور تعارفی رقعے دے رکھے تھے، سو میں ان خواتین و حضرات سے فوری طور پر ملاقات کر رہا تھا جو نئے سفر کے آغاز میں میرے لیے سہارا ہو سکتے تھے۔ پروفیسر احتشام حسین مرحوم کا تعارفی خط لے کر میں پروفیسر وحید مرزا، سید سبطِ حسن اور اپنے فیض صاحب سے ملا تھا۔ فیض صاحب کے یہاں بھی مجھے یاور بھائی ہی لے گئے تھے۔ میں اپنی ڈگریوں، کھیلوں، تقریری مقابلوں اور بیت بازی کے مقابلوں کی سندیں لیے ہوئے ڈھیلا ڈھالا پاجامہ، کرتا اور واسکٹ پہنے ہوئے ناظم آباد سے بس پر بیٹھ کر صبح سویرے ریڈیو اسٹیشن پہنچ جاتا تھا۔ یاور بھائی اپنی سویرے کی پروگرام میٹنگ سے فارغ ہوتے تھے اور پھر دن بھر تھوڑی دیر کے لیے دفتر سے کسی کے اسکوٹر پر، کبھی ریڈیو کی گاڑی میں اور کبھی رکشے پر ملازمت کے لیے، کبھی مجھے یونی ورسٹی کے مختلف شعبوں میں، کبھی پرائیویٹ کالجوں اور کبھی اسکولوں میں لیے لیے پھرتے تھے۔ میں ذرا سی دیر میں ہمت ہار بیٹھتا تھا، ناامید ہو جاتا تھا، حجاب بھی آتا تھا، شرم بھی محسوس ہوتی تھی مگر یاور بھائی تھکتے نہیں تھے۔ وہ مجھے کراچی کی چلچلاتی دھوپ میں ایک دفتر سے دوسرے دفتر لیے لیے، مارے مارے

پھرتے۔ میں ان کو یاد کرتا ہوں تو آنکھوں میں نمی سی بھر جاتی ہے۔

جب ہم تھک ہار کر بیٹھ گئے تو پھر وہ ہمیں ریڈیو پر آڈیشن کے لیے لے گئے۔ یہاں چند ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی جنھیں اللہ نے میرے لیے دنیوی ترقی کے راستوں میں رہنمائی کے لیے مقرر کر دیا تھا۔ عبیداللہ بیگ، قریش پور، مبارک الزمان خان، مشہود احمد، بدر رضوان اور دوسری طرف عزیز حامد مدنی پیرو مرشد اور صحیح معنوں میں استادِ معنوی سلیم احمد، احمد ہمدانی، قمر جمیل، رضی اختر شوق.... کیسے کیسے لوگ تھے جنھوں نے قدم قدم پر آگے بڑھنے اور بڑھانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ یاور مہدی کے بعد، خداوند کریم عمر دراز کرے اسلیم گیلانی میرے ان محسنوں میں ہیں جنھوں نے ریڈیو پاکستان میں نیوز کاسٹر کی حیثیت سے میرا انتخاب کیا۔ بھائی بیگ (عبیداللہ بیگ)، مشہود، بھائی زمان اور مرحوم و مغفور افضل صدیقی میری طرف سے اردو خبروں، تبصروں اور کمنٹریوں کا ترجمہ کرتے اور میں ان کو پڑھتا تھا۔ ایک بلیٹن کے ۱۰ روپے ملتے تھے۔ اگر ترجمہ بھی شامل ہو جائے رقم ۱۵ روپے ہو جاتی تھی۔ ترجمہ کرنا آتا نہیں تھا، سو یہ بزرگ ترجمے کا کام کر دیتے تھے اور میں جا کر خبریں پڑھتا تھا۔

وقت گزرتا گیا۔ کچھ ہی دنوں میں ریڈیو پاکستان کے توسط سے ادبی حلقوں میں بھی آمدورفت شروع ہوئی، نوجوانوں میں بھی دوستیاں بڑھیں۔ یہی وہ زمانہ ہے جب نصیر ترابی، عبیداللہ علیم، اطہر نفیس، سید محمد خان، انور خلیل، غازی صلاح الدین، نرگس خانم، قاسم پیرزادہ، یونس شرر اور بہت سے ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی جن کے نام لکھنے میں مصلحت مانع آتی ہے۔ ہوتا یوں ہے بلکہ اب یہ ہونے لگا ہے کہ زندگی کے راستے میں جیسے ہی آپ نمایاں ہوتے ہیں تو سب سے پہلے اس شخص کا انکار کرتے ہیں جو آپ کا محسن ہوتا ہے اور نعرہ لگاتے ہیں کہ میں اتنا لائق تنہا تنہا ٹیلنٹڈ تھا اور اتنا باصلاحیت تھا کہ میری ہی وجہ سے اس عالم رنگ و بو میں

رونقیں رہتی ہیں، سو اب ان کا ذکر کیا جائے۔

بلاشبہ ہر شخص میں اللہ نے جوہر رکھا ہوتا ہے، صلاحیت دی ہوتی ہے، مگر وہ لوگ جو مواقع فراہم کرتے ہیں اور پیچھے رہ کر آپ کو آگے بڑھاتے ہیں، وہ بنیادی لوگ ہوتے ہیں، صحیح معنوں میں وہ بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ ادب کے شعبے میں، میں کتنے شاعروں اور ادیبوں کے نام بتا سکتا ہوں جنھیں "بزمِ طلبا" نے پلیٹ فارم فراہم کیا۔ پاکستان اور کراچی میں بعض نمایاں لوگ ایسے ہیں جن کی مالی صورتِ حال کا ذکر کیے بغیر پروگراموں کے ذریعے ایک خاص سطح کی آسودگی مہیا کی گئی کہ وہ بہت سے دنیوی افکار سے بے نیاز ہو کر اپنی توجہات کو اپنی تعلیم پر مرکوز رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔

یاور مہدی دیکھنے میں ایک بے حد لاابالی آدمی نظر آتے ہیں مگر اندر سے بہت ذمے دار اور نہایت منظم ہیں۔ محبت ان کی زندگی کے اوپر ہمہ وقت طاری رہتی ہے میں نے زندگی میں شاید ہی انھیں کبھی استدادِ زمانہ کا شکوہ کرتے دیکھا ہو۔ ہنستا، مسکراتا ہوا چہرہ، اجالا کرتی ہوئی ہنسی، بہت شفقت سے چھلکتی ہوئی آنکھیں، چھوٹوں میں زندہ رہنے کا حوصلہ اور آگے جانے کی ہمت پیدا کرتی ہیں۔ یاور مہدی اپنے دوستوں کے اچھے رازدار، امانت دار کہ بڑی سے بڑی بات کبھی ان سے کہیں تو آپ اس پر یقین رکھیں کہ جیسے وہ بات دفن ہو گئی۔ ایک زمانہ ہے کہ جس کا خیال ہے کہ یاور مہدی کو سب سے زیادہ قربت انھی کی ذات سے ہے۔ یہ بات فیض میں بھی تھی، سلیم احمد میں بھی تھی، خدا ہمارے سروں پر قائم رکھے! مشتاق احمد یوسفی میں بھی ہے۔ اللہ تادیر سلامت رکھے! یاور مہدی کو بھی خداوندِ کریم نے یہ نعمت عطا کی ہے۔ انھوں نے ساری عمر پروگرام کے شعبے میں کام کیا۔ صاحبانِ علم کے ساتھ ساری عمر گزاری، مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ نظری، دینی، فکری اور تہذیبی اعتبار سے مختلف افراد سے ان کی نیازمندی میں، ان کے احترام میں کہیں کوئی کمی واقع

ہوئی ہو.... دفتری معاملات میں بھی، زندگی کے معمول میں بھی بالکل صاف ستھرے خالص، محبت کرنے والے شوہر، محبت کرنے والے باپ، محبت کرنے والے بھائی اور محبت کرنے والے دوست۔ سرور بھائی نے صحیح کہا تھا:

جن سے مل کر زندگی سے عشق ہو جائے، وہ لوگ
آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں مگر ایسے بھی ہیں

جب بھی یاور مہدی مجھے یاد آتے ہیں تو میں ان کو کبھی اکیلا نہیں دیکھتا۔ کبھی مرحوم انعام صدیقی کے ساتھ، کبھی عرفان علی کے ساتھ، کبھی ضمیر علی کے ساتھ، کبھی یونس شرر کے ساتھ، کبھی نقی کے ساتھ اور اللہ ان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے! کبھی یار نقاش کاظمی کے ساتھ اور کبھی بھائی رضوان صدیقی کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ میں نے ان کے کمرے میں عجیب عجیب وضع کے لوگ دیکھے ہیں۔ وہ بہت گاڑھے قوام کے شیعہ ہیں، مگر آپ دیکھیں گے کہ کبھی اس موضوع پر کسی سے کوئی بحث نہیں کرتے۔ اپنی بے روزگاری کے زمانے میں جب بھی میں ان کے کمرے میں جا کے بیٹھتا، ان کے ہاں کرسیوں کی کمی کا شکوہ ہوتا رہتا تھا۔ تین چائے کی پیالیاں چھ میں بدل جاتی تھیں مگر لوگ ہمہ وقت آتے رہتے تھے۔ کسی کے بچے کا اسکول میں داخلہ کروانا ہوتا تھا، کسی کو بجلی کا کنکشن لگوانا ہوتا تھا، کسی کو بینک سے قرضہ دلوانا ہوتا تھا اور کسی کی ضمانت کروانی ہوتی تھی، یعنی کیسے کیسے مسئلے لے کر صبح و شام ان کے کمرے میں لوگ ہجوم کیے رہتے تھے۔

سنا یہ ہے کہ وہ ساٹھ برس کے ہو گئے ہیں۔ میں نے پہلی ملاقات میں ان کے اندر ایک بہت شریر مگر وانستہ بچہ آنکھوں سے جھانکتا دیکھا تھا۔ پچھلے مہینے کراچی کے ایک مشاعرے میں ان سے جھاڑ کھانے کا اتفاق ہوا تو دل کو تقویت ہوئی کہ یاور بھائی نے بہت مشکل موسموں میں بھی اس بچے کو محفوظ رکھا ہے۔ خداوندِ کریم ہمیں اپنے محسنوں کو یاد رکھنے کی توفیق عطا کرے اور ہمارے یاور بھائی کو تادیر ہنستا مسکراتا، کھلکھلاتا اور روشنیاں بکھیرتا رکھے!

زینۂ کرسی جویانِ کمال

حسین انجم

(مدیر ماہ نامۂ طلوعِ افکار، کراچی)

یاور مہدی اس عہدِ قحط الرجال کے ان کمیاب بلکہ نایاب لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق آج سے تقریباً دو سو سال پہلے میر علیہ الرحمہ نے یہ پیش گوئی فرمائی تھی:

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

ان کی شرافت سرشت طبیعت، دل آویز و دل نشین شخصیت، سحر آفریں گفتگو اور روایت پسند خو بو اس عہدِ زبوں اطوار میں ایسی خوبیاں نہیں جنھیں آسانی سے نظرانداز کیا جا سکے بلکہ یہ تو وہ اوصاف و کمالات ہیں جنھیں فی زمانہ کسی ایک ذات میں مجتمع دیکھ کر استعجاب انگیز مسرت کا احساس رگ و پے میں دوڑنے لگتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب (جسے جناب اویس ادیب انصاری نے بڑی عرق ریزی و جاں فشانی سے یاور مہدی کی خدمت میں نذر کرنے کے لیے مرتب فرمایا ہے) کے مضامین میں ممدوحِ کتاب کا ذکر جس عقیدت و احترام سے کیا گیا ہے اور ان کے جو خصائلِ حمیدہ و اوصافِ نفیسہ بیان کیے گئے، انھیں پڑھ کر اچھے اچھوں کو ان کی شخصیت کی دل آویزی اور ان کی طبیعت کی دل داری کا قائل و معترف ہونا پڑتا ہے۔ یہ چار مصرعے اس سلسلے میں وارد ہوئے ہیں:

یاورِ مہدی جمیل و خوش خصال
دلبرِ خوش خو، ندیمِ بے مثال
مرکزِ اربابِ آہنگ و صدا
زینۂ کرسی جویانِ کمال

صلاحیتوں کا معمار

سرشار صدیقی

یاور مہدی ایک ایسا شخص ہے جسے شخصیت بنتے ہوئے میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ قطرے سے گہر ہونے تک کا یہ مسلسل، لیکن نامحسوس عمل برسوں پر پھیلا ہوا ہے جس کا لمحہ لمحہ یاور مہدی کی جدوجہد، متحمل مزاجی اور مقصدیت کے لیے صبر آزما حوصلوں کا خاموش گواہ ہے۔

یاور مہدی کی حیثیتِ عرفی یا ان کی وجہِ شہرت، بہت مختلف ہے۔ وہ ساری زندگی شوبزنس (Show Business) میں رہے اور اس زمانے میں جب ریڈیو ہی وہ تنہا شوبزنس کا ذریعہ تھا جس سے وابستہ ہو کر شہرت بھی حاصل ہوتی تھی، سماجی اہمیت بھی اور "پسندیدہ" لوگوں کی صحبت بھی۔ ایسی رنگا رنگ اور خیرہ کار دنیا میں بھی یاور مہدی تہمتِ عاشقی سے محفوظ و مامون رہے اور ان کی عزتِ سادات پر کوئی حرف نہ آیا، گویا قعرِ دریا سے اس احتیاط کے ساتھ گزرے کہ ان کا گوشۂ داماں بھی تر نہ ہوا۔ البتہ انھوں نے اپنی منصبی ذمے داریوں اور پیشہ ورانہ مصروفیات سے ایسا عہدِ وفا استوار کیا کہ مثالی بلکہ ضرب المثل بن گیا۔

یاور مہدی چاہتے تو ریڈیو پاکستان میں رہتے ہوئے اپنے بعض معاصرین کی طرح نقاد، شاعر، صداکار، اداکار یا گلوکار بھی بن سکتے تھے، لیکن انھوں نے آوازوں کی دنیا میں نوجوان طالب علموں کی ایسی تربیت کی جن میں سے بیشتر آج معاشرے میں قابلِ ذکر شاعر، ادیب، مقرر اور صداکار کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

یہ عجیب جوہر شناس شخص ہے جس نے اپنے وجود کی تعمیر کے بجائے باصلاحیت نوجوانوں کی شخصیتوں کی تعمیر کی۔ اللہ اسے سلامت رکھے!

محترم یاور مہدی بھائی..... میری نظر میں

دلاور فگار

یہ خبر میرے لیے باعثِ مسرت ہے کہ جناب اویس ادیب انصاری صاحب کنوینر، اہالیان کراچی جشن کمیٹی کی جانب سے جشن یاور مہدی کا انعقاد کر رہے ہیں۔ یاور مہدی بھائی واقعی اس جشن کے اہل تھے اس لیے کہ پاکستان گولڈن جوبلی کا سال چل رہا ہے، قوم جشن منا رہی ہے۔ یاور مہدی بھائی سچے پاکستانی ہیں، لہذا اس مبارک موقع پر ان کا جشن منانا بہت مناسب ہے۔

یاور مہدی بھائی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اسم با مسمیٰ ہیں۔ وہ ریڈیو پاکستان میں سی۔ پی۔ یو کے ڈپٹی کنٹرولر ہی نہیں بلکہ ریڈیو پر پروگرام میں شریک ہونے والے ادبا، شعرا، صداکاروں، قوالوں اور اداکاری کے یاور بھی ہیں۔ ان کے دفتر میں جائیے تو وہ افسر معلوم ہی نہیں ہوتے۔ اپنے آرٹسٹ کے میزبان معلوم ہوتے ہیں۔ وہ آرٹسٹ کی قدر کرتے ہیں، اس کی بڑی خاطر تواضع کرتے ہیں، بڑی خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ اپنے پروڈکشن میں اتنے مستعد ہیں کہ گھنٹوں کا کام منٹوں میں کر دیتے ہیں۔

بھائی یاور مہدی کی دوسری حیثیت آرٹس کونسل میں نمایاں ہوتی ہے جو ان کی شخصیت کا سب سے اہم پہلو ہے۔ یوں تو آرٹس کونسل، کراچی میں اور اراکین بھی ہیں، مگر ان میں یاور مہدی صاحب ایک منصبِ اعلیٰ پر فائز ہونے کے باوجود اپنے آپ کو سب سے ادنیٰ ظاہر کرنے میں منفرد ہیں۔ عجز کا یہ عالم ہے کہ آرٹس کونسل کے پروگرام میں ان کو خودنمائی کا ذرا بھی شوق نہیں ہوتا۔ جب کبھی آرٹس

کونسل ، کراچی کے کسی پروگرام میں شریک ہوتا ہوں تو اور اراکین ، یعنی محترم جناب رضوان صدیقی اور برادرم جناب نقاش کاظمی تو صاف اگلی صفوں میں یا اگر ان کی ضرورت ہو تو اسٹیج پر نظر آجاتے ہیں لیکن میری نظریں جناب یاور مہدی کو تلاش کرتی رہتی ہیں ۔ بڑی دیر میں وہ منظر اکبر ہال میں آخری صف میں کسی کرسی پر یوں بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں کہ کوئی دیکھ نہ سکے ۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ آرٹس کونسل میں بڑی بڑی ادبی کتابوں کی رونمائی کے وقت خود کو "روپوش" رکھتے ہیں ، مگر ان کے مداح ان کو تلاش کر ہی لیتے ہیں ۔

ایک اور خوبی یاور بھائی کی یہ ہے کہ آرٹس کونسل کا مذاکرہ ، مناظرہ ، دھنک مشاعرہ عموماً جب رات کو ۲ بجے ختم ہوتا ہے تو ہم جیسے بے بس مہمانوں کی واپسی بھی ایک مسئلہ بن جاتی ہے اور اس برے وقت میں یاور مہدی بھائی ہی صدر سے ٹیکسی منگواکر یاور ثابت ہوتے ہیں ۔ آرٹس کونسل ایک ایسی جگہ واقع ہے جہاں رات ڈھلے کوئی سواری واپسی کے لیے مشکل سے ملتی ہے ۔ محترم یاور مہدی جیسے یاور اس وقت کام نہ آئیں تو ہم جیسے "بے کار" مہمانوں کو برنس روڈ یا صدر تک پیدل مارچ کرنا پڑے ۔ میں نے اس سلسلے میں خود ایک شعر کہا ہے:

واپسی کو مل سکیں گی صرف میت گاڑیاں
بے سواری کے نہ جانا منظر اکبر ہال میں

ابھی حال میں عزت مآب عالی جناب لفٹیننٹ جنرل (ر) محترم معین الدین حیدر آرٹس کونسل ، کراچی میں کسی کل پاکستان مشاعرے کے صدر تھے ۔ حسبِ دستور مشاعرہ تقریباً ڈیڑھ بجے ختم ہوا ۔ میں واپسی کے لیے پریشان تھا ۔ یاور مہدی بھائی نظر پڑگئے ۔ میں نے کہا ، "بھائی ! پھر وہی مسئلہ در پیش ہے" ۔ حسبِ عادت فرمایا ، "گھبراؤ نہیں ۔ دو ، چار منٹ بس گیٹ کے قریب کھڑے رہو ۔ میں کچھ انتظام کرتا ہوں" ۔ ابھی وہ واپس نہیں آئے تھے کہ صدرِ مشاعرہ عزت مآب محترم گورنر صاحب

جلوس میں رینجرز کی گاڑی لیے ہوئے گورنر ہاؤس جانے کے لیے گیٹ پر تشریف لے آئے ۔ انھوں نے مجھ کو دیکھا ۔ وہ بھی میرے کرم فرما ہیں ، سمجھ گئے کہ یہ شاعر مشاعرے کے بعد گیٹ کی دربانی کیوں کر رہا ہے ۔ گورنر صاحب بھی بڑے ادب نواز ہیں ۔ انھوں نے فوراً رینجرز کو حکم دیا کہ ایک گاڑی میں اس ناچیز کو پاپوش نگر ان کے گھر چھوڑ کر آؤ ۔ رینجرز پہلے مجھے گورنر ہاؤس لے گئے ۔ سرکاری گاڑی تبدیل کی اور پرائیویٹ کار میں گھر پہنچایا ۔ بھلا ایسے ادب نواز اور عظیم انسانوں کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کیا جائے ، سوائے اس کے کہ ان عظیم شخصیات کی ادب نوازی کا ذکر اپنے کلام میں کیا جائے ۔ یہ مدح نہیں ، اظہار حقیقت ہے :

مت کھیل اسے جانو ! پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

گورنر صاحب کا ذکر تو بر سبیل تذکرہ آگیا ۔ مجھے تو جشن یاور مہدی کے عنوان پر ایک مضمون لکھنا تھا ، سو یہ مختصر سا خاکہ لکھ دیا ۔ یہ خاکہ بھائی یاور مہدی کی پوری شخصیت کا احاطہ نہیں کرتا ہے ، صرف مختصر سا تذکرہ ہے ورنہ

سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے

ممتاز شاعر جناب جون ایلیا نے کہا

عزیز دوست یاور مہدی میرا بہت مخلص دوست ہے ۔ میں نے ہر موقع پر اسے بہت نیک اور کام میں مگن پایا ، یہی اس کی کامیابی کا راز ہے ۔

معاف کیجیے گا ! اس وقت طبیعت کچھ ناساز ہے ، لفظوں کو صحیح کر لیجیے گا ۔ عزیزم محمود حسن کو انکار بھی نہیں کیا جاسکتا اور پھر یاور بھائی کی قد آور شخصیت نے بھی

مجھے فوری لکھنے پر مجبور کر دیا۔ سنا ہے یاور صاحب ریڈیو سے رخصت ہو رہے ہیں۔ ٹی وی کا فرض ہے کہ وہ یاور صاحب کے بارے میں ٹی۔وی پر پروگرام پیش کرے اور ان کی شخصیت کے بارے ان کے دوست اور ساتھی رائے پیش کریں۔

دل نواز یاور مہدی

ڈاکٹر پیرزادہ قاسم
(کراچی یونی ورسٹی، کراچی)

میرے دوستوں، ملنے والوں اور ملاقاتیوں کا حلقہ وسیع رہا ہے۔ ان میں بہت سی قابل تعظیم ہستیاں ہیں، بہت سے قابل عزت و احترام اشخاص، ہم پیشہ حلقہ، ادبی برادری کے افراد، دوست احباب، سبھی شامل ہیں۔ یہ سب رشتے اور تعلقات مجھے بہت عزیز ہیں اور میں دلی طور پر ان کی پاس داری بھی کرتا ہوں، لیکن کم لوگ ایسے ہیں جن کی رفاقت اور قابل اعتبار و اعتماد دوستی نے اس تعلق خاطر کو ایک قلبی تعلق میں تبدیل کر دیا ہے۔ یاور مہدی ایسی ہی پیاری، دل نواز شخصیت اور حقیقی معنی میں محبت کیے جانے کے لائق شخص ہیں۔

کم و بیش پینتیس برسوں پر پھیلے ہوئے شب و روز دراصل یاور مہدی سے میری شناسائی، یگانگت، محبت اور دوستی کا احوال ہیں اور میں انھیں سرخوشی اور انبساط سے تعبیر کرتا ہوں۔ میں اس بات کا بھی ناظر ہوں اور گواہ بھی کہ یاور مہدی نے اپنی عملی زندگی میں ہمارے ثقافتی اور علمی و ادبی ماحول کے حوالے سے جس بھرپور اور منفرد انداز میں حصہ لیا، وہ مثالی بھی ہے اور کمیاب بھی۔ فرائض منصبی

کی ادائیگی کے لیے وہ ہمیشہ استطاعت سے بڑھ کر مستعد رہے۔ ریڈیو پاکستان سے تعلق رکھنے والوں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ، نئی سوچ سے آراستہ اور سہل پسندی سے دور کم لوگ یاور مہدی کی طرح کے رہے ہیں۔ ذاتی اور منصبی ذمے داریوں سے الگ میں نے یاور مہدی کو ہمہ وقت سب کے لیے معاون اور مددگار پایا۔ عملی طور پر ہر ممکنہ معاونت، بہترین مشاورت، فراخ دلی اور تعلقات کے نبھانے میں وہ اپنی مثال آپ ہیں اور ایثار کے جذبے سے بھی ان کا قلب منور ہے۔ وہ ایک بردبار اور نہایت شائستہ شخصیت کے مالک ہیں۔ اس بات کی آزمائش بھی ایسے کڑے وقتوں میں ہو گئی جب وہ ملازمتی سلسلوں کے دباؤ میں رہے مگر ثابت قدم اور پرسکون۔ ان مشکل حالات میں انھوں نے صبر اور بردباری سے کام لیا، واویلا نہیں کیا، التجائیں نہیں کیں اور اپنے بے حد وسیع ذاتی تعلقات کو اپنے حق میں استعمال نہیں کیا۔

ریڈیو پاکستان سے وابستگی کے دور میں یاور مہدی نے طالب علموں کے لیے جس طرح پروگرام کیے، انھیں مقبول بنایا اور ان کی افادیت کو بڑھایا، وہ ان کا اہم ترین کارنامہ ہے۔ یاور مہدی نے اس سلسلے میں جتنی محنت کی اور طالب علموں کی صلاحیتوں کو نمایاں اور روشن کرنے میں اور ہر شعبۂ زندگی میں پراعتماد نوجوانوں کو متعارف کرانے میں جو فعال کردار ادا کیا ہے، اس کے اثرات قدم قدم پر آج کی زندگی میں نظر آ رہے ہیں۔ باصلاحیت نوجوانوں کی تلاش، ان میں اعتماد کا پیدا کرنا اور پھر ان ممتاز اور مزین نوجوانوں کو ہمہ گیر ملکی سطح پر متعارف کرانا دراصل یاور مہدی کے جذبۂ اخلاص، مقصد کی لگن اور قومی پس منظر میں نئی نسل سے ان کی محبت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ ایک طویل فہرست ایسے افراد کی جو یاور مہدی کی نگاہِ انتخاب اور ہمت افزائی کی بدولت آج مختلف شعبہ ہائے زندگی میں معروف و معتبر نام ہیں، تیار کی جا سکتی۔ ان تمام لوگوں میں ایک بات مشترک نظر آئے گی کہ یہ سب یاور مہدی سے محبت کرتے ہیں اور انھیں اچھے اور نیک جذبات کے ساتھ یاد

کرتے ہیں ۔ ان کے ایسے ہی بے شمار چاہنے والوں میں ایک دیرینہ مداح میں بھی ہوں اور ہر دم ان کی صحت و سلامتی کی دعا کرتا ہوں ۔ یاور مہدی کی محبت اور درمندی ، فراخ دلی اور خلوص آج بھی ہمیشہ کی طرح تازہ ہیں ۔ انھیں پاکستان سے محبت ہے اور اس نئی نسل سے بھی جو آئندہ اور پائندہ پاکستان ہے ۔ گو ان کی سماجی و ثقافتی مصروفیتوں کا دائرۂ عمل تبدیل ہوتا رہتا ہے ، لیکن محبت کی یہ شمع ہمیشہ ان کے قلب و ذہن میں فروزاں رہتی ہے ۔

یاور مہدی نے پاکستان کی علمی ، دینی ، ادبی ، ثقافتی ، سماجی اور سیاسی شخصیات سے انٹرویوز بھی کیے ہیں جو بہت اہمیت کے حامل ہیں ۔ یہ یاور مہدی کی شائستہ اور پرکشش شخصیت کا کمال ہے کہ انھوں نے جس کسی سے بھی انٹرویو کیا ، وہ ان کا گرویدہ ہو گیا اور یوں ان شخصیات سے ان کے ذاتی مراسم قائم ہو گئے ۔

کراچی آرٹس کونسل بھی یاور مہدی کی محبتوں میں سے ایک ہے ، اور میں دیکھتا ہوں کہ یاور اپنی خرابیٔ صحت کے باوجود آرٹس کونسل کی بہتری اور بھلائی کے لیے کمربستہ رہتے ہیں اور اپنا بہت کچھ وقت اس کام کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں ۔ مشکل حالات میں انھوں نے کام کو آگے بڑھایا ہے اور نئی روایتیں بھی قائم کی ہیں ۔ آرٹس کونسل جب سے قائم ہے ، وہ مالی طور پر کبھی اچھے اور آسودہ حالوں میں نہیں رہی ، ہاں ! کچھ لوگ ہیں اور رہے ہیں جو کسی نہ کسی طرح کونسل کو بہتر اور فعال بنانے کے لیے دن رات کوشاں رہتے ہیں ۔ اس ساری تگ و دو میں بھی یاور مہدی کا بہت کچھ حصہ ہے ۔

میں نے جب سنا کہ کراچی میں یاور مہدی کی خدمات کے اعتراف میں ایک جشن اور جلسۂ سپاس منعقد ہونے والا ہے تو دلی خوشی ہوئی ۔ میں یاور مہدی کے مزاج سے واقف ہوں ۔ وہ کبھی اپنے آپ کو نمایاں نہیں کرنا چاہتے بلکہ الگ اور پس منظر میں رہنا چاہتے ہیں ۔ یاور نے یہ ساری خدمات ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا

کیے بغیر انجام دی ہیں، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان کی خدمات کا اعتراف اور سپاس گزاری ان سے محبت اور دلی تعلق خاطر رکھنے والوں پر فرض بھی ہے اور قرض بھی۔ فرض اور قرض کی ادائگی عجلت کا مطالبہ کرتی ہے۔ پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے میں اس جشن کو برپا کرنے والوں کو آفریں کہتا ہوں اور اپنے بھائی پیارے یاور مہدی کو دلی مبارک باد پیش کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اس کے بجا طور پر حق دار ہیں۔ دعا یہ ہے کہ ان کا یہ جشن ان کی تاب و تواں میں مزید اضافہ کرے اور وہ تادیر اپنے محبت کرنے والوں کے درمیان رہیں۔ آمین!

ممتاز شاعر جناب وحیدالحسن ہاشمی نے کہا

(رپورٹ: محمود حسن)

عزیزم یاور مہدی نے تقریباً پینتیس سال قبل جو چراغ کراچی میں جلائے تھے اس کی روشنی کراچی سمیت یہاں لاہور میں بھی دور دور پھیلی ہوئی ہے۔ ان کے لائے ہوئے فن کار ستاروں کی مانند لاہور، اسلام آباد اور دیارِ غیر میں جگمگ جگمگ کر رہے ہیں۔ یہاں لاہور میں عزیزم منور سعید، ناہید صدیقی، طلعت صدیقی، مسرور انور مرحوم، غلام محی الدین، ندیم جیسے بڑے فن کار شامل ہیں۔ میرا فلم سے تو واسطہ نہیں مگر فلم، ٹی۔وی اور ریڈیو والوں کی معلومات ضرور رکھتا ہوں۔

عزیزم یاور مہدی صاحب سے کراچی میں بے پناہ ملاقاتیں ہوئی ہیں اور میں انھیں خوب جانتا ہوں۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ یاور صاحب صرف ریڈیو، ٹی۔وی، اسٹیج اور فلم کے فن کاروں میں ہی محبوب نہیں بلکہ ادب و سماجی حوالوں سے بھی بہت مقبول و محبوب ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق یاور صاحب کو کتابیں پڑھنے اور پڑھانے کا بہت شوق ہے، کیونکہ مجھے محمود حسن سے یہ پتا چلا کہ یاور

صاحب نے اپنی ہزاروں کتابیں پڑھنے کے بعد کراچی کی ایک مذہبی لائبریری کو وہ تمام کتابیں تحفے میں دے دیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ کتابیں پڑھیں اور علم پھیلے۔ ایسے لوگ معاشرے میں کم ہوتے ہیں جو یاور صاحب جیسی طبیعت کے مالک ہوں

پروفیسر مظفر حسن ظفر جون پوری نے کہا

عزیزم یاور مہدی صاحب سے میری پہلی ملاقات غالباً پینتیس سال قبل ریڈیو پاکستان، کراچی میں میرے ایک عزیز اور محترم دوست زیڈ۔اے بخاری صاحب (مرحوم) نے کروائی۔خود بخاری صاحب مرحوم بھی یاور مہدی صاحب کی خوبیوں اور صلاحیتوں سے واقف تھے اور وہ کہا کرتے تھے کہ یاور میاں ضرور ترقی کرلیں گے اور نوجوانوں کو آگے لانے میں اہم کردار ادا کریں گے، اور پھر ہوا بھی کچھ یوں ہی۔ دیکھتے ہی دیکھتے یاور صاحب نے ہزاروں لوگوں کو ریڈیو سے روشناس کروا دیا۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، ان کے پروگراموں سے جو لوگ مشہور ہوئے ان میں کراچی ٹی۔وی کے سابق جنرل مینیجر سید امیر امام، موجودہ جنرل مینیجر جناب محسن علی، پروڈیوسر قاسم جلالی، پروڈیوسر حیدر امام رضوی، پروڈیوسر کاظم پاشا، ممتاز فلمی اداکار ندیم، غلام محی الدین اور منور سعید جیسے ممتاز فن کار شامل ہیں۔یہ چند نام تو فن تمثیل کی دنیا سے تھے، علم و ادب، سیاست، کھیل اور ممتاز سماجی شخصیات نے بھی یاور کے پروگراموں میں مسلسل شرکت کی ہے۔بہت سی شخصیات تو اب مرحوم ہو چکی ہیں جن میں چند نام یہ ہیں: ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی، رئیس امروہوی احتشام الحق تھانوی، علامہ رشید ترابی، علامہ مصطفیٰ جوہر، عباس حیدر عابدی، احمد ای۔ایچ جعفر، بیگم رعنا لیاقت علی خان اور مولانا قدوس ہاشمی جیسے لوگ شامل تھے

دورِ حاضر کے لوگوں میں ممتاز سماجی شخصیت حکیم محمد سعید، پروفیسر غفور، پروفیسر کرار حسین صاحب، دوست محمد فیضی، ایل۔ایچ ہاشمی، ممتاز سیاست دان اقبال یوسف اور این۔ڈی خان جیسے لوگ ان کے پروگراموں میں ذوق و شوق سے جاتے ہیں۔ماضی قریب میں اپنے دور کی وزیرِاعظم محترمہ بے نظیر بھٹو خصوصی دعوت پر یاور مہدی صاحب کو امریکا لے گئی تھیں جو ان کے لیے ایک بڑا اعزاز ہے۔

راقم بھی ماضی میں عزیزم یاور مہدی کے کئی پروگراموں میں حصہ لے چکا ہے اب چند سالوں سے یہاں اسلام آباد میں مقیم ہوں، اس وجہ سے ان کے کسی پروگرام میں شرکت سے محروم ہوں اور پھر کچھ دنوں سے علیل بھی ہوں۔مگر یاور مہدی کی پر کشش شخصیت اور میرے عزیز بھتیجے محمود حسن کو انکار کی کوئی صورت مجھے نہیں نظر آئی اور فوری طور پر صفحۂ قرطاس پر جو کچھ ہونے لگا، وہ آپ سب کے سامنے حاضر ہے۔

بطور انسان وہ اتنے باکمال ہیں کہ کمال خود ان کے آگے سرنگوں ہے۔ہمدرد اتنے ہیں کہ کسی کی پریشانی نہیں دیکھ سکتے۔انسان تو انسان، وہ کسی جان دار کو بھی تکلیف میں دیکھ لیں تو ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں۔اس پرآشوب دور میں اتنے ہمدرد قسم کے انسان کا ہمارے درمیان ہونا یقیناً ایک معجزہ ہے۔کراچی، حیدر آباد، خضدار، کوئٹہ، لاہور اور پنڈی کی طرح یہاں اسلام آباد میں بھی ان کے چاہنے والوں کا ایک بڑا وسیع حلقہ موجود ہے۔ٹی۔وی کے ممتاز افراد آغا ناصر، عبدالکریم بلوچ اور عون محمد رضوی جیسے لوگ ان کی تعریف کرتے نہیں تھکتے۔واقعہ ہی کچھ یوں ہے کہ یاور مہدی صاحب نے اپنے شعبے میں اتنا کام کیا ہے اور اتنی محبتیں تقسیم کیں ہیں جس کی مثال دینا ناممکن ہے۔متقی و پرہیزگار اور نیک اتنے کہ بیان کرنا میرے بس میں نہیں۔وہ ریڈیو میں اتنی اہم کرسی پر بیٹھے ہیں، مگر گھر ان کا آج تک سادات کالونی، ڈرگ روڈ میں ہے۔سادات کالونی انھیں اس وجہ سے پسند

ہے کہ وہ خود سادات خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ جس طرح اپنے بڑوں سے ملتے ہیں، اسی طرح اپنے چھوٹوں سے بھی ملتے ہیں اور یہ ایک عظیم انسان کی پہچان ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزم یاور مہدی صاحب کی عمر دراز کرے اور محمود حسن کو اللہ یہ توفیق دے کہ یہ کتاب جلد منظرِ عام پر آئے۔آمین!

ممتاز شاعر جناب منیر نیازی نے کہا

(رپورٹ: محمود حسن)

میں بھی یاور مہدی صاحب کے فن اور کمالات سے واقف ہوں۔اس شخص نے اپنے شعبے میں بے حد ترقی کی۔نہ صرف ریڈیو بلکہ کراچی آرٹس کونسل اور شہرِ کراچی کی ادبی سرگرمیاں بھی یاور مہدی صاحب کی وجہ سے اپنے عروج پر ہیں۔

آج عزیزم محمود حسن سے پتا چلا کہ ۱۴ جولائی کو "جشنِ یاور" منایا جا رہا ہے۔ میری تمام دعائیں یاور صاحب کے ساتھ ہیں۔

جہاں مسکرائے جو وہ مسکرائیں

پروفیسر آفاق صدیقی

کہتے ہیں کہ بھائی یاور مہدی کا تعلق آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی کے "قبضہ گروپ" سے ہے جو عرصۂ دراز سے کونسل کی مجلسِ انتظامیہ پر قابض ہے۔ فی الوقت اس "قبضہ گروپ" کے دوسرے قبضہ داروں کے قبضے کی بات نہیں

کروں گا کیونکہ ذکر ہے بھائی یاور مہدی کا۔

فارسی کی ایک مشہور کہاوت ہے "شنیدہ کے بود مانند دیدہ"، یعنی جو کچھ کھلی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے، اس کی برابری سنی ہوئی باتیں نہیں کر سکتیں۔ خیر سے میری دید و شنید تو یہ گواہی دیتی ہے کہ بھائی یاور مہدی کا قبضہ سچا قبضہ ہے۔ کیوں اور کیسے کے دلائل بعد میں پیش کروں گا، پہلے یہ واضح کرتا چلوں کہ میں نہ آرٹس کونسل کا رکن ہوں اور نہ اس کی عملی سیاست سے میرا کوئی واسطہ ہے، البتہ رنگا رنگ ادبی و ثقافتی تقاریب میں شریک ہوتا رہا ہوں اور اسی حوالے سے بیشتر تقاریب میں موصوف سے بھی شہ نشین (ڈائس) اور اگلی صفوں سے الگ تھلگ رسمی و غیر رسمی ملاقاتوں کا سلسلہ قائم ہے۔

میرا پڑاؤ ۴۷ء سے ۷۲ء تک سکھر میں رہا، پھر ۸۱ء تک گورنمنٹ ماڈل ڈگری کالج میرپور خاص سے وابستگی رہی، لیکن ریڈیو اور ریڈیو والوں کو ۴۵ء سے جانتا پہچانتا تھا اس لیے بھائی یاور مہدی کا نام بھی سنا مگر ان دنوں جب فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کا دورِ حکومت تھا اور پاکستان رائٹرز گلڈ کی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔

کراچی ریڈیو اسٹیشن پر کئی جانی پہچانی شخصیات موجود تھیں۔ جب کبھی گلڈ کی کسی تقریب میں یا سیر سپاٹے کے لیے ادھر آنا ہوتا تو ملاقات ہو جاتی۔ خصوصاً میرے دوست مظہر عباس انصاری جو کئی برس ریڈیو اسٹیشن حیدرآباد کے پروگرام پروڈیوسر رہے اور جن کے ڈراموں کی کتاب "صورت گر" میں نے ہی ترتیب دی تھی، جب کراچی کا ہو گیا تو ان سے ملنا ضروری قرار پایا اور اس طرح یاور مہدی کے ہنس مکھ چہرے کو بھی دیکھا۔

۸۲ء میں لیاقت گورنمنٹ کالج، ملیر، کراچی کے شعبۂ اردو سے وابستہ ہوا زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ سکھر میں میری ادبی سرگرمیوں کے سرپرست اور میرے بہت ہی پرخلوص کرم فرما سید حسن میاں کا پیغام ملا کہ سابقہ روایات کو برقرار رکھتے

ہوئے انڈو پاک مشاعرے کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ جناب حسن مہدی کا انعقادِ مشاعرہ میں نمایاں حصہ ہے جو نیشنل بینک آف پاکستان، سکھر زون کے سربراہ ہیں اور کراچی کے ممتاز شعرا سے رابطے کا کام ان کے سگے بھائی جناب یاور مہدی کے ذمے ہے میاں صاحب نے فوری طور پر یاور مہدی سے ملنے کو کہا اور میں فرصت ملتے ہی ان کے پاس آیا۔ بہت ہی شستہ وشائستہ انداز سے حسبِ معمول مسکرا کر موصوف نے بڑے من موہنے الفاظ میں اپنی کارکردگی کا کچھ ذکر کیا اور مجھے اطمینان ہوگیا کہ مشاعرہ خاطر خواہ کامیاب ہوگا، کیونکہ یاور صاحب متعلقہ ذمے داریوں کو بہت ہی خوش اسلوبی سے نباہ رہے ہیں۔

یہ تھی بھائی یاور مہدی سے میری پہلی باقاعدہ ملاقات جس کے بعد متواتر تین سال تک سکھر کے انڈو پاک مشاعروں میں کراچی اور بیرونِ ملک سے شرکت کرنے والے شعرائے کرام کو مدعو کرنے اور ان کی نازک مزاجیوں کا ہر ممکنہ لحاظ رکھنے میں انھوں نے جو کردار ادا کیا، اس کا نقش آج تک ہمارے دلوں پر ہے۔

آیئے! اب کچھ باتیں ریڈیو کے تعلق سے ہو جائیں۔ ان باتوں میں پہلے اپنی بات کچھ یوں ہے کہ ۱۹۴۵ء میں آل انڈیا ریڈیو، لکھنؤ سے زمانۂ طالب علمی میں جب پہلا پہلا رابطہ ہوا تو بڑا لطف آیا۔ پھر قیامِ پاکستان کے بعد انتظار رہا کہ جلدی سے کراچی ریڈیو اسٹیشن قائم ہو اور مجھے بھی چانس ملے، لیکن کہاں سکھر اور کہاں کراچی! البتہ جب حیدرآباد میں ریڈیو اسٹیشن کا قیام عمل میں آیا تو اکثر و بیشتر تحریر و تقریر کا جادو جگانے کے مواقع ملتے رہے، کبھی کبھی کراچی، کوئٹے اور لاہور کا رخ بھی کیا۔

بھائی یاور مہدی سے شناسائی کا ذکر کر چکا ہوں جو پچھلے پندرہ برسوں آرٹس کونسل آف پاکستان سے کہیں زیادہ ریڈیو کے حوالے سے دیدہ و دل پر اثر انداز ہوئی اور اس طرح ہوئی کہ اگر اس اثر آفرینی کے ان گنت لمحات کی کیفیات کو بیان کرنے لگوں تو ایک مضمون نہیں، اس پھول کے مضمون کو سو رنگ سے لکھنے کی

ضرورت پڑے گی اس لیے تمام رنگوں کی وحدتِ تاثر فارسی کے ایک مصرع میں کیوں نہ سمودی جائے۔

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

یاور بھائی کی وضع داری، خوش اخلاقی، معاملہ فہمی، مردم شناسی، نفاست پسندی اور تبسم آفرینی کے بہت سے جلوے میں نے دیکھے ہیں۔

کچھ دن پہلے عارف شفیق نے، جو بڑے باصلاحیت صحافی، خوش فکر شاعر اور کراچی کے ادبی و ثقافتی حلقوں کی جانی پہچانی شخصیت ہیں، ایک ماہ نامہ جاری کیا جس کا نام "ادبی دنیا" ہے۔ اس جریدے کو مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے موصوف نے "عوامی ادب کا ترجمان" بنانے کے لیے اولین شمارے کی زینت ایسی شخصیات اور ان کے کارناموں کو بنایا ہے جو حقیقتاً قابل قدر ہیں۔ ان شخصیات میں ایک پرکشش شخصیت یاور مہدی کی ہے جنھوں نے بقول عارف شفیق "کیسے کیسے لوگ بنادیے"۔

یہ لوگ کون ہیں اور ان کی شخصیت سازی میں یاور مہدی کا کیا حصہ ہے؟ اس سوال کا جواب ادبی دنیا کے شمارۂ اول، دسمبر ۹۷ء میں موجود ہے جس کی چند جھلکیاں پیش کرتا ہوں:۔

- ۱۹۶۳ء میں طلبا کے لیے تقریری مقابلے، علمی و ادبی مذاکرے، یونی ورسٹی میگزین، ہفتۂ طلبا، جشن طلبا اور ریڈیو نیوز ریل جیسے پروگرام۔
- ایک اہم پروگرام "آپ سے گفتگو کریں" جس کے لیے کسی زندہ شخصیت سے طالب علم خود ملتے، متعلقہ معلومات حاصل کرتے، پھر اس شخصیت کو اسٹوڈیو میں مدعو کرکے پروگرام میں حصہ لینے والے طلبا کو باری باری سنا جاتا۔ کوئی بھول چوک ہو جاتی تو اصلاح وہ شخصیت کر دیتی جسے موضوع گفتگو بنایا جاتا۔
- نوجوانوں میں کتابوں کے مطالعے کا ذوق و شوق بڑھانے کے لیے "آپ کی پسندیدہ کتاب" کا پروگرام خاصا مقبول ہوا اور اس کے جو فائدے ہوئے، وہ

محتاج بیان نہیں۔

○ ایک اور پروگرام "محاکمہ" کے نام سے ترتیب دیا جاتا جس میں دلچسپ عدالتی سماں اجاگر ہوتا۔ اس پروگرام سے طلبا نے مدلل گفتگو اور تقریری جوہر نمایاں کرنے کا آرٹ سیکھا۔

ان پروگراموں کے علاوہ طلبا کے لکھے ہوئے ڈرامے، جو وہ خود ہی پیش کرتے، طالب علموں کے مشاعرے اور تنقیدی نشست جیسے پروگرام بھی سجائے۔

عارف شفیق نے مذکورہ پروگراموں کے حوالے سے بہت سے باصلاحیت افراد کا ذکر کیا ہے جو آج دنیائے علم و ادب کی جانی پہچانی شخصیات ہیں، لیکن میں ان کے نام اس لیے نہیں لکھ رہا ہوں کہ ان کے علاوہ بھی ناموں کی ایک سہانی کہکشاں سی میرے حافظے میں ہے۔

میرے ساتھ بھی چند ایسی یادیں ہیں کہ اگر ان سب کو ضابطۂ تحریر میں لے آؤں تو بھائی یاور مہدی کی تکریم و تعظیم سے قطع نظر خودستائی کے پہلو بھی نکلیں گے کیونکہ اکثر مذاکروں اور خصوصی پروگراموں کے سلسلے میں رابطے کی صورتیں رہی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک مرتبہ میں کسی دوسرے کرم فرما کے پروگرام کی تعمیل کے لیے ادھر گیا اور جب فارغ ہو کر کھلے میدان میں آیا تو سامنے یاور مہدی کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی جانب والہانہ طور پر لپکے۔ پتا چلا کہ قومی صحافت کے موضوع پر کوئی مذاکرہ ریکارڈ کیا جانا ہے، ذی وقار شرکائے محترم تو آگئے ہیں مگر جن صاحب کو کمپیئرنگ کرنی تھی، وہ نہیں آئے اور یہ کام مجھے کرنا ہوگا۔ بہتیرا عذر کیا کہ موضوع مذاکرہ اور متعلقہ شرکا کے بارے میں معلومات کا ہونا ضروری ہے، مگر بھائی یاور مہدی نے یہ کہہ کر کوئی معذرت قبول نہ کی کہ "ارے! آپ کو تیاری کی کیا ضرورت، آیئے! میرے ساتھ چلیے"۔

ایک مرتبہ بھائی اختر لکھنوی (مرحوم) کے پاس کسی ادبی پروگرام کی

ریکارڈنگ کے لیے گیا تھا کہ اچانک موصوف کے ہتھے چڑھ گیا۔ ارشاد فرمایا، "آپ کو میرے ساتھ آرٹس کونسل چلنا ہے"۔ میں نے دریافت کیا، "کوئی خاص بات ہے؟" جواب ملا، "آپ کے لیے کیا ہے"۔

آرٹس کونسل کی سماعت گاہ میں داخل ہوئے تو محفل جمی ہوئی تھی۔ کئی نامی گرامی افسانہ نگاروں کو افسانے پڑھنا تھے اور کرسی صدارت خالی تھی جس پر تشریف فرما ہونے کا اعزاز بھائی یاور مہدی نے مجھے عطا کیا۔

اب آرٹس کونسل کی بات آگئی ہے تو یوں سمجھیے کہ یہ ایسی محبوبہ ہے جس کا قرب یاور بھائی کو دل وجاں سے عزیز ہے۔ اگر یہ کراچی سے اپنی منصبی مجبوریوں کے تحت دور دور رہے تب بھی ان کا دل اس کے لیے دھڑکتا رہا ہے۔ مجھے یاد آرہا ہے کہ یہ محکمہ جاتی و منصبی ترقی پاکر بلوچستان چلے گئے۔ مگر جب کبھی موقع ملا اور آرٹس کونسل کی کشش نے زور مارا، سفر کی صعوبتوں سے بے پروا ہو کر کراچی آگئے اور اپنی اس محبوبہ کے قرب میں پائے گئے۔

ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ہمیں گھیر گھار کے بغیر کچھ بتائے ہوئے آرٹس کونسل کی حدود میں لے گئے جہاں سرسبز وشاداب پودے خوش آمدید کہنے کو ہمہ تن انتظار میں تھے اور ہر پودے کے ساتھ ایک عدد کتبہ بھی نصب تھا جس پر اس ممتاز شخصیت کا نام اور متعلقہ پودے کو تھالے میں لگانے کی تاریخ وغیرہ بھی مرقوم تھی۔ ایسے کئی پودے میں نے دیکھے اور پھر اپنے سامنے کچھ نئے پودے اس وقت وہاں موجود بلکہ خاص طور پر مدعو کی گئی شخصیات کے لگانے اور حاضرین کا تالیاں بجاکر خوش ہونے کے نظارے سے بھی لطف اندوز ہونے کا انبساط روحانی حاصل کیا۔

آرٹس کونسل آف پاکستان میں تصویروں کی نمائش، موسیقی کی محفلیں، شعر وادب کی تقاریب، علمی وادبی شخصیات کی پذیرائی کے اجتماعات اور کوئی بھی تہذیبی وثقافتی یا علمی وادبی جلوہ آرائی ہو، یاور بھائی وہاں ضرور پائے جاتے ہیں۔ مگر جیسے ہی

تقریب کا آغاز ہوتا ہے، یہ نہ شہ نشین پر دکھائی دیتے ہیں، نہ اگلی پچھلی صفوں میں نظر آتے ہیں، بلکہ بہت پیچھے کہیں ایک کونے میں دبکے ہوئے اس انتظار میں پائے جاتے ہیں کہ محفل جب خوب رنگ پر آجائے اور گھر کی یاد بہت زیادہ ستائے تو چپکے سے رخصت ہو جائیں۔

یاور بھائی اور آرٹس کونسل کے تعلق پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً یہی بات ایک بڑی بات ہے کہ ان کی زیر ادارت اس کثیر الجہات ادارے کا دیدہ زیب ماہ نامہ جسے "خبر نامہ آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی" کے نام سے شائع کیا جاتا ہے صرف اپنی تفصیلی خبریں منظر عام پر نہیں لاتا بلکہ علم و ادب اور تہذیب و ثقافت کی تمام معلوماتی خبریں اور دلچسپ فکری و فنی مضامین بھی شامل اشاعت ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں تقریباتی تصاویر وغیرہ سے دل کشی میں مزید جمالیاتی انبساط اس جریدے کی افادیت میں خوش گوار اضافہ کرتا ہے۔

اب اگر اپنی معلومات کے مطابق یہ بتانے لگوں کہ یہ ماہ نامہ کیسے اپنے اشاعتی اخراجات پورے کرتا ہے تو یاور بھائی اور ان کے رفقائے کار کی شان میں نثری قصیدہ لکھنا پڑے گا، لہٰذا میرے نزدیک بے لاگ اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ ایسے پر خلوص اور واقعی کارآمد لوگ آرٹس کونسل کی ترقی و توسیع میں مصروفِ عمل رہیں تو لوگ جو چاہیں ان کو ٹھہرائیں، یہ بندۂ عاجز بہر کیف صمیمِ قلب سے دعا گو ہے کہ خدا کرے ہمارے تہذیبی و ثقافتی اداروں کو صرف نام کے نہیں بلکہ حقیقتاً کام کے لوگ میسر آئیں، کیونکہ بقول عدم:

کام کے لوگ تو بصد وقت
ہر زمانے میں چند ملتے ہیں
ورنہ اس نیک بخت دنیا میں
سب ترقی پسند ملتے ہیں

احمد ہمدانی

یاور مہدی نہ صرف ایک منفرد و مقبول شخصیت کا مالک ہے بلکہ وہ شخصیت سازی کے رموز و نکات سے بھی پوری طرح آراستہ ہے۔ ریڈیو پاکستان کی ملازمت کے دوران بھی اس نے باصلاحیت افراد کی دریافت اور پھر ان کی صحیح خطوط پر تربیت کا کام جس احسن طریقے سے انجام دیا ہے، اس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ اس وقت ریڈیو کے متعدد افسران اور فن کار اس کی توجہ اور تربیت ہی کا نتیجہ ہیں۔ ان میں ایس۔ ایم نقی اور اقبال فریدی بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ ریڈیو کے ان افسران کے علاوہ جادو بیان مقرر اور سیاست دان ظہور الحسن بھوپالی مرحوم اور نیشنل بینک کے اعلیٰ عہدے دار جناب رسول احمد کلیمی کی صلاحیتوں کو نکھارنے اور سنوارنے میں یاور کی مساعی کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان چند ناموں کے علاوہ بھی ایک طویل فہرست ہے جن کے فن کو چمکانے اور جن کی شخصیت کو ابھارنے میں یاور نے بھرپور کردار ادا کیا ہے۔

یاور کی ایک نمایاں خوبی مردم شناسی ہے۔ وہ لوگوں سے مل کر بہت جلد ان کی مخفی صلاحیتوں کا اندازہ کرلیتا ہے جس کے بعد وہ نہایت خوب صورتی سے انھیں اس راستے پر گام زن کردیتا ہے جہاں ان کی مخفی صلاحیتیں بروئے کار آکر ان کو کسی مقام تک پہنچا سکیں۔ ہر چند وہ تخلیقی فن کار نہیں ہے لیکن اس کے متخیلہ کی اعلیٰ کارکردگی سے انکار ممکن نہیں ہے، اس لیے اپنے خیال کی صلاحیتوں سے ریڈیو کے خصوصی پروگرام "بزمِ طلبا" کی تمام تر خصوصیات کو برقرار رکھنے اور اس کے جملہ تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ اسے عمومی مقبولیت کا پروگرام بنایا اور ایسے ایسے پروگرام شروع کیے جن میں اساتذہ و طلبا کے علاوہ عام دانش ور بھی دلچسپی لیتے تھے۔

ان پروگراموں میں مشاعرے، ادبی عدالت اور " بزم طلبا" کا جشن تمثیل بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

کراچی میں آرٹس کونسل ایک عرصے سے قائم تھا، لیکن کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس ادارے کا مقصد کیا ہے۔ یاور نے جب اس طرف توجہ کی تو اس بے روح ادارے کو کراچی کا فعال ترین ادارہ بنادیا جس میں علم و ادب، تہذیب و ثقافت، اسٹیج ڈرامے، مصوری اور فنون لطیفہ سے متعلق سرگرمیوں کا سلسلہ نہایت خوش اسلوبی سے جاری ہے۔

ہم اس کی ہمہ جہت سرگرمیوں کے پیش نظر وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بلاشبہ زندگی کرنے کے سلیقے سے واقف بھی ہے اور اس پر بطرز احسن عمل پیرا بھی۔

پروفیسر حسن عابد

یاور مہدی سے میری یاداللہ ان دنوں کی ہے جب میں لکھنؤ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔ طالب علمی کے یہ دن خواب دیکھنے اور دکھانے کے ہوتے ہیں۔ یہ وہ روز و شب ہوتے ہیں جب پر پرواز بندش مشکل ہی سے قبول کرتے ہیں.... آزاد فضا، آزادخیالی اور آزادہ روی، حال مستی، خیال و عمل میں احتیاط سے ملاقات تو کجا تاک جھانک بھی نہیں ہوتی.... پس منظروں سے بے نیاز سبھی ایک جھول کے پرندوں کی طرح اڑتے پھرتے ہیں۔ اس دور میں کروٹیں لیتی ہوئی زندگی کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔ طلبا کے مختلف الخیال اور مختلف المذاق گروہ ان پہلوؤں سے آشنائی پیدا کر کے اپنے اپنے تجربات کی دنیا وسیع کرتے رہتے ہیں۔ سیاست، ادب، کھیل، خالص علمی سرگرمیاں اور محض آوارہ گردیاں.... اب جبکہ کراچی سے ہم شب و روز ہوئے چالیس

سال کے لگ بھگ ہو چکے ہیں تو بیتے ہوئے ان دنوں کی گرم و نرم سانسیں آج بھی یادوں کے چہرے کو مہکاتی رہتی ہیں اور میں اپنے ماضی کو، اس دور کی ان یادوں کو پلٹ کر سلام شوق کرتا رہتا ہوں۔ بقول یگانہ:

لپٹتی ہے بہت یادِ وطن جب دامنِ دل سے
پلٹ کر اک سلام شوق کر لیتا ہوں منزل سے

سنا ہے کہ یگانہ نے اپنا یہ شعر کسی مشاعرے میں پڑھا اور آخری مصرع یوں پڑھا:

ٹھہر کر اک سلام شوق کر لیتا ہوں منزل سے

مشاعرے میں حضرتِ آرزو لکھنوی بھی تشریف فرما تھے۔ انھوں نے تعریف کرتے ہوئے جب مصرع دہرایا تو ایک لفظ کی تبدیلی کے ساتھ اس طرح:

پلٹ کر اک سلام شوق کر لیتا ہوں منزل سے

کہ منزل تو خود ہی ٹھہرنے کی جگہ ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب! مگر کیسے کیسے باریک بیں اور زبان و بیان پر نکتہ رسی سے کام لینے والے صاحبانِ فن ہوا کرتے تھے۔ کیا پتا تھا کہ ہوا کا ایک جھونکا آئے گا اور یہ سب کچھ.... یہ لکھنؤ، یارانِ جامعہ کی یہ محفل.... اس طرح بکھر جائے گا۔ باقر مہدی نے سچ ہی کہا تھا:

پلٹ کے اب نہ کبھی لکھنؤ سے گزرے گا
نکل چکا ہے بہت دور قافلہ دل کا

لکھنؤ ایک تہذیبی مرکز تھا جہاں ایک طرف قدیم تہذیب کی پرچھائیاں تھیں اور دوسری طرف جدید خیالات و افکار میں ڈھلتے ہوئے پیکر۔ کسی شہر کے ذہن کو سمجھنے کے لیے اس کے علمی و ادبی ادارے اور تعلیم کے اعلیٰ مراکز ہوتے ہیں۔ لکھنؤ یونی ورسٹی بھی ان مراکز میں سے ایک تھی۔ گومتی کے کنارے ایک وسیع قطعۂ زمین پر پھیلی ہوئی یہ تعلیم گاہ جس کی عمارت ہی نہیں، سبزہ زار بھی پرکشش اور آنکھوں کے لیے تراوٹ کا سامان مہیا کرتے تھے۔ یہیں دماغ و دل سے پیدا ہونے والی

ہروں نے ایک خوب صورت، رومان انگیز فضا تخلیق کی تھی۔ ٹریفیلگر اسکوائر لندن پر اترنے والے کبوتروں کے پرے کے پرے جو دل کش منظر پیش کرتے ہیں، کچھ اسی طرح اس یونی ورسٹی میں داخلے کے راستے پر کھڑے ہو جائیں تو صبح صبح طلبا و طالبات کے دستے کے دستے دلوں کو حوصلۂ عمل اور لبوں کو حسن سخن بخشتے ہیں۔

میں ۱۹۵۳ء سے لے کر ۱۹۷۵ء کے چند ماہ تک لکھنؤ میں رہا۔ اس عرصے میں ذہن و دل کی سیرابی جس طرح ہوئی، اس نے مجھے زندگی کی اعلیٰ روایتوں کا پاس دار بنا دیا اور پاس داری حسب توفیق سبھی یاران خوش خصال ادب و علم کے ہاتھ آئی۔ یاور مہدی کی مقبول شخصیت میں جو ایک رچاؤ ہے، اس میں اس سرچشمۂ حسن کی بھی دین ہے۔ خیر، یہ وہ دور تھا جب لکھنؤ یونی ورسٹی میں سید احتشام حسین، آل احمد سرور، ڈاکٹر وحید مرزا، ڈی۔پی مکرجی، احسن فاروقی اور کئی بڑی شخصیتیں مختلف شعبوں سے وابستہ تھیں۔ ہمارے اوقات ڈیپارٹمنٹ، ٹیگور لائبریری، راہ داریوں اور کینٹین میں خوش گپیاں کرتے ہوئے یا گاہے گاہے گرلز کامن روم کے آس پاس کسی سے گفتگو کے بہانے تلاش کرتے ہوئے گزرتے تھے۔ مختلف علوم کی شعبہ جاتی سوسائٹیوں، ادبی تنظیموں اور فنکشنز کو بھی باہمی روابط کا ایک ذریعہ بنا لیا جاتا تھا۔ ہندو، مسلمان اور سکھ لڑکے لڑکیاں مذہبی یا علاقائی بنیاد پر نہیں، فکر و فلسفہ کی بنیاد پر تنظیمی وابستگیاں رکھتے تھے۔ یہاں ایک ایسا رواداری والا ہمہ دینی secular ماحول تھا جس نے نوجوان ذہنوں کی حاشیہ بندی کی تھی۔ ہر پھول کی خوشبو، رنگ اور شکل الگ الگ مگر سب زیبائش افزائے چمن۔ یہ صرف یونی ورسٹی کی ہی نہیں پورے لکھنؤ کی فضا تھی، اسی وجہ سے آج تک لکھنؤ میں ہندو مسلم فساد نہیں ہوا۔

یونی ورسٹی سے نکلتے تو شامیں گنجنگ (حضرت گنج میں گھومنا) میں گزرتیں۔ اس لفظ پر ایک لطیفہ یاد آیا۔ میرے پہلے مجموعے "سوچ نگر" میں ایک دوست

سدا سرن مسرا کے حوالے سے ایک نظم ہے جس کا ایک مصرع تھا:

اور گنج کی لمبی سڑکوں پر

حضرت کاتب نے دوران کتابت لفظ "گنج" پر نشان لگا کر فٹ نوٹ میں لکھ دیا "حضرت داتا گنج بخش"۔ ان کی عقیدت کا یہ کرشمہ دیکھ کر مجھے خاصا لطف آیا۔ گنجنگ کے دوران طلبا وہاں کے نیو کافی ہاؤس، اولڈ انڈیا کافی ہاؤس کرشنا وغیرہ میں وقت گزارتے۔ لڑکیوں اور معاشقوں کے ذکر سے لے کر یونی ورسٹی، صوبے، ملک اور بین الاقوامی سیاست، ادب، فلم پر گفتگو ہوتی اور پھر تھوڑی رات گئے سائیکلوں پر پیڈل مارتے ہوئے گھروں کو لوٹ جاتے۔ گنج کے علاوہ امین آباد اور نخاس دو اور اڈے بھی تھے۔ نوری ہوٹل، سنگم ہوٹل، کاظم ہوٹل، یہاں چائے اور کھانے کی گرم بھاپ میں بڑے بڑے ادیب و شاعر موم کے پتلوں کی طرح پگھلا دیے جاتے اور نظریات فن و ادب کے وہ بت تیار کیے جاتے جنھیں دیکھ اور سن کر بقول شخصے طبیعت ہری ہو جاتی۔ انھیں جگہوں پر باہر سے آئے ہوئے نوجوان ادیبوں اور شاعروں سے بھی ملاقات ہوجاتی۔ کبھی الہ آباد سے شبنم نقوی، نافع رضوی، اجمل اجملی آجاتے، کبھی کہیں اور سے کوئی اور۔ یہ چائے خانے، کافی ہاؤس گویا ہمارے ملاقاتی کمرے تھے۔

اگر ہم اردو کے حوالے سے بات کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ ان چند سالوں نے کیسے کتنے اہم ستارے ڈھال دیے جو اپنے اپنے دائرے میں شہرت و بلندی کے افق پر تابندہ ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر قمر رئیس، ڈاکٹر شارب ردولوی، ڈاکٹر آغا سہیل، ڈاکٹر اعراز نقوی، ڈاکٹر محمود الحسن، ڈاکٹر افضال، ڈاکٹر عالیہ امام، ڈاکٹر شمیم نکہت، قیصر تمکین، محسن زیدی، عثمان غنی ہاشمی، شوکت عمر، اقبال مجید، احمد جمال پاشا، شکیب رضوی، باقر مہدی، نیر مسعود، قاضی عبدالستار، کاظم علی خاں وغیرہ۔ اس کے علاوہ بھی کچھ اہم لوگ جیسے ڈاکٹر حسین محمد جعفری، سلمان غنی ہاشمی، نجم

الحسن، رضوان، فدا عباس اور یاور مہدی۔ ان کا براہِ راست اردو ادب سے تعلق نہ تھا ان میں سے اکثر وہیں مقیم رہے لیکن کچھ لوگ اس تہذیبی گومتی میں ڈبکیاں لگا کر نکل کھڑے ہوئے۔ یاور مہدی بھی کسی سال کے کسی ایک دن بحیرۂ عرب کے ساحلی شہر کراچی میں در آیا۔

لکھنؤ میں یاور سے میری ملاقات یونی ورسٹی کے احاطے، فنکشنز، گنج کی پر رونق سڑک، چائے خانوں، قیصر باغ و امین آباد کے چوراہوں اور محافلِ ادب و علم میں ہوا کرتی تھی۔ آتے جاتے، چلتے پھرتے، گھومتے گھماتے، ہنستے ہنساتے، چیختے چلاتے، پیتے پلاتے (کافی اور چائے) ہم لوگ کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی حالت میں ٹکرا ہی جاتے۔ آج جب وقت کی طویل راہ داری کو پار کر کے ماضی پر نظر دوڑاتا ہوں تو بہت سے واضح، نیم واضح دھندلے دھندلے سے چہرے ایک دوسرے میں مدغم ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ چہروں کی اس بھیڑ میں ایک سادہ، معصوم سا، خاموش خاموش، دبلا پتلا، کچھ سوچتا ہوا سا چہرہ ابھر کر نوکِ نظر پر یوں رقص کرنے لگتا ہے جیسے کہہ رہا ہو، "بھولو تو جانیں!"۔ یاور نہ شاعر تھا، نہ کھلاڑی، نہ سیاسی رہ نما بس حلقۂ یاران چمن کی ایک ایسی تتلی جو ہر طرف سے رس لے کر اپنے وجود کے رنگوں کو نکھارنے میں لگی ہو۔ اب رہا عشق، سو اس گل چینی و گل بوسی میں، میں ان کا رازدار نہیں تھا۔

کراچی میں یاور سے بہت عرصے بعد تجدیدِ ملاقات ہوئی۔ چہرہ بڑا بڑا سا لگا، بدن کچھ بھاری ہو گیا تھا اور قد بھی نسبتاً لمبا لگا، البتہ سادہ و خاموش، مہربان آنکھیں وہی تھیں۔ بس ان میں ایک طرح کی تیز کاری سی آگئی تھی۔ کراچی میں پہلی بار کہاں اور کیسے ملاقات ہوئی.... ریڈیو، آرٹس کونسل، کسی خانقاہ، مجلس گاہ، یا علی حسن کے ساتھ.... یاد نہیں ہے، مگر اتنا ضرور ہوا کہ ہم نے وقت کی دھول پونچھ پانچھ کر ایک دوسرے کا چہرہ صاف کر لیا اور معانقے جاری ہو گئے۔

یاور کی شخصیت میں کچھ ایسا ضرور ہے کہ نئے پرانے، سبھی اس کے گرد منڈلاتے رہتے ہیں۔ وہ یاروں کا یار ہے مگر مخالفین سے قدم گاڑ کر مقابلہ کرتا ہے۔ میں نے خاصے دیو قامتوں کو اس کے سامنے گھٹنے ٹیکتے ہوئے دیکھا ہے۔ لوگ بڑوں کے دربار میں کمربستہ و دست بستہ کھڑے ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں مگر میں نے خاصے بڑوں کو یاور کی صحبتِ خوش فضا میں دوستوں کی طرح ہنستے بولتے ہی نہیں، اس کے ابرو کے اشاروں کا لحاظ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ بظاہر علم اس کے ہاتھ میں نہیں ہوتا، مگر وہ علم دار نہ ہو کر بھی علم دار ہوتا ہے۔ تمام صفیں اسی کی دی ہوئی ترتیب کے مطابق جمتی ہیں۔ وہ ایک اچھا منصوبہ ساز ہے، عمدہ منتظم ہے اور دوررس نگاہ رکھتا ہے۔ ایک ماہر جنرل کی طرح اس کی نظر ہر مورچے اور ہر اقدام پر ہوتی ہے۔ دشمن مچل مچل کے، طرح طرح کے حربے استعمال کر کے حملہ آور ہوتا ہے، مگر آخر کار فتح جنرل یاور مہدی کے نام کی جے جے کار کرتی ہے۔ اگر وہ شطرنج کو وقت دیتا تو نام ور کھلاڑیوں میں سے ایک ہوتا۔ حریف کے خلاف حکمتِ عملی میں کوئی جھول نہ رکھنا اس کا وتیرہ ہے۔ انتہائی چست، چاروں چولوں معقبوط، مگر ذاتی تعلق میں نرم گفتار اور ہمدرد، بقول علامہ اقبال بریشم کی طرح نرم۔ اس کا ساتھ تقویت بخشتا ہے۔ پاکستان کے ایک سابق وزیراعظم حسین شہید سہروردی کمزور ملکوں کی دوستی کے حوالے سے ایک بار کہا تھا کہ زیرو + زیرو + زیرو برابر ہے زیرو کے مطلب یہ کہ ایک طاقت ور بہادر دوست بھاری ہے سو کمزور اور بزدل دوستوں پر، مجھے یاور بھی "ایک" کی طرح لگتا ہے۔ وہ ہر موقع پر آپ کے ساتھ ڈٹ کر کھڑا ہوگا۔ آپ اس کی موجودگی میں تنہائی محسوس نہیں کریں گے، البتہ وہ جو یاور کے ساتھ کھیلتے کھیلتے مخالف ٹیم سے جا ملتا ہے، دراصل کھیل کے میدان سے ہی باہر ہو جانا اس کا مقسوم بن جاتا ہے۔ ایسی ہے یاور کی حکمتِ عملی ہے۔ وہ دوستوں کی مدد کرتا ہے ایسے کہ پتا نہ چلے اور اپنے ان پر محبت جذبوں کو طشت از بام نہیں کرتا۔

اس کی یادداشت مجھے حیران کر گئی۔ یونی ورسٹی کے دنوں کی بات ہے۔ نوجوانی تھی، طبیعت میں شوخی، شعرگوئی کا شوق۔ ظاہری محفلوں میں سنجیدہ شاعری ہوتی، مگر خفیہ بے تکلف مخصوص صحبتوں میں کچھ ایسے شعر سنائے اور دہرائے جاتے جو صفحۂ قرطاس پر نہیں آسکتے۔ ان میں سے کچھ رئیس احمد خاں کے ہوتے اور کچھ دوسرے بزرگوں کے۔ بنانے والے نے انسانی جسم بناتے وقت کوئی جھجک محسوس نہیں کی، کمہار نے برتن پورا بنایا، مگر ہم نے تہذیبی قدغن لگائی کہ یہ نام لو اور یہ نہ لو۔ چند ناموں سے بد تہذیبی کی طوالت اور برائی کی ابتدا ہوتی ہے۔ خیر، تہذیب کا معاملہ تو مجمع کا ہے مگر بے تکلف یاروں کی صحبت تو اکائی ہوتی ہے، سو میں نے بھی ایسے اشعار کہے جو اکائی کے دائرے کے علاوہ کہیں اور نہیں سنائے جا سکتے تھے۔ خلافِ تہذیب تخیل کی پرواز نے وہ چیز ان شعروں کو عطا کی جسے لطف اور مزہ کہتے ہیں۔ میں نے شعر سنائے، داد لی اور بات ختم ہوگئی۔ کوئی چالیس سال بعد یہ اشعار میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھے، یادداشت کی ڈائری کے کسی گوشے میں ان کا اندراج نہ تھا کہ ایک دن اچانک کسی ذکر پر یاور نے میرے وہ شعر سنائے۔ "کمال کر دیا، سید یاور مہدی! تم نے۔ میرے فرشتوں کو بھی یہ شعر یاد نہیں تھے"۔ اس کی عربوں جیسی یادداشت نے مجھے حیران کر دیا۔ ٹھیک بھی ہے "سید" جو ٹھہرا۔ وراثت کا کوئی نہ کوئی جزو تو نسلوں بعد بھی قائم رہتا ہے۔ ان شعروں کے ساتھ وقت کی دیوار توڑ کر اس پار ماضی میں میری آنکھوں نے کچھ مناظر دیکھے، کچھ خوب صورت چہرے ابھرے، کچھ معاملاتِ دلبری و دل نوازی یاد آئے، کچھ شوخ صحبتیں نظر پڑیں جن پر روز و شب کی ڈھیروں گرد نے بہت بڑا پردہ ڈال دیا تھا مگر اب وہ آئینے کی طرح روشن۔ انھیں کے حوالے سے وہ شعر کہے گئے تھے۔ یاور کے چہرے پر ایک خاص معصومانہ مسکراہٹ تھی جس میں محبت بھی تھی اور شرارت بھی۔

ریڈیو پر اس نے کیا جھنڈے گاڑے، آرٹس کونسل کو اس نے کتنے جتن سے

زندہ کر رکھا ہے۔ یہ باتیں ایک الگ تفصیل چاہتی ہیں۔ اس کی ہر دل عزیزی دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ وہ صرف میرا ہی نہیں، سب کا ہے اور یہ سوچ کر دل اداس ہو جاتا ہے۔ شاید اس لیے کہ ہم اب تک پرانی جاگیردارانہ اقدار سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکے جہاں ہر اچھی چیز کو ذاتی ملکیت میں رکھنے کو جی چاہتا ہے۔ میرا یار، میرا یاور، مگر کیا کیا جائے! اسے ریڈیو کے کام کرنے ہیں، آرٹس کونسل چلانی ہے، ڈرامے کروانے ہیں، مجالس منعقد کرانی ہیں، محفلیں جمانی ہیں، گھر کے مسائل سلجھانے ہیں، اعزا اور دوستوں کی مشکلات میں دستِ تعاون بڑھانا ہے، پھر بھلا صرف حسن عابد کے لیے سارا وقت کہاں! وہ خوب جانتا ہے کہ صاحبانِ حل و عقد سے کیونکر اور کب کوئی مسئلہ حل کروایا جا سکتا ہے جبھی تو ہجوم عاشقاں رہتا ہے۔ اس کی کامیابیاں دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ اسے کسی محاذ پر شکست دی جائے اور پھر اس کے سامنے قہقہہ لگا کر کہا جائے، "دیکھو میری جان! یوں بھی ہوتا ہے"۔ مگر اس کی محبت کا حصار کہاں اس کی اجازت دیتا ہے!

لکھنؤ کے دوستوں میں اگر یاور کو کسی نے کبھی "پریشاں خاطر" کیا ہے تو ذکی شیرازی نے۔ ذکی کی لن ترانیاں، یاور کا اعتبار اور پھر مشکلات.... مگر وہ یاور ہی نہیں جو بھنور کو کاٹ کر نہ نکل جائے، سو وہ صاف شفاف، دھلا دھلایا باہر.... مگر آج بھی اس مرحوم کا ذکر بڑی محبتوں سے کرتا ہے، بچھڑنے کا دکھ چہرے پر آئینہ ہو جاتا ہے، دوستوں کا حوالہ ہو اور گزرا وقت ہو تو کوفت کے لمحات بھی شیریں بن جاتے ہیں۔

پیدائش کے بعد زندگی کے اسٹیج پر انسان کے کئی کردار ہوتے ہیں: بیٹا، بھائی، شوہر، باپ اور دوست، ملک و وطن کا ایک شہری اور انسانی سماج کا ایک رکن۔ یاور نے یہ کردار اچھی طرح ادا کیے ہیں۔ عام طور سے وہ ذاتی مسائل اپنے تک ہی محدود رکھتا ہے، پھر بھی مجھے علم ہے کہ وہ اپنے بچوں کے مسائل میں گہری

دلچسپی لیتا ہے۔ میں نے ان حوالوں سے اسے ایک محبت کرنے والے باپ کی طرح پر تردد اور الجھا ہوا دیکھا ہے۔ دوستی اس کے یہاں ایک بورڑواقدر ہے۔ صحیح اور غلط کا کیا سوال! بس دوست کا مسئلہ ہے، حل ہونا چاہیے:

یاور مہدی کے بارے میں ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"سندھ، خصوصاً کراچی کے سیاسی، سماجی، ادبی اور ثقافتی افق پر ابھرنے والی نئی قیادت کو متعارف کرانے کا سہرا موصوف کے ہی سر ہے۔ شہر کی ادبی، ثقافتی سرگرمیوں کے روح و رواں، ریڈیو پاکستان کے ممتاز براڈکاسٹر.... آج کل ڈپٹی کنٹرولر کے عہدے پر فائز ہیں.... مصوری اور آرٹ کی بے شمار نمائشوں کے نگراں، اے۔ آر آفریدی آرٹ گیلری اور آڈیٹوریم کمیٹی کے پہلے چیئرمین، 'خبرنامہ' آرٹس کونسل کے پہلے مدیر، تمام نئے پروگراموں کے خالق، چلڈرن اور یوتھ کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے ناقابل فراموش پروگرام پیش کرنے والے، آرٹس کونسل کی گورننگ باڈی کے خازن، دانش وروں، ادیبوں، شاعروں کے ساتھ 'ایک شام' منعقد کرنے والے وغیرہ وغیرہ...."

جو شخص کراچی جیسے شہر میں یہ سب کچھ کر سکتا ہو، یہاں کی ثقافتی و ادبی فضا میں نئی نئی تھرتھراہٹیں پیدا کر سکتا ہو، اسے چاہتوں اور محبتوں کے ساتھ کچھ ناپسندیدگیاں بھی بھگتنی پڑتی ہیں، مگر وہ گراں ڈیل ہاتھی کی طرح اپنی راہ پر رواں ہے۔ ناپسندیدہ آوازیں نکالنے والے راہ کے کناروں پر کھڑے اپنی نغمہ سرائی کرتے رہتے ہیں۔

میں یاور مہدی سے جب بھی ملا ہوں، ہمیشہ مصروف کار ہی دیکھا ہے۔ وہ اپنی ذمے داریاں پوری توجہ اور بدرجۂ احسن پوری کرتا ہے۔ اپنے کام میں محنت اور

اپج اس کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ نئے نئے خیالات، نئی نئی باتیں سوچتا، ان پر عمل کرتا اور کراتا ہے۔ تخلیق کے معاملے میں وہ روایتی نہیں لگتا۔ دورانِ کار خواتین کے جھرمٹ میں ہو یا مرد حضرات کے ہالے میں، میں نے سب کی آنکھوں میں پیار اور احترام کے ساغر ہی چھلکتے دیکھے ہیں۔ وہ دل کا مریض ہے، کئی بار نازک موقعوں سے گزر چکا ہے لیکن اپنی بیماری کا دکھڑا نہیں روتا، بہت کم اور سرسری ذکر کرتا ہے۔ معلوم نہیں دل کی اس بیماری میں کسی آہو چشم کا بھی حصہ ہے یا نہیں۔ اس کا اقرار یا انکار یاور کی زبان سے تو ممکن نہیں، اس کے لیے آپ کو نظر شناس ہونا پڑے گا۔ ممکن ہے کہ بہت زیادہ کام اور اس کے سبب تناؤ کی کیفیت بھی اس کی ذمے دار ہو میرا ایک شعر ہے:

اب دل کے ارادے ہی خطرناک ہوئے ہیں
ہم نے اسے اک عمر ستایا بھی بہت ہے

سو اسباب کوئی بھی ہوں، لیکن یاور نے اپنے دل کو ستایا بھی بہت زیادہ ہے۔

یاور مہدی کی شخصیت کے تہذیبی حسن کی ایک اپنی گرفت ہے۔ اب اگر کوئی اس کی حراست میں آجائے تو مجبوری کے علاوہ اسے کیا نام دیا جا سکتا ہے:

اس کی زلفیں ہیں عجب سحر قفس کیفیت
دیکھنے والا گرفتار سا ہو جاتا ہے

اس جہان میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو شاہراہ پر نہیں چلتے، فٹ پاتھ پر آہستہ خرام رہتے ہیں، زندگی کی بھیڑ بھاڑ، دھکم پیل سے ان کا واسطہ نہیں پڑتا۔ خود کچھ کرتے نہیں، اس لیے انسانی نفسیات و معاملات کی پیچیدگیوں سے آشنائی بھی نہیں ہوتی، سیدھے سادے نیک بندے کہلاتے ہیں۔ دراصل نیکی ان کا انتخاب نہیں، مجبوری ہوتی ہے۔ زندگی تو ایک بازار کی طرح ہے، اس کے اتار چڑھاؤ اور بھید بھاؤ جاننے کے لیے اس میں بھرپور عملی شمولیت اور حصے داری کرنی پڑتی ہے۔

اب ایسے لوگ اگر اچھا کریں گے تو ساتھ ساتھ کچھ غلطیاں بھی سرزد ہوں گی۔ یاور مہدی نے بھی غلطیاں کی ہوں گی کہ وہ پاراہ پر نہیں، شاہراہ پر چلتا ہے۔ اب اس کا حشر و نشر اچھے لوگوں میں کیا جائے کہ برے لوگوں میں، اس کے لیے ہمیں چینیوں نے ایک پیمانہ بتایا ہے اور آپ جانیں چین ہمارے لیے "خزانۂ علم" ہے کہ حصول علم کے لیے مذہبی طور پر بھی وہاں جانے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ حدیث ہے:

اطلب العلم لو کان بالصین

روس میں اسٹالن (stalin) کو کنڈم کیا گیا۔ چینیوں نے روسیوں کے تجزیے سے اختلاف کرتے ہوئے اس مسئلے پر بحثیں کیں۔ انھوں نے کہا کہ کسی انسان کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت اس کا پورا عمل پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اگر کسی نے کارہائے نمایاں ۷۰ فی صد ہیں اور غلطیاں ۳۰ فی صد تو اس کا شمار اچھے انسانوں میں ہو گا۔ اب یاور مہدی بھی حلقۂ قدسیاں میں سے تو نہیں کہ بھول چوک کا امکان ہی نہ ہو بندہ بشر ہے۔ شکایت کرنے والے صحیح بھی ہو سکتے ہیں، پر انصاف کا ترازو دیکھیے۔ پلڑا تو وہی بھاری ہے جس کے بعد وہ پل صراط پر سے بآسانی گزر جائے گا۔

ان دنوں یاور سے ہماری ملاقات بہت زیادہ نہیں ہوتی۔ کچھ وہ بھولا رہتا ہے، کچھ بیوی کی شدید علالت اور مصروفیات کی وجہ سے میں بھولا رہتا ہوں، مگر جب ملتے ہیں تو فلم "شعلے" کے ایک مکالے "بہت یارانہ لگتا ہے" والی کیفیت ہوتی ہے:

اسی انداز پر قائم ہے اب تک دوستی اپنی
کبھی وہ بھول جاتا ہے، کبھی ہم بھول جاتے ہیں

میں ریٹائر ہو چکا ہوں اور یاور ریٹائر ہونے والا ہے۔ میں ایک دور ختم کر چکا، وہ ایک دور ختم کرنے والا ہے۔ معلوم نہیں کہ آنے والا دور اس کے لیے کیسا ہو گا، مگر ایک بات ضرور ہے کہ اگر وہ کراچی سے کہیں باہر چلا گیا تو یہاں کی ثقافتی اور ادبی رونقوں میں "کچھ کمی" ضرور آجائے گی اور یہ "کچھ کمی" "بڑی کمی" ہو گی۔

یاور پر میرے یہ خیالات بے ترتیب سے ہیں، پر یقین ہے کہ پڑھنے والے انھیں خود ترتیب دے لیں گے۔ میں تو سوچتا گیا اور لکھتا گیا۔

اب یاور مہدی سے براہ راست:

جانِ من ، یار ہو تم ، زیست کا اک حصہ ہو
جو مرے دل پہ لکھا ہے ، وہ حسیں قصہ ہو

یاور مہدی .... ہمہ جہت شخصیت

محسن بھوپالی

یاور مہدی کی شخصیت اور ان خدمات کے بارے میں لکھنے سے پہلے میں یہ بتاتا چلوں کہ جب مجھے کسی ایسی شخصیت کے بارے میں لکھنا پڑا ہے جسے میں بالکل نہیں جانتا یا بہت زیادہ جانتا ہوں تو میں ہمیشہ تذبذب اور گو مگو کے عالم سے گزرا ہوں، لیکن یاور مہدی صاحب کے بارے میں لکھتے ہوئے میں کسی ایسی کیفیت سے دوچار نہیں ہوں۔

یاور مہدی صاحب ریڈیو پاکستان (موجودہ براڈکاسٹنگ کارپوریشن) کے ایک منجھے ہوئے براڈکاسٹر، زیرک پروڈیوسر اور لائق افسر ہیں۔ پچھلے تیس، پینتیس برسوں میں ان سے گاہے گاہے ملاقاتیں رہی ہیں، لیکن انھیں قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع مجھے ۱۹۹۵ء میں ملا جب وہ اور میں آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی کی گورننگ باڈی کے رکن منتخب ہوئے۔ وہ پہلے ہی رکن منتخب ہو چکے تھے لیکن یہ میرا پہلا موقع تھا۔ اس ثقافتی اور ادبی ادارے میں انھوں نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نئی روح پھونک دی۔ انھوں نے ایسے بنیادی اور دور رس

امور انجام دیے جن سے اس ادارے کو وقار اور افتخار حاصل ہوا۔ یاور صاحب کو اس ادارے میں مرکزی حیثیت حاصل ہے جو بلاشبہ ان کی ان تھک محنت، بے لوث خدمت اور وسیع تعلقات کا صلہ ہے۔

یاور صاحب سے ریڈیو پاکستان کے پروگراموں کے سلسلے میں چند ایک بار ہی ملنا ہوا، لیکن "غیر نصابی سرگرمیوں" کے مصداق "غیر ریڈیائی سرگرمیوں" کے سلسلے میں ان سے اس تمام عرصے میں اکثر و بیشتر ملاقاتیں رہیں جو "یاور بھائی" کہنے کا جواز بھی بنیں اور دوستی کی بنیاد بھی۔ یاور بھائی نے مختلف اداروں کو اپنی اہلیت اور لیاقت سے بہرہ یاب تو کیا ہی لیکن ریڈیو پاکستان کے ایک مخصوص دہ سالہ دور (۷۳-۶۳ء) میں "بزم طلبا" کے پروڈیوسر کی حیثیت سے جو گراں بہا خدمات انجام دی ہیں، وہ نہ صرف ریڈیو پاکستان کی تاریخ بلکہ کراچی کی سماجی، ثقافتی اور ادبی تاریخ میں جلی حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ انھوں نے اس پروگرام کو سرکاری ڈیوٹی سمجھ کر نہیں بلکہ ایک مشن کے طور پر لیا اور اس پروگرام کے تحت تقریری مقابلوں، مباحثوں، مشاعروں، بیت بازی کے مقابلوں اور اس نوعیت کے دیگر پروگراموں کے ذریعے ذہین اور لائق طلبا و طالبات کی ایسی مختلف ٹیمیں تیار کیں جنھوں نے عملی زندگی میں اپنے اپنے شوق اور شعبے میں نہ صرف پاکستان گیر بلکہ بین الاقوامی شہرت حاصل کی جن میں چند ایک نام یہ ہیں: اداکار ندیم، منور سعید، دوست محمد فیضی، شاہد عزیز صدیقی، اسد اشرف ملک، محسن علی، اقبال حیدر، فہمیدہ نسرین، تاجدار عادل، ایوب خاور، خوش بخت شجاعت، پروین شاکر، جاذب قریشی، نصیر ترابی، اشرف شاد، ولی رضوی، شہزاد رضا، اقبال لطیف وغیرہ۔ ان شخصیات کی تشکیل میں دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ "بزم طلبا" کے ذریعے ملنے والی ابتدائی شہرت اور تربیت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

یاور بھائی میں سادگی اور انکسار کے علاوہ جو سب سے بڑی صفت میں نے

دیکھی ہے، وہ یہ ہے کہ مشاعروں یا ادبی محفلوں کا انعقاد ہو یا ثقافتی پروگراموں کی تشکیل و پیش کش، ہمیشہ متعلقہ افراد اور اداروں سے کھلے دل سے تعاون کرنا اور ایسے پروگراموں کی کامیابی پر ایسی خوشی اور طمانیت کا اظہار کرنا جیسے یہ ان کی اپنی محفل یا پروگرام ہے۔ میرے نزدیک یہ کوئی معمولی نہیں بلکہ غیر معمولی شخصیت کا ہی کردار ہو سکتا ہے۔

خدا یاور بھائی کو تادیر سلامت رکھے اور وہ اسی طرح اپنی عنایتوں اور محبتوں کے فیضان سے ہم سب کو بہرہ مند کرتے رہیں۔ آمین!

صدقۂ جاریہ اور خدمات کا نیا ماڈل

شبنم رومانی

۱۹۵۰ء میں شاہ جہاں پور سے ہجرت کر کے ہم کراچی پہنچے تھے اور پہنچتے ہی یہاں کی ادبی سرگرمیوں میں شامل ہو گئے تھے۔ وہ ذوالفقار علی بخاری کا زمانہ تھا، مگر ("اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے" کے مصداق) بخاری صاحب سے پہلی ملاقات ہی میں اختلاف ہو گیا۔ سراج الدین ظفر ہمارے بہت عزیز دوست تھے اور بخاری صاحب سے ان کی بنتی نہ تھی۔ ایک شام برنس روڈ پر "ارکان فرنیشرز" والوں کے رہائشی فلیٹ میں مشاعرہ ہوتے ہوتے مجادلہ ہو گیا۔ بخاری صاحب اس شعری محفل کے صدر تھے۔ ان کے ایک معتقد اور فٹ بال کے نامور کھلاڑی رشید تبسم اور سراج الدین ظفر میں لپاڈکی تک ہو گئی۔ اس مرحلے پر ہم نے اور جمیل بدایونی سمیت بعض دوسرے دوستوں نے بھی ظفر کی حمایت میں مشاعرے سے واک آوٹ کیا اور یوں ریڈیو کا دروازہ ہم پر کھلتے کھلتے اچانک بند ہو گیا۔ اصول اور انا کا معاملہ تھا، سو ہم نے بھی پندرہ سال تک اپنے طور پر ریڈیو کو بلیک لسٹ کیے رکھا اور اس

کا نام لینا بھی پسند نہیں کیا۔ بقول یگانہ: "تم بھی استاد، ہم بھی ایک استاد"۔ ہم ڈرنے یا دبنے والے کب تھے! جو کبھی لڑتے تھے اور اکثر کو پچھاڑ دیتے تھے، مگر یہ لڑائی ہم نے ہمیشہ اکیلے ہی لڑی اور اللہ نے ہمیشہ لاج رکھی۔ خدا خدا کر کے یہ کفر ۱۹۶۵ء کی پاک، بھارت جنگ کے دوران ٹوٹا۔ ان دنوں ہماری ایک نظم "ضربِ قلم" بہت پسند کی جارہی تھی، سو ریڈیو والوں نے اپنے پروگرام "ضربِ کلیم" کا عنوان بدل کر "ضربِ قلم" رکھ دیا اور اس نظم کا یہ شعر سلوگن کی طرح پڑھا جانے لگا:

ہر ایک دل میں نیا مورچہ تلاش کرو
قلم کی ضرب سے دشمن کو پاش پاش کرو

اس وقت ہمارے لیے یہ ایک طرح کا اعزاز تھا۔ اسی کے ساتھ ہی ہماری "جلاوطنی" ختم ہوئی۔ جمیل زبیری صاحب نے، جن کو ہم اس وقت تک بالکل نہیں جانتے تھے، ہم کو شمس زبیری صاحب کی معرفت بلوا کر نہ صرف contracted poet بنوایا بلکہ "ضربِ قلم" (کلام شاعر بزبانِ شاعر) کا contracted producer بھی بنا دیا۔ ان دنوں ریڈیو میں بڑی رونق تھی۔ سلیم احمد، احمد ہمدانی اور قمر جمیل کی ہنگامہ خیز اور متضاد طبیعتوں اور متحارب ادبی عقیدوں کے سبب ان کے کمروں میں بڑی دھماچوکڑی مچی رہتی تھی۔ صرف تین حضرات ایسے تھے جو پروفیشنلزم کے ساتھ خدمات انجام دے رہے تھے: ایک جمیل زبیری (پروگرام مینجر)، دوسرے انعام صدیقی (پروگرام پروڈیوسر) اور تیسرے یاور مہدی جو ان دنوں نئی نسل کے معروف پروگرام "بزمِ طلبا" کو ذہانت، متانت اور ذمے داری کے ساتھ چلا رہے تھے اور مختلف ادوار (phases) میں talent hunting اور talent combing کا مشکل فریضہ انجام دے رہے تھے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ ان کی اس lab میں تربیت پانے والے کیسے کیسے خوب صورت ذہن آگے چل کر سرمایۂ شعروادب ہوئے۔

ہم نے اکثر سوچا ہے کہ یاور مہدی کی شخصیت کا نمایاں وصف کیا ہے۔ پھر دوسرے ہی لمحے خیال آیا ہے کہ مونالیزا کا تبسم زیرِ لب کتنا ہی بیش قیمت ہی، مگر یاور مہدی کی مسکراہٹ تو "انمول" ہے۔ اس زرد، بیمار اور پیوست زدہ معاشرے میں یہ مسکراہٹ "ہارٹ ٹانک" سے کم نہیں۔ افسوس! کہ ہمیں یاور کو زیادہ قریب سے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، مگر غور کیجیے تو یہ بھی اچھا ہے، کیونکہ زیادہ قربت بھی چہروں کو دھندلا دیتی ہے:

کبھی کبھی تو میں پہچان بھی نہیں پاتا
قریب آؤ، مگر اس قدر قریب نہ آؤ

ایسی قربت، ایسی دوری کے باوجود وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یاور ایک نہایت رفیق، شفیق اور باصلاحیت انسان ہیں۔ شاعر و ادیب ہونا بڑی بات ہی، مگر اچھا انسان ہونا بنیادی اہمیت کی بات ہے۔ ہمارے بعض مقبول شاعر عملاً نہایت پست کردار ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری اور اپنی شہرت کو بھی عیاشی کا ذریعہ بنا رکھا ہے، یہاں تک کہ وہ نعتیہ مشاعروں میں بھی پی پلا کر شریک ہوتے ہیں۔ یہاں سب سے زیادہ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ یاور مہدی نے اپنی زندگی میں توازن اور معروضیت کو قائم رکھا ہے۔ وہ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور اپنے دائیں بائیں ہونے والی کسی سازش میں شریک نہیں ہوتے۔

ہمارے علم و اطلاع کی حد تک آرٹس کونسل کی مشاقگی اور توسیع کے لیے جو نتیجہ خیز کوششیں انھوں نے کی ہیں، وہ "مثالی" ہیں۔ ان کی بڑائی اس حقیقت سے بھی آشکارا ہے کہ جب وہ معمولی پروگرام پروڈیوسر تھے، تب بھی اور آج بھی جب وہ ڈپٹی کنٹرولر ہیں، ان کے ہاں احساس کی گرمی اور مسکراہٹ کی نرمی میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا ہے۔ سچ پوچھو تو اس بے برکت معاشرے میں یاور مہدی کی شخصیت صدقۂ جاریہ اور خدمات کا ایک بالکل نیا ماڈل ہے۔

دنیائے فن و ثقافت کا قطب

پروفیسر منظر ایوبی

یاور مہدی ہمہ گیر شخصیت کے حامل ہیں ۔ ان پر اظہار خیال کرتے وقت اختصار کو پیش نظر رکھنا بہت مشکل ہے خاص طور پر میرے لیے ۔ میری اور ان کی دوستی (شناسائی نہیں) کی مدت گزشتہ چار دہائیوں پر محیط ہے ۔ اس طویل دورانیے میں ہم ، معاشرہ اور وطن عزیز جن سیاسی ، معاشی اور معاشرتی تغیرات سے ہم کنار ہوئے ، ان سے نئی اور پرانی نسلیں بخوبی آگاہ ہیں ۔ افراد کی شخصیت سازی میں ان خارجی محرکات نے جو کردار ادا کیا ہے ، اس سے بھی ہم سب کما حقہٗ واقف ہیں ۔ پھر یاور مہدی تو تمام عمر ملک کے ایک ایسے پاورفل میڈیا سے وابستہ رہے جہاں تعلقاتِ عامہ کی گہما گہمی میں سر پر دستارِ فضیلت کا قائم رہنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے ، لیکن نہ تو فرائضِ منصبی کی ادائی میں شعبہ جاتی احتیاطوں کے باوجود ریڈیو جیسے ادارے میں یاور مہدی کی کارکردگی کبھی متاثر ہوئی اور نہ خلق خدا سے ان کے جذبۂ اخوت کی لَو کبھی مدھم ہوئی ۔ اس لحاظ سے یاور مہدی خوش قسمت ہیں کہ اس منافق معاشرے میں اپنی ملازمت کی مقررہ مدت بطریقِ احسن مکمل کرکے ریٹائر ہوگئے ۔ ایسی سبک دوشی اللہ تعالیٰ سب کو عطا فرمائے کہ ہاتھوں پہ کوئی نشان اور نہ دامن پہ کوئی داغ ، جبکہ اس نوع کے اداروں سے وابستہ فرشتہ خصال افراد تک مشکل ہی سے سرخ رو ہوکر سرحدِ ملازمت کو عبور کرتے ہیں ۔

یاور مہدی کی پوری زندگی میرے نزدیک کھلی کتاب کی مانند ہے ، کوئی باب پراسراریت کا مظہر نہیں ۔ میں اگر ان کی تہ دار شخصیت کے صرف چند پہلو ہی اجاگر کرنے کی سعی کروں تو بلا مبالغہ ایک کتاب کا مواد جمع ہوسکتا ہے ، یاور مہدی کی

مسیں بھیگتے وقت تعلق خاطر کا جو آغاز ہوا تھا، اس کا سلسلہ آج بھی ان کے سفید ریش ہونے تک اسی طرح قائم ہے۔اس طویل مدت میں میری زندگی میں مختلف نشیب و فراز آئے، بر سہا برس بسلسلۂ ملازمت دوران سندھ قیام رہا، مگر یاور مہدی کی محبت اور خلوص بے پایاں میں ذرہ برابر کمی نہیں آئی۔ان کی شخصیت کا یہ روشن پہلو نام نہاد دوستی کا دم بھرنے والوں کے لیے باعثِ درس ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یاور مہدی بہت بالغ نظر، کشادہ دل، صاف ذہن اور مقناطیسی کیفیات کے حامل ہیں۔ان کے قول و فعل میں نہ تضاد ہے، نہ تصنع۔ ان کا ظاہر اور باطن یکساں ہے۔ریڈیو کے لیے مختلف موضوعات پر اسکرپٹ لکھنے کی وجہ سے بھی مجھے یاور کی سیرت و کردار کا بہت قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا جس کی بنیاد پر میں یہ بات نہایت وثوق کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ یاور مہدی ہر نوع کی سیاست اور ہر قسم کی بد باطنی سے مبرا ہے.... دوستیاں نباہنے والا، چاہتوں کا قدرداں اور رفیقوں کا بہی خواہ۔فی زمانہ اس ذہنیت کے لوگوں کا فقدان ہے۔

زندگی میں بہت کم لوگ نظر سے گزرے ہیں جن کا مطمحِ نظر دوسروں کے لیے زندہ رہنا اور بلا امتیاز عقیدہ و مسلک لوگوں کو مسرت و انبساط سے ہم کنار کرنا ہو بلاشبہ یاور مہدی ان میں سے ایک ہیں۔انھوں نے دوران ملازمت اپنے پیشے کے ساتھ بھی انصاف کیا اور یاروں سے رواداریاں بھی نبھائیں۔

اللہ تعالیٰ نے یاور مہدی کو مردم شناسی کی ایسی صلاحیت عطا کی ہے کہ وہ ایک نظر میں جوہر قابل کو پہچان لیتے ہیں۔انھوں نے اس عطیہ الٰہی سے اپنے فرائض کی ادائی میں بدرجۂ اتم کام لیا۔آج دنیائے ادب و فن اور ثقافت میں جو بے شمار قد آور شخصیتیں اپنے فکر و فن کا لوہا منواتی اور شہرت کے بلند ترین درجات پر فائز نظر آرہی ہیں، ان میں سے بیشتر کی تربیت یاور مہدی کی مرہون منت ہے۔عہد موجود کے کتنے ہی ممتاز، معروف اور مشہور قلم کاروں، شاعروں، شاعرات، عالموں، فاضلوں

اور دانش وروں کے تعارف اور پروجیکشن کا سہرا یاور مہدی کے سر ہے ، لیکن قربان جائیے اس صاحبِ ظرف اور بے غرض بندۂ خدا پر کہ جس کو اپنے احسان مندوں کا اظہارِ ممنونیت بھی گوارا نہیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اگر یاور مہدی نے مغربی دنیا میں جنم لیا ہوتا اور اس طور پر زندگی گزاری ہوتی تو وہاں کے معاشروں نے انھیں آج دنیائے ادب و فن اور ثقافت کا قطب یا ابدال ضرور قرار دے دیا ہوتا، جبکہ ہمارے یہاں قحطِ بے مروتی اور بے حسی کا یہ عالم ہے کہ کئی نسلوں کی تربیت اور شخصیت سازی کے باوجود نہ حکومتی سطح پر اور نہ کسی اہم نجی ادارے کی طرف سے یاور مہدی کی خدماتِ جلیلہ اور کارہائے نمایاں کا کبھی اعتراف کیا گیا اور نہ کبھی کسی ایوارڈ کا مستحق سمجھا گیا۔ یہ ہمارے عہدِ موجود کا عبرت ناک المیہ نہیں تو کیا ہے؟

قابلِ داد ہیں وہ افراد جن کو یاور مہدی کی پذیرائی اور ان کی علمی، ادبی اور ثقافتی خدمات کے اعتراف کا خیال آیا۔ "اہالیانِ کراچی جشن کمیٹی" اور اس کے کنوینر (روح و رواں) جناب اویس ادیب انصاری بھی قابلِ صد تحسین ہیں کہ انھوں نے یاور مہدی کی اپنے عہدے سے سبک دوشی پر جشن کی تقریب منعقد کرنے اور موقع کی مناسبت سے خصوصی بروشر کی طباعت و اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔

میں دل کی گہرائیوں سے جشن کے دولہا حضرتِ یاور مہدی اور منتظمینِ تقریب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں:

گر قبول افتد ، زہے عز و شرف!

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پیارے یاور مہدی کو عمرِ دراز عطا فرمائے اور ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین!

جناب یاور مہدی .... ریڈیو پاکستان کی پہچان

کیف بنارسی

اگر تہذیب و متانت، ادب و شائستگی، خلوص و محبت اور عزم و ہمت کو مجسم دیکھنا ہو تو یاور مہدی کو دیکھ لیجیے۔ انھوں نے ریڈیو پاکستان میں ملازمت نہیں بلکہ عبادت کی ہے۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ پاکستان کے کس ادارے نے وطن پاک کی سب سے زیادہ خدمت کی ہے تو میں بلا خوف تردید ریڈیو پاکستان کا نام لوں گا۔ یہ واحد ادارہ ہے جس نے ۱۴ اگست، ۱۹۴۷ء کو بارہ بج کر ایک منٹ پر عالم اسلام کو یہ خوش خبری سنائی کہ "یہ ریڈیو پاکستان ہے! پاکستان وجود میں آچکا ہے۔ پاکستان مبارک ہو!"

پاکستان کے پچاس سالوں میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرا جب یہ پاکستان سے جدا ہوا ہو۔ دکھ ہو یا سکھ، امن ہو یا جنگ، سیلاب ہو یا طوفان، آندھی ہو یا زلزلہ، ریڈیو پاکستان نے قوم کے شانہ بشانہ عزم و ہمت کی داستانیں رقم کی ہیں۔ یہ کہنا بجا ہے کہ ۱۹۶۵ء کی آدھی جنگ تو ریڈیو پاکستان نے لڑی تھی۔

جن لائق احترام شخصیتوں نے ریڈیو پاکستان کو ریڈیو پاکستان بنایا، ان میں زیڈ۔ اے۔ بخاری سے لے کر یاور مہدی تک ایک طویل فہرست ہے، اور یہ سب لوگ پوری قوم کی جانب سے سلام و شکریہ کے مستحق ہیں۔

یاور مہدی نے جدت کے ساتھ نئے نئے پروگرام روشناس کرائے، ادب کے حوالے سے یادگار پروگرام پیش کیے۔ "بزم طلبا" کا آغاز کیا، علمائے کرام، سیاست

داں، سائنس داں، اساتذہ، طلبا، شعرا اور بہترین مقررین کی بڑی تعداد ایسی ہے جنھیں یاور مہدی نے پہلی بار ریڈیو کے مختلف پروگراموں میں پیش کیا اور یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔

انھیں گفتگو کرنے کا سلیقہ آتا ہے۔ وہ اپنی بات منوانے کا ہنر جانتے ہیں۔ وہ حفظِ مراتب کا بے حد لحاظ رکھتے ہیں۔ انھیں پاکستان سے بے پناہ عشق ہے۔ انھوں نے پاکستان اور قائداعظم کے حوالے سے جو پروگرام نشر کیے، وہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

گزشتہ سال جب زیڈ۔ اے۔ بخاری میموریل ایوارڈ پیش کرنے کا اعلان ہوا تو نگاہِ انتخاب یاور مہدی پر پڑی۔ انھیں کراچی کی ایک شان دار تقریب میں جس والہانہ انداز میں ایوارڈ سے نوازا گیا، وہ مدتوں یاد رہے گا۔

یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ انسان جس ادارے میں کام کرے، اس کی پہچان بن جائے۔ یاور مہدی کے لیے اس سے بڑا اعزاز کیا ہوگا کہ وہ ریڈیو پاکستان کی جیتی جاگتی تصویر بن گئے ہیں:

یہ اس کی دین ہے، جسے پروردگار دے

یاور مہدی ... ایک تاثر

ڈاکٹر شکیل نوازش رضا

موجودہ دور میں ریڈیو سے لوگوں کو دلچسپی نہیں رہی ہے کیونکہ یہ ٹیلی وژن کا زمانہ ہے، مگر ہم جیسے پرانے لوگ اب بھی ریڈیو سے دلچسپی رکھتے ہیں اور ریڈیو سنتے ہیں۔ ریڈیو سے دلچسپی رکھنے والا ہر فرد یاور مہدی کو بھی ضرور جانتا ہے اس لیے یاور مہدی کا میں بھی شناسا ہوں۔

میں شاعر نہیں ہوں ۔ کم از کم کراچی میں "بزمِ طلبا" سے بھی میرا کبھی تعلق نہیں رہا ہے، آرٹس کونسل سے بھی میں بہت دور ہوں لیکن ریڈیو سے مجھے دلچسپی ہے اس لیے میں یاور مہدی سے بہت اچھی طرح واقف ہوں ۔ ان کے متعلق میرے پاس بہت سی معلومات ہیں ۔ اس مختصر سی تاثراتی تحریر میں یاور مہدی کے متعلق بہت سی باتوں پر اظہار خیال تو نہیں کیا جا سکتا، لیکن مختصراً یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس خود غرض دور کے انسان نہیں ہیں ۔ انھیں سو سال پہلے پیدا ہونا چاہیے تھا جب خلوص ، محبت ، رفاقت ، ہمدردی اور دوسروں کے کام آنا انسان کی خوبیاں شمار کیا جاتا تھا اور ایسے لوگوں کی قدر دانی ہر جگہ ہوتی تھی ۔ آج کے پر آشوب زمانے میں یاور مہدی جیسے لوگوں کو تو لوگ طنزیہ مسکراہٹ سے دیکھتے ہیں ۔

جو لوگ یاور مہدی سے مل چکے ہیں ، وہ جانتے ہیں کہ وہ "یاروں کے یار" ہیں ۔ دوسروں کے کام آنا ان کی عادتِ ثانوی ہے ۔ "شرافت" ان کی گھٹی میں ہے ۔ دوسروں سے ہمدردی ان کی خوبی ہے ۔

یاور مہدی ایک ایسی شخصیت ہیں جن سے ہر عمر کے افراد پر خلوص محبت کرتے ہیں ، کیونکہ وہ خود سراپا خلوص و محبت ہیں ۔ بزرگ شعرا و ادیب ، طلبا و طالبات ، ان کے معاونین ، ان کے بزرگ و خرد ، ان کے ساتھی اور مددگار ، ان کے افسران .... غرض ہر شخص ان کا مداح ہے ، ان کے گن گاتا ہوا نظر آتا ہے ۔ یقینی طور پر ان کی شخصیت ایسی سحر انگیز ہے کہ ان کی شخصیت کا جادو ہر شخص پر چل جاتا ہے ۔ بس آخر میں اس شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ میرے نے جو شعر تخلیق کیا تھا ، وہ یاور مہدی پر صادق آتا ہے:

مت سہل ہمیں جانو ، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

یاور مہدی ....ایک ہردل عزیز شخصیت

حمید کاشمیری

طلبا و طلبات کے لیے جتنا کام یاور مہدی صاحب نے کیا ہے، میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اتنا کام پورے ریڈیو پاکستان میں کسی نے بھی نہیں کیا ہوگا۔ یاور صاحب کے لائے ہوئے فن کار و گلوکار آج بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں یاور مہدی صاحب کی شخصیت ریڈیو میں ایک قدآور شخصیت کے طور پر پہچانی جاتی ہے وہ ذاتی زندگی میں بہت شریف النفس انسان ہیں، کیونکہ میں ایک طویل عرصے سے انھیں جانتا ہوں۔ بڑے ہنس مکھ اور ملنسار آدمی ہیں، دوستوں کے دوست اور دشمن کو بھی دعا دینے والے۔

میں نے سنا ہے کہ وہ ریڈیو سے رخصت ہونے والے ہیں۔ یقیناً ریڈیو ان کے بغیر اداس ہو جائے گا، کیونکہ ریڈیو میں وہ ہردل عزیز شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کی ہردل عزیزی کا یہ عالم ہے کہ چپراسی سے ڈائرکٹر جنرل تک سب انھیں عزیز رکھتے ہیں، یہی بڑے انسان کی پہچان ہے۔

یاور مہدی کا جشنِ اعتراف

خواجہ رضی حیدر

ستمبر، ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میرے اور سید یاور مہدی کے مراسم کا نقطۂ آغاز ہے۔ میں اس وقت ناظم آباد، کراچی کے ایک کالج "جناح کالج" میں بی۔اے سال اول کا طالب علم تھا اور سید یاور مہدی ریڈیو پاکستان، کراچی کے

مشہور زمانہ پروگرام "بزم طلبا" کے پروڈیوسر انچارج تھے۔ اسی پروگرام کے لیے طالب علموں کی اجتماعی آواز میں قومی نغموں کی ریکارڈنگ کرنے سید یاور مہدی جناح کالج آئے ہوئے تھے کہ میرے ایک مرحوم استاد پروفیسر اطہر صدیقی نے مجھے سید یاور مہدی سے متعارف کراتے ہوئے کہا، "یاور! رضی حیدر کو بھی بزم طلبا کے پروگراموں میں شریک کیا کرو، ان کو شعر و ادب سے دلچسپی ہے"۔ سید یاور مہدی نے ایک نگاہ مجھ پر ڈالی اور پھر نہایت اپنائیت کے ساتھ کہنے لگے، "کسی دن بھی کالج کے بعد ریڈیو آجاؤ۔ میں تو ٹیلنٹ کی تلاش میں رہتا ہوں"۔ بس پھر کیا تھا! میری مصروفیات کا ایک گھر اور کھل گیا۔ صبح کالج، دوپہر ریڈیو اسٹیشن، شام کو الحسن کافی ہاؤس جو ناظم آباد میں ہی واقع تھا اور جہاں میں اپنے ہم مذاق دوستوں نصیر ترابی، نیر سوز، احمد عمر ندیم، میاں عبدالروف، یونس شرر، عدیل لاری، خلیق علوی اور افتخار عارف کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا۔ اب سید یاور مہدی، جو میرے لیے "یاور بھائی" ہو گئے تھے، نے مجھے نہ صرف "بزم طلبا" کے پروگراموں میں شرکت کا موقع دیا بلکہ بعد میں "ہوم سروس" اور "عالمی سروس" میں بھی فیچر رائٹر اور مقرر کی حیثیت سے متعارف کرایا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

یاور بھائی نے "بزم طلبا" کو موضوعاتی تنوع کے اعتبار سے اتنا متوازن بنادیا تھا کہ اس پروگرام کو طلبا ہی نہیں، اہل علم بھی بڑے شوق سے سنا کرتے تھے۔ پروگراموں کے معیار و تنوع سے ہٹ کر اس پروگرام کی ایک بڑی افادیت یہ بھی تھی کہ براڈکاسٹنگ کے مختلف شعبوں سے دلچسپی رکھنے والے طلبا کی ایک کثیر تعداد ریڈیو اسٹیشن آتی، ریڈیو سے وابستہ سینئر ترین افراد کی صحبت میں بیٹھ کر ان سے استفادہ کرتی تھی۔ صداکاری کے شوقین طلبا امیر خان، صفیہ معینی، ایس۔ ایم سلیم اور محمد یوسف کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں.... شعر و ادب کے دل دادہ! سلیم احمد، تابش دہلوی، قمر جمیل کے ساتھ مصروف گفتگو ہیں.... موسیقی سے دلچسپی

رکھنے والے رفیق غزنوی ، استاد امراؤ بندو خان ، نہال عبداللہ اور ایم ۔ قلیم کے ساتھ گلا اور باجا ملا رہے ہیں .... گویا " بزم طلبا " ایک تربیت گاہ تھی جہاں سے فنون لطیفہ سے دلچسپی رکھنے والے طلبا کی ایک بڑی تعداد تربیت پاکر شعر و ادب ، صداکاری ، ساز و آواز اور قرطاس و قلم کے شعبوں میں ممتاز و منفرد قرار پائی ۔ آج اگر ریڈیو اور ٹیلی وژن سے وابستہ افراد پر نگاہ ڈالی جائے تو ایک بڑی تعداد انھی افراد کی ہے جن کی صلاحیتوں کی دریافت و تعارف میں یاور بھائی بنیادی آدمی کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ شاعروں میں نصیر ترابی ، پیرزادہ قاسم ، نیر سوز ، ثروت حسین ، سعدیہ روشن ، تاجدار عادل ، ضیغم زیدی ، نقاش کاظمی ، سرور جاوید ، یونس شرر ، پروین شاکر ، شاہدہ حسن ، فاطمہ حسن ، عذرا عباس وغیرہ شامل ہیں .... صداکاروں میں طلعت اقبال ، غلام محی الدین ، جمشید انصاری ، معین اختر ، زینت یاسمین ، ذہین طاہرہ ، قاسم جلالی ، بہروز سبزواری وغیرہ .... موسیقاروں اور گلوکاروں میں امیر احمد خان ، افراہیم ، سلیم شہزاد ، نگہت سیما ، مہناز ، ام حبیبہ وغیرہ شامل ہیں .... صحافیوں ، ادیبوں میں رسول احمد کلیمی ، شجاعت علی قرنی ، حسن عسکری فاطمی ، ولی احمد رضوی ، شاہد حسین بخاری ، شریف کمال عثمانی ، غازی صلاح الدین وغیرہ .... ماہرین تعلیم میں پروفیسر مکرم علی خان شیروانی ، ڈاکٹر نیر عزیز مسعودی ، جوہر حسین ، پروفیسر نسیم احمد عثمانی ، پروفیسر انیس زیدی ، پروفیسر رئیس احمد ، پروفیسر فائزہ صدیقی وغیرہ شامل ہیں .... سول سرونٹس اور سیاست دانوں میں مظفر علی شاہ ، ظہور الحسن بھوپالی ، جاوید جبار ، ضیا عباس ، شمس الدین خالد ، شفیق پراچہ ، شاہد عزیز صدیقی ، حسین حقانی ، حسن فیروز ، رشید رضوی ، بصیر نوید ، کرامت علی وغیرہ معروف ہوئے ۔ گویا آج ہر شعبہ زندگی میں وہ لوگ نمائندہ حیثیت میں موجود ہیں جو کل یاور بھائی کی تربیت کے مرہون منت رہے ہیں ۔

یاور بھائی منتظم ہیں یا براڈکاسٹر ، یہ سوال بڑا اہم ہے ، لیکن اس کا جواب بہت

مختصر ہے اور وہ یہ کہ ایک اچھے براڈکاسٹر کے لیے ایک اچھا منتظم ہونا بہت ضروری ہے۔ صرف براڈکاسٹنگ کے شعبے میں ہی نہیں، یاور بھائی نے ہر سطح پر ایک اچھا منتظم ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ وہ گزشتہ چودہ سال سے آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں۔ یہ رکنیت بذریعۂ انتخاب عمل میں آتی ہے اور یاور بھائی واحد آدمی ہیں جو ہر سال انتخاب میں کامیاب ہوتے ہیں۔ انھوں نے مجلس عاملہ کے رکن کی حیثیت میں اس ادارے کو عملی اعتبار سے فعال اور اقتصادی طور پر مستحکم بنانے کے لیے جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، ان کے بیان کے لیے دفتر درکار ہیں۔ یاور بھائی اپنی خدمات کے حوالے سے یقیناً ان افراد میں شامل ہیں جو کسی معاشرے میں فنونِ لطیفہ کی اعلیٰ اقدار کو زندہ اور برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ایسے افراد کی خدمت کا اعتراف ہم ان کی زندگی میں نہیں کرتے بلکہ تعزیتی بیانات میں کرتے ہیں۔ یاور بھائی بلاشبہ شہرِ کراچی کا ایک اثاثہ ہیں اور یہ اثاثہ اس وقت تک وراثت میں تبدیل نہیں ہوسکے گا جب تک کہ ہم قومی سطح پر یاور بھائی کی خدمات کا اعتراف نہیں کریں گے۔

ممتاز صحافی اور گورنمنٹ اردو کالج کے شعبۂ صحافت کے سربراہ پروفیسر حسن عسکری فاطمی کئی سال سے اس سمت میں کسی عملی اقدام کے لیے کوشاں ہیں۔ ریڈیو پاکستان کی انتظامیہ اور آرٹس کونسل آف پاکستان کے اربابِ حل و عقد سے بھی انھوں نے اس ضمن میں کئی مرتبہ مذاکرات کیے ہیں، شہری سطح پر بھی کئی افراد سے انھوں نے رابطہ کیا ہے مگر ہنوز سودمند نتائج سامنے نہیں آئے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ یاور بھائی کے سلسلے میں ایک - جشنِ اعتراف - منعقد کیا جائے تاکہ ہم نہ صرف محسن شناسوں میں شمار ہوسکیں بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک روایت بھی قائم کرسکیں۔ دیکھیے! پروفیسر حسن عسکری فاطمی کا خواب کب پورا ہوتا

ہے اور یاور بھائی سے تعلق رکھنے والے افراد کب کسی قابلِ تقلید تعبیر سے ہم کنار ہوتے ہیں۔

یاور بھائی

فاطمہ حسن

آنکھوں میں شفقت، لہجے میں خلوص، انداز مربیانہ.... آپ ان سے کوئی بھی بات کسی بھی وقت کر سکتے ہیں، توجہ سے سنیں گے، بالکل صحیح مشورہ دیں گے.... کوئی بھی کام ہو، کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے.... بیمار ہیں تو عیادت کو آئیں گے.... خدانخواستہ کسی عزیز کا انتقال ہو گیا ہے تو خبر ملتے ہی تعزیت کو پہنچیں گے.... آپ پر اتنا اعتماد کریں گے کہ آپ ان کے خلوص کے حصار میں داخل ہو جائیں گے اور پھر زندگی بھر نہیں نکلیں گے۔ اس شہر کی تین نسلوں سے ان کا یہی برتاؤ ہے۔ محبت اور وضع داری ایسی کہ چھوٹا تو چھوٹا، بڑے کو بھی انھیں "یاور بھائی" کہنے کو دل چاہے۔ ایسے افراد کنبے اور برادری میں ملتے ہیں جو خاندان کو سمیٹے رہتے ہیں، لیکن پورے شہر کو سمیٹنا صرف یاور بھائی کے بس کی بات ہے۔ ان جیسا کوئی دوسرا مشکل سے ملے گا۔ پرانے زمانے میں ہوتے تو نیم کے پیڑ تلے بیٹھ جاتے اور ہر آنے والے کو پیڑ کے ساتھ شفقت کی چھاؤں بھی دیتے۔ یہ آج کا دور ہے سو ریڈیو کے ایک گوشے کو ٹھکانا بنایا۔

یاور بھائی نے "بزمِ طلبا" میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر باصلاحیت طلبا و طالبات کو متعارف کرایا۔ کتنے ہی شاعر و شاعرات، مقررین، سیاست دان اور ادیب ان کی اسی تربیت گاہ سے نکل کر شہرت کی راہ پر گام زن ہوئے۔ جب یہ کنبہ وسیع ہوا تو اسے

یک جا رکھنے کے لیے ایک بڑا ٹھکانا چاہیے تھا۔ صلاحیتوں کو پروان چڑھانے اور رابطوں کو برقرار رکھنے کے لیے یاور بھائی نے آرٹس کونسل کو مرکز بنایا۔ اس ادارے کو ادارہ بنانے، اس کی دیواروں کو مضبوط کرنے، اس کی وسعتوں میں فن اور فن کار کی جگہ بنانے کے لیے انھوں نے اپنے شب و روز ایک کردیے۔ ان کی ہر صبح کا آغاز آرٹس کونسل کی فکر سے اور ہر شام کا اختتام اسی جستجو پر ہوتا ہے کہ کس طرح اس ادارے کو برقرار رکھا جائے۔

یاور بھائی کی کوئی فکر و پریشانی ذاتی نہیں۔ صحت خراب ہے تو ہو.... سواری پاس نہیں، نہ ہی.... کب آرام کیا ہے، کب چائے پی ہے.... ایسے معمولات پر سوچنے کی انھیں فرصت نہیں کہ نیم کی چھاؤں خود پیڑ کے لیے تو نہیں ہوتی!

جناب حکیم ناصر نے کہا

جناب یاور مہدی صاحب بہت ہی پیارے انسان ہیں۔ خدا سے میری یہی دعا ہے کہ وہ جلد انھیں صحت مند کرے۔ ریڈیو پاکستان اور کراچی آرٹس کونسل کی ترقی میں یاور مہدی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یاور مہدی فن کاروں کو آگے لانے میں بڑی محنت کرتے ہیں۔ دراصل یہ فن کاروں کا آسرا ہیں۔ یاور مہدی خلوص کے بندے ہیں، اس قدر خلوص سے ملتے ہیں کہ جی چاہتا ہے ان سے بار بار ملو۔

ملنے کے نہیں، نایاب ہیں ہم

ہادی نقوی

"خود پسندی بنائے جمات کے لیے لازم ہے اور اسی کا یہ کرشمہ ہے کہ انسان ابتدا ہی سے اپنی صورت، اپنی سیرت، وضع قطع کا دل دادہ ہوتا ہے، اور اس کے بعد اگر کوئی چیز اس کو پسند آتی ہے تو وہ وہی ہے جو اس سے کسی طرح منسوب یا متعلق ہو یا جس میں خود اس کی جھلک جنت نگاہ یا فردوس گوش ہو"۔

مندرجۂ بالا اقتباس کے بعد یاور مہدی پر کچھ اور لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی، لیکن شخصیات پر لکھنا میری نظر میں اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے اور ایسی شخصیت پر جس کے ہزار پہلو ہوں۔ اگر یاور مہدی صاحب سکہ بند ادیب، شاعر، نقاد، مصور ہوتے یا اور کسی فن سے ان کا تعلق ہوتا تو ان کی شخصیت پر ان کے فن کو سامنے رکھ کر محاسن اور مصائب پر روایتی یا حقیقت پسندانہ طریقے سے گفتگو ہو سکتی تھی، لیکن یہاں صورتِ حال اس کے برعکس ہے۔

اگر کسی شخص کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ شریف بلکہ بہت شریف آدمی ہے جھوٹ نہیں بولتا، خوش اخلاق ہے، ایثار اس کے مزاج کا حصہ ہے تو یہ خصوصیات اس شہر کے، اس ملک کے بے شمار لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ یا یہ کہا جائے کہ یہ ایک شخص ایسا ہے جو اپنی ضروریات کو ختم کر کے دوسروں کی مدد کرتا ہے تو اس کی مثالیں بھی بے شمار مل جائیں گی۔ اور جہاں تک ہر دل عزیزی کا تعلق ہے، وہ بھی یاور مہدی پر ختم نہیں ہے اور نہ یاور مہدی کوئی ایسا انسان ہے کہ ان سے اچھا کوئی شخص چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔ اگر کوئی شخص مجھ سے یہ فرمائش کرے کہ مجسمۂ آزادی پر دو صفحے لکھ دیے جائیں یا تاج محل پر ممتاز محل اور

شاہ جہاں کی محبت کے حوالے سے ایک افسانہ تراشا جائے تو یہ مشکل نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ ایک خاص موضوعات کے متحمل ہیں ۔ تو پھر یاور مہدی پر کیا لکھا جائے؟ میں سمجھتا ہوں ان کی شخصیت کے بارے میں ہی یہ شعر کہا گیا ہے کہ

فقط یہ بڑھتا ہوا دستِ دوستی ہی نہیں
ہمیں قبول ہے وہ بھی جو آستین میں ہے

یاور مہدی ایک ایسی شخصیت کے حامل ہیں جن سے ملنا جلنا ذہن کو جلا بخشتا ہے۔

شاہدہ حسن

یاور بھائی کے سلسلے میں انگریزی کی جو کہاوت مجھے حرف بحرف درست لگتی ہے، وہ یہ ہے کہ

"If an hour seems long, I remind myself that it will never return, and it immediately becomes terribly short".

اپنے لیے ہر لمحے ایک نئی مصروفیت کے متلاشی، ہر ایک کی فکر میں گھلنے والے اور ہر ایک کے کام آنے کے لیے مستعد یاور بھائی سے بھلا اس شہر میں کون ہے جو واقف نہیں۔

میں نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں جب پہلی بار ایک ریکارڈنگ کے سلسلے میں ریڈیو پاکستان کی عمارت میں قدم رکھا تھا تو جو نام ہر زبان سے بار بار سننے کو ملا، وہ یاور بھائی کا تھا۔ کافی عرصے تک تو ان سے بالمشافہ ملاقات نہیں ہوئی، مگر جب ایک دن اچانک آمنا سامنا ہوا تو وہ اتنی اپنائیت اور خلوص سے ملے جیسے

مدتوں سے مجھ سے واقف ہوں ۔ یہ والہانہ پن اور یہ انداز ان کی شخصیت کا خاصہ ہے۔ ان سے ملنے والے کسی بھی شخص کو یہ اندازہ ہی نہیں ہو پاتا کہ یاور بھائی سے اس کا تعلق خاطر اور عرصۂ خلوص کتنے شب و روز پر محیط ہے ۔ وہ سب سے یکساں انکسار کے ساتھ ملتے ہیں اور سب کا دل جیت کر زندہ رہنا جانتے ہیں، اور اب تو وہ اس شہر کراچی کی ایک بھرپور پہچان بن چکے ہیں ۔

ریڈیو پاکستان کے ایک ممتاز براڈکاسٹر، سینئر پروڈیوسر اور پروگرام مینجر کی حیثیت سے انھوں نے بے شمار ذہین لوگوں کو متعارف کرایا ہے ۔ ادھر کافی عرصے سے آرٹس کونسل سے وابستگی کے حوالے سے بھی اب وہ اس شہر کی بے شمار ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کے انعقاد میں سرگرم رہے ہیں ۔ بہت سے سینئر شاعروں، ادیبوں اور علمی شخصیات کے ساتھ یادگار شامیں منانے کے ساتھ ساتھ چلڈرن اینڈ یوتھ کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے انھوں نے بچوں اور نوجوانوں کے لیے بھی یادگار پروگرام کیے ہیں ۔ ہر پروگرام کی تیاری اور انعقاد کا دورانیہ وہ کچھ ایسے گزارتے ہیں جیسے کسی بڑے امتحان سے گزر رہے ہوں ۔ مسلسل مضطرب اور بے قرار نظر آتے ہیں اور جب تقریب بخیر و خوبی اختتام کو پہنچ جاتی ہے تو کوئی گہری طمانیت ان کے چہرے پر نئی مسکراہٹیں بن کر بکھر جاتی ہے۔

میری دعا ہے کہ یاور بھائی اپنی بہترین صحت و تن درستی کے ساتھ ہمیشہ اسی طرح تازہ دم رہیں اور اپنی فعالیت اور حوصلہ مندی سے ہم سب کو اسی طرح خوش حال رکھیں ۔

سید سعید جعفری

مجھے یہ معلوم کر کے کہ اہلیان کراچی جشن کمیٹی نے ۔ جشن یاور مہدی ۔ منانے کا اہتمام کیا ہے ، بڑی خوشی ہوئی ۔

یاور مہدی اپنی گونا گوں خدمات کی وجہ سے ایک نہایت ہی ہر دل عزیز شخصیت ہیں ، ادب اور ثقافت میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں ۔ میں ان کی طویل زندگی کے لیے دعا گو ہوں تاکہ وہ اپنے مفید کام کرتے رہیں اور اسی طرح کامیابی سے ہم کنار ہوں ۔

یاور مہدی

حسین ناصر

کسی بھی ملک کی تاریخ کا جائزہ لیجیے تو ایک مسلمہ حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ہر دور اور ہر قوم و قبیلہ میں قدرت نے کچھ ایسے باصلاحیت افراد کو پیدا کیا ہے جن کا بے لوث عمل اپنی اپنی تہذیب اور ثقافت کو برقرار رکھنے کے لیے کسی نہ کسی صورت پیش پیش رہا ہے ۔ معاشی و سیاسی مشکلات کے باوجود یہ بے لوث افراد دامے ، درمے ، قدمے ، سخنے ، ہر طریقے سے عمل پیرا ہو کر اپنی تہذیب اور ثقافت کی حفاظت کرتے اور مسلسل ایک مثبت کردار ادا کرتے رہے ہیں ۔ مورخ ان کے ذاتی نام لکھے یا نہ لکھے ، مگر تاریخ کے اوراق ہماری آنے والی نسل کو ایک مشعل راہ ضرور دکھا دیتے ہیں ۔ مجھے بھی ایک عرصے سے ایک ایسے ہی شخص کی مسلسل تلاش رہی ، اور ایک وقت آیا کہ میری نگاہ دل یاور مہدی کی شخصیت پر آ کر رک گئی ۔

عصرِ حاضر میں شہرِ کراچی میں علم و ادب کے تقاضے ہی کچھ اور ہیں۔ اس کی گوناگوں مصروفیات، تہذیب و ثقافت کے علم برداروں کی ذمے داریاں پاکستان کے اور شہروں سے بالکل مختلف نظر آتی ہیں۔ بظاہر کچھ بھی ہو، ہمارا دل کراچی ہے۔ ہر فرد (کراچی میں) اپنے اپنے مسائل میں کچھ اس طرح الجھا ہوا ہے کہ روزمرہ کے سکون کی زندگی کو تقدس زینا جوئے شیر لانا ہے۔

یاور مہدی سے میری پہلی ملاقات کب ہوئی، کتنے سال پہلے ہوئی، یہ سب یاد نہیں ہے۔ بہرحال اخوت اور محبت کو کسی ترازو میں تولا نہیں جاتا۔ کبھی کبھی برسہا برس کی شناسائی یا یوں کہیے کہ لوگ بچپن، جوانی اور بڑھاپا ساتھ گزارنے کے باوجود آپس میں دوستی یا دوستانہ ماحول پیدا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ دوسری طرف مختصر سی ملاقات بھی دو افراد کو بڑی تیزی سے خلوص و محبت کے بندھن میں باندھ دیتی ہے اور ایسا لگنے لگتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو عرصۂ دراز سے جانتے ہیں جسے میں قدرت کا تحفہ ہی کہہ سکتا ہوں۔ میری نظر میں بے لوث عزم و عمل، علم و ادب، خلوص و مروت یاور مہدی کا دوسرا نام ہے۔ اس شخص نے شاعروں اور ادیبوں کی دل کھول کر ہمت افزائی کو اپنی زندگی کا شعار بنالیا ہے۔ کسی شاعر کے مجموعۂ کلام کی رونمائی ہو یا کسی کی نثری کتاب ہو یا کسی کے سفرنامے کی روداد ہو، یاور مہدی ہمیشہ آگے آگے انتہائی تن دہی کے ساتھ تعارفی تقریب کو کامیاب بنانے میں دل و جان سے محنت کرتے ہیں جس کا مجھے تجربہ بھی ہو چکا ہے۔

میرے احباب کو مجھ سے مسلسل شکایت ہے کہ میں کسی کے بارے کوئی مثبت رائے قائم نہیں کرتا، حالانکہ یہ بالکل صحیح نہیں ہے۔ جس شخص میں مجھے خوبی نظر آتی ہے تو میں اسے دل کھول کر داد دیتا ہوں اور ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ یاور مہدی کو میں داد بھی دیتا ہوں اور دل سے ان کی عظمت کا اعتراف بھی کرتا ہوں۔ بقول محترمہ قدسیہ اکبر "یاور مہدی نہ شاعر ہیں، نہ ادیب مگر دانش ور

اور شاعر نواز ہیں"۔ میں ان سے پوری طرح اتفاق کرتا ہوں۔ سچ پوچھیے تو وہ مکمل انجمن ہیں، اس لیے یاور مہدی کی حوصلہ افزائی کرنا اور ملک کے عوام کے سامنے شاعر نواز اور ادب نواز شخصیت کی حیثیت سے ان کا جشن سپاس منعقد کرنا ہم سب پر فرض ہے۔

ان کی آنکھوں میں ذہانت کی کشش، محبت اور عجزو انکسار کی وفاؤں سے معمور دل کا جب میں تجزیہ کرتا ہوں تو یاور مہدی میرے سامنے سیدھے سادے شریف النفس انسان نظر آتے ہیں۔ یاور کو دیکھ کر حضرتِ جوش ملیح آبادی کا یہ شعر یاد آجاتا ہے:

بہت جی خوش ہوا، ہم نشیں! جوش سے مل کر
ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں

لندن کے شاعر جناب اطہر راز نے کہا

یاور مہدی صاحب ریڈیو پاکستان، کراچی اسٹیشن کے ایک بہت سینئر اور ہر دل عزیز آدمی ہیں جن کو پسند کرنے والے اتنے زیادہ ہوں گے کہ انھیں خود بھی اندازہ نہیں ہوگا۔ یہی بات ان کے پروگراموں کے حوالے سے بھی ہے کہ انھیں ہرگز یاد نہیں ہوگا کہ انھوں نے کتنے پروگرام ریڈیو سے کیے ہیں، کیونکہ بے شمار پروگراموں کے یاور صاحب خالق ہیں۔ بہت سے پروگرام تو انھوں نے اپنی ذاتی کوششوں سے یادگار بنادیے تھے۔ مثلاً بزم طلبا، کسٹم کے قوانین، شب کو ہے گنجینۂ گوہر کھلا۔ علم و ادب کے سلسلے میں چھوٹے بڑے ادیبوں و شاعروں کو ابھارنے کا عمل جس تیزی سے یاور صاحب نے کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے صحیح قدردان

تو مرحوم زیڈ۔ اے۔ بخاری صاحب تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یاور صاحب صرف علم و ادب کے حلقے میں ہی ممتاز نہیں بلکہ ہر طبقے میں ممتاز ترین ہیں۔ وہ صنعت کاروں میں، ٹی۔ وی اور فلم فن کاروں اور پروڈیوسروں میں، سماجی حلقوں اور سماجی شخصیات میں، سیاسی لوگوں اور علم و ادب کی دنیا میں اور طلبا و طالبات میں.... غرض وہ ہر فیلڈ میں ہر دل عزیز شخصیت ہیں۔

میری دعا ہے کہ یاور صاحب ہمیشہ صحت مند رہیں اور جس عزت سے انھوں نے ریڈیو میں وقت گزارا ہے، وہ اسی عزت کے ساتھ ریڈیو سے رخصت بھی ہوں۔ آمین!

نور جہاں نوری

محترم اویس ادیب انصاری صاحب!

آداب۔

طالب خیر بخیریت۔ جواب دیر سے دینے پر دلی طور پر معذرت خواہ ہوں۔ اصل میں، میں لندن میں نہیں تھی۔ برمنگھم میں ایک مرڈر ٹرائل تھا اور میں وہاں مصروف تھی اور رشید میرے میاں پاکستان گئے ہوئے تھے جو ایک ماہ رہ کر آئے ہیں اور میں بھی آج آئی ہوں۔ پہلے دن دفتر آئی تو آپ کا خط اور اس میں چند خطوط اور لوگوں کی ساری ڈاک ملی ہے۔ جو بھی ریڈیو کی ابھی اسی وقت تصاویر ملیں، وہ اور رائے بھیج تو رہی ہوں مگر شاید دیر ہو گئی ہے۔ پتا نہیں یہ خط آپ نے کس تاریخ کو بھیجا ہے۔ میں ۲۶ دسمبر سے برمنگھم میں تھی۔ بہرحال میری قسمت! اگر جگہ ہو تو میرا بھی یہ چھوٹا سا ہدیہ لگا دیں۔ آپ کے بھیجے ہوئے سارے خطوط ابھی ابھی وسیم صدیقی صاحب کو دیے ہیں، وہ دستی سب کو دے دیں گے اور ان لوگوں کی رائے بھی آپ

کو مل جائے گی۔

یہ تو آپ نے بہت زبردست کام کیا! واقعی یاور مہدی صاحب نے ہم سب کی زندگیاں بنادیں۔ آج ہم لوگ جو کچھ بھی ہیں، اسی پیاری سی ہستی کی بدولت ہیں۔ پھر یہ کہ اس قدر خاموشی سے کام کیا کہ نہ ستائش کی تمنا، نہ صلے کی پروا۔ بہت عظیم انسان ہیں۔ آپ لوگوں کا یہ فیصلہ کہ جشن یاور مہدی منایا جائے، لائق تحسین ہے کہاں کہاں ان کے "بزم طلبا" کے شریک آباد ہیں اور آج بھی یاور بھیا کو بہت ہی اچھے انداز میں یاد کرتے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ میری شاعری میں یاور بھیا کا بہت بڑا ہاتھ ہے جیسے مجھے ریڈیو تک لائے۔ بچپن میں ہی ہمیں خوداعتمادی سے نواز دیا، اس لیے آج ہم مجمع میں جانے سے نہیں کتراتے۔ میں تو کراچی جاکر اس مرتبہ بہت پر امید ہو کر آئی ہوں۔ اچانک ہی بیس، بائیس سال کے بعد یاور بھیا عالمی مشاعرے میں مل گئے، بالکل ویسے ہی دھیرے دھیرے مسکراتے ہوئے۔ ایسا اپنا پن دیا کہ لگا میرا "اجڑا ہوا میکا" ایک دم سے ہی آباد ہو گیا۔ پاپا تو میرے تھے، میں بہت چھوٹی تھی جبھی انتقال ہو گیا تھا۔ اماں دس سال پہلے انتقال کر گئیں۔ میکا تو ان دونوں سے ہوتا ہے۔ بھائی ایک ہی تھے جو برونائی میں ہیں اور میری بہن یہاں لندن میں ہیں، دوسری بہن سعودی عرب میں۔ یوں پاکستان جانے کو جی نہیں چاہتا تھا کہ کس کے پاس جائیں۔ اچانک ہی یاور مہدی سے ملی تو لگا میکا تو پورا ہے۔ میں بہت ہی خوش آئی ہوں۔ اس سال کی یہ دولت جو ملی ہے، سب سے انمول ہے۔ خدا کرے میرا یہ خط وقت پر مل جائے، ورنہ اگر جشن ہو گیا ہو گا تو پھر مجھے سخت افسوس رہے گا۔

یہاں کی تو مصروفیات بہت ہیں۔ میں یہاں لائر ہوں۔ کیسز جو پہلے کے ہوتے ہیں، نمٹانا ہی ہوتے ہیں۔ میری شاعری کے ساتھ ساتھ یہاں اپنی لا فرم (Law Firm) ہے "نوری رشید اینڈ کو" کے نام سے۔ چونکہ اماں کی وجہ سے

اچانک رشید کو پاکستان جانا ہوا تو پھر مجھے ٹرائل نمٹانا ہوئی۔ چونکہ میری فرم کا کیس تھا، اس لیے تقریباً مہینا وہاں لگ گیا' کولم 'جہاں ایک بیرسٹر رکھ لیا تھا رشید کی غیر موجودگی میں اس نے فرم کو دیکھا۔

آپ کو یہ خط میں یاور مہدی صاحب کے خط میں ہی ڈال رہی ہوں، مل جائے تو ضرور اطلاع دیجیے گا۔ میری اللہ میاں سے دعا ہے کہ یہ جشن انتہائی کامیاب رہے اور اللہ میاں سے یہ بھی دعا ہے کہ آپ نے جس محبت اور پیار سے یہ عظیم کام سرانجام دینے کی کاوش کی ہے، اللہ میاں آپ کو سرخ رو کرے (آمین!)۔ آپ نے بہت بڑا کام ہے۔ وہ لوگ جنھیں نہ ستائش کی تمنا، نہ صلے کی پروا ہوتی ہے، یاور بھیا وہی ہیں اور ایسے لوگوں کو ضرور بضرور سراہنا چاہیے کہ انھوں نے اپنی تمام زندگی کس قدر محنت سے صرف کی ہے اور پھر یہ دیکھیں کیسے کیسے لوگ پیدا کیے ہیں۔ میں امریکا گئی تھی، وہاں بھی کتنے ہی لوگ ریڈیو کے ملے اور سبھی یاور بھیا کو یاد کرتے ہیں، بہت پیارے ہیں یہ۔

میں اپنی مصروفیت کی وجہ سے وقت پر آپ کے مکتوب کا جواب نہ دے سکی، اس کی ایک مرتبہ پھر معافی مانگتی ہوں اور اللہ میاں سے آپ کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔ میری جانب سے تمام اہل خانہ کو حسب مراتب سلام دعا، پیار۔ خدا حافظ!

جگت بھائی

وضاحت نسیم

مجھے یقین ہے کہ آپ سب بھی یاور بھائی کے بارے میں وہی رائے رکھتے ہیں جو میں رکھتی ہوں.... بہت پرخلوص، منکسر المزاج، ہنس مکھ، اوروں کی صلاحیتوں کو

اجاگر کرنے والے، محفلیں سجانے والے اور محفلوں کی جان ۔آپ ان کے بارے میں جتنے تعریفی کلمات ادا کر سکتے ہوں، وہ بآسانی ادا کرتے جائیے، ان شا اللہ! یاور بھائی ان تمام کلمات پر پورے اترتے نظر آئیں گے۔

ریڈیو پاکستان سے میری وابستگی بچپن سے رہی ہے۔جب منی باجی کے ساتھ بچوں کے پروگراموں میں حصہ لیتی تھی، تب سے تین نام ریڈیو پر بڑی کثرت سے سنا کرتی تھی: بھائی جان (ظفر بھائی)، آغا جان اور یاور بھائی ۔ اب جب کہ یاور بھائی ریڈیو سے ریٹائر ہونے کو ہیں تو اب بھی وہ اپنی مقبولیت کے عروج پر ہی نظر آتے ہیں اور آرٹس کونسل میں تو ان کی شہرت کے جھنڈے گاڑنے کو زمین بھی کم پڑ گئی ہے۔

یاور بھائی جگت بھائی ہیں، یہ تو آپ مانتے ہیں۔ نہ جانے کہاں سے میرے کانوں میں ان سے متعلق ایک دلچسپ بات کی بھنک پڑ گئی ہے۔آپ بھی سنیے، یقیناً محظوظ ہوں گے۔ایک مرتبہ آرٹس کونسل میں یاور بھائی اپنے چاہنے والوں کے بیچ بیٹھے تھے۔ایک صاحب نے ان کی شخصیت اور مقبولیت سے مرعوب ہو کر مذاقاً کہا، "یاور بھائی! ایک خلقت آپ کو یاور بھائی کہتی ہے۔جب آپ جنت میں جائیں گے تو آپ کے بہت سے شیدائی وہاں پہلے سے موجود ہوں گے۔وہ آپ کو دیکھ کے خوش ہو کر یہی کہیں گے، "آہا! یاور بھائی آگئے، یاور بھائی آگئے"۔

یاور بھائی کی شخصیت کے سلسلے میں منایا جانے والا جشن ایک خوش آئند علامت ہے۔اس تنگ نظری کے دور میں ان کی اعلیٰ ظرفی اور وسعت نظری ایک چمکتے ستارے کی مانند ہے۔وہ اس شہرِ پرآشوب میں امن کی علامت ہیں۔

کاش امن کے رنگ اور سکون کے لمحات اس شہرِ کراچی کو دائم نصیب رہیں!

یاور مہدی..... ایک عہد ساز شخصیت

جاوید منظر

جن سے مل کر زندگی سے عشق ہو جائے، وہ لوگ
آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں مگر ایسے بھی ہیں

آج سے تقریباً تئیس سال قبل ریڈیو پاکستان، کراچی میں ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ "آپ شاعر ہیں؟" تو میرے ہاں کہنے پر انھوں نے پھر اپنا سوال وضاحتی انداز میں دہرایا کہ "میں شاعر اس کو مانتا ہوں جو خود شعر کہے"۔ میں نے پھر ہاں میں جواب دیا تو کہنے لگے، "کس کالج سے تشریف لائے ہیں؟" میں نے کہا کہ اسلامیہ کامرس کالج سے تو فرمایا، "اگلے ہفتے "بزم طلبا" کا مشاعرہ ہوگا، اس میں شرکت کرنا، مگر شرط یہ ہے کہ کالج سے تعارفی خط پروڈیوسر "بزم طلبا"، ریڈیو پاکستان، کراچی کے نام پر لانا مت بھولیے گا"۔ یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلے گئے تو میں نے وہاں موجود ایک اور صاحب سے پوچھا، "آپ بتائیں گے، یہ کون صاحب تھے؟" تو ان صاحب نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور پھر گویا ہوئے، "ارے! تمھیں علم نہیں، یہ ریڈیو پاکستان کے پروگرام بزم طلبا کے پروڈیوسر یاور مہدی صاحب تھے"۔ یہ سن کر میں سکتے میں آگیا کہ جس شخصیت سے ملنے کے لیے میں کسی شناسا کی تلاش میں ریڈیو پاکستان آیا تھا، وہ یوں اچانک خود ملے اور صرف ملے ہی نہیں بلکہ "بزم طلبا" کے مشاعرے کے لیے مدعو بھی کر گئے۔ وہ دن ادبی حوالے سے میری زندگی کا اہم ترین دن تھا، چونکہ ان دنوں ٹیلی وژن تو ہوتا نہیں تھا اور ریڈیو پاکستان کی عمارت میں کسی کا داخل ہو جانا ہی بڑے اعزاز کی بات ہوتی تھی اور مجھے تو مشاعرے کے لیے دعوت بھی دی گئی تھی۔

یوں وقت گزرتا رہا اور میں رفتہ رفتہ یاور مہدی صاحب کی شخصیت سے متعارف ہوتا گیا اور وہ بھی کمال شفقت سے پیش آتے رہے۔ اگر میں یاور مہدی بھائی کی شخصیت ہی پر لکھنے بیٹھوں تو آپ یقین کریں کہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ خلش بھی دل میں جاں گزیں رہے گی کہ ابھی بھی یاور بھائی کی شخصیت کے کئی پہلو تشنہ رہ گئے ہیں۔

ہمارے لاتعداد ساتھی جو آج زندگی کے مختلف شعبوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دے رہے ہیں، انھیں تعلیمی دور میں یاور بھائی نے ہی بحیثیت شاعر، مقرر، مضمون نگار، ڈراما نگار، پروڈیوسر، صداکار، گلوکار وغیرہ کے حوالوں سے ریڈیو پاکستان کے "بزم طلبا" میں متعارف کرایا اور ان کی تربیت اس طرح کی کہ آج سب اپنے اپنے شعبوں کے حوالے سے انتہائی کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔

عزیزم اویس انصاری! میں سوچ رہا ہوں کہ یاور بھائی کی زندگی کے کون کون سے واقعات کو یہاں قلم بند کروں جن سے ان کی شخصیت کے گوشے موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں۔

ہاں! یاد آیا۔ ایک دن جب میں ریڈیو پاکستان کے گیٹ پر پہنچا تو عجیب منظر دیکھا۔ ہزاروں طلبا و طالبات گیٹ پر، گیٹ کے اندر اور اس سے بھی اندر، یعنی بالائی منزل کی سیڑھیوں پر کینٹین میں، پروڈیوسروں کے کمروں میں اور ہر جگہ جہاں انسان کا وجود سما سکتا تھا، وہاں تھے۔ معلوم کرنے پر پتا چلا کہ "ہفتۂ طلبا" کے لیے آڈیشن ہو رہا ہے۔ تمام کالجوں، بشمول کراچی یونی ورسٹی کے طلبا و طالبات آڈیشن دینے آئے ہیں (اس وقت تک این۔ای۔ڈی کالج یونی ورسٹی نہیں بنا تھا)۔ اس جمِ غفیر کا آڈیشن لینا بھی ناممکنات میں تھا، مگر یاور بھائی کی ہمت و کام کی لگن نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ان ناممکنات کو بھی ممکنات میں بدل دیا۔ ریڈیو پاکستان کراچی کا ہر اہلِ کار حیران تھا کہ یہ سب کیسے ممکن ہو گیا۔

یہ بھی ایک عہد ساز شخصیت کا تاریخی عمل تھا کہ یاور بھائی نے تمام کالجوں اور کراچی یونی ورسٹی کو خطوط ارسال کیے کہ ایک مشاعرہ ریڈیو پاکستان، کراچی میں ہوگا جس میں ایک شاعر، ایک درس گاہ کی قید نہیں ہوگی۔ اس میں تمام طلبا و طالبات جو شعر کہتے ہیں، انھیں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ وہ درس گاہ کے تعارفی خط کے ساتھ اپنی غزل یا نظم ساتھ لائیں۔ سبھی نے یہ سوچا کہ ایسے موقعے بار بار نہیں آتے۔ یوں ہر کالج سے چھے، سات اور یونی ورسٹی سے بارہ، تیرہ طالب علموں کی ٹیمیں ریڈیو پاکستان، کراچی پہنچنا شروع ہو گئیں۔ اس طرح تقریباً ساٹھ، ستر طالب علموں کی ایک کثیر تعداد جو اپنے آپ کو شاعر سمجھتی تھی، پہنچی۔ یاور بھائی نے تمام طلبا و طالبات سے کہا کہ جس کسی کو واش روم جانا ہے یا کسی کو ٹیلی فون کرنا ہے یا اور کسی ضروری کام سے جانا ہے تو اپنے کاموں سے فارغ ہو جائیں یا جو گھر جانا چاہیں چلے جائیں، چونکہ بڑا مشاعرہ ہے اس لیے تین، چار گھنٹے لگ سکتے ہیں۔ پھر مشاعرے کے بعد ہی اسٹوڈیو کا دروازہ کھلے گا، اس وقت تک کوئی بھی اسٹوڈیو سے باہر نہیں جاسکتا۔ یوں پون گھنٹے بعد جب سب لوگ جمع ہوگئے تو اسٹوڈیو کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ فرشی نشست پر تمام طلبا و طلبات بیٹھ گئے۔ پھر ہر ایک سے اس کی غزل یا نظم، جو وہ گھر سے لائے تھے، لے لی گئی تاکہ پالیسی کے تحت دیکھی جائے۔ یہ ریڈیو کا شروع ہی سے طریق کار رہا ہے۔ جب سب شعرا سے ان کی تخلیقات جمع کر لی گئیں تو یاور بھائی نے ہر ایک شاعر کو ایک ایک گتا، اس میں تین، چار سادہ کاغذ ایک ایک پنسل کے ساتھ یہ کہہ کر دیے گئے کہ ابھی آپ کو مصرع طرح دیا جائے گا جس پر ہر شاعر کو کم از کم پانچ اشعار کہنا ہیں اور زیادہ جتنے اشعار کہنا چاہیں کہہ لیں۔ تقریباً ایک گھنٹے کا وقفہ دیا جاتا ہے۔ یہ اعلان سنتے ہی طلبا کے پسینے چھوٹ گئے۔ پھر تو کسی نے پیٹ میں درد کی شکایت کی، کسی نے نانی کی طبیعت کی ناسازی کا ذکر کیا اور کسی کو بہت ضروری کام یاد آگیا اور اس طرح جو بھی جاتا رہا، ریڈیو پاکستان سے

اعلان ہوتا رہا کہ اب فلاں طالب علم نے اس وجہ سے شرکت سے معذرت کی وغیرہ وغیرہ ۔ آخر کار ستائیس یا اٹھائیس شعرا رہ گئے تھے جنھوں نے اس مشاعرے میں شرکت کی اور مندرجۂ ذیل شعرا کو اس فی البدیہہ مشاعرے کے مقابلے میں ریڈیو پاکستان، کراچی کے "بزم طلبا" نے کامیاب قرار دیا اور شاعر تسلیم کیا جس میں راقم الحروف سمیت تاجدار عادل، ضیغم زیدی، ایوب خاور، وفا کان پوری، عمران رزاق، شوکت عابد کے علاوہ دو، تین اور شعرا تھے جن کے نام اس وقت یاد نہیں رہے ۔ جو طلبا اس مشاعرے سے اپنی کسی "مجبوری" کے تحت چلے گئے تھے، وہ پھر کبھی بھی مشاعرہ پڑھنے ریڈیو پاکستان یا کسی درس گاہ میں نہیں دیکھے گئے ۔ اس طرح یاور بھائی نے جو ادبی صفائی کا دن منایا، وہ ہر طرح سے یادگار دن ثابت ہوا ۔ اس فی البدیہہ مشاعرے کے بعد یاور بھائی نے دو اور مشاعرے نبی باغ کالج میں کرائے جو پرنسپل خواجہ آشکار حسین مرحوم کے دور میں ہوئے تھے ۔

یاور بھائی ہر فرد سے ایسا سلوک روا رکھتے تھے کہ ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ یاور بھائی ہمیں سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں ۔ یوں ان کی نظر میں کوئی بھی فرد کم تر یا غیر اہم نہیں تھا ۔ اگر کسی سے کوئی غلطی ہوتی تھی تو یاور بھائی اس طرح اسے سمجھاتے تھے کہ برا لگنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ شخص یاور بھائی کا شکر گزار ہوتا تھا کہ انھوں نے اپنا سمجھ کر ایک بڑی غلطی کرنے سے روک دیا ۔ یاور بھائی ہمیشہ ہی سے انتہائی سادہ، کم گو اور ملنسار تھے ۔ وہ چھوٹوں سے محبت و شفقت سے پیش آتے ۔ ان میں ایک بڑی خوبی یہ بھی رہی ہے کہ کتنے ہی پریشان کیوں نہ ہوں، اپنی پریشانی کسی پر ظاہر نہیں ہونے دی ۔

ہماری نسل کے بیشتر ادیبوں اور شاعروں کو صاحبِ کتاب بنانے میں یاور بھائی کی تربیت اور جاں فشانی کا ایک بڑا ہاتھ ہے ۔ آج سے چند ماہ قبل پنجاب سے کچھ شعرا کراچی مشاعرہ پڑھنے تشریف لائے اور یہاں کے شعرا کی شاعری سن کر ایک

شاعر فرمانے لگے، "آپ لوگ یہاں اچھی شاعری تو کر ہی رہے ہیں اور آپ کے شہر میں اتنے بہت سے شعرا ہیں، مگر بے بحر کہنے والے بہت ہی کم ہیں، یوں کہہ لیں کہ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ اس کے برخلاف ہمارے شہروں میں بہت بڑی تعداد ایسے شعرا کی ہے جو بحر سے خارج اشعار کہہ رہے ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہیں جنھیں ہم سمجھتے ہیں کہ شعر نہیں کہہ سکتے، کوئی مجبوراً شعر کہہ کر دے دیتا اور یہ لوگ اپنے ناموں سے کسی اور شاعر کا کلام پڑھ دیتے ہیں"۔ اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے ان مہمان شعرا میں سے ایک نے اقبال ساجد کا یہ شعر سنایا جن کا تعلق لاہور سے ہے:

یہ ترے اشعار، تیری معنوی اولاد ہیں

اپنے بچے بیچنا، اقبال ساجد! چھوڑ دے

میں نے ان شعرا کی باتیں سن کر انھیں ریڈیو پاکستان کے "بزم طلبا" کے فی البدیہہ مشاعروں کی روداد سنائی اور اس خیال کا اظہار کیا کہ اگر ریڈیو پاکستان، لاہور میں بھی یاور مہدی پروڈیوسر کی حیثیت سے چلے جاتے تو یقیناً آج آپ لوگوں کو بھی ادب کے ناسور افراد سے چھٹکارا مل جاتا۔

یاور مہدی کی شخصیت اپنے اندر لاتعداد کمالات رکھتی ہے۔ اگر حکومت یاور مہدی کو ریڈیو اور ٹیلی وژن کارپوریشنوں کا سربراہ مقرر کر دیتی تو مجھ جیسے ان گنت لوگوں کو یہ یقین ہے کہ ان کی ہمہ گیر شخصیت پروگراموں کو اس طور پر پیش کرتی کہ پاکستان کی ثقافت، تہذیب، معاشرت، تمدن کا خوب صورت انداز سے اظہار ہوتا، مگر یہ حقیقت ہے کہ یاور مہدی نے کبھی بھی اپنے لیے کسی سے کچھ نہیں چاہا۔ اگر یہ چاہتے تو بہت کچھ مراعات اور عہدے حاصل کر سکتے تھے، مگر یاور مہدی نے کبھی بھی اصولوں کا سودا نہیں کیا۔ اس بات کا اعتراف ان سے اختلاف رکھنے والے بھی کرتے ہیں۔

میں آخر میں اپنے اس شعر پر تحریر کا اختتام کرتا ہوں کہ

امیرِ شہر سے بس ہے یہی گلا ، منظر !
غریبِ شہر کو اس کی زبان دے جاتا

عبدالقدوس درانی

(صدر پشتو اکیڈمی ، بلوچستان)

یاور مہدی صاحب محبت والے انسان ہیں ، خوش گفتار اور شفقت سے بھرپور شخصیت کے مالک ہیں ۔ وہ ایک حلیم الطبع اور سچے کارکن ہیں ۔

وہ جتنے کراچی کے جوان اور بزرگ شہریوں میں مقبول اور ہر دل عزیز ہیں ، اتنے ہی بلوچستان کے نوجوانوں اور بزرگوں میں قابلِ احترام شخصیت ہیں ۔ ان کا شمار میرے بہت ہی قریبی اور ہر دل عزیز دوستوں میں ہوتا ہے ۔ انھوں نے یہاں کے لوگوں کو جو پیار و محبت دیا ، وہ دلوں میں تا ابد نقش رہے گا ۔ اگرچہ انھوں نے اپنی ملازمت کے دو سال کوئٹے میں گزارے اور ہمارے ساتھ محبت و بھائی بندی کا وہ رشتہ قائم کیا جس پر ہمیں فخر اور ناز رہے گا ۔

یاور مہدی صاحب ہمہ گیر شخصیت ہیں ۔ انھوں نے کراچی کے علاوہ کوئٹہ اور خضدار جیسے شہروں میں بھی ادب و ثقافت کی وہ مایۂ ناز خدمات انجام دی ہیں جو قابلِ ستائش ہے ۔ میں جب بھی کراچی گیا ہوں ، وہ نہایت خلوص اور پیار سے ملے ہیں ، بلکہ جب ۱۹۸۹ء میں ، میں بیمار ہوا تو ان دنوں شاہ فیصل کالونی میں کرفیو لگا ہوا تھا ۔ انھوں نے اپنے گھر میں چودہ یوم تک رکھا اور میری وہ خدمت و مدارات کی جو ایک قریبی عزیز اور رشتے دار بھی نہیں کر سکتا ۔

فن کی دنیا سے تعلق رکھنے والوں کے لیے ان کی شخصیت بہت پر کشش ہے ۔

بلوچستان کے فن کاروں، ادیبوں، شعرا کی نظر میں ان کی بڑی عزت اور منزلت ہے۔ انھوں نے پاکستان براڈکاسٹنگ کارپوریشن اور دیگر ثقافتی اداروں کو وہ جوہرِ قابل دیا جو کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ ریڈیو پاکستان، کوئٹہ کے نشریاتی ادارے میں ان کی رہ نمائی ہمارے لیے مشعلِ راہ بنی۔

میرے یاور بھائی

پروین جاوید

کہیں بھی، کسی بھی وقت جب ہنستا مسکراتا اور ہر آشنا ناآشنا آنکھیں جو ان کی طرف اٹھ جائیں، انھیں خوش آمدید کہتا ہوا اگر کوئی چہرہ نظر آئے تو جان لیجیے کہ یہ یاور مہدی (میرے یاور بھائی) ہیں۔ کوئی بھی اپنے پروگرام میں مدعو کرے، کیا مجال کہ کبھی کسی کا دل توڑا ہو بلکہ مدعو کرنے والے سے زیادہ گرم جوشی سے آنے کا وعدہ کرنا اور وعدے کو اپنی بساط سے بھی زیادہ نبھانے کی کوشش کرنا۔ نہ جان کی پروا، نہ صحت کی تمنا اور نہ دلِ ناتواں کا خیال، بس دوسروں کا خیال اور دوسروں کا دل رکھنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ مجھ سے جب بھی ملاقات ہو، فوراً اپنے مخصوص لب و لہجہ میں دریافت کرنا، "بھئی! کیسی ہو؟ فلاں پروگرام میں کیوں نہیں آئیں؟" اگر بچے ساتھ ہوتے تو ان سے فرداً فرداً ان کی خیریت اور پڑھائی کے بارے میں دریافت کرنا، ورنہ پھر مجھ سے تشویش ناک لہجے میں پوچھنا، "خیریت ہے؟ بچے کہاں ہیں؟ ساتھ کیوں نہیں آئے؟" اسی لیے وہ مجھے "میرے یاور بھائی" لگتے ہیں۔ کیا آج ہر شخص میں یہ رکھ رکھاؤ اور تہذیبی اقدار موجود ہیں؟ بالکل نہیں تو نہیں کہہ سکتے مگر اب خال خال ہی نظر آتا ہے۔ گویا یہ رکھ رکھاؤ اور زندگی میں یہ تہذیبی رچاؤ بہت

تیزی سے کم ہوتا جارہا ہے۔ کاش ہم اپنی زندگی میں یہ رچاؤ عام کر دیں اور اپنے بچوں کو ایک مہذب معاشرہ دے سکیں!

چاہے یہ چہرہ ریڈیو پر ہو یا پاکستان آرٹس کونسل (کراچی) میں، کسی ادبی سیمینار میں ہو یا کسی شب موسیقی میں، کسی ڈرامے یا فسٹیول میں ہو یا کسی کتاب کی رونمائی میں، ہر جگہ اپنے خاص انداز میں مسکراتا نظر آتا ہے۔ یہ وہ چہرہ ہے جو ادب کی ترویج و ترقی میں نمایاں کردار ادا کرتا نظر آتا ہے اور ریڈیو پر اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے ہمیشہ اس پہلو کو مدِ نظر رکھا کہ زیادہ سے زیادہ ادب سے متعلق مواد اور شخصیات اپنے پروگرام کی زینت بنائیں۔

یاور بھائی نے ریڈیو سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا اور کراچی سے دس سال تک ورلڈ سروس پیش کرتے رہے۔ انتہائی ذمے داری اور خوش اسلوبی سے فرائض نبھاتے دیکھ کر انھیں کراچی سے مختلف اسٹیشنوں پر خدمات انجام دینے کی ذمے داری سونپی جاتی رہی۔ اس کے بعد آپ جیسے باصلاحیت آدمی کی ضرورت "آہنگ" کو آن پڑی، وہاں بھی "آہنگ" کو ریڈیو کی ضرویات اور قارئین کی توقعات سے ہم آہنگ کردیا۔ اس کے بعد آپ کوئٹہ چلے گئے اور کچھ عرصے بعد واپس کراچی اسٹیشن آکر سی۔ پی۔ یو کراچی میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا۔ آپ کی بھرپور صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اسپورٹس کا شعبہ اور بعد ازاں نوجوانوں کا پروگرام دیا گیا، وہاں بھی آپ نوجوانوں کے پروگرام سے نوجوانوں کی صلاحیتوں کو اجاگر کرواکے کندن بناتے رہے۔ آخر ریڈیو والوں نے ان کا نوجوان روپ دیکھ کر انھیں ایک اور امتحان سے دو چار کر ڈالا کہ دیکھیں آخر آپ کے اندر کا بچہ کیسا ہے اور کتنا ذہین ہے۔ سو بچوں کے پروگرام کی ذمے داری سونپ دی۔ اس کے بعد آپ کی صلاحیتوں کا مزید امتحان لیا گیا اور آپ کو کرنٹ افیئرز جیسے پروگرام دے ڈالے گئے۔ آپ کی جواں ہمتی، شوق اور خوب سے خوب تر کی تلاش نے وہاں بھی آپ کو سرخ رو کیا اور "صبح دم دروازۂ

خاور کھلا" اور "شب کو ہے گنجینۂ گوہر کھلا" جیسے پروگرام شان دار طریقے سے نذرِ سامعین کرتے رہے۔ ادب سے شدید لگاؤ اور خدمت کے باعث "ادبی مجلہ"، "میزان" اور "داستاں بنتی گئی" جیسے پروگرام پیش کرنے لگے۔ اس کے علاوہ ادبی محاکمے، جو چھ یا سات مقدمات پر مشتمل تھے، کیے جن میں ہر مقدمے کا تعلق ادب سے تھا، یعنی سارے عنوانات میں تقابل ادب سے رکھا گیا تھا مثلاً "سائنس اور ادب"۔ گویا یاور بھائی نے اپنے ادب سے شوق اور لگاؤ کو اجاگر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ لیکن ادب کے طبیعت میں رچ بس جانے اور انتہائی دلچسپی کو تسکین نہ ہوئی لہٰذا انٹرویو کا سلسلہ شروع کیا، مگر یہ سارے انٹرویوز ایسی شخصیات کے تھے جن کا ہر صورت ادب کی کسی نہ کسی صنف سے تعلق تھا۔ یاور بھائی کی محبت بھری طبیعت یہاں بھی اجاگر ہوئی اور انھوں نے اپنے پروگرام کا نام ہی "آپ سے گفتگو کریں" رکھ ڈالا۔ یہ انٹرویوز تین، تین گھنٹے کے بھی ہو جایا کرتے تھے۔ اس پروگرام میں ادب کی نہایت مقتدر، محترم اور ممتاز شخصیات اور اپنے زمانے سے لے کر آج تک کی نابغۂ روزگار شخصیات کے انٹرویوز کرنے میں اپنی بہترین صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔ ان شخصیات میں عصمت چغتائی، ابن انشا، مجنوں گورکھپوری، جوش ملیح آبادی، جگر مراد آبادی، ڈاکٹر شوکت سبزواری، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ہاجرہ مسرور، سراج الدین ظفر، ادیب سہارنپوری، عاجز لکھنوی، بہزاد لکھنوی، صبا لکھنوی، سرور بارہ بنکوی، ابراہیم جلیس، صہبا اختر، پروفیسر کرار حسین، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، پروفیسر کرار نوری، آل رضا، ارم لکھنوی وغیرہ جیسے اہم نام شامل ہیں۔

میرے یاور بھائی کی شخصیت کا اب بھی مکمل احاطہ نہیں ہوا بلکہ یہ ایک خاکہ ہے۔ زندگی رہی تو ان کے بارے میں کافی کچھ لکھا جائے گا جسے میں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی، ان شا اللہ!

محترمہ نوشی گیلانی نے کہا

یاور بھائی سے کافی مدت سے واقف ہوں ۔ یاور بھائی ریڈیو پاکستان ، کراچی کے سب سے زیادہ پسندیدہ پروڈیوسر ہیں جنھوں نے بے شمار یادگار پروگرام کیے جو امر ہو گئے ۔ علم و ادب کو فروغ دینے کے سلسلے میں جتنی خدمات آپ کی ہیں ، میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ اتنی خدمات پورے ریڈیو پاکستان میں کسی بھی پروڈیوسر کی نہیں ہو سکتیں ، کیونکہ وہ اپنے تمام پروگرام انتہائی ایمان داری اور لگن کے ساتھ کرتے ہیں ۔ عموماً ریڈیو اور ٹی ۔ وی میں وقت کی پابندی نہیں ہوتی ، مگر یاور بھائی وقت کو حقیقت میں وقت سمجھتے ہیں اور ہمیشہ وقت پر پروگرام شروع کرتے ہیں ۔ اب اگر پروگرام کرنے والے ہی دیر سے آئیں تو یاور بھائی کی کیا خطا ہو سکتی ہے ؟

ذاتی زندگی میں بھی یاور بھائی بہت ہی عظیم انسان ہیں ۔ میں اب پنجاب کے بعد کافی عرصے سے امریکا میں ہوں ۔ یہاں بھی یاور بھائی کے چاہنے والوں کی بھاری تعداد ہے ، کیونکہ ان کے لائے ہوئے فن کار اور مختلف لوگ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں ۔

میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ یاور بھائی کی عمر دراز کرے ۔ آمین !

نوجوان شاعرہ محترمہ گل زیب زیبا نے کہا

(رپورٹ : محمود حسن)

یاور مہدی صاحب سے میں پہلے تو صرف آرٹس کونسل کی حد تک واقف تھی مگر جب مجھے ان کے ریڈیو سے تعلق کا پتا چلا تو پھر مجھے ریڈیو میں صرف اور صرف یہی

محسوس ہوئے۔خاص طور پر "بزم طلبا" کے حوالے سے جو میرے پسندیدہ پروگراموں میں سے ایک ہے۔

آرٹس کونسل کا تمام بار بھی حقیقی طور پر یاور مہدی صاحب کے ہی مضبوط شانوں پر ٹھہر سکتا ہے۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی علالت کے شدید ترین دور میں بھی تمام ترکارہائے ادب کو کامیابی کے ساتھ جاری و ساری رکھا۔یہاں کی تمام رونقوں کا دارومدار انھیں کے انتظام و انصرام پر منحصر ہے۔

خدا یاور مہدی صاحب کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا، شاد و آباد رکھے، آمین ثم آمین!

نہ تکبر، نہ تصنع، نہ بناؤ

شبیہ عباس جارچوی

لگ بھگ دس سال قبل ریڈیو پاکستان، کراچی میں یاور مہدی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں وہاں وقتاً فوقتاً ادبی پروگرام حسنِ خیال میں افسانہ ریکارڈ کرانے جایا کرتا تھا۔ یاور مہدی صاحب کو میں نے دوسرے پروڈیوسروں سے بے حد مختلف پایا۔ نہ تکبر، نہ کوئی مصنوعی لہجہ یا انداز، نہ احساسِ کمتری اور نہ احساسِ برتری، ہر شخص سے ان کا برتاؤ یکساں اور پرخلوص ہوتا۔ بعد میں یاور صاحب سے آرٹس کونسل اور شہر میں دیگر ادبی تقریبات میں بارہا ملنا ہوا۔وہ منکسر المزاج اور علم و ادب کے خاموش کارکن ہیں۔اس شہر کراچی میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جنھیں متعارف کرانے، آگے بڑھانے میں یاور مہدی صاحب کا ہاتھ ہے اور مہدی صاحب کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ کون انھیں یاد بھی رکھتا ہے اور کون نہیں۔

اخلاص اور تہذیب کی چلتی پھرتی اکائی

مظفر ضیا

یہ اس وقت کی بات ہے جب ٹیلی وژن ہمارے ملک میں اتنا عام نہیں تھا، ابلاغِ عامہ کے ذرائع میں ریڈیو کو بے انتہا اہمیت حاصل تھی۔ ریڈیو پاکستان کے ساتھ یاور مہدی کے نام کی وابستگی گزشتہ ربع صدی سے زائد کے عرصے پر محیط ہے، بالخصوص جب بھی ریڈیو پاکستان، کراچی کا خیال آتا ہے تو غیر ارادی طور پر یاور مہدی کا نام اور ان کی شخصیت خود بخود سامنے آجاتی ہے۔ یہ اس لیے نہیں کہ یاور مہدی نے شعوری طور پر ریڈیو پاکستان کا سہارا لے کر ذاتی تشہیر کی کوشش کی ہو، یاور مہدی اگر ریڈیو پاکستان میں نہ ہوتے اور کہیں بھی ہوتے تو یاور مہدی ہی ہوتے۔ اس سے میرا مفہوم یہ ہے کہ در حقیقت یاور مہدی صرف ایک نام نہیں بلکہ اخلاص اور تہذیب کی ایک چلتی پھرتی اکائی ہے:

"جو دلوں کو فتح کرلے، وہی فاتحِ زمانہ" کے مصداق یاور مہدی نے لوگوں کے دلوں پر حکومت کی ہے۔ جہاں تک انسانی حوالوں سے امکانات کا تصور ہو سکتا ہے، یاور مہدی کی ذات سے شاید ہی کبھی کسی کو کوئی نقصان پہنچا ہو، البتہ بے شمار ایسے لوگ ہیں جن کے بارے میں خود یاور مہدی کو اندازہ نہ ہوگا کہ وہ کس قدر ان سے متاثر ہیں اور ممنونِ احسان ہیں نسبتاً کم صلاحیت والے یا کم تجربہ رکھنے والے قلم کار یا صداکار بالخصوص یاور مہدی کی توجہ کا مرکز رہے ہیں۔ جب بھی یاور مہدی یہ محسوس کرتے تھے کہ ان کا تھوڑا سہارا کسی شخص کے کچھ بن جانے میں ممد و معاون ثابت ہوگا تو یاور مہدی دل و جان سے ایسے اشخاص کی معاونت فرماتے تھے اب عنقریب اپنے فرائضِ منصبی کو بحسن و خوبی پایۂ تکمیل تک پہنچا کر سبک دوش ہونے والے ہیں تو ریڈیو پاکستان میں جو خلا ان کے ریٹائرمنٹ سے پیدا ہوگا،

اس کا پر ہونا بظاہر محال معلوم ہوتا ہے۔ یوں دنیا کے کاروبار تو چلتے ہی رہتے ہیں۔

ریڈیو پاکستان کے علاوہ بھی یاور مہدی نے اپنی نجی زندگی کے ہر شعبے میں جہاں بھی اور جس طرح بھی بن پڑی اور ممکن ہوا، وہاں تعمیری کاموں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی ہی کو لے لیجیے، یاور مہدی کی وابستگی آرٹس کونسل کے لیے مسلسل تقویت کا باعث ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ فی الحال یاور مہدی کے تین گھر ہیں۔ ایک گھر تو وہ ہے جہاں وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ قیام پذیر ہیں، دوسرا ریڈیو پاکستان ہے جہاں سے ان کی روزی بحکم ربی وابستہ رہی ہے، تیسرا آرٹس کونسل ہے جہاں وہ باقی ماندہ وقت آرٹس کونسل کی نوک پلک درست کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ گویا اگر آپ یاور مہدی کو تلاش کرنا چاہیں (یوں تو آپ ان کو اپنے دل کے قریب ہی پائیں گے) تو بالعموم ان تینوں جگہوں میں سے کسی ایک جگہ آپ کو مل جائیں گے۔

یاور مہدی ایک ہر دل عزیز شخصیت کا نام ہے، اور اگر آپ آزمانا چاہیں اور آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یاور مہدی کسی معاملے میں آپ کے ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں تو یقین کیجیے کہ یاور مہدی آپ کو مایوس نہ کریں گے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد، خدائے بخشندہ

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت اپنے حبیبؐ کے صدقے اور پنج تن پاک کے طفیل یاور مہدی کو تادیر سلامت رکھے اور اپنے اہل و عیال اور مخلوق خدا کی حسب معمول پر خلوص خدمت کا جذبہ ان کے دل میں فزوں تر رہے۔ آمین ثم آمین!

یاور مہدی .... اپنی شخصیت کے دائرے میں

تسنیم فاطمہ

یاور مہدی صاحب پر لکھنا دشوار بھی ہے اور آسان بھی ۔ ان کی شخصیت نمایاں بھی ہے اور پس پردہ بھی۔ ان میں بہت سی اخلاقی خوبیاں ہیں جن کی فوقیت یہ ہے کہ وہ کسی کی افادیت کو منوانا چاہیں تو یہ محسوس نہیں ہونے دیں گے کہ وہ اس شخص کے ادبی معاون ہیں، اور اگر نفی کے پہلوؤں کو اجاگر کریں تو احساس تک نہ ہوگا کہ منفی پہلو کی طرف اس شخص کو لے جا رہے ہیں اور وہ خوش رہے گا۔

یاور صاحب حکومتِ پاکستان کے اس حساس ترین شعبے سے تعلق رکھتے ہیں جہاں ادبی پودے لگائے اور پروان چڑھائے جاتے ہیں ۔ فنون لطیفہ کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ ہر وقت ان کے اطراف میں موجود رہتے ہیں جن کی پذیرائی بلحاظ خلق اور تہذیب یاور مہدی صاحب کرتے ہیں ۔ ان کی ملازمتی حیات کا پیراہن ہمیشہ لالہ زار اور گلاب صفت رہا۔ انھوں نے اپنی تمام ملازمت میں یہ فرض سمجھ کر تمام کارِ منصبی انجام دیا کہ ریڈیو پاکستان کے کراچی سیکشن یا جہاں جہاں بھی تبادلہ ہو کر جائیں، اس کو پروقار اور قابل تعریف بنائیں ۔ ظاہر ہے ایسا کرنے میں ان کو جاں فشانی کرنی پڑی ہوگی، لیکن وہ کامیابیوں سے ہمیشہ ہم کنار ہوئے ۔

یاور صاحب شائستہ مزاج اور شستہ مذاق شخص ہونے کے علاوہ ہر وقت اپنے لبوں پر ایک خوب صورت مسکراہٹ لیے ہوتے ہیں، یہ سنتِ نبوی بھی ہے اور اخلاق کا تقاضا بھی ۔ یاور صاحب نے مسلسل ریڈیو کے پروگراموں میں نئے تجربات کیے اور کوشش کی کہ خوب کو خوب تر بنادیں ۔ یہ ان کے اخلاق اور مقناطیسی شخصیت کا اثر رہا کہ وہ شہر کے کسی شاعر، نقاد، مبصر، مفکر، موسیقار، ڈراما

آرٹسٹ یا ادیب کو جس وقت یاد کریں، بلا عذر اور انکار کے حاضر ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ یاور صاحب آرٹس کونسل کی ضرورت بن گئے۔ آج آرٹس کونسل کو آرٹس کونسل بنانے کا سہرا یاور صاحب کے ہی سر ہے۔ یاور صاحب نے کبھی ادیب، ناقد یا محقق ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، لیکن اگر غور کیا جائے تو اردو ادب میں لفظ "کام" اگر اسی کو نہیں کہتے تو کیا ان کے سوا اوروں کے کار تحریری کو کہتے ہیں کہ جن کی قلمی طمطراق اپنی ذات کے لیے ہوتی ہے یا خود پر رنگ و روغن کروانے کے لیے؟" ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری" کا مصرع یقیناً یاور صاحب جیسے لوگوں کے لیے کہا گیا ہوگا۔ یاور صاحب ہمہ جہت شخصیت کے حامل ہیں۔ کراچی کا کون سا چھوٹا یا بڑا مشاعرہ یا کوئی ادبی مجلس ایسی ہے جس میں یاور صاحب اپنی علالت کے باوجود نظر نہ آتے ہوں۔ یاور صاحب صرف ریڈیو کے ہی نہیں بلکہ ادب، اخلاق، تہذیب و تمدن اور متانت کا ایسا مکتب ہیں جن سے صرف چند لمحات نہیں بلکہ ہمیشہ درس اور سبق لیا جائے گا۔ یاور صاحب کی ادبی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے میرے پاس وہ معطر الفاظ خاطر خواہ نہیں ہیں، تاہم میں اس بات پر فخر محسوس کر رہی ہوں کہ ان پر چند الفاظ لکھنے کی سعادت حاصل کر رہی ہوں۔ میں نے اپنی تحریر میں بہت سے ان رسمی جملوں کو فراموش کیا ہے جو ان لوگوں کے لیے اچھے نہیں لگتے ہیں جن کی قدر دل سے کی جائے۔

دعا گو ہوں کہ خدا یاور مہدی صاحب کو صحت عطا کرے اور وہ ہمیشہ شاد رہیں۔ آمین!

کون معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

جمال نقوی

دل آویز اور قد آور شخصیت کے مالک، اخلاص و ایثار کے پیکر، جزی بزی

خوب صورت اور پر رونق آنکھیں، کھلتا ہوا گلابی چہرہ، کشادہ پیشانی، سفید بال اور لبوں پر سدا مسکراہٹ۔ شلوار قمیص ان کا پسندیدہ لباس ہے۔ اپنی ذات میں ایک انجمن اور ایک ادارہ ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے سے بڑی محبت سے ملنا اور اپنے نام کی مناسبت سے کام آنا، خدمتِ انسانیت ہو یا خدمتِ ادب و ثقافت، ان کے نزدیک یہ عمل عبادت سے عبارت ہے۔

ادب، ثقافت اور آرٹ ان کے پسندیدہ شعبے ہیں، انھیں سے روزی کماتے ہیں اور انھیں سے اپنا شوق پورا کرتے ہیں۔ سخن فہمی، ادب نوازی اور آرٹ کی باریکیوں کو سمجھنا ان کی فطرت میں شامل ہے۔ اس لیے شہر میں چاہے جاپان کونسلیٹ کا ہائیکو مشاعرہ ہو یا عالمی مشاعرہ، ڈراما، ثقافتی تقریب، آرٹ کی کوئی نمائش یا مرثیے کی مجالس، آپ ان کو ہر جگہ داد دیتے ہوئے پائیں گے، اسی لیے اس شعبے کے چھوٹے سے لے کر بڑے فن کار، آرٹسٹ، گلوکار، شاعر، ادیب، مصور اور مجسمہ ساز ان کی عزت کرتے ہیں، ان کے شیدائی ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں۔ یہ بھی ان کے لیے فرشِ دل وا کیے رہتے ہیں، ان کے اعزاز میں ریڈیو اور آرٹس کونسل وغیرہ میں محفلیں سجاتے رہتے ہیں اور مسلسل محنت، پیہم جدوجہد، اخلاص و سچائی کے ساتھ ادب، ثقافت، ادیب و فن کار کے مسائل سلجھانے میں لگے رہتے ہیں شہرت و عزت اور اقتدار و اختیار کے بام عروج پر پہنچنے کے باوجود بھی ان کا ظرف کبھی نہ چھلکا اور اخلاص و شرافت کا دامن ان کے ہاتھ سے کبھی نہ چھوٹا۔ ان کا ظرف اس سمندر کے مانند ہے جس کے بارے میں ناطق لکھنوی نے کہا تھا:

کہہ رہا ہے موجِ دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے، اتنا ہی وہ خاموش ہے

روشن ضمیر ایڈمنسٹریٹر اور منتظم ایسے کہ ریڈیو میں ہیں تو ایک مقتدر اور معزز مقام پر فائز اور اس کی عالمی سروس کو اس خوش اسلوبی سے کنٹرول کیے ہوئے

ہیں کہ محکمہ بھی خوش ، فن کار بھی خوش اور سامعین بھی مطمئن ۔ آرٹس کونسل میں ہیں تو بظاہر مالیات کے انچارج ہیں لیکن حقیقتاً پوری کونسل کے روح و رواں ۔ چاہے وہ پبلی کیشن کمیٹی ہو ، ادبی کمیٹی ہو یا فن و ثقافت کی دوسری کمیٹیاں ، سب کے پس پردہ ان کی شخصیت ہی جلوہ گر نظر آئے گی اور ہر تقریب میں آخری کرسیوں پر بیٹھے یہی نظر آئیں گے نام و نمود سے بے پروا ، ٹی ۔ وی کیمرے اور فوٹو گرافروں سے بہت دور ۔ ہاں ! خواہش ہوگی تو یہ کہ دوسرے نمایاں ہوں اور ان کی کارکردگی سامنے آئے ، " خبر نامہ آرٹس کونسل " جس کی بولتی مثال ہے ۔ اس میں زیادہ تر دوسروں کی تصویریں اور ان کے بارے میں تو چھپتا رہتا ہے لیکن ان کے بارے میں یا ان کی تصویریں بہت کم ۔

ریڈیو کے بعد آرٹس کونسل کو انھوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے ۔ اگر آپ سے فرمائش بھی کریں گے تو " خبر نامہ " کے اشتہار کے لیے یا آرٹس کونسل کے ڈونیشن کے لیے تاکہ ترقیاتی منصوبے مکمل ہو سکیں ۔

مخالفت برائے مخالفت سے قطع نظر اگر حقیقت شناس نظروں سے دیکھا جائے تو ان کے مسلسل دور اقتدار میں آرٹس کونسل ، کراچی نے نمایاں ترقی کی ہے اسے انھوں نے حقیقی معنوں میں فن کاروں ، ادیبوں اور شاعروں کا مرکز بنادیا ہے ، شاید یہی وجہ ہے کہ چند حاسدوں کی مخالفت کے باوجود ان کا پینل ہر سال الیکشن میں نمایاں کامیابی حاصل کرتا ہے ۔

آپ یقیناً اب تک پہچان چکے ہوں گے کہ ان تمام خوبیوں کی مالک ، ہر دل عزیز شخصیت کون ہے ؟

ہاں ! آپ نے صحیح پہچانا ۔ یہ ہیں ہمارے اور آپ کے " یاور بھائی " ! جن کا پورا نام سید یاور مہدی ہے ، لیکن وہ یاور بھائی کے نام سے ہی جانے جاتے ہیں ۔

شہرِ کراچی کو ناز ہے اور خصوصاً آرٹس کونسل آف پاکستان کو فخر ہے کہ

اسے ایسا یاور حاصل ہے جس نے پریشانیوں کے دور میں بھی اہل کراچی کی یاوری کی اور ادب و ثقافت کی محفلیں سجا کر ان کے غموں کو کم کرنے کی کوشش کی ۔ وہ احمد ندیم قاسمی کے اس مصرع پر عمل پیرا ہیں:

آدمیت کے تقاضوں کا وفا دار ہوں میں

آج کے اس پرآشوب دور میں جب کہ انسان، انسانیت کے لیے ترستا ہے اور بقول شان الحق حقی:

بزم دنیا ہے صنم خانۂ ویراں کی طرح
آدمی دہر میں نایاب ہے یزداں کی طرح

یاور مہدی جیسی چند ہستیاں بہت غنیمت ہیں جن سے انسانیت کا بھرم باقی ہے اور جن کی زندگی قابل تقلید ہے:

ورق تمام ہوا ، اور مدح باقی ہے

شفیع حیدر دانش

کوئی دل نشیں کتاب یا خوب صورت دیباچہ لکھنا سہل ہے مگر کسی کی شخصیت کا احاطہ کرنا نہایت دشوار کام ہے، لیکن جب نام یاور مہدی صاحب کا ہو تو یہ کام خود ان کی سادہ شخصیت کی طرح آسان ہو جاتا ہے۔ یاور بھائی سے میری پہلی ملاقات محترم جاوید منظر صاحب کے توسط سے ہوئی تھی، پھر یہ سلسلہ ادبی محافل اور نجی نشستوں، حتیٰ کہ آرٹس کونسل تک میری رسائی پر منتج ہوا۔ بظاہر کڑیل جسم، کشادہ شانے اور قوی جسم وجاں کا یہ شخص انتہائی نرم گو، ملائم طبیعت، خوش گفتار اور دھیمے لہجے کا مالک ہے۔ یاور مہدی صاحب کو غصہ تو شاید آتا ہی نہیں یا پھر

تنہائی میں قد آدم آئینے کے سامنے غیض و غضب کے سب تیر برسا کر طبیعت کا ترکش خالی کر کے ہم جیسے لوگوں میں خوش دلی سے گھل مل جاتے ہیں ۔ یہ یاور مہدی بھائی کی ہمہ گیر صفات ہی کا نتیجہ ہے کہ ان کا حلقۂ احباب نہایت وسیع اور زرخیز ہے جس میں نوجوانوں سے لے کر ہر عمر کے لوگ شامل ہیں ۔ محض اعلیٰ اخلاقی صفات ہی نہیں بلکہ یاور مہدی صاحب کردار کے غازی ہیں ۔ ان کی ادبی خدمات اور فروغ ثقافت و فن کے لیے کاوشیں اتنی گراں قدر ہیں کہ اس پر مفصل کتاب لکھی جا سکتی ہے ۔ وہ آواز کی دنیا میں اپنی سرکاری مصروفیات کے ساتھ ساتھ کتنی تن دہی اور اخلاص کے ساتھ ادبی دنیا کے گوشے گوشے کو توانائی اور جلا بخشتے ہیں ، یہی وجہ ہے کہ اہلیانِ کراچی کے دل خصوصی طور پر یاور صاحب کی ہر دل عزیز شخصیت کے نام پر مسرت و شادمانی سے تیز تر دھڑکنے لگتے ہیں ۔ منزل بمنزل بڑھتے ہوئے کاروانِ ادب کے دور افتادہ گوشوں سے آپ یہ بازگشت ضرور سن رہے ہوں گے کہ

اس راستے میں جب کوئی سایہ نہ پائے گا
یہ آخری درخت بہت یاد آئے گا

یاور بھائی

جن سے شاید میری پہلی ملاقات نہیں ہوئی

فردوس عالم

مجھے یاد نہیں کہ یاور بھائی سے میری پہلی ملاقات کب ہوئی تھی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سے کوئی بھی ملاقات پہلی ملاقات محسوس نہیں ہوتی ۔ وہ جب بھی ملتے ہیں تو ایسے ملتے ہیں کہ جیسے یہ ملاقات برسوں پر محیط ہو ۔

یاور بھائی کا کمال یہ ہے کہ وہ خود خاموش رہتے ہیں، لیکن دوسروں کو بولنے پر آمادہ کرتے ہیں، اچھے اچھے ڈھنگ نکالتے ہیں کہ بولنے والا اپنے اپنے ڈھب میں بول سکے۔ مجھے وہ وقت یاد ہے کہ جب یاور بھائی اپنی ذات میں بزم طلبا تھے۔ راہ چلتے شخص سے بھی کہو "یاور مہدی" تو وہ فوراً پوچھتا تھا، "اچھا! وہ 'بزم طلبا' والے"۔ واقعی یاور بھائی نے ریڈیو پاکستان، کراچی کے بزم طلبا پروگرام کو ایک ادارے کی حیثیت دی تھی۔ وہ ایک تربیت گاہ کے طور پر سامنے آیا اور آج اندرون ملک اور بیرون ملک خاصے نام ور اہل علم و فن اسی "بزم طلبا" کے تربیت یافتہ ہیں۔

جب سے یاور بھائی آرٹس کونسل سے وابستہ ہوئے ہیں، تب سے ان کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ایک بار ہم ان کے ساتھ کراچی میں کسی صاحب کا مکان تلاش کر رہے تھے۔ کئی مکانوں پر دستک دی، مگر ان صاحب کا مکان نہ ملا۔ ایک صاحب جب کسی گھر سے باہر آئے تو انھوں نے یاور بھائی سے کہا، "آپ جن صاحب کو پوچھ رہے ہیں، وہ تو یہاں نہیں رہتے۔ ویسے یہ بتلائیے، آپ یاور مہدی صاحب ہیں؟" وہ بولے، "جی ہاں! میں یاور مہدی ہوں"۔ پھر ان صاحب نے کہا، "اچھا! میں نے آپ کو آرٹس کونسل میں ووٹ دیا تھا"۔

یاور بھائی شہر کے کونے کونے میں بے حد جانے پہچانے جاتے ہیں۔ وہ کوئی اسکول کالج ہو، تھانہ ہو کچہری ہو، ہسپتال، ریلوے اسٹیشن، ایئرپورٹ یا بس اسٹینڈ ہو .... ہر جگہ یاور بھائی کے دوست ہی دوست ملیں گے۔ ان کے ساتھ اس قدر مخلص ہوتے ہیں کہ یاور بھائی کی ہر بات کو بہت اہمیت دیتے ہیں، کیونکہ وہ صرف ہمارے ہی نہیں بلکہ سب کے یاور بھائی نظر آتے ہیں۔

ان کے سب دوستوں کی متفقہ رائے ہے کہ یاور بھائی اپنے کام تو بھول سکتے ہیں لیکن دوسروں کے کام نہیں بھولتے، اس لیے اکثر جب ان سے ہم کوئی کام کہتے ہیں تو کہا کرتے ہیں کہ "اسے اپنا کام سمجھ کر نہ کیجیے گا"۔

واقعی کئی بار ایسا ہوا کہ ہم نے جو کام یاور بھائی سے کہا، وہ ہم خود بھول گئے مگر یاور بھائی کو یاد رہا۔ ان کی مصروفیت کا عالم یہ رہا ہے کہ عموماً جب لوگ اپنے گھر دیر سے واپس پہنچتے ہیں تو گھر والے پریشان ہو کر پوچھتے ہیں، "آج خیریت تو ہے؟" لیکن یاور بھائی جب ذرا جلد گھر پہنچ جائیں تو گھر والے محوِ حیرت ہو جاتے ہیں کہ "خیریت تو ہے؟"

وہ حتی المقدور بلکہ حتی المخدوش مصروف رہنے والے انسان ہیں۔ سنتے ہیں کہ وہ ریٹائر ہو رہے ہیں، شاید صحیح بھی ہو لیکن میں یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں۔ ریٹائر وہ ہوتا ہے جو پہلے کبھی ٹائرڈ (tired) ہوا ہو۔ یاور بھائی تو ان تھک محنت کے انسان ہیں اور جو ان تھک محنت کا انسان ہو، وہ نہ تو کبھی ٹائرڈ ہوتا ہے اور نہ ریٹائرڈ۔

غیور عباس

یاور بھائی کو کون نہیں جانتا۔ ریڈیو، ٹی۔ وی اور علم و ادب کی محفلوں کی جان تصور کیے جاتے ہیں۔ ان کی شہرت پاکستان ہی میں نہیں بلکہ دیارِ غیر میں بھی ہے۔ وہ ایک بہت اچھے پروڈیوسر، بہت عظیم انسان، اچھے بھائی، شفیق باپ اور دوستوں کے دوست ہیں۔ میری ان سے بہت پرانی شناسائی ہے۔

میں یہاں اسلام آباد میں مقیم ہوں، مگر اپنے دوست اور بھائی یاور مہدی صاحب کو روز یاد کرتا ہوں۔ وہ حقیقت میں ایسی شخصیت ہیں جنھیں ہمیشہ اور ہر پل یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر طویل کرے!

میں نے سنا ہے کہ ان کی شخصیت پر ان کے دوست ان کے بارے میں کتاب مرتب کر رہے ہیں۔ یہ بڑا اچھا اور نایاب کام ہوگا۔ میری دعا ہے کہ یہ کتاب جلد منظرِ عام پر آئے۔ میری دعائیں اور تعاون ہمیشہ یاور بھائی کے ساتھ رہے گا۔

یاور مہدی

شمیم نگہت

حسن عابد کا خط آیا ہے.... "شمیم بھابی سے کہو یاور کے لیے کچھ ضرور لکھیں، سبھی دوست لکھ رہے ہیں"۔ بار بار حسن عابد کا خط ذہن کو جھنجوڑتا ہے۔ میں بھی کچھ لکھنا چاہتی ہوں بلکہ بہت کچھ.... لیکن.... لیکن پچھلے تین برسوں کے لمبے عرصے میں میری سوچ، میرا ذہن بلکہ میرا پورا وجود، میری پوری کائنات کو ہی گھور اندھیروں نے نگل لیا ہے۔ میرا وجود پتا نہیں کس لمحے کا انتظار کر رہا ہے! شارب، جن کا دوسرا نام ہمت ہے، سہارا ہیں۔ بار بار یاد دلاتے ہیں یاور کے لیے لکھ دو۔ لیکن کیا لکھوں؟ ان کی محبتیں؟ ان کی پر خلوص مسکراہٹیں؟ ان کے نپے تلے موتی جیسے جملے؟ مجھے سب کچھ یاد آرہا ہے، لیکن سب کو ترتیب سے کیسے لکھوں؟ یاور تو اتنا پیارا دوست ہے کہ شکایت ہی نہیں کرے گا۔ عینک کے پیچھے سے جھانکتی دو روشن، گہری گہری آنکھیں مجھ پر محبتیں ہی برسا دیں گی اور دو گو تم بدھ جیسے ہونٹ صرف مسکرا کر رہ جائیں گے۔ وہ جملوں کے محتاج نہیں، لیکن میں ان میں اپنا تمام کرب تلاش کر لوں گی کہ وہ میرے دکھ سے واقف ہیں، وہ شماخ کے پیارے یاور چچا ہیں جو فون پر آواز سن کر ناچ اٹھتی تھی.... "یاور چچا! ضرور آئیے، ضرور آئیے" اور اور پھر وہ بلاتے بلاتے خود چلی گئی۔

یاور کی محبت پر، ان کے خلوص پر ہم تینوں کا ایمان تھا۔ میں یاور کے بارے میں کیا لکھوں! میرے پاس نہ الفاظ ہیں اور نہ سوچ کہ جملوں میں اظہار کر سکوں۔ بس اتنا جانتی ہوں کہ ایک سچے انسان، ہمدرد دوست اور صاف ذہن کا انسان اگر تلاش کرنا ہے تو یاور کے گھر کا پتا پوچھ لو۔

یاور بھائی .... ایک شخصیت یا ادارہ؟

عباس حیدر سید

دنیا کے مختلف اداروں نے اپنی ضرورت کے پیش نظر ہیومن ریسورسز ڈیپارٹمنٹ یا افرادی قوت کی تربیت گاہیں قائم کیں ہیں جہاں ماہرین کے تجربے کار افراد پر مشتمل ٹیمیں نوجوانوں کو تربیت دیتی ہیں اور حسب ضرورت ان کی صلاحیتوں سے استفادہ حاصل کیا جاتا ہے، لیکن اگر یہ کہا جائے کہ مختلف علوم و تجربے کار افراد کی ٹیم کی بجائے کسی ایک ایسے فرد کی خدمات حاصل کر لی جائیں جو ان کی ضرورت کو پورا کر سکے تو لوگ اسے ناممکن قرار دیں گے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے شخص میں وہ تمام صلاحیتیں ودیعت کر دی ہیں جو کسی ماہر ٹیم کی تشکیل کے افراد میں ہوتی ہیں، اور وہ شخصیت یاور مہدی کی ہے جسے سب پیار سے یاور بھائی کہتے ہیں، گویا انھیں ایک ادارے یا درس گاہ کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔

یاور بھائی سے میری پہلی ملاقات اکتوبر ۱۹۶۸ء میں ریڈیو پاکستان، کراچی میں ہوئی۔ میں اس وقت غیر منقسم اردو کالج (سائنس، آرٹس [صبح] اور آرٹس، کامرس اور لا [شام]) کی مشترکہ یونین کا منتخب صدر تھا۔ مجھے اطلاع ملی کہ ریڈیو پاکستان "جشن طلبا" منا رہا ہے جس میں کراچی کے کالجوں کے صدور کا پیغام بھی نشر کیا جائے گا اور دوسرے دن میرا پیغام نشر کیا جائے گا۔ میں اپنے دوست اقبال لطیف، جو آج کل پی۔ ٹی۔ وی پروڈیوسر ہیں، کے ہمراہ ریڈیو پاکستان پہنچا۔ یاور بھائی کے آفس میں طلبا کا ایک جم غفیر تھا اور یاور بھائی ہر ایک سے محبت و شفقت سے پیش آ رہے تھے۔ اسی دوران انھوں نے کچھ طلبا کو تقریری مباحثے کے سلسلے میں ضروری ہدایات دیں، کسی کی تقریر کے لہجے کو درست کیا اور آواز کے اتار چڑھاؤ اور تاثرات کو سمجھایا

میں نے جب ان سے اپنا تعارف کرایا تو وہ بہت تپاک سے ملے اور مجھے قریب کی کرسی پر جگہ دی ۔ پیغام کا اسکرپٹ پڑھا اور اپنے ساتھ مجھے اسٹوڈیو لے گئے اور پیغام ریکارڈ کروایا۔ اس طرح اس ملاقات کے بعد ان سے میری ملاقات گاہے بگاہے ہوتی رہی ۔ تعلقاتِ عامہ کے حوالے سے بھی ان سے میری ملاقات ہوتی رہی ۔ روزِ اول وہ جس محبت سے ملے ، آج بھی اسی انداز سے ملتے ہیں ۔ خدا انھیں صحت و تن درستی دے اور بچوں کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے ، آمین!

یاور بھائی کی خوش خلقی کی وجہ سے اگر انھیں دوست ساز کارخانہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا ، کیونکہ ان سے جو بھی ایک دفعہ ملا ، وہ ان کا گرویدہ ہوگیا۔ اچھی طرح پیش آنا اور اچھے دوست بنانا تو سبھی کو آتا ہے ، لیکن ان میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اچھا کام لیتے ہیں ، یہی وجہ ہے کہ آج آرٹس کونسل اس مقام پر پہنچی ہے ۔ آپ نے یہاں اپنے دوستوں کا ایک وسیع حلقہ بنایا جس میں فنونِ لطیفہ کے افراد ، دانش ور اور انسان دوست حضرات شامل ہیں جنھیں کچھ نہ کچھ کام سونپ دیے ۔ اسی طرح کچھ دوست آرٹس کونسل کی بلڈنگ کی توسیع کو اپنا مشن بنائے ہوئے ہیں ، کچھ ادبی سرگرمیوں کو فروغ دے رہے ہیں اور کچھ معیاری تفریح فراہم کرنے کی جستجو میں مگن ہیں.... گویا جو بھی چہرہ دیکھو ، اس میں یاور بھائی نظر آتے ہیں ۔

ایک خاص بات جو یاور بھائی میں ہے ، وہ یہ کہ وہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو آرٹس کونسل کا ادنیٰ رکن سمجھتے ہیں ۔ بڑے سے بڑا کام کرنے کے بعد بھی وہ کسی بھی جلسے میں پنڈال کی آخری نشستوں پر ہی نظر آتے ہیں ۔ انھیں نام و نمود کی کوئی تمنا نہیں ۔ بقولِ میر:

فقیرانہ آئے ، صدا کر چلے
میاں ! خوش رہو ، ہم دعا کر چلے

یاور مہدی صاحب کے لیے

غزل جعفری

یاور مہدی صاحب ریڈیو پاکستان کی "ریڑھ کی ہڈی" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کا طویل عرصہ ریڈیو پاکستان میں صرف کر دیا۔ اس دوران انھوں نے پروڈیوسر، ڈپٹی کنٹرولر کے علاوہ دیگر اہم ذمے داریاں بھی نبھائیں۔

یاور مہدی صاحب نے پاکستان کے حوالے سے، یعنی نوجوانوں کو پاکستان کی اہمیت بتانے کے لیے ریڈیو پاکستان سے مختلف لوگوں کی تحریکِ پاکستان کے حوالے سے طویل تقریری پروگرام نشر کیے جو ریڈیو پاکستان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ یاور مہدی صاحب نے نوجوانوں کی صلاحیتوں کو ہمیشہ اہمیت دی اور بلا امتیاز لوگوں کو آگے بڑھایا۔ انھوں نے جس خلوص اور لگن کے ساتھ روز و شب ریڈیو پاکستان کے لیے کامیاب پروگرام کیے، وہ اس کے لیے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

پاکستان آرٹس کونسل "آرٹس کونسل آف کراچی" کو یاور مہدی صاحب نے چار چاند لگائے اور ہر تقریب کو منعقد کرنے میں آگے آگے رہے۔ ملک کی نام ور شخصیات کے اعزاز میں بڑے پروگرام منعقد کر کے آرٹس کونسل کی اہمیت میں اضافہ کرنے میں یاور مہدی صاحب کا بڑا ہاتھ ہے۔ اور آج یہ حقیقت ہے کہ آرٹس کونسل آف کراچی کی بڑے پیمانے پر پذیرائی اور کامیاب پروگرام یاور مہدی صاحب ہی کے مرہونِ منت ہیں۔ خدا انھیں پیغمبروں والی حیات عطا کرے!

محترم یاور مہدی.... ایک اصول پسند افسر

محمود حسن

میں یاور مہدی صاحب کو برسوں سے جانتا ہوں۔ ریڈیو کے حوالے سے ان کی خدمات کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ سب ہی جانتے ہیں کہ ریڈیو میں انھوں نے بے پناہ کام کیا ہے۔ وہ ایمان دار اور اصول پسند افسر ہیں۔ نئے لوگوں کو آگے بڑھانے اور نئے لوگوں سے کام لینے کا گُر جانتے ہیں۔ میں بھی ادب و صحافت اور ٹی۔ وی میں گاہے بگاہے مصروف رہتا ہوں۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ گزشتہ بیس برس سے یاور صاحب سے ملاقات ہے، مگر ریڈیو میں ان کے کسی پروگرام میں، میں نے کام نہیں کیا۔ ہاں! آرٹس کونسل کے حوالے سے ہونے والے ادبی پروگراموں میں، میں نے خوب حصہ لیا ہے، شعر و ادب سے متعلق پروگراموں میں، میں نے پڑھا بھی ہے۔

ایک مرتبہ بشریٰ رحمان کے اعزاز میں تقریب تھی جو یاور مہدی صاحب نے ہی بطور خاص کروائی تھی۔ اس دن کراچی کے حالات کچھ ناساز گار تھے۔ بشریٰ رحمان صاحبہ جو لاہور سے بطور خاص تقریب میں آئی تھیں، غالباً اسی رات انھیں واپس جانا تھا۔ وہ یاور صاحب سے اور پروگرام کی میزبان خوش بخت شجاعت سے کہہ چکی تھیں کہ پروگرام جلدی ختم کرنا ہے، مگر جس پروگرام میں مشتاق احمد یوسفی صاحب جیسے خوب صورت بولنے والے ہوں، وہاں پروگرام جلدی ختم کیسے ہو سکتا ہے۔ انھوں نے لمبی تقریر کی بلکہ افسانہ بھی سنایا۔ میں بھی بشریٰ رحمان صاحبہ کی شخصیت پر نظم لکھ کر لے گیا تھا۔ میں نے اپنے بزرگ یاور مہدی صاحب کو نظم سنائی۔ کہنے لگے،
"بیٹا! نظم بہت ہی اچھی ہے، مگر افسوس کہ آج تم یہ نظم پڑھ نہیں سکو گے کیونکہ پروگرام میں وقت بہت کم ہے"۔ میرے خیال میں پہلی بار میں نے ان کے منھ سے

انکار کا جملہ سنا۔ مگر میں نے جب بشریٰ رحمان کو چپکے سے وہ نظم دکھائی تو انھوں نے بے حد پسند کی اور یاور کو بتائے بغیر خوش بخت شجاعت کو کہہ دیا کہ محمود حسن ہمارے پرانے ملنے والے ہیں، ان کو ضرور اسٹیج پر بلوا کر نظم پڑھوادو۔ پھر ایسا ہی ہوا میں نے نظم پڑھی ۔ اچانک یاور صاحب نے دیکھ لیا۔ وہ حیران و پریشان تھے کہ یہ محمود حسن کیسے اوپر پہنچ گیا۔ سب سے وہ یہ بات پوچھنے لگے، "ارے! یہ محمود حسن.... کیونکہ یاور صاحب اصول اور قاعدے کے بہت پابند ہیں اور وقت کی بے پناہ قدر کرتے ہیں ۔ بعد میں انھوں نے مجھے بہت سنائیں مگر بڑے پیار کے ساتھ۔

یہ تو ان کی اصول پسندی کا ایک چھوٹا سے واقعہ تھا۔ ذاتی زندگی میں بھی وہ بہت سیدھے اور نیک انسان ہیں ۔ ریڈیو کے حوالے سے بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں جو انھوں نے اپنے ذاتی خرچ سے کیے مگر ریڈیو کو بتایا تک نہیں ۔ مثلاً اگر ریڈیو کے حوالے سے مختلف شخصیات سے ملنا ہو اور ریڈیو کی طرف سے گاڑی دستیاب نہیں ہوئی تو وہ اپنے خرچ سے جاتے ہیں ۔ اگر ریڈیو میں لوگ ان سے ملنے آئیں تو ہمیشہ وہ اپنے خرچ پر مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں۔

مجھے یاور صاحب اکثر مختلف کاموں کے سلسلے میں یاد کرتے رہتے ہیں۔ گزشتہ ماہ بھی انھوں نے مجھے یاد کیا کہ "یار! میں جولائی ۹۸ء میں ریڈیو سے رخصت ہو رہا ہوں ۔ کچھ احباب میرے بارے میں کتاب شائع کر رہے ہیں "۔ انھوں نے مزید کہا، "اس کتاب کے مرتب کرنے والوں میں تم بھی شامل ہو "۔ انھوں نے کراچی کے ادیبوں ، شاعروں ، کراچی ، لاہور اور اسلام آباد ٹیلی وژن کے فن کاروں کی ایک طولانی فہرست مجھے دی اور کہا، "سب سے تاثرات لاؤ" ۔ میں نے کہا، "حاضر ہوں!" مجھے چند دن بعد یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ یاور کو لوگ کس شدت سے چاہتے ہیں، کیونکہ ممتاز دانش ور پروفیسر کرار حسین، ممتاز فلسفی سید محمد تقی، نام ور شاعر جون ایلیا، ممتاز فلمی اداکار ندیم، اداکار محمد علی، ماضی کی نام ور اداکارہ طلعت صدیقی،

ممتاز ڈراما نگار حمید کاشمیری، ممتاز شاعر کیف بنارسی، گراں قدر شاعر ظفر جون پوری جیسے لوگوں نے فوری طور پر یاور صاحب کے بارے میں تاثرات لکھ کر دیے۔

ایک دن جب میں ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کے چیئرمین نظر عباس صدیقی صاحب کے پاس پہنچا تو وہ دفتر سے نکل رہے تھے۔ جب میں نے یاور صاحب کا نام لے کر پرچی اندر بھیجی تو انھوں نے بلوالیا۔ کہنے لگے، "میں گھر جارہا تھا، مگر آپ نے اتنے پیارے انسان کے بارے میں کام کو کہا ہے تو میں رک گیا"۔ انھوں نے اسی وقت اپنے ہاتھ سے تاثرات لکھ کر مجھے دیے۔ اسی طرح اذکار ندیم صاحب سے ملا تو وہ بہت مصروف تھے۔ اتفاق سے مجھے بھی وہ برسوں سے جانتے ہیں میں نے کہا، "بیگ صاحب! مجھے تاثرات چاہییں"۔ انھوں نے بھی فوری طور پر لکھ کر دیا۔ کہنے لگے، "میں نے یاور صاحب کے کئی پروگراموں میں حصہ لیا ہے۔ خدا کرے یہ کتاب جلد آجائے!"

یہ تو میں چند واقعات بتا رہا تھا۔ یاور صاحب کے لیے ایک نہیں بلکہ کئی کتابیں مرتب ہو سکتی ہیں۔

maablib.org

منظوم خراجِ تحسین

maablib.org

قلم برداشتہ

(رباعی کی بحر میں)

راغب مرادآبادی

نازشِ دلِ دوستاں ہیں یاور مہدی
نکتہ ور و نکتہ داں ہیں یاور مہدی

شعر و علم و ادب کی خدمت کی ہے
شہرِ قائد کی جاں ہیں یاور مہدی

ہیں روح و رواں یہ آرٹس کونسل کے بھی
اک گلشنِ دلستاں ہیں یاور مہدی

وابستہ رہے ہیں ریڈیو سے برسوں
خوش دل ، اہلِ زباں ہیں یاور مہدی

اس شہر کے اہل فن کی خدمت کی ہے
بے شک عظمت نشاں ہیں یاور مہدی

ہر شخص نے مجھ سے کی ہے ان کی تعریف
احباب کے قدر داں ہیں یاور مہدی

عمر خضر ان کو مرحمت کر، اللہ!
راغب کے بھی مہرباں ہیں یاور مہدی

ادائے یاورانہ

نقاش کاظمی

(جشن یاور مہدی کے موقع پر ایک خصوصی نظم)

یوں منائے بزم یاراں جشن یاور خوب تر
دنگ رہ جائیں زمانے بھر کے سب اہل نظر

کیف اک شہر نگاراں کے دھڑکتے دل میں ہو
جس طرح حسن عقیدت پردۂ محمل میں ہو

ساکنان شہر قائد یہ بھی منظر دیکھ لیں
پیکر اخلاص کا یہ جشن یاور دیکھ لیں

رنگ و خوشبو کا دلوں میں اک نیا سیلاب ہو
نسلِ نو میں پھر وہی شانِ ادب آداب ہو

ذہن روشن ہوں وطن کے کہکشاؤں کی مثال
مشرق و مغرب سے لے کر از جنوب و تا شمال

فہم کی چادر تنی ہو کوچۂ ادراک میں
علم کے دریا بھرے ہوں سینۂ صد چاک میں

یوں منائے بزمِ یاراں جشنِ یاور خوب تر
دنگ رہ جائیں زمانے بھر کے سب اہلِ نظر

کون یاور ؟ جو زمانے بھر کے یاور بھائی ہیں
خوشبوؤں نے جن کی ساری محفلیں مہکائی ہیں

ریڈیو جن کی بنا پر مرکزِ تعلیم ہے
مرجعِ فن و ادب ہے ، سب کو یہ تسلیم ہے

یہ ادارہ معتبر ہے آج ان کے نام سے
سارا عالم جانتا ہے ان کو ان کے کام سے

یہ ادارہ جس سے سب پیر و جواں ہیں فیض یاب
علم و دانش کی طلب ہو یا فنِ چنگ و رباب

اس سے ہٹ کر بھی ادائے یاورانہ کچھ نہ پوچھ
پیکرِ حسنِ خیالِ عارفانہ کچھ نہ پوچھ

یہ وہ سیارہ ہیں جن سے کٹ کے بھی زندہ ہیں لوگ
ان کی روشن ذات سے دنیا میں تابندہ ہیں لوگ

یہ مگر مرکز پہ اپنے رقص میں ہیں صبح و شام
ان کے آگے کارِ دنیا ہے ہمیشہ ناتمام

کاش ، دنیا ! ان کی جیسی رہبری تو سیکھ لے
جشنِ یاور کے بہانے "یاوری" تو سیکھ لے

سلیم برلاس
(یونی کیرین)

خدا یاور ہے ان کا ، یہ زمانے بھر کے یاور ہیں
کوئی بھی ہو ، سبھی کے رہنما اور سب کے رہبر ہیں

کوئی بوڑھا ہو ، کم سن یا جواں ، سب پیار کرتے ہیں
سب ان سے رہنمائی کے لیے اصرار کرتے ہیں

ہجومِ شہرِ ناپرساں میں اونچا نام ہے ان کا
سب ہی کے واسطے لطف و عطا پیغام ہے ان کا

ہمیشہ کبر و نخوت کے عمل سے دور رہتے ہیں
محبت ، پیار ، الفت ، چاہ سے مخمور رہتے ہیں

دیار ریڈیو ان کا ، تعارف شان ہیں اس کی
یہ آرٹس کونسل کے بانی رکن بھی ہیں ، آن ہیں اس کی

برائے رہنمائی نسلِ نو ادراک رکھتے ہیں
یہ علم و فہم سے پر سینۂ صد چاک رکھتے ہیں

منائیں جشن یاور خوب سے یوں خوب تر ہم سب
کہ حیراں ہوں زمانے بھر کے سب اہل نظر ہم سب

چند ہائیکو.....نذرِ یاور مہدی

اقبال حیدر

صاحبِ عز و شان
شہرِ قائد کی پہچان
یاور مہدی ہیں

OOO

گر یدہ اغیار
شہرِ مروت کے دل دار
یاور مہدی ہیں

OOO

شہر میں سب سے میل
بزم آرائی کے سرخیل
یاور مہدی ہیں

OOO

دھڑکن دھڑکن ساز
شہرِ ثقافت کی آواز
یاور مہدی ہیں

OOO

شہرِ محبت میں
شہریار کی صورت میں
یاور مہدی ہیں

OOO

سب یاروں کے یار
مخلص اور محبت دار
یاور مہدی ہیں

OOO

شہر میں نعرۂ حق

جب بھی زخم ملا

عمرِ خضر عطا

آرٹس کونسل کی رونق | شہرِ دل نے یہی کہا | جن کے لیے ہر دل کی دعا
یاور مہدی ہیں | یاور مہدی ہیں | یاور مہدی ہیں

چھتنار

(یاور مہدی کی نذر)

اقتیاز ساغر

نوواردانِ شہرِ سخن ! اتنا دھیان رکھ
اس راستے میں دشت ہے ، دریا نہیں کوئی
اس آسماں کی گود میں تارا نہیں کوئی
اس راستے میں جلتے ہیں پر جبرئیل کے

یہ ایسی رہ گزر ہے جہاں پات پات میں
زخموں کی کائنات فروزاں ہے اس طرح
جیسے صلیبِ وقت پہ مصلوب ہو کوئی

اے رہ روانِ شہرِ سخن ! دھیان میں رہے
یہ زندگی عذاب ہے ، امکان میں رہے
یہ دشتِ ہجر ہے ، یہاں جینا محال ہے
تم سانس لے سکو ، یہ تمہارا کمال ہے

جینے کی رہ گزر میں اگر چھاؤں چاہیے
اس شہرِ کم سواد میں یاور کو ڈھونڈ لو
یعنی ادب کی شاخِ تناور کو ڈھونڈ لو
اس شخص کا وجود ہے چھتنار کی طرح
اس کا ہر اک عمل ہے محبت لیے ہوئے
دامانِ دل میں صبح کی دولت لیے ہوئے

اللہ اللہ! یاور مہدی کا نام

شیبا آفتاب حیدری

یہ وہ نام ہے جس کے ذہن میں آتے ہی ان سے ملنے والے ہر شخص کا دل مسرت و خوشی سے لب ریز ہو جاتا ہوگا، یہ وہ نام ہے جس سے ہر مایوس و دل شکستہ دوست و دشمن کو بھی شفقت کا آسرا ملتا ہوگا، یہ وہ نام ہے جس کے ذہن میں آتے ہی ان کے ہر چاہنے والے کے دل میں اجالے کی قرمزی کرنیں پھوٹنے لگتی ہوں گی۔ دوستوں کی ادنیٰ و اعلیٰ، قصداً و سہواً ہر تقصیر کو معاف کرنے والے یاور مہدی اتنی جامع شخصیت رکھتے ہیں کہ ان کے لیے ہمارا کچھ لکھنا اور کہنا ایسا ہی گویا کوئی دیوانہ صحرا کو پانی پلانے کا دعویٰ کرے۔ میں اپنے مختصر کلام کے ذریعے یہ ادنیٰ سی کوشش کر رہی ہوں کہ ان کے لطیف، پاکیزہ، دل فریب اور متوازن سراپے کی عکاسی کر سکوں۔ ہر چند کہ اگر لکھنے بیٹھیں تو نہ جانے یہ سلسلہ کہاں تک اور نہ جانے کب تک چلے مگر چونکہ ہمیں چند صفحات کی حد بندی کا خیال رکھنے کو کہا گیا ہے، اس لیے میری ساری سوچ، ساری چاہت و عزت شبنم کی شفاف بوند کی طرح پیش ہے:۔

اللہ اللہ ! یاور مہدی کا نام
معترف ہیں جن کے سارے خاص و عام

شخصیت میں ہیں وہ ایک جادو لیے
سیرت و کردار کی خوشبو لیے

ان کی عظمت کا ترانہ عام ہے
خوب دنیائے ادب میں نام ہے

ان کے لہجے میں ہے صہبا پیار کی
وہ بذاتِ خود ہیں دنیا پیار کی

وہ ہیں اپنی ذات میں خود انجمن
ان پہ نازاں آگہی کا ہے چمن

سب سے ہے ان کا شریفانہ سلوک
وہ نہیں خاطر میں لاتے بھول چوک

یہ انھی کی ذات کا فیضان ہے
ریڈیو کی ان سے اب پہچان ہے

ہے ہر ایک اپنا ، پرایا ان کا یار
ان کو دیتا ہے دعائیں ہر دیار

دیدنی ہے وقت کی جلوہ گری
خادمہ ان کی ہے شیبا حیدری

کوثر شبیر

ان آندھیوں میں ادب کا دیا جلائے
زمین سیم زدہ میں شجر لگائے ہوئے

ہزار تشنہ دہان طلب ہوئے سیراب
وہ ایک کوزہ سمندر کو ہے چھپائے ہوئے

ادب میں ، علم میں ، فن میں وہ پیش پیش رہا
اور اپنے قد سے ہے اونچا علم اٹھائے ہوئے

وہ گفتگو میں ہنر اور وہ سادگی میں وقار
خلوصِ مہر و محبت گلے لگائے ہوئے

کسی سے کوئی گلہ ہے نہ کوئی شکوہ ہے
سمیٹ لیتا ہے تیرِ ستم چلائے ہوئے

ہوس نہ زر کی اسے اور نہ طالبِ شہرت
ہاں ! جل رہے ہیں دیے بام پہ جلائے ہوئے

یہ آرزو ہے کہ جلتا رہے ادب کا چراغ
اور اس چراغ کو سینے سے ہے لگائے ہوئے

اسی کی چھاؤں میں پل کر جواں ہوئے کتنے
وہ اہلِ فن جو زمانے کے تھے ستائے ہوئے

تمھارا کام ہی ، یاور ! ہے یاوری کرنا
ہزار زخم ہیں تم نے ابھی چھپائے ہوئے

maablib.org

اربابِ شریعت و طریقت

maablib.org

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی

تین دہائیاں گزر گئیں، بزم طلبا کے پروگرام میں شرکت کے لیے ریڈیو پاکستان آنا جانا ہوتا تھا، پھر قرأت و نعت، تقریر و مذاکرہ وغیرہ کا سلسلہ رہا اور ریڈیو پاکستان کی عمارت اور اس سے وابستہ افراد میں کوئی اجنبی نہ رہا، مگر کچھ چہرے، کچھ آوازیں یادوں میں محفوظ ہو گئیں، ایک ذرا توجہ کی اور دریچہ کھل گیا۔

یاور مہدی صاحب جب ملے مسکراتے ملے، شفقت و محبت سے ملے، انھوں نے عزت افزائی اور حوصلہ افزائی ہی کی۔ اب بھی کبھی کہیں انھیں نظر آجاؤں تو ایسی ہی پذیرائی کرتے ہیں جو قدر بڑھاتی اور حوصلے پیدا کرتی ہے۔ ان کا چہرہ اور لہجہ یادوں میں ہے۔

یاور مہدی

محمد اسعد تھانوی

(صدر ملی یک جہتی کونسل، سندھ، و جمعیت علمائے اسلام، سندھ)

مجھ کو یہ جان کر مسرت ہوئی کہ ریڈیو پاکستان کے روح و رواں جناب یاور مہدی کے اعزاز میں اہل کراچی جشن کمیٹی ایک شام منعقد کر رہی ہے۔ میں ۱۹۶۰ء کے عشرے سے، جب میں جامعۂ کراچی کے شعبۂ معاشیات کا طالب العلم تھا، یاور مہدی صاحب سے واقف ہوں اور ان کی نظرِ انتخاب کی وجہ سے میں، برادرم

نصیر ترابی، الیاس فاروقی وغیرہ ریڈیو پاکستان کے پروگراموں میں شریک ہوئے تھے اس لحاظ سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہم تو جناب یاور مہدی کے پرانے نیاز مندوں میں شامل ہیں۔ در حقیقت ریڈیو پاکستان کے کراچی اسٹیشن کو یاور بھائی نے اپنے خون سے سینچا ہے۔ دیکھیں! اتنے برسوں کی خدمت کا اہل کراچی کیا صلہ دیتے ہیں اور کیا خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ میں تو صرف علامہ اقبال مرحوم کا ایک شعر ان کی نذر کر سکتا ہوں:

حسن صورت میں ہیں مردانِ دلاور ممتاز
ورنہ صورت میں تو کچھ کم نہیں شہباز سے چیل

اللہ تعالیٰ یاور بھائی کو صحت عافیت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائیں، آمین!

محترم شخصیت یاور مہدی بھائی

قاری وحید ظفر قاسمی

دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اپنے لیے جیتے ہیں، بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو دوسروں کی خیر خواہی کے لیے جیتے ہیں اور ایسے ہی لوگوں کا نام ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں میں محترم یاور بھائی کا نام بھی کوئی محتاج تعارف نہیں ہے۔

یاور بھائی نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ ریڈیو پاکستان پر اور دوسرے اداروں میں جہاں سے یہ وابستہ رہے ہیں، نئے سے نئے لوگوں کو متعارف کرایا جائے۔ انھوں نے ہمیشہ دوسروں کی خدمت کو اولین ترجیح دی ہے۔ ان کا حلقۂ احباب بہت وسیع ہے اور ہر کوئی ان کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھتا ہے۔ یاور بھائی بڑے مدبر اور سنجیدہ آدمی ہیں۔ اللہ نے ہر صلاحیت سے ان کو نوازا ہے۔

یاور بھائی نے ہر شعبۂ حیات میں اپنی بھرپور صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے۔ چاہے وہ ادب و ثقافت ہو، سماجی کام ہوں، مذہبی پروگرام ہوں، ہر حوالے سے یہ جانے پہچانے جاتے ہیں۔

مجھ پر ان کی بڑی شفقت رہی ہے۔ انھوں نے ریڈیو اور دوسری جگہوں پر مجھے زیادہ سے زیادہ آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ جب آپ ریڈیو پر " بزم طلبا" کے انچارج تھے تو انھوں نے نوجوانوں کی بڑی ہمت افزائی کی اور ہر وقت ان کی یہ کوشش رہی کہ نئے سے نئے پروگرام پیش کیے جائیں۔ میں نے جب مشہور زمانہ نعت اللہُ اللہُ پڑھی، اس نعت کو سب سے پہلے ریڈیو پر نشر کرنے کا اعزاز یاور بھائی کو حاصل ہوا۔ انھوں نے عالمی سروس میں بھی میری بڑی ہمت افزائی کی اور ریڈیو کے مزید پروگراموں میں مجھے شامل کیا۔

ان کی ایک خاص بات یہ تھی کہ جب بھی کسی نوجوان میں ذرا سی بھی صلاحیت دیکھی، اس کو ہمیشہ آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ میرے لیے یہ بڑے محترم ہیں۔ میرے نزدیک اگر ایسے لوگ جو با اختیار ہوتے ہوئے دوسروں کا اچھا خیال رکھتے ہوں تو وہ اگر اپنے عہدے سے ہٹ بھی جائیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ان کی عزت میں کوئی کمی نہیں آتی بلکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اور زیادہ عزت سے نوازتا ہے۔

آخر میں ان کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یاور بھائی کو اور عزت و شہرت

سے نوازے، ان کو صحت کے ساتھ دوسروں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ان کی عمر دراز فرمائے اور ان کو اعلیٰ درجات سے نوازے۔ آمین!

maablib.org

اربابِ درس و تدریس

maablib.org

پروفیسر حشمت لودی

کسی بھی شخص کے بارے میں اپنے تاثرات کو ضبط تحریر میں لانا نہایت مشکل کام ہے، اور اگر اس شخص سے روابط دیرینہ ہوں اور تعلق بھی قریبی رہا ہو تو یہ کام اور بھی دشوار ہو جاتا ہے۔

یاور مہدی کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے علاوہ اوپر بیان کردہ دشواری کے، ایک دقت یہ مزید محسوس ہو رہی ہے کہ کہاں سے شروع کروں اور کہاں ختم کروں۔ اس کا حل میرے نزدیک ایک ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں عام روش کا سہارا اختیار کروں، شاید اس طرح بات کہنا آسان ہو جائے۔

یاور سے میری پہلی ملاقات غالباً ۶۶ء یا ۶۷ء میں ہوئی۔ مجھے عوامی سطح اور عام آدمی کی دلچسپی کا خیال ذہن میں رکھتے ہوئے بائیولاجی کے کسی دلچسپ پہلو پر ایک گفتگو کرنی تھی۔ میرے لیے گفتگو کرنا تو کوئی مشکل کام نہ تھا کیونکہ پیشے کے اعتبار سے بولنا ہی میرا کام رہا تھا، البتہ ریڈیو پر جانے کا یہ پہلا اتفاق تھا، لیکن حسن اتفاق کہہ لیجیے یا یاور مہدی کی اجتہائی حوصلہ افزائی کہ یہ پہلا موقع ہی صرف کامیاب نہ ہوا بلکہ ریڈیو اور یاور سے آئندہ برسہا برس کی رفاقت کی شکل اختیار کر گیا۔ اس کے بعد تقریباً بیس، بائیس برس تک ریڈیو سے جان نہ چھڑا سکا۔ ہر روز ایک نئی فرمائش اور ہر بار ایک نیا پروگرام .... پاپولر سائنسی مضامین، مذاکرات، تقریریں اور سب سے بڑھ کر کوئز کا سلسلہ شروع ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بیس سال تک ہفتے کا شاید ہی کوئی اور دن ایسا ہوتا ہو کہ ریڈیو پر ہمارے ایک یا دو پروگرام نشر نہ ہوتے ہوں، گویا یاور مہدی ہمارے ساتھ نہ ہوں۔ گھر، کالج، ریڈیو اور کالج، ریڈیو اور

گھر، تینوں جگہیں ایک جیسی اہمیت اختیار کر گئیں۔ ریڈیو اسٹیشن نہ پہنچو تو گھر خالی خالی محسوس ہوتا اور کالج بھی سونا سونا سا لگنے لگتا۔ چاٹ چاہے کسی بھی چیز کی ہو، بری ہوتی ہے، اور یہ تو ریڈیو کی چاٹ تھی جو چھٹائے بن چھٹتی۔

آج برسوں بعد جو ان تمام باتوں کو لے کر بیٹھا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ میری ہی حد تک نہیں بلکہ اس شہر کے بے شمار لوگوں میں جن میں نوجوان طالب علم، معمر اساتذہ اور ایک سے ایک قابل پروفیسر شامل تھے، اس چاشنی سے وابستہ تھے۔ وجہ؟ وجہ اس کی صرف اور صرف ریڈیو پاکستان نہیں تھا، نہ صرف اس مدہوشی کو دخل تھا جو اپنی آواز ریڈیو پر سننے کے بعد پیدا ہوا کرتی ہے، بلکہ اس میں دخل ایک اور چیز کو تھا اور وہ تھا ایک شخص یاور مہدی .... جو سب کا یار تھا، جو سب کو یکساں عزیز تھا اور سبھی اس کو دوسروں کے مقابلے میں اپنے سے زیادہ نزدیک سمجھتے تھے۔

یاور کی شخصیت میں ایک عجیب سی جاذبیت تھی، چاشنی تھی بلکہ سحر تھا۔ یاور کی شخصیت کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ انھیں معلوم تھا کہ کس شخص سے کس طرح کا کام لینا ہے، اور بعض اوقات تو یہ بھی علم ہوتا کہ اس سے کب تک کام لینا ہے جس کی اسے کان وکان خبر بھی نہ ہوتی۔ یاور کے ان اوصاف کی وجہ سے سیکڑوں، بلکہ ہزاروں لوگوں کو اچھا براڈکاسٹر بننے کا شرف حاصل ہوا۔ آج آواز اور تصویروں کی دنیا میں سیکڑوں افراد ایسے موجود ہیں جو ریڈیو، ٹی۔ وی اور فلم میں اپنی پہچان آپ بن چکے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثریت یاور کی صلاحیتوں کے معترف اور مرہون منت ہیں۔

مجھے ریڈیو کی دنیا میں اسپورٹس، سائنس، مذاکرات اور بہت سی دوسری چیزوں کے ذریعے بے شمار پروڈیوسرز اور ریڈیو کی دیگر شخصیتوں سے واسطہ رہ چکا ہے اور اپنے اسی تجربے کی بنا پر بلا خوف تردید یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ اس ادارے

نے اب تک یاور کے پائے کا ایک بھی پروڈیوسر پیدا نہیں کیا۔ اس کے علاوہ میرا یہ بھی دعویٰ ہے کہ پروڈکشن کے لحاظ سے جو جو اور جیسے جیسے عمدہ پروگرامز یاور مہدی کی ذات سے وابستہ ہیں، اور شاید ہی کسی دوسرے پروڈیوسر کو نصیب ہوں، البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ ڈراموں کا پروڈکشن میرے اس دعوے سے مستثنیٰ ہے۔ طلبا کے جشن تمثیل کے سلسلے کے بے شمار ڈرامے یاور نے پروڈیوس کیے ہیں، لیکن ان کی بساط طلبا اور طالبات کی ذات سے وابستہ تھی، لہٰذا ان کا کینوس نسبتہً چھوٹا ہوا کرتا تھا۔

یاور مہدی کے بڑے کارناموں میں سے ایک کارنامہ "جشن طلبا" کا انعقاد ہے جس کی ابتدا انھوں نے اس وقت کی جب یہ ریڈیو کے ایک سیکشن بزم طلبا سے وابستہ رہے۔ جب تک یہ "بزم طلبا" میں کام کرتے رہے، ہر سال دس دن کا "جشن طلبا" منعقد کیا جاتا جس میں حسن قرأت، نعت مقبول، تقاریر، کوئز، ڈرامے وغیرہ شامل ہوتے اور ان میں شہر کے بے شمار طلبا و طالبات مختلف حیثیتوں میں شریک ہوتے۔ یہ جشن کیا ہوتے، ایسا لگتا کہ شہر کراچی میں میلہ سا لگا ہوا ہے۔ حصہ لینے اور سننے والوں کی بے شمار تعداد پورے پورے دن ریڈیو اسٹیشن کے گرد جمع رہتی، اور لطف یہ کہ انھیں باری باری اسٹوڈیو میں لے جایا جاتا اور نہایت منظم طریقے سے اپنا اپنا کردار ادا کرنے کے بعد باہر تک پہنچایا جاتا اور دوسری کھیپ جاتی اور پھر تیسری۔ ان پروگراموں کی ریکارڈنگ بھی اکثر دس دس گھنٹے روز جاری رہتی اور اس کی نشریات رات گئے تک ذوق و شوق کے ساتھ سنی جاتیں۔ اس دوران کوئز میرے ذمے ہوا کرتے تھے۔ میں ریکارڈنگ کے بعد جب رات کے وقت یہ پروگرام نشر ہوتا تو اپنی گاڑی سے شہر کا چکر لگا کر دیکھتا کہ شہر میں اس کا response کیا ہے۔ کیا عرض کروں کہ یہ صرف کوئز کی ہی بات نہیں بلکہ جشن طلبا کا ہر پروگرام اس ذوق و شوق سے سنا جاتا کہ شہر کی دکانوں، بالخصوص پان کی دکانوں پر لوگوں کا جم غفیر

دیکھنے میں آتا اور یہ ازدحام اس وقت تک رہتا جب تک پروگرام ختم نہ ہو جاتا۔ اس میں اکثر رات کے ایک یا دو تک بج جایا کرتے۔ اشتہار سے لے کر انعقاد تک ان پروگراموں کی ساری مقبولیت بلاشبہ اس کے پروڈیوسر کی کامیابی کا منھ بولتا ثبوت تھی۔ یاور "بزم طلبا" سے ہٹے تو یہ سلسلہ بھی ٹھپ ہو کر رہ گیا۔ بتائیے! آپ اسے کیا کہیں گے؟

اسی دوران یاور کی توجہ پاکستان آرٹس کونسل کی طرف مبذول ہو گئی۔ بس دوستوں کا ایک اجتماع وہاں بھی ہونے لگا اور ایک ایسا ادارہ جو برسوں سے بے توجہی کا شکار ہو رہا تھا، شہر کے معروف ترین اور نہایت ہی فعال ادارے کی شکل اختیار کر گیا۔ اس کی کارکردگی میں بھی انھوں نے کام آنے والے اور فعال قسم کے افراد کا انتخاب کیا جن کی اکثریت ابھی تک ان کے ساتھ ہے، تاہم جن جن کی افادیت کم ہوتی نظر آئی، ان کی تعداد میں بھی کمی ہوتی چلی گئی۔ بڑھ چڑھ کر رکن سازی کی گئی، ہر طرح کے آرٹسٹوں کی بھرتی کا دفتر کھل گیا۔ خواہ وہ دکان پر بیٹھا صرف ریڈیو ہی سنتا ہو، بے چون وچرا آڈٹ لوور کی حامی بھرے تو آرٹسٹ کے زمرے میں آگیا۔ غرض کئی بالغ اور کئی نابالغ (آڈٹ کے اعتبار سے) جو اس کسوٹی پر پورے اترے، لے لیے گئے۔ تاہم وہ ادارہ جس کا ایک زمانے میں عدم و وجود برابر تھا، اس میں ایسی گہما گہمی دیکھنے میں آئی کہ شہر کے باقی ادارے جو پہلے بھی برائے نام تھے، منھ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ اب خدا کا فضل کہہ لیجیے کہ یہ عالم ہے کہ کوئی پاکستان آرٹس کونسل کو بری نگاہ سے دیکھنا چاہے تو کیا مجال ہے اس کی! اب تو اچھی نگاہ سے دیکھنے والے بھی اس کی طرف نگاہ بھر کر نہیں دیکھ سکتے۔ حالانکہ اس کونسل کی ساکھ بنانے اور اس کو نئی زندگی بخشنے کا کام بہت سے دوستوں کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہے، لیکن ان سب کے پیچھے بھی یاور کی محنتیں، کاوشیں اور فکر انگیزیاں شامل ہیں۔

غرض یاور مہدی کی زندگی کو قریب سے دیکھنے کے بعد یہی محسوس ہوا ہے کہ یاور اپنی ذات میں تنہا نہیں بلکہ ایک انجمن ہیں ۔ میری نیک اور دلی دعائیں ان کے ساتھ ہیں اور رہیں گی ۔

پروفیسر میر حامد علی

برادرم یاور مہدی نے ساری زندگی ریڈیو پاکستان کی خدمت میں گزار دی ۔ یاور مہدی نے ریڈیو کی نوکری کو صرف نوکری نہیں سمجھا بلکہ ایک مشنری جذبے کے تحت انھوں نے اپنی زندگی کے بہترین ایام اس شہرِ کراچی کے طلبا و طالبات کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں وقف کر دیے ۔

ملازمت کے دوران انھوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ، وہ صرف ایک قابل معلم ہی انجام دے سکتا تھا ۔ "بزم طلبا" کے نگراں کی حیثیت سے انھوں نے نوجوانوں کی جو رہ نمائی کی ، اس کی مثال ملنی مشکل ہے ۔ نئی نسل کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے ، انھیں مختلف شعبہ ہائے زندگی میں روشناس کرانے ، باصلاحیت طلبا و طالبات کی حوصلہ افزائی کرنے اور ان کے جوہر کو اجاگر کرنے میں یاور مہدی نے جو خدمات انجام دی ہیں ، وہ سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہیں ۔

اس وقت کئی نام ور شاعر ، ادیب ، خطیب ، مصور ، مقرر ، نعت خواں ، قاری گلوکار ، موسیقار یاور مہدی کی تربیت گاہ سے نکل کر ملک اور قوم کا نام روشن کر رہے ہیں ۔

یاور مہدی سے میرے تعلقات چالیس سال سے زائد عرصے پر محیط ہیں ۔ اس عرصے میں انھوں نے جس محبت اور خلوص کا مظاہرہ کیا ، وہ مثالی ہے ۔ مجھے ان کی

دوستی پر فخر ہے۔

وہ ایک ایمان دار، فرض شناس ملازم ہی نہیں ہیں بلکہ ایک اچھے منتظم بھی ہیں۔ سارا زمانہ ان کی انتظامی صلاحیتوں کا معترف ہے۔ میں نے ہمیشہ ان کو دوسروں کی مدد کرتے ہی دیکھا ہے۔ تن درست ہوں یا بیمار، دن ہو یا رات، دفتر میں ہوں یا گھر پر، ہمیشہ دوستوں، ضرورت مندوں اور عقیدت مندوں کے گرد گھرے رہتے ہیں دوستوں کا ایک وسیع حلقہ رکھنے کے باوجود وہ ہر ایک سے رابطہ رکھتے ہیں، ان کے دکھ درد، خوشی اور ہر تقریب میں شرکت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ یاور مہدی کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے تاکہ وہ بندگان خدا کی اسی طرح خدمت کرتے رہیں! بلا مبالغہ ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے اور وہ انھیں بروئے کار لاتے ہوئے عوام الناس کو فیض پہنچا رہے ہیں۔

زلیخا یوسف

خوش نصیب ہوتی ہیں وہ قومیں جنھیں یاور مہدی جیسے مسیحا اور رہبر ملتے ہیں یاور مہدی ایک مکتب ہیں اور میں ان خوش نصیب طالب علموں میں سے ایک جنھوں نے زندگی کے زیر و بم آپ سے سیکھے۔ مجھے زندگی میں کئی ممالک میں رہنے اور کئی ممالک دیکھنے کا موقع ملا اور ہر جگہ مجھے یاور مہدی کے پرستار زندگی کے مختلف شعبوں میں کامیاب نظر آئے۔

آج ہزاروں میل دور سے جب بھی کراچی کے حالات کو دیکھتی ہوں تو مجھے اس کا حل یہی نظر آتا ہے کہ کاش طالب علموں کی سرگرمیاں سیاسی ہتھکنڈوں کی

بھینٹ نہ چڑھی ہوتیں تو یاور مہدی کی سربراہی میں کراچی کا نوجوان وقت کی ڈوبتی نبضوں کو بہت خوب جان سکتا۔

واشنگٹن آنے والے دوستوں سے سنتی ہوں کہ یاور بھائی بوڑھے ہوگئے ہیں، لیکن بڑھاپے کی جھریوں اور زندگی سے بھرپور مسکراہٹ کے پیچھے پان سے لال منھ مجھے آج بھی چوبیس سال پہلے کی طرح یاد ہے۔ شاید قریب رہنے والوں کو اس کا احساس نہ ہو کہ دور رہنے والوں کے لیے "جدائی" کی خبر کس قدر اذیت ناک ہوتی ہے۔ دعاگو ہوں کہ ان کا سایہ ہمیشہ ہم پر قائم رہے!

یاور مہدی .... پوشیدہ ولی

پروفیسر سید سبط جعفر ایڈوکیٹ

(شاعر و سوز خواں اور مصنف، تاحیات رکن آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی)

پاکستان اور بالخصوص عروس البلاد شہر قائد کے انتہائی شفیق و خلیق، وضع دار و ملنسار اور سماجی فعال خدمت گار، ہمہ تن و ہمہ وقت مصروف و مستغرق ہردل عزیز اور ہر طبقے میں سنجیدہ و متین اور مہذب و مقبول تسلیم کی جانے والی شخصیت سید یاور مہدی صاحب سے گزشتہ دنوں سرِ راہ ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے۔ "اماں! کہاں غائب ہیں آپ؟ کچھ پتا سرا بھی ہے آپ کا؟" عرض کی، "آپ ہی مصروف اور نایاب ہیں۔ بتائیے! کب، کہاں حاضر ہو جاؤں؟" (کہ جناب کے مقامات آہ و فغاں بہت سارے ہیں اور ہمارا عالم وہی ہے کہ "بیٹھ جاتے ہیں، جہاں چھائے بنی ہوتی ہے") کہنے لگے، "ریڈیو آجاؤ مگر ذرا جلدی"۔ عرض کی، "کتنی جلدی؟" کہنے لگے

"میاں! ۱۴ جولائی سے پہلے"۔ "کیوں؟ اس کے بعد کیوں نہیں؟" کہنے لگے، "۱۴ جولائی کو ریٹائر ہو رہا ہوں"۔ ناقابل یقین اور ناممکن پیش گوئی! یاور مہدی صاحب اور ریٹائرمنٹ! اس عمر میں بھی ماشاءاللہ! جوانوں سے زیادہ فعال و متحرک اور ان تھک انسان بھلا ٹائر اور ریٹائر ہو سکتا ہے! یوں بھی بقول داغ:

جو لوگ کچھ نہیں کرتے، کمال کرتے ہیں

تو داغ کے نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو بھی یہ سب کر کے بھی وہ کچھ نہیں کرتے اور یہ بھی کچھ کم کمال کی بات نہیں ہے۔ اول تو یہ حضرت ریٹائر ہو نہیں سکتے۔ پھر بالفرض محال و خدانخواستہ ریٹائر ہو بھی گئے تو بھی ان کا سفر جاری رہے گا.... پاؤں تھکے تو سر کے بل۔ خواہ مسافر نواز ہوں یا نہ ہوں، ویسے بھی بقول ڈاکٹر پروفیسر نعیم تقوی ضیائی مرحوم:

آرام سے جو بیٹھا ہوا اپنے گھر میں ہے
رفتارِ وقت کہتی ہے وہ بھی سفر میں ہے

یاور صاحب کو "صاحب" لکھنے سے غیریت واجنبیت کے احساس اور احترام سے زیادہ طنز و حقارت کا شبہ ہوتا ہے کہ ہر شخص انھیں احترام و محبت سے "یاور بھائی" ہی کہتا ہے جس کا انھیں نقصان بھی بہت ہوا ہے۔ پوری جوانی شوبز اور آرٹس کونسل میں رہنے اور گزارنے کے باوجود نہ صرف مولانا مودودی صاحب بلکہ جوش صاحب کے مطابق بھی وہ "متقی" اور "نن" ہی رہے، جبکہ سفید باریش یارِ غار و رفیقِ کار ان کے بالکل برعکس ثابت ہوئے (اسی معاملے میں)۔ خیر صاحب! ہم نے یاور بھائی سے عرض کی کہ آپ تو کیا ریٹائر ہوں گے کہ اپنی ذات میں ایک انجمن، ادارہ بلکہ اداروں کا بورڈ اور فیڈریشن / کنفڈریشن ہیں۔ یوں کہیے کہ مقام و جگہ تبدیل ہو جائے گی، آپ کا دربار و سرکار اور حلقۂ ارادت یہاں سے آرٹس کونسل یا کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائے گا، بلکہ ریڈیو اور ریڈیو والے آپ ایسی فعال و منتظم،

اعلیٰ اہلیت و صلاحیت ، دیانت و متانت اور تکنیکی و پیشہ ورانہ مہارت کے حامل انسان اور منتظم و سرپرست سے محروم ہو جائیں گے۔آپ تو جہاں جائیں گے ، اپنے ساتھ اپنا دربار لے جائیں گے ۔اور ریڈیو یا ریڈیو والے بھی آپ کو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑیں گے ۔ کئی سال تو عادتاً آپ انجولی کے لیے نکلیں گے مگر ریڈیو پہنچ جائیں گے کہ صبح سے دوپہر تک اگر تعطیل کا بھی دن ہو تو آپ کا رخ اسی طرف ہوتا ہے ، اور برسوں بلکہ دہائیوں کی یہ عادت یوں ہی تو نہیں چھٹ جائے گی! برسوں لگیں گے عادت چھٹنا کھیل نہیں ہے ، چھٹتے چھٹتے چھٹتی ہے۔آپ کے بس میں ایسا ہوتا تو آپ بھی رضا علی عابدی صاحب کی طرح کبھی کے انگلستان یا امریکا اور یورپ کے کسی نشریاتی ادارے میں افسرِ اعلیٰ لگے ہوتے ۔جو لوگ یاور بھائی کے قریب ہیں ، وہ جانتے ہیں کہ ملک اور بیرونِ ملک انھیں متعدد بار انتہائی گراں قدر پر کشش اور شان دار و پروقار متبادل پیش کشیں ہوئیں ، مگر پی۔ٹی۔وی کے سید امیر امام صاحب کی طرح " یہ شہر گھسنے " شہر سے باہر نکل کر نہ دیے ، حتیٰ کہ پی۔بی۔سی کے اربابِ اختیار و اقتدار کے نادر شاہی احکامات بھی انھیں کراچی سے باہر نہ لے جاسکے۔اور پھر یہ محیرالعقول و ناقابلِ یقین واقعہ بھی رونما ہوا کہ کراچی اسٹیشن پر جہاں افسرِ اعلیٰ کی ایک ہی پوسٹ ڈپٹی کنٹرولر کے نام سے ہوتی تھی ، وہاں ان کے لیے دوسری مسندِ اقتدار و اختیار بچھانا پڑی اور یہ مزید ترقی کی ترغیب و تحریص اور پیش کش بلکہ تاکید پر بھی یہاں سے اٹھ کر نہ گئے۔جب ترقی کی بات آئی ہے تو یہ بھی سن لیں کہ یاور بھائی کی طبیعت میں انکسار اس بلا کا ہے کہ مقامِ بندگی دے کر نہ لیں شانِ خداوندی ۔ اور کوئی آئے جائے ، ان کی صحت ، معمولات اور بدپرہیزیوں پر کوئی اثر کبھی نہیں پڑا کہ اپنی بلکہ ان کی بلا سے بیٹھ رہے جب فقیر ہو ۔چنانچہ آپ دیکھ لیجیے کہ یہ کبھی شاہ یا وزیر نہیں بنے ، ہمیشہ " بادشاہ گر " ہی رہے ، کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ بادشاہت اور وزارت ناپائدار و فانی اور آنی جانی چیزیں ہیں ، بادشاہ گر ، درویش

ہمیشہ اپنے آستانے پر رونق افروز رہے ہیں۔ آرٹس کونسل سے ریڈیو تک اور شہر کی اعلیٰ تقریبات اور اداروں کی تنظیم اور تشکیل و تزئین میں ان کا کردار کس قدر مثبت، کلیدی اور فعال ہوتا ہے۔ مگر یہ خود ذمے داریاں اور مصیبتیں اپنے لیے رکھ کر اعزازات دوسروں کے لیے وقف اور تقسیم کر دیتے ہیں۔ سارا کام خود کریں گے مگر نائب، قائم مقام یا اعزازی کے لاحقے اور سابقے کے ساتھ۔ نیک کام بھی ایسے چھپ کر پس پردہ کرتے ہیں کہ اور دوسرے لوگ برے کاموں میں بھی اتنی احتیاط اور رازداری و پردہ داری کا اہتمام نہیں کرتے۔ ریڈیو پر افسرِ اعلیٰ ہونے کے باوجود ڈپٹی کنٹرولر رہ کر اسلام آباد جانے اور کنٹرولر بننے کی بجائے اسی عہدے اور تنخواہ پر مگر اسی شہر میں رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس پر ایک خیر خواہ نے ان سے پوچھا بھی کہ "یاور بھائی! آپ جب سب کچھ خود ہی کرتے ہیں اور بالآخر تان اور طعن آپ ہی پر آکر ٹوٹتا ہوتی ہے تو آپ خود ہی ہیڈ، چیف اور چیئرمین کیوں نہیں بن جاتے؟" اس پر محترم مشتاق احمد یوسفی نے فرمایا، "یہ کوئی ایسا کام نہیں کرتے جس میں ترقی کی مزید گنجائش نہ ہو۔ ڈپٹی کنٹرولر یا قائم مقام جنرل سکرٹری کے اوپر کوئی عہدہ اور منصب اور ترقی کا امکان تو بہر حال موجود ہے نا!" بہر حال یہ سب تو محض لفاظی و رسمی بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر حقیقتِ امر یہ ہے کہ یاور بھائی ان شخصیات میں سے ہیں جو اپنی خاندانی جائداد اور اثاثہ جات کے علاوہ اپنے اسلاف کی جاگیریں اور قبریں اعلیٰ مقاصد کے حصول کی خاطر آگ اور خون کا دریا عبور کر کے مملکتِ خداداد پاکستان آگئے تھے۔ اس عالمِ ہجرت و غربت میں بھی اعلیٰ خاندانی و اخلاقی اقدار اور شان دار و پروقار مشرقی روایات کا دامن آپ نے نہیں چھوڑا۔ سخت سے سخت اور مشکل تر حالات میں بھی صبر و ضبط، شرافت و متانت، دیانت و مروت، امانت اور وضع داری و خودداری کو قائم رکھا، اپنی اہلیت، صلاحیت اور دیانت کے بل بوتے پر ساری زندگی گزاری۔ جہاں خالصتہً دینی و مذہبی اور علمی و روحانی ادارے اور شخصیات ہر

طرح کی بے قاعدگی و بے ضابطگی اور خلافِ شریعت و منافیِ تہذیب و اخلاق معاملات سے دوچار اور مادہ پرستی (دونوں قسم کی) کا شکار ہوں، وہاں ایسے ماحول میں رہ کر بھی روحانی و پاک باز زندگی گزار دینا بڑی (اور بُری) بات ہے۔ یاروں کی یاری نبھانا، لوگوں کے کام آنا، جوہرِ قابل کی تلاش، شناخت اور پھر اس کی تراش خراش ان کا امتیازی وصف ہے۔ فن و ثقافت اور معاش و سماج کے ہر شعبے میں آپ کو ایسی لاتعداد و بے شمار نام ور و ممتاز شخصیات مل جائیں گی جن کی ترقی میں علانیہ یا درپردہ یاور بھائی کی معاونت و سرپرستی کا دخل بلکہ غالب حصہ ہے۔ خواہ یہ حضرات اعتراف کریں یا نہ کریں مگر گزشتہ ربع صدی میں بالخصوص کراچی کو جو ذہین و باصلاحیت نوجوان قیادت اور ٹیلنٹ نصیب ہوا ہے، اس میں یاور بھائی اور ان کے رفقا کا بڑا حصہ اور موثر کردار ہے۔ خود راقم الحروف بھی ان کے حلقۂ اثر وارادت میں شامل ہے۔ اور ان کے خوشہ چینوں میں یہ الگ بات ہے کہ ان کے خوشہ چیں کبھی کبھی نکتہ چیں بھی ہو جاتے ہیں مگر یہ خود کبھی چیں بجبیں نہیں ہوتے، ہے نا حیرت کی بات!

ان کی وضع داری و اعلیٰ ظرفی کا ایک ثبوت ان کی مزاجی و ظاہری سادگی کے علاوہ ان کی سکونت بھی ہے۔ یہ جب چاہتے اور چاہیں ملک یا بیرون ملک اچھی ملازمت، کاروبار یا سکونت اختیار کر سکتے تھے اور ہیں مگر "نودولتیوں" کی طرح انھیں رنگ، بود و باش یا سکونت تبدیل کرنے سے نفرت ہے اور خراب سے خراب مخدوش حالات میں بھی انھوں نے اسی پرسکون سی شرفا کی بستی کو ترجیح دی۔ یہ بستی اگرچہ چاروں طرف سے مسائل و مشکلات اور شورش و خلفشار سے گھری ہوئی ہے، مگر خود اس متوسط طبقے کی بستی میں ان کی اعلیٰ خاندانی روایات و اقدار اور شرافت محفوظ و مامون ہے.... اگرچہ جسم وجاں کو خطرات و خدشات لاحق ہیں، مگر روحانی و فکری اور نظریاتی طور پر کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مادے پر روح کو مقدم رکھنے کا یہ واضح ثبوت

ہے۔

میں نے یاور بھائی سے بہت کچھ سیکھا۔ میری تربیت و تعلیم میں جہاں والدین و اساتذہ اور دیگر بزرگوں کا عمل دخل ہے، وہاں ان کی شخصیت و شفقت کا عنصر و تاثر بھی شامل ہے۔ میرے متعدد مضامین میں امتیازی حیثیت کے ایم۔اے، ایل ایل۔بی، سی۔ایس۔ایس، بی۔ایڈ، وکالت اور سول سروس سے دست بردار ہو کر تدریس میں آنے، مشرق سے مغرب تک دس ممالک کی سیاحت و زیارت اور چودہ آڈیو وڈیو کیسٹس اور اتنی ہی تقریباً نصابی و دینی، علمی و ادبی اور فنی و تکنیکی کتب و مقالات کی ترتیب و اشاعت میں ان کا اور ان کی حوصلہ افزائی کا بڑا عمل دخل ہے کہ یہ لوگوں کو آگے بڑھا کر دوستوں کی کامیابیوں اور ترقی سے خوش ہونے والے انسان ہیں۔ اظہار ناراضی میں دلی جذبات اور غم و غصہ کا شائستہ انداز میں بھرپور طریقۂ اظہار اور تعلقات (P.R) نبھانے کا فن بھی میں نے ان سے اور اپنے ایک اور مرحوم بزرگ محمود الحسن رضوی صاحب (ڈائرکٹر، مین پاور اینڈ ٹریننگ / لیبر اینڈ کوآپریشن، حکومتِ سندھ) سے سیکھا ہے۔

میں کیا، میری حیثیت و بساط کیا، میرا خراجِ عقیدت و تاثرات کیا، یہ تو محض اعترافِ شخصیت و اظہارِ حقیقت اور خراج عقیدت ہی ہے جسے قبول، شامل اور شائع کر کے ان کے قابلِ قدر اور قدر شناس احباب نے در حقیقت میری عزت افزائی و حوصلہ افزائی کی ہے کہ بڑی شخصیات کے حوالے سے بلند قامت شخصیات کو دیکھنے سے مجھ ایسے پستہ قد اور کوتاہ قامت شخص کا قد اور وسعتِ نگاہ ہی بڑھ سکتی ہے، موصوف کے قدوقامت اور قدرومنزلت میں اس سے کیا فرق پڑ سکتا ہے۔

ان کے کردار، حلقۂ احباب اور باہمی خلق و مروت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص خود باکردار و باصلاحیت ہے تو وہ رنگ و نسل، خطہ و زبان، مذہب و مسلک اور نظریاتی و طبقاتی اختلافات کے باوجود بھی مقبول و

ہر دل عزیز اور ہر فرد کے لیے معزز و قابل قبول ہو سکتا ہے۔ ان کے گرد آپ کو ہر رنگ، نسل، زبان، مذہب، قوم، برادری اور مزاج کے لوگ مل جائیں گے۔ فعال و سرگرم ہو کر بھی مقبول رہنا بہت مشکل کام ہے۔ یہی رواداری، وسعتِ نظر، روشن خیالی، فراخ دلی اور مخالفین و مخالفت کو برداشت کرنا اختلافِ رائے کو صبر و تحمل اور خوش دلی سے قبول کرنا اور اپنے مخالف کے ساتھ زندگی گزارنا اس عہد کی سب سے بڑی خوبی اور ضرورت ہے۔ اچھے ماحول اور اچھے لوگوں میں تو سبھی زندگی گزار لیتے ہیں، پھولوں کی طرح کانٹوں میں رہ کر تروتازگی اور مشکبار ولیوں کی صفت ہے۔ اس اعتبار سے آپ سید یاور مہدی صاحب کو خواہ کافر کھلا قرار دیں یا نہ دیں، پوشیدہ ولی ضرور ماننا پڑے گا۔

علم دوست اور انسان دوست.... یاور مہدی

ہادی حسین شاہ

قیام پاکستان انسانی سیلاب کا باعث بنا۔ انسانوں نے اپنی ضرورت کے تحت مختلف گاؤں، شہر یا محلے آباد کیے، نئی نئی آبادیاں معرض وجود میں آئیں۔ انھی آبادیوں میں ایک آبادی کا نام سادات کالونی پڑا۔ ابتدا جھونپڑیوں سے ہوئی۔ بعدہٗ کچے مکانوں نے ان کی جگہ لے لی۔ یہ کچی آبادی ایک ایسے گاؤں / دیہات کا سماں پیش کرتی تھی جس میں زندگی کی کوئی آسائش میسر نہ تھی، نہ بجلی تھی نہ پانی، نہ گیس اور نہ ٹیلی فون۔ غرض اس دیہات کو لوگ کیسے جانتے اور یہ کیسے پہچانی جاتی؟

میری ملاقات یاور مہدی صاحب سے اسی بستی میں ۱۹۵۸ء میں ہوئی۔ ان میں یہ خوبی ہے کہ بہت جلد دوسروں کو اپنا بنا لیتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عموماً لوگ تلاش معاش میں غلطاں و پیچاں تھے، جبکہ یاور مہدی خود طالب علم ہونے کے ساتھ

ساتھ ملازمت بھی کرتے تھے۔ اپنی طبعی صلاحیتوں کی بنا پر دوسروں کو اپنا گرویدہ بنانا اور اپنے ساتھ معاشرتی، ادبی اور مذہبی سرگرمیوں پر آمادہ کرنا ان کا خاصہ ہے۔ اپنی خوش طبعی اور تعمیری و معاشرتی عادات اور خاص صلاحیتوں کے مالک ہونے کے ناتے انھوں نے اہل سادات کالونی کے لیے گوناگوں مصروفیتیں پیدا کیں اور بڑے ہی تعمیری کام انجام دیے جن میں زیبا ردولوی کی صدارت میں انجمن اصلاح معاشرت کا قیام، لائبریری اور ریڈنگ روم کا انعقاد، فری ہومیو ڈسپنسری کا قیام اور معاشرتی و ادبی نشستوں کا انعقاد ایک زبردست کارنامہ ہے۔ اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود یہ اتنے سارے کام کیسے انجام دیتے رہے ہیں، حیرت ہوتی ہے علم دوستی اور ترقی معاشرہ کے ناتے عباس اسکول کا قیام بھی خاص اہمیت کا حامل ہے جو ۱۹۷۲ء میں قومیا لیا گیا۔

آج جبکہ دنیا کی تمام سہولتیں اس بستی کو میسر ہو چکی ہیں، اس دور افتادہ بستی میں لوگ آتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ آپ ذرا تصور کی نظر سے دیکھیں تو یاور صاحب نے نہ صرف مشاعرے منعقد کرائے، علمی و ادبی نشستوں کا بندوبست کیا بلکہ ابھرتے ہوئے شعرا و ادبا کی حوصلہ افزائی کے ساتھ انھیں متعارف بھی کرایا۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جنھیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس بستی میں راجا صاحب محمودآباد، حامد لکھنوی، آل رضا، بہزاد لکھنوی، زیڈ۔ اے بخاری، سراج الدین ظفر، استاد قمر جلالوی، شوکت تھانوی، کرار نوری، مہدی ظہیر، ڈاکٹر احسن فاروقی، ناصر جہاں، ارم لکھنوی، زیبا ردولوی، سید محمد جعفری، ظریف جبل پوری، سید ہاشم رضا اور جوش ملیح آبادی جیسے شعرا و ادبا نے اس بستی کی محفلوں کو زینت بخشی۔ خود یاور مہدی نے یہاں ایک بھرپور معاشرتی و ادبی زندگی گزاری۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ راقم کے ہمراہ پہلی مرتبہ آرٹس کونسل آف پاکستان پہنچے تو انھوں نے اسی کی رکنیت حاصل کرنے کی خواہش کی۔ ان کی یہ

خواہش اتنی شدید تھی کہ جلد ہی نہ صرف اس کے رکن بنے، بلکہ آرٹس کونسل کے لیے ان کی حیثیت لازم و ملزوم کی سی ہو گئی۔ آج جبکہ وہ اپنی مدتِ ملازمت پوری کر کے اپنے فرائضِ منصبی سے سبک دوش ہو رہے ہیں تو اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہے کہ وہ آرٹس کونسل سے علیحدگی اختیار کرلیں گے۔ طبعاً یہ بات ان کے مزاج کے خلاف ہے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ وہ اس ادارے سے اسی طرح وابستگی رکھیں گے جس طرح ماضی میں رکھتے رہے ہیں۔ کونسل کے نئے، پرانے ساتھی سب ان کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ان کے مفید مشوروں سے استفادہ کریں گے۔ ادارے کے فروغ، علم وادب کی ترقی و ترویج، نیز فن کو آگے بڑھانے میں ان کے مشورے صرف ضروری ہی نہیں بلکہ بہت ضروری ہیں۔

میری دعا ہے کہ وہ ریٹائرمنٹ کے بعد خوش و خرم زندگی گزاریں۔ پروردگار انھیں صحت عطا کرے تاکہ وہ اور بھرپور زندگی گزار سکیں!

بے چین روح کی علامت.... یاور مہدی

حسنین کاظمی

مشہور شعر ہے کہ

اے دوست! کسی ہمدمِ دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے

مسیحا اور خضر گہری رفاقت کی علامت ٹھہرے ہیں اور رفاقت کی صداقت زندگی کی راہیں روشن کرنے میں بڑی مدد کرتی ہے۔ نظیر اکبر آبادی کا "آدمی نامہ" انسانی رویوں کی نیرنگیوں کا بڑا سچا اور دل کش مرقع ہے:

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی کو تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اتارے ہے آدمی
چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

تو ایسا آدمی جو دوسرے آدمی کو "تیغ سے نہ مارے" بلکہ موقع ہو تو اس پر اپنی "جان وار دے"، جو کسی دوسرے آدمی کی "پگڑی اتارنے" میں خوشی محسوس نہ کرے بلکہ دوسرے آدمی کی پکار سن کر "دوڑتا ہوا" اس کی مدد کو چلا جائے.... ایسے آدمی کا دم ہر دور میں غنیمت رہا ہے اور رہے گا ۔ یہ آدمیت کی اعلیٰ صفت، رفاقت کا تقاضا اور دوست داری اور یاوری کا کمال ہے، اور یاور مہدی کی ذات ہمارے اور آپ کے درمیان اس کی ایک بہت اچھی مثال ہے ۔ اپنے معروف نام کی معنویت کو یاور مہدی نے اپنی زندگی کے معمولات میں جس طرح سمولیا ہے، وہ ہمارے لیے دل جمعی کا سامان اور ان کے لیے ایک پہچان بن گئی ہے ۔

اچھی صفات اور صلاحیتوں سے اللہ تعالیٰ سب کو نوازتا ہے، لیکن اس عطا کا تعمیری اظہار آسان نہیں ہوتا ۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم اپنی فکر و عمل کی منفعتوں کا محور و مرکز کسے بناتے ہیں، اپنی ذات کو یا اپنے معاشرے کو ۔ ہماری صفات کے تعمیری نتیجے اسی وقت نمایاں ہوتے ہیں جب ہم ذاتی مفاد کی سرحدیں عبور کر کے اجتماعی مفاد کی راہ اختیار کرتے ہیں، یہی خیر و فلاح کی راہ ہوتی ہے اور یاور مہدی نے اپنے لیے یہی راہ منتخب کی ہے ۔

یاور مہدی جیسے لوگ نایاب تو نہیں لیکن کمیاب ضرور ہیں اور ایسے لوگ جہاں بھی ہوتے ہیں، اپنی ہمت اور تخلیقی قوت عمل کا اظہار ضرور کرتے ہیں ۔ ریڈیو پاکستان کے مختلف پروگراموں، خصوصاً بزم طلبا کے اور دیگر علمی و ادبی

پروگراموں میں یاور مہدی نے اپنی جدت پسندی کا اظہار جس جس طور پر کیا، وہ پاکستان کی صوتی نشریات کی تاریخ میں یادگار حیثیت رکھتا ہے۔ بزم طلبا کے پروگرام جن میں "ہفتۂ طلبا" کو خاص اہمیت حاصل ہوئی، ان پروگراموں سے ہماری نئی نسلوں کو فکر و عمل کی تعمیری راہیں اختیار کرنے میں بڑی مدد ملی۔ "ہفتۂ طلبا" کے دوران واقعی ایسا ہوتا تھا کہ کراچی کے گلی کوچوں میں ریڈیو پاکستان کی آواز باقی تمام آوازوں پر غالب رہتی تھی اور پروگراموں کے موضوعات اور شرکا کی کارکردگی بہت دنوں تعلیمی اور علمی حلقوں میں موضوعِ گفتگو بنی رہتی تھی۔ پھر "ادبی عدالتیں" قائم ہوئیں اور ان کے مباحث نشریاتی لہروں کی زینت بنے اور اہلِ کراچی عام طور پر طلبا و طالبات خاص طور پر اہلِ علم و دانش کے افکار سے فیض یاب ہوئے۔ ان پروگراموں کی پیش کش میں شرکت کا اعزاز تو بہت سوں کو ملا لیکن ان میں یاور مہدی بہت نمایاں رہے۔

یاور مہدی کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ قوتِ عمل سے نوازا ہے۔ پاکستان آرٹس کونسل کا قیام ایک اہم علمی، ادبی، تہذیبی اور ثقافتی ادارے کی حیثیت سے عمل میں آیا، لیکن کراچی میں یہ ادارہ اس ہمہ جہت انداز میں پہلے کبھی فعال نہیں ہوا جیسا گزشتہ چند برسوں میں ہوتا نظر آیا ہے۔ آرٹس کونسل کی سرگرمیوں کو اس کے اہم مقاصد سے ہم آہنگ کرنے میں کراچی کی متعدد معروف علمی، ادبی اور سماجی شخصیات کا قابلِ قدر تعاون بھی شامل ہے، لیکن یہاں بھی یاور مہدی کی متحرک عملی صفت ایک دھاگے کی صورت متنوع توانائیوں کو یک جا کیے ہوئے ہے۔

یاور مہدی میں بہت سی خامیاں بھی ہوں گی لیکن تقریباً پینتیس برس انھیں دیکھنے اور سمجھنے کے بعد میں یہ بات پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کی خوبیاں ان کی خامیوں پر غالب ہیں۔ ایسی بیماری جو تشویش کا باعث بن جائے، وہ بیماری بھی ان کے قوائے عمل کو مضمحل نہیں کرسکی۔ ان کے بے شمار رفقا اور ان سے

محبت کرنے والے اور ان کا احترام کرنے والے ان کے لیے اعزاز و تکریم کا اہتمام کرکے خود اپنے لیے ایک دیرپا مسرت کا سامان مہیا کررہے ہیں اور ان میں شامل ہونا میرے لیے خوشی اور طمانیت کا باعث ہے۔ اللہ ہم سب کی باہمی رفاقتیں تا دیر قائم رکھے، آمین!

یاور مہدی

پروفیسر محمد فائق

اس وقت نفسیات و تعلیم پر میری مطبوعہ کتب کی تعداد ۴۰ سے اوپر ہے۔ ان میں بہت سے دقیق عنوانات پر لکھنا پڑا ہے۔ اس کے علاوہ ادب میں، ہومیوپیتھی میں، ریڈیو پر، اخبارات میں اور کانفرنسوں میں کسی بھی عنوان پر لکھنا اتنا مشکل نہ لگا جتنا مشکل یاور مہدی پر لکھنا ہے۔ یہ اس لیے کہ یاور ایک فرد نہیں بلکہ ادارہ ہے .... نئے براڈکاسٹرز کے لیے تربیت گاہ، نوجوانوں کے لیے مرکز رہنمائی، اہل دانش کے لیے دانش کدہ، احباب کے لیے بزم "جم"۔ حکام بالا کے لیے ایک معتبر رفیق کار، ماتحتوں کے لیے ایک مشفق افسر اور میرے لیے "یاور"۔ ویسے کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ اس نام میں "واؤ" غیر ضروری طور سے درمیان آگیا ہے، "یار" کافی تھا۔

یاور مہدی سے میری ملاقات اس زمانے میں ہوئی جب ریڈیو ہمارے ملک کا ایک مستحکم اور معتبر ادارہ تصور کیا جاتا تھا۔ ۱۹۶۵ء کے معرکے نے اسے "مستحکم تر" کردیا تھا۔ اس وقت یاور مہدی کا پیشہ ورانہ تجربہ تین، چار سال تھا، مگر ان کے پروگرام "شہر نامہ" نے ہر شہری پر جادو کیا ہوا تھا۔ کچھ سنیں یا نہ سنیں، مگر "شہر نامہ" سننا ضروری تھا۔ پھر مرحوم ریاض فرشوری کا تحریر شدہ پروگرام بھی یاور مہدی کا ہی "آئینہ" تھا۔ ان پروگراموں نے ریڈیو کے ایک جواں سال مخلص، محنتی،

ذہین اور مہذب و مودب کارکن کی حیثیت سے یاور کو اہلِ دانش کے حلقے میں جس طرح روشناس کروایا، اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ اس ضمن میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ یاور کی ملاقات جن شخصیات سے پیشہ ورانہ ضرورتوں کے تحت ہوتی تھی، ان سے ذاتی روابط اور مراسم استوار ہو جاتے تھے۔ میں نے جن لوگوں کو یاور سے اس نوعیت کی گفتگو کرتے سنا ہے، ان میں ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی، جسٹس قدیرالدین احمد، جسٹس ایم۔ بی احمد، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، سید آل رضا، علامہ رشید ترابی، سید محمد تقی، سرجن فضل الٰہی، ممتاز حسن، ممتاز حسین، جمیل الدین عالی اور ابن انشا جیسی بڑی شخصیات شامل ہیں۔ یاور کے موجودہ حلقۂ احباب میں جو اہلِ قلم شامل ہیں، ان کے تاثرات زیرِ نظر تالیف میں آپ کے سامنے ہیں۔ اس کے علاوہ بنگلادیش اور ہندوستان میں ان کی پیشہ ورانہ مہارت اور لگن کا اعتراف کرنے والے کتنے لوگ ہیں، اس کا اندازہ مجھے ان ہزاروں خطوط کے پڑھنے سے ہوا جو عالمی سروس کے پروگرام "آپ کا خط ملا" کے دوران موصول ہوتے تھے۔ بیرونِ ملک مقیم پاکستانیوں میں عالمی سروس سننے والے ان کے متعلق کیا لکھتے رہے ہیں، یہ ریکارڈ پر موجود ہے۔

میں نے بلیک آؤٹ کے دوران کراچی کی تیرہ و تاریک راتوں میں یاور کے ساتھ "بحرِ ظلمات میں گھوڑے دوڑائے ہیں" اور امرا و اکابر، وزرا و سفرا اور صاحبانِ نظر کے انٹرویو اور تبصرے ریکارڈ کیے ہیں۔ ان تاریک راتوں کے سفر میں جہاں ایک جانب مجھے یاور کی پیشانی پر پیشہ ورانہ لگن کی چمک نظر آئی ہے، وہیں اس امر کا بھی اندازہ ہوا ہے کہ یاور بلکہ یاور کا نام ان بڑے لوگوں کے حلقے میں کس قدر محترم ہے۔

کراچی میں آج کے دانش ور، ادیب، صحافی، براڈکاسٹر، ٹیلی کاسٹر، کمپیئر، مقرر، مصنف، وکلا اور اساتذہ میں اکثر ایسے ہیں جو "بزمِ طلبا" کے تربیت یافتہ ہیں

اور جن کی تربیت کے پیچھے یاور کا ہاتھ ہے۔ ادبی محاکے، داستاں بنتی گئی۔ لفظ سازی، شب کو ہے گنجینۂ گوہر کھلا، صرف ایک منٹ، فی البدیہہ مشاعرے، مزاحیہ محفلیں، مباحثے، مذاکرے، تقریری مقابلے، کوئز، جو زندگی میں ترستے ہیں زندگی کے لیے اور سب سے بڑھ کر ہفتۂ طلبہ..... کیا کیا جدت طرازیاں ہیں جن سے ریڈیو پاکستان کے "بزم طلبا" کا دامن مالا مال ہے اور "بزم طلبا" کو بزم طلبا بنانے کا سہرا یاور مہدی کے سر ہے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب طاہر شاہ صاحب کراچی اسٹیشن کے ڈائرکٹر ہوتے تھے۔ اس وقت ہفتے میں ایک دن مختصر دورانیے کا ایک پروگرام "یونی ورسٹی میگزین" کے نام سے نشر ہوتا تھا۔ یہ پروگرام یاور مہدی کے سپرد کیا گیا۔ انھوں نے یہ ذمے داری قبول کرنے کے بعد چند ہی دنوں میں اپنی صلاحیت، پیشہ ورانہ مہارت اور "پبلک ریلیشننگ" کے وہ جوہر دکھائے کہ نہ صرف اس کے دورانیے میں اضافہ ہوا بلکہ یہ ہفتے وار پروگرام اب ہفتے میں ساتوں دن نشر ہونے لگا۔ نام تبدیل کرکے "یونی ورسٹی میگزین" کی جگہ "بزم طلبا" اس پروگرام کا نام رکھا گیا۔ یہ نام تجویز کرنے کا شرف مجھے حاصل ہے۔

یاور مہدی کی شب و روز، تگ و دو، محنت، خلوص اور روابط کے سہارے "بزم طلبا" نہ صرف طلبا کی دلچسپیوں کا مرکز بنا بلکہ تمام بڑے کالجوں اور جامعہ کے اکثر پر مغز اور اہل علم اساتذہ بھی خود کو اس پروگرام سے وابستہ سمجھنے لگے۔ اس طرح یاور کی صلاحیتوں کا اعتراف کرنے والے اہل علم کے حلقے میں اور اضافہ ہو گیا۔ اسی زمانے میں "طلبا یونینوں" پر نئی نئی پابندی عائد ہوئی تھی جس کے نتیجے میں طلبا و طالبات کے ذہن منتشر تھے اور کسی بڑے انتشار کا امکان تھا، مگر "بزم طلبا" نے منتشر ذہنوں کو اس طرح آسودگی دی کہ ان کی ذہنی گھٹن کا ازالہ ہو گیا۔ اس بات کا اعتراف میرے سامنے کئی بڑے کالجوں کے پرنسپل صاحبان اور جامعہ کے صدور شعبہ

نے کیا۔ مختصر یہ کہ طلبا و طالبات کو "بزم طلبا" کی شکل میں اپنی سرگرمیوں کے لیے ایک ایسا مرکز میسر آگیا جہاں وہ اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھاتے اور ان کی تربیت و رہنمائی ہوتی تھی۔ یونی ورسٹی اور کالجوں سے فارغ ہونے کے بعد دلچسپی رکھنے والے طلبا و طالبات "بزم طلبا" کا رخ کرتے اور مختلف پروگراموں کی تشکیل اور تیاری میں مصروف رہتے۔ صرف طلبا ہی نہیں بلکہ طالبات بھی کبھی کبھی تاخیر سے گھر پہنچیں مگر ان کے والدین مطمئن اور پر اعتماد رہتے۔ انتہائی حیرت انگیز بلکہ ناقابل یقین سی ایک بات یہ بھی ہے کہ طویل دورانیوں میں طالبات اور طلبا کے ساتھ ساتھ رہنے کے باوجود کبھی کوئی "داستان" سننے میں نہیں آئی۔ کیا یہ بات یاور کی پروقار، بے باک، پر اعتماد اور ذمے دار شخصیت کی آئینہ داری نہیں کرتی؟

میرا اور یاور مہدی کا ساتھ ایک اور پروگرام میں بھی رہا ہے، بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس پروگرام کی وجہ سے دن رات کا ساتھ رہا ہے۔ شاید اس پروگرام کا نام بعض قارئین کے ذہنوں میں محفوظ ہو۔ وہ پروگرام کیا تھا، غالب کا ایک دقیق مصرع تھا "صبح دم دروازۂ خاور کھلا"۔ غالباً ۱۹۶۰ء کی بات ہے جب ریڈیو پاکستان کراچی کے کنٹرولر مرحوم بدر عالم بی۔ بی۔ سی سے پیشہ ورانہ مہارت حاصل کر کے کراچی اسٹیشن پر مقرر ہوئے تھے۔ مرحوم خوش گفتار، نرم خو اور دھیمے لہجے میں بات کرنے والے ایک حوصلہ مند افسر تھے۔ ذہین تھے، ادبی ذوق رکھتے تھے، انتہائی متحمل اور ٹھنڈے مزاج کے انسان تھے، اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان سے کسی کو شکایت نہیں ہوتی تھی۔ انھوں نے کراچی اسٹیشن کے پروگراموں کا جائزہ لے کر یہ طے کیا کہ کراچی سے طویل دورانیے کا ایک ایسا نیم علمی و ادبی، نیم تفریحی پروگرام پیش کیا جائے جو اتوار کی صبح چھٹی کے موڈ کو مزید خوش گوار بنا کر سامعین سے داد و تحسین حاصل کر سکے۔ شاید انھوں نے اس خیال کا اظہار سب سے پہلے اپنے قریبی اور معتمد رفیق کار یاور مہدی سے کیا اور ساتھ ہی یہ مشورہ بھی لیا کہ اس پروگرام کا کمپیئر کس

کو مقرر کیا جائے ۔ یاور مہدی " بزم طلبا" کے بعض معرکوں میں میری کارکردگی سے متاثر تھے ، چنانچہ انھوں نے میرا نام پیش کیا جو منظور کر لیا گیا ۔ میری آواز کی " مردانہ کرختگی " کو کم کرنے کے لیے ایک نرم و نازک نسوانی آواز کی بھی ضرورت محسوس کی گئی جس کے لیے مرحومہ غزالہ رفیق کا انتخاب کیا گیا ۔ مجھے خوب یاد ہے کہ پروگرام شروع کرنے سے پہلے مرحوم بدر عالم نے یاور مہدی کو بلا کر ان سے عہد لیا کہ اس پروگرام کی ترتیب و پیش کش میں وہ انھیں تنہا نہیں چھوڑیں گے اور الف تا " ی " تمام تکنیکی اور عمومی ضرورتوں میں " یاور یاور " رہیں گے ۔ یہ پروگرام ابتدا میں تو بدر عالم کی پیش کش اور یاور کی محنت تھا ، مگر بعد میں یاور کا ہی پروگرام بن گیا ۔

کچھ اتفاق ، کچھ اہتمام اور کچھ کراچی کی اس وقت کی علمی و ادبی فضا کہ پروگرام نے بے حد مقبولیت حاصل کی ۔ اخبار و جرائد نے پروگرام پر مسلسل تعریفی تبصرے لکھے ، پڑھے لکھے لوگوں نے تعریفی خطوط لکھے ، پان والوں کی دکان سے لے کر اہل ذوق اور صاحبان علم و ادب کے گھروں تک اتوار کی صبح اس پروگرام کی گونج ہوتی تھی ۔ اس میں مختلف شعبہ ہائے حیات کی نام ور شخصیات سے ملاقاتیں ، کلاسیکی اور نیم کلاسیکی موسیقی ، شعرا کی اپنی زبان میں غزلیں ، نغمے ، اقتباسات ، تبصرے ، انشائیہ ، مزاح ، سب کچھ شامل تھا اور اس سب کے پیچھے یاور مہدی کی بے لوث اور ان تھک محنت تھی ۔ مجھے یاد ہے کہ اس پروگرام کی تیاری اور پیش کش ، یعنی ریکارڈنگ اور ڈبنگ میں کبھی کبھی صبح کے ۴ بجے تک ہمیں اسٹوڈیو میں ٹھہرنا پڑا ہے اور صبح جب پروگرام نشر ہوا ہے تو سب محنت وصول ہو گئی ہے ۔ یہ پروگرام کئی سال جاری رہا ۔ پھر مرحوم بدر عالم اور یاور مہدی ، دونوں کی ذمے داریاں بڑھ گئیں مآل کار پروگرام کا معیار گرانے کے بجائے اسے بند کرنے کا فیصلہ کیا ۔ ادھر " عالمی سروس " شروع ہو گئی اور یہ دونوں حضرات اسی نئی سروس کو مقبول بنانے میں مصروف ہو گئے ۔

عالمی سروس میں بھی نت نئے اور اچھوتے پروگرام پیش کرنے کی یاور کی روایت قائم رہی ـ ان پروگراموں نے مشرق وسطیٰ ، مغربی ممالک ، اور جنوبی مشرقی ایشیا میں ایسی مقبولیت حاصل کی کہ ہزاروں کی تعداد میں خطوط موصول ہوئے اور خطوط بھی کیسے ! خطاطی ، نقاشی اور زیبائش کا مرقع ، خوب صورت اور دیدہ زیب ہی نہیں ، طویل بھی ـ ایک خط تو مجھے یاد ہے جس کی طوالت ۸ فٹ تھی یہ خطوط اتنے اثرانگیز اور خوب صورت ہوتے تھے کہ پروگراموں میں ان پر تبصرہ سن کر بعض شائقین انھیں دیکھنے کے لیے اسٹیشن آتے تھے ـ بیرونی ممالک سے جو پاکستانی وطن واپس آئے تھے ، ان سے ملاقاتیں بھی خطوں کے پروگرام میں ہوتی تھیں ، خاص کر سال گرہ کے پروگرام تو یاور کی سال گرہ ہوتے تھے ، کتنے مصروف ! کتنے مہمک ! کتنے سرگرداں ! جیسے کوئی گھر کا فنکشن ہو ـ عالمی سروس کے مقبول پروگرام "آپ کا خط ملا" میں میرے ساتھ اکثر صفیہ کاظم اور نیلوفر عباسی شریک رہی ہیں ـ وہ اس بات کی گواہی دے سکتی ہیں کہ ان خطوط میں یاور مہدی کی پیش کش کو کس طرح سراہا جاتا تھا اور سامعین ان سے کس محبت اور عقیدت کا اظہار کرتے تھے ـ چند سال گزرے تھے کہ دیگر بڑے اداروں کی طرح عالمی سروس بھی کراچی سے اسلام آباد چلی گئی بدرعالم مرحوم حیدرآباد چلے گئے ، یاور کوئٹے گئے ، میں نجمی کے "آئینہ" اور نقی کے "ریڈیو کالم" میں مصروف ہو گیا ـ

آخر میں ایک چھوٹا سا واقعہ عرض کر دوں ـ وہ یہ کہ ایک مرتبہ کراچی اسٹیشن کے کنٹرولر نے پروڈیوسر حضرات کی ایک میٹنگ میں ہر پروڈیوسر سے اس کے تصور کے مطابق ایک خوب صورت سا نیم علمی و ادبی ، نیم تفریحی ، کچھ طنزیہ ، کچھ مزاحیہ پروگرام پیش کرنے کے لیے علیحدہ علیحدہ مشورے طلب کیے اور ہر ایک سے کہا کہ وہ اپنی اپنی نظر کے مطابق اس پروگرام کے لیے بہترین کمپیئر کا نام بھی تجویز کریں ـ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ انھائیس پروڈیوسرز نے ایک ہی نام تجویز کیا ،

مگر زیادہ حیرت کی ضرورت نہیں! اس لیے کہ یہ کمپیئر یاور کی ہی دریافت تھا۔

اب ۲۳ جولائی کو یاور ریٹائر ہو رہے ہیں۔ ان کے پورے کیریئر میں مجھے ان کی خوش مزاجی، خوش گفتاری اور خوش کرداری میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ ہاں! فرق ہے تو ان کے سر کے بالوں میں جو پہلے چمکیلے سیاہ تھے اور اب سفید ہیں، مگر مجھے ان سفید بالوں میں آج بھی "بولے سس" کا حوصلہ نظر آتا ہے۔

میری ساری دعائیں ان کے لیے ہیں

پروفیسر فیروزہ زیدی

یاور مہدی دوستوں کے دوست، دشمنوں کے بھی دوست، پہلی ہی ملاقات میں اپنا بنا لینے والے، بالکل اپنے، احساس ہی نہیں ہوتا کہ پہلی بار مل رہے ہیں یاور مہدی خود وہی رہے اور جانے کتنوں کو بنا ڈالا، بلندیوں پر پہنچا دیا۔ جسے دیکھو، جسے سنو، جسے پڑھو، یاور مہدی کا ہی ممنون نظر آتا ہے۔ یاور مہدی ذمے دار لگتے ہیں کہ جب چاہو دفتر فون کر لو، وہیں بیٹھے ملیں گے.... ضدی لگتے کہ اپنی منوا کر رہیں گے اور منوائیں گے بھی اس طرح کہ جیسے یہی ہماری بھی مرضی تھی۔ مجھے ہی دیکھ لیجیے۔ کہاں درس و تدریس کا پیشہ اور کہاں تخلیقی ذمے داریاں! پھر دونوں ایک ساتھ انجام دینا۔ میں جو سر شام سو جانے کی عادی تھی، رات رات بھر جاگنے لگی، کام کرنے لگی۔ جاگنے کی یہ عادت اتنی پختہ ہوئی کہ آج تک جاگ رہی ہوں اور مزے کی بات یہ کہ تھکن کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

کون بھول پائے گا وہ مل بیٹھنے کے بہانے تلاش کرنا، پارٹیوں کی پینلٹی بھی خوش دلی سے قبول کرنا۔ اتنا بڑا دل، اتنا فراخ سینہ کہ سب کچھ اس میں سما جائے

اور لب پر سدا کی مسکراہٹ، چہرے پر انمٹ سکون و طمانیت کی پرچھائیاں.... لپنے تو لپنے، دوسروں کے دکھ بھی سمیٹ لینے والے، گداز دل، انتہائی ملنسار اور مجلسی.... ڈانٹ اتنی محبت بھری کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ڈانٹ رہے ہیں، کام لینے کا فن انھیں آتا ہے۔

بھابی نے میری ڈیوٹی لگائی کہ تم قریب ہو، خیال رکھنا، مگر وہ جو سب کا خیال رکھتے ہیں، نہ اپنا خیال رکھتے ہیں نہ رکھنے دیتے ہیں، کتنا سمجھاؤ، جواب ملے گا، "کچھ نہیں ہوگا"۔ اور پھر کچھ ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ آغاخان میں ہیں۔ جس جس کو خبر ملی، دھک سے رہ گیا۔ دل کی گہرائیوں سے سب نے دعائیں مانگیں۔ معلوم نہیں کس کی دعاؤں میں اتنا اثر تھا، کس کی رب نے سنی کہ مردے میں جان ڈال دی مگر سبق پھر بھی نہیں سیکھا اور وہی بے چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی، سو اب بھی ہے وہی بے حساب معروفیت، وہی کسی نہ کسی project میں envolvement اور وہی مرغن کھانے، وہی ذائقے، میرے ہاتھ کے کریلے گوشت، دو پیازہ، پالک گوشت اور کڑاہی گوشت، سب فرمائش کرکے بار بار پکوانا۔ وہ کیفے چاتنا اور طباق کی دعوتیں اور وہ تمام دن کونڈے کھاتے پھرنا، سب کچھ یاد ہے مجھے۔ جیسے کل ہی کی بات ہے۔ عابد رضوی صاحب یوں تو شاہ خرچ تھے کہ تنخواہ پوری کی پوری مہینا ختم ہونے سے پہلے ہی اڑا ڈالتے ہیں مگر کبھی ہوٹل میں کھانا کھلانے کا حوصلہ نہیں پڑا۔ یوں سارا بوجھ اس ناچیز کے ناتواں کندھوں پر آپڑتا تھا کھانے کی سروس سے لے کر ڈش واشنگ تک۔ اگر دودھ کا ایک قطرہ بھی باہر گرا تو تبھی کھات الگ سننے کو ملتے تھے۔ ایسے میں یاور بھائی ایک چھتنار درخت کی مانند اپنی پناہ میں لے لیتے تھے، ڈھال بن جاتے تھے۔ عابد صاحب کا بیٹا سنی بھی، جو فطرتاً بہت ہمدرد ہے اور جو مجھے بھی بہنوں کی طرح پیارا ہے، ہمارا پورا پورا ساتھ دیتا تھا۔ خوب ریکارڈ لگتا تھا عابد صاحب کا، مگر نہ وہ باز آتے تھے نہ ہم۔

خواب ہوئے وہ سنہرے دن اور وہ محفلیں جو یادر بھائی کے دم سے آباد تھیں۔ لذتِ کام و دہن کو کیسے کیسے کھانے کھانے کو ملے! یادر بھائی کے دوران قیام کبھی ہم نزاکت، شکیلہ اور جاوید کے گھر براجمان ہیں اور کبھی تنویر بھیا قدوس بھائی کے گھر دھرنا دیے بیٹھے ہیں۔ کیا مجال جو کھائے پیے بغیر ٹلنے کا نام لیا ہو! یادر بھائی کی چٹور پن کی اس عادت سے سبھی واقف تھے، اس طرح ہم طفیلیوں کا بھی بھلا ہوتا رہتا تھا اور عابد رضوی صاحب کو بھی کبھی کبھار ہی کھانا پکانا پڑتا تھا۔

مجھے یاد ہے اعلیٰ سطح پر کھیلے جانے والا ڈراما بھی جو آصف غوری کو پروڈیوسر بنوانے کے لیے کھیلا گیا تھا، نہایت کامیابی سے کھیلے جانے والے اس ڈرامے کے مرکزی کردار بھی یہی یادر بھائی تھے۔ یوں میں جان پائی کہ بظاہر ہر بات کو ہنسی میں اڑا دینے والے یادر بھائی اندر سے کتنے سنجیدہ ہیں۔

خدا یادر بھائی کو سلامت رکھے! میری ساری دعائیں ان کے لیے ہیں۔

یاور مہدی .... میرا ذاتی تاثر

حسن عسکری فاطمی

میں اپنی زندگی میں سیکڑوں نہیں، ہزاروں لوگوں سے ملا ہوں، انھیں مختلف شعبوں میں سرگرم دیکھا ہے، ان کی گفتگو سنی ہے، ان کے کردار و عمل کا جائزہ لیا ہے، انھیں برتا ہے، ان سے لین دین کیا ہے، ان کے خلوص، ان کی ظاہرداری، مکاری، منافقت، فریب دہی، ہمدردی، ایثار کا مزہ چکھا ہے، ان کی دوستی، رفاقت اور سفرِ حضر میں ان کی زندگی کا اصل چہرہ بھی مجھے نظر آیا ہے، ان کو افلاس، بے چارگی، مصائب اور ناقدری کے آزمائشی لمحوں میں فرشتوں کی طرح

پاک دامن، خوش حالی اور منصب کی چمک دمک میں فرعون اور شیطان کی طرح متکبر بھی پایا ہے۔ وہ جب کچھ نہ تھے، کوئی انھیں جانتا پہچانتا نہیں تھا۔ وہ بڑے خوش مزاج، خوش اخلاق اور پسندیدہ تھے مگر جب اللہ تعالیٰ نے انھیں نوازا اور ان پر اپنی رحمتوں کی بارش کی، وہ سواد زندگی پر ابھرے اور چھا گئے تو ان کا اخلاق و کردار پست سے پست تر ہوتا گیا۔ انھوں نے انسانوں کی تحقیر اور اپنی بڑائی کرنے کا وتیرہ اختیار کیا اور گمراہ ہوگئے۔

ان لوگوں میں تمام شعبہ ہائے زندگی کے افراد ہیں جنھیں میں اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ انھیں میں چند ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو لغت اور محاورے میں موجود تمام اچھے اور اعلیٰ لفظ اپنے معانی کھو دیتے اور ہماری دنیا کا سارا رومانس اور جمال خباثت و گندگی میں دفن ہو جاتا اور شرافت و شائستگی، اخلاص و محبت، مروت و احساس داستان پارینہ ہو جاتے اور منافقت و مطلب پرستی، حیوانیت و درندگی ہمیں چیر پھاڑ کر برابر کر دیتی۔

ہمارے عہد میں جن چند لوگوں نے زندگی کے حسن و جمال اور انسانیت کا بھرم رکھا ہے، ان میں یاور مہدی بھی ایک اہم نام ہے۔ یہ نام اگرچہ اپنے معروف معنوں میں ملک گیر شہرت و پذیرائی کا حامل نہیں اور نہ اسے قومی سطح پر کسی اعتراف خدمت کے لائق سمجھا گیا، اس کے باوجود نہایت محترم اور دل آویز نام ہے۔ اس شخص نے کراچی کی سطح پر ہمارے تعلیم یافتہ باصلاحیت نوجوانوں کو اپنے جوہر کو سمجھنے اور اسے استعمال کرکے اپنی زندگی کی تعمیر کرنے کے جو مواقع فراہم کیے ہیں اور انھیں یہ شعور دلایا ہے کہ قومی زندگی میں ان کا ایک اہم کردار ہے جو بے چینی سے ان کا منتظر ہے، وہ خود اتنا بڑا کام ہے کہ اگر وہ کسی اور ملک اور معاشرے میں پیدا ہوتا اور یہ اہم کام انجام دیتا تو اس کی زندگی ہی میں شاہراہوں پر اس کے مجسمے نصب کر دیے جاتے، لیکن افسوس! اس شخص کو کسی انعام اور اعتراف کے لائق

نہیں گردانا گیا، حالانکہ اس نے جیتے جاگتے نوجوانوں کے ساتھ اپنے انداز میں وہی کچھ کیا جو مردہ اور لاوارث لاشوں کے ساتھ مولانا عبدالستار ایدھی نے کیا۔ یہ بات بہت سے لوگوں کو مبالغہ معلوم ہوگی، کیونکہ وہ معاشرتی ظلم وزیادتی کو صرف سطحی انداز میں دیکھنے کے عادی ہیں۔ ایک ایسا نوجوان جس میں بے شمار صلاحیتیں ہوں اور وہ بے روزگاری اور اپنی ناقدری سے دل برداشتہ ہو کر مجرم بن جائے اور معاشرے سے خفیہ اور علانیہ انتقام لینے پر تل جائے، اس نوجوان سے کہیں زیادہ خطرناک ہوتا ہے جو اسی حالت یا مایوسی میں ہلاک ہو جائے اور مولانا ایدھی اسے لاوارث پا کر اٹھا لیں اور پھر شریعتِ محمدیؐ کے مطابق دفن کر دیں۔

میں لاوارث لاشیں اٹھانے یا انھیں کسی طرح زندہ رکھنے کے عمل کو کم تر درجے کی نیکی نہیں سمجھتا اور نہ میرا مقصود مولانا ایدھی کی عظمت کو گرانا ہے، میں تو یاور مہدی کی زندہ خدمات کے حوالے سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں ان لوگوں کی خدمات کا بھی اعتراف کرنا چاہیے جنھوں نے عملی طور پر سماجی و معاشرتی مظالم کے اثرات کو کم کیا ہے۔ کتنے ہی ایسے افراد ہیں جن کو میں جانتا ہوں کہ یاور مہدی نے انھیں فکری اور اخلاقی سہارا دیا اور مایوسی کی گہرائیوں میں بھٹکنے سے بچا لیا اور بڑی تعداد ان میں ان لوگوں کی ہے جن سے اویس احمد ادیب انصاری نے جشنِ یاور مہدی کے لیے رجوع نہیں کیا ہے کیونکہ یاور مہدی نے ان کا اتا پتا نہیں بتایا۔

ایک زمانہ تھا جب ریڈیو پاکستان بانیانِ پاکستان کے متعین کردہ خطوط پر پاکستان کے ستم رسیدہ عوام کی فکری رہنمائی میں ہمہ تن مصروف تھا۔ اس زمانے میں یہ قومی نشریاتی ادارہ محض حکمرانوں کی جھینکوں یا لن ترانیوں کے لیے وقف نہیں تھا بلکہ اس سے وابستہ ملازمین اپنے ضمیر اور قومی خیالات و احساسات کی بھی کچھ ترجمانی کر دیا کرتے تھے۔ ۱۹۶۵ء کی پاک، بھارت جنگ کے دوران پوری

پاکستانی قوم اپنے دفاع کے لیے سر بکف ہوئی اور یہ شعور بیدار ہوا کہ ہمیں اپنی بقا کے لیے کچھ کرنا ہے۔ ایسے میں ریڈیو پاکستان نے نوجوان نسل کے لیے خاص طور پر "بزمِ طلبا" کے نام سے تعلیمی و ثقافتی پروگراموں کا آغاز کیا جن کا مقصد اعلیٰ درس گاہوں کے طلبا میں مختلف قومی و معاشرتی موضوعات پر قومی افکار و نظریات کو اجاگر کرنا تھا۔ اس میں طلبا کے علاوہ اساتذہ کو بھی مباحثوں، مذاکروں، لیکچرز، ڈراموں اور فیچرز کے ذریعے بولنے کا موقع دیا جاتا تھا۔ اس اہم کام کے لیے نوجوان پروگرام پروڈیوسر یاور مہدی کو منتخب کیا گیا۔ اس نوجوان نے دن رات ایک کر کے اسے کامیاب ہی نہیں بنایا بلکہ نت نئے طریقوں سے تعلیمی اداروں کو ریڈیو پاکستان سے مربوط کر دیا۔ اس طرح طلبا کی وہ منفی سیاسی تحریکیں جو ہمارے اقتدار اعلیٰ کو چیلنج کر رہی تھیں اور ان کے نتیجے میں ہمارے دشمنوں کے عزائم پورے ہو رہے تھے چند برسوں میں دب گئیں اور طلبا میں مثبت سوچ پیدا ہوئی۔ ان پروگراموں میں حصہ لینے والے طلبا بڑی تعداد میں مقابلے کے امتحانات میں بیٹھے، ان میں اعتماد پیدا ہوا، انھوں نے اپنے اندر بے بہا صلاحیتوں کے خزانے دریافت کیے۔ آج بھی ایک بڑی تعداد جو بڑے بڑے سرکاری یا پیداواری شعبوں کے اعلیٰ عہدوں پر متمکن ہے، اسی "بزمِ طلبا" سے ہو کر گئی ہے جس کے پروڈیوسر یاور مہدی تھے۔

جب یاور مہدی نے ریڈیو کے حکام پر اپنی صلاحیتوں کا گہرا نقش قائم کر لیا تو انھیں ہوم سروس اور ورلڈ سروس میں مختلف قومی پروگرام دیے گئے۔ یہاں بھی انھوں نے اعلیٰ درجے کی تخلیقی صلاحیتوں اور مہارت کا مظاہرہ کیا، چنانچہ ریڈیو پاکستان کے وہ طویل اور یادگار پروگرام جن کی آج ریڈیو ہی نہیں، پاکستان ٹیلی وژن اور این۔ٹی۔ایم بھی تقلید کرتے ہیں، یاور مہدی کے طباع اور تخلیقی ذہن کی دین ہیں۔

یاور مہدی نے یہ جو کچھ کیا، ایک نظم و ضبط میں رہ کر کیا۔ انھیں ریڈیو

پاکستان کے بہترین دماغوں کی رہنمائی بھی حاصل تھی ۔ یاور مہدی ان صحیح معنوں میں دانش وروں کے لائق شاگرد تھے جن میں سید ذوالفقار علی بخاری، اے ۔ ایف کلیم اللہ، ظفر حسین، حمید نسیم، شمس الدین بٹ، آغا ناصر، طاہر شاہ اور بدر عالم خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

یاور مہدی ایک ہنگامہ خیز شخصیت، ایک نہایت قابل اعتماد شاگرد، اپنے سینئرز کی ہدایات و مرضی کے مطابق حرف بحرف کام کرنے والے ماتحت ہیں ۔ انھوں نے کبھی اپنے تو کجا، کسی چند سال سینئر ساتھی سے بھی بدتمیزی نہیں کی ۔ وہ غیر ضروری بات کرنا تو درکنار، ضروری اور اہم بات بھی اتنی خست سے کرنے کے عادی ہیں گویا ان کے منھ میں زبان صرف اچھے ذائقے چکھنے کے لیے ہے ۔ جس زمانے میں ریڈیو پاکستان میں ان کا کمرا اپنے عہد کی حسین ترین لڑکیوں سے بھرا رہتا تھا اور وہاں نوجوان طلبا اور اساتذہ ہوتے تھے، کسی نے یاور مہدی کو کبھی اخلاقیات سے تجاوز کرتے نہیں دیکھا، حالانکہ وہ ایک حسین و جمیل اور بھرپور نوجوان تھے ۔ ان کے سامنے کسی کو ایسا مذاق کرنے کی ہمت بھی نہیں ہوتی تھی جس میں کسی قسم کی لگاوٹ ہو ۔ اس زمانے میں آج کل کی طرح لڑکیاں اتنی آزاد نہ تھیں کہ انھیں ان کے والدین کی طرف سے غیر ضروری طور پر ایک، آدھ گھنٹا باہر رہنے کی اجازت ہو ۔ اس کے باوجود بڑے بڑے شرفا کی لڑکیاں بارہ بجے رات تک یاور مہدی کے پروگراموں میں اپنے ہم جماعت لڑکوں کے ساتھ پروگرام کرتی تھیں ۔ یاور مہدی کی ذمے داری کا یہ حال تھا کہ وہ خود ان لڑکیوں کو ریڈیو کی گاڑی میں ان کے گھر والوں کو صحیح سالم حالت میں سپرد کر کے اپنے گھر جایا کرتے تھے ۔ ان لڑکیوں کے والدین کو یاور مہدی پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ پلٹ کر بھی نہ دیکھتے تھے یہی حال کالجوں کی پرنسپلز کا تھا کہ وہ خود سے زیادہ یاور مہدی کے ہاتھوں میں اپنی طالبات کو محفوظ سمجھتی تھیں ۔ جہاں لڑکے لڑکیاں گھنٹوں باہر گھل مل کر بیٹھتے

ہوں، وہاں کوئی اسکینڈل نہ بنے، یہ بات کسی معجزے سے کم نہیں اور اس معجزے کی بنیاد یاور مہدی کا مضبوط کردار تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس میل جول کے نتیجے میں نوجوان دل کبھی نہیں دھڑکے، ضرور دھڑکے بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر دھڑکے، لیکن اس کی پاداش میں ان دلوں کو شادی کے دوام کی سزا ملی جسے وہ اب تک بھگت رہے ہیں اور خوش ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یاور مہدی کو اس دیانت دارانہ چوکیداری کا یہ صلہ دیا کہ ماشاءاللہ! ان کی اولاد بھی ایسی ہی شریف و نیک طینت ہے جیسے وہ خود ہیں۔

میری یاور مہدی سے پرانی یاداللہ ہے۔ میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ انھوں نے مجھ سے لتنے مختلف موضوعات پر اور اتنا زیادہ لکھوایا ہے کہ میں لوگوں میں لکھا پڑھا شخص مشہور ہوگیا ہوں، حالانکہ مجھے یہ اعتراف کرنے میں فخر محسوس ہو رہا ہے کہ اگر یاور مہدی مجھے اپنے "استادانہ تشدد" کا نشانہ نہ بناتے تو میں ایک روایتی صحافی کے طور پر کارگزار رہتا، مجھے یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ مجھ میں صحافت کے علاوہ بھی کوئی اور جوہر ہے۔ سچ یہ ہے کہ جن شخصیات نے میری صلاحیتوں کو ابھارنے اور نکھارنے میں اہم کردار ادا کیا ہے، ان میں پروفیسر ذکریا ساجد کے علاوہ سید یاور مہدی سرفہرست ہیں۔

آرٹس کونسل، کراچی یاور مہدی کا دوسرا بڑا مستقر ہے۔ اس ادارے کو پچھلے پندرہ برس کے دوران یاور مہدی نے صحیح معنوں میں ایک قومی ثقافتی ادارے کا وقار عطا کیا ہے۔ ان کی ذات ہر طرح کے تعصبات سے منزہ ہے۔ وہ ایک بالغ نظر وسیع المشرب اور انسان دوست فرد ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہر مسلک و نظریہ کی ثقافتی ترویج کے لیے آرٹس کونسل ملک بھر میں ممتاز ہے۔ ہماری تاریخ گزشتہ برسوں میں بڑی ہنگامہ خیز آزمائشوں سے گزری ہے۔ کوئی قومی ادارہ ہنگاموں، فائرنگ، بموں اور کشت و خون سے محفوظ نہیں رہا۔ مختلف طبقات آپس میں گتھم گتھا ہوئے، مساجد، امام بارگاہوں، اسمبلیوں، اقتدار اعلیٰ کے مراکز، عوامی بہبود کے اداروں اور

اخبارات تک کے دروازوں پر مسلح پہرے بٹھائے گئے.... لیکن آرٹس کونسل کے باہر کسی نے کبھی کوئی گارڈ نہیں دیکھا، نہ اس ادارے کے پروگرام کبھی متاثر ہوئے ہر طبقے کے افراد اور شخصیات کے لیے آرٹس کونسل کے دروازے کھلے رہے۔ یہاں نہ کبھی حکمرانوں کو اپنی جان کا خوف ہوا، نہ کوئی غریب مارا گیا۔ یہ ہے یاور مہدی کی ہر دل عزیز شخصیت کا کمال! اس کمال کا راز بڑا مختصر اور قابل فہم ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ اسلامی جمہوری روایات اور طرز زندگی پر یقین رکھتے ہیں جس میں ایک نظم و ضبط تو ضرور ہے لیکن اخلاق و شائستگی کے ساتھ ہر بات کہنے اور سننے کی اجازت ہے آرٹس کونسل کی گورننگ باڈی اور مختلف کمیٹیوں میں جو افراد آتے ہیں، انھیں یاور مہدی کی تائید و حمایت حاصل ہوتی ہے، لیکن ان میں کبھی کسی ایسے شخص کی گنجائش نہیں ہوتی جس میں رواداری نہ ہو۔ یاور مہدی چاہتے تو خود اس کے سکریٹری بنتے، مگر انھوں نے ہمیشہ خاموشی کے ساتھ پچھلی صف میں بیٹھنے کو ترجیح دی، یہی وجہ ہے کہ گزشتہ چودہ برس سے قدسیہ اکبر سکریٹری منتخب ہوتی چلی آرہی ہیں۔ میں ہرگز یہ نہیں کہہ رہا کہ خود قدسیہ اکبر اس عہدے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ یہ بات ایک بہت بڑا جھوٹ ہوگا، لیکن یہ بھی ایک واضح سچائی ہے کہ انھیں کبھی کسی اندرونی سازش کا سامنا نہیں کرنا پڑا، کیونکہ یاور مہدی جیسا شریف النفس آدمی ان کا ساتھی اور رہنما ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کو یہ شکایت ہو کہ آرٹس کونسل میں یاور مہدی کی مرضی کے خلاف پتا بھی نہیں ہل سکتا، لیکن یہ حقیقت ہے کہ یاور مہدی جیسی محنت، تگ و دو کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یاور مہدی نے اپنی زندگی کی ہر سرگرمی پر آرٹس کونسل کی تعمیر و ترقی و سرگرمی کو قربان کر دیا ہے۔ آرٹس کونسل کے لیے اس قدر اخلاص پر ان کے معالجین، ان کی اہلیہ، اولاد اور متعلقین ان سے عاجز ہیں وہ آغا خان ہسپتال کے بستر سے بھی آرٹس کونسل کے امور انجام دیتے ہیں۔ ان کی اپنی ذاتی مالی حالت کوئی اچھی

نہیں اور اس کا اندازہ ان کے دوست بخوبی لگا سکتے ہیں، لیکن آرٹس کونسل کے منصوبوں کے لیے رقم کی فراہمی کے لیے وہ ہر اس شخص کے سامنے ہاتھ پھیلا سکتے ہیں اور اس کے گھر کے چکر لگا سکتے ہیں جس سے انھیں موہوم سی بھی امید ہو۔

یاور مہدی میں اتنی زیادہ انسانی خوبیاں ہیں کہ ہمارے عہد کے لوگوں میں کم ہوں گی۔ وہ اپنے دوستوں کی عیادت باقاعدگی سے کرتے ہیں، ان کی خوشی اور غم میں شریک ہوتے ہیں، ان کے کاموں میں حتی المقدور ان کی مدد یا کم از کم تعاون ضرور کرتے ہیں۔ وہ اپنے مخالفین سے بھی خندہ پیشانی اور اخلاص کے ساتھ ملتے ہیں ان سے بڑی عمر اور بڑے منصب کے لوگ بھی انھیں "یاور بھائی" کہتے ہیں اور یہ کہنے میں انھیں اطمینان محسوس ہوتا ہے۔ احسان جتانا ان کی سرشت میں نہیں۔ اپنے چھوٹوں اور کم حیثیت افراد کے احترام میں کھڑا ہونا ان کا ایسا وصف ہے جو ہمارے عہد کے بڑوں میں خال خال ہے۔

یاور مہدی کی انسانی صفات کے لیے یہ چند سطور بہت ناکافی بلکہ ان کے ساتھ ناانصافی کے مترادف ہیں۔ میری دلی دعا ہے کہ وہ تادیر ہمارے سروں پر اپنی شفقتوں کے ساتھ سایہ فگن رہیں اور یہ جشن، جو ان کی عظیم قومی خدمات کے اعتراف میں منایا جا رہا ہے، کامیاب ہو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایک اجتماع، ایک جشن یاور مہدی کے ایک دن کی خدمات کے برابر بھی نہیں، مگر ان کے احباب کا احساسِ فرض اس سے ظاہر ہو رہا ہے۔ میرے نزدیک یہ ایک فرضِ کفائی ہے جس کے روح و رواں اویس احمد ادیب انصاری کی مخلصانہ جدوجہد ہے اور میرے لیے قابلِ رشک بھی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ احسان کا بدلہ احسان ہے۔ یاور مہدی کی ثقافتی و تعلیمی خدمات کے مقابلے میں یہ احسان شناسی بہت حقیر ہے، لیکن میرے احباب نے جشن کا اہتمام کر کے ہمیں ایک بہت بڑی احسان فراموشی سے بچا لیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں آئندہ بھی اپنے قومی محسنوں کو ان کی زندگی ہی میں عزت و تکریم دینے کی توفیقات سے نوازے، آمین!

محبت اور خوشبو کا امتزاج

پروفیسر نوشابہ صدیقی

شہر کراچی کے ماضی میں طالب علمی کا ایک مخصوص دور پایا جاتا ہے جو جامعۂ کراچی، شہر کے ڈھیر سارے کالج اور ریڈیو اسٹیشن کے گرد گھومتا ہے۔

طالب علمی کے دور میں ساتھی طالب علم اور اساتذہ میں سے کوئی نہ کوئی دل کے کسی گوشے میں چھپ کر بیٹھ جاتا ہے اور پھر اس کی ذات اپنی ذات میں گھل مل جاتی ہے۔ زمانے کی بے ثباتی اسے نظروں سے اوجھل بھی کر دیتی ہے لیکن اس کی ٹھنڈی میٹھی یادیں دل میں مستقل بسیرا کیے رکھتی ہیں۔

میری زندگی میں بھی ایسے کئی ساتھی طالب علم آج بھی داخل ہیں، ایسے کئی اساتذہ ہیں جن کے وجود سے دل اور ذہن کا کونا کونا آباد ہے۔ لیکن شہر کراچی کی ایک ایسی شخصیت جو نہ ہمارے ساتھ کالج میں تھی نہ یونی ورسٹی میں، لیکن طالب علمانہ زندگی کا تصور آتے ہی وہ شخصیت اپنے بھرپور وجود کے ساتھ سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔ وہ ذات یاور مہدی کی ہے۔ ان کے اس پورے نام میں سے "مہدی" یوں غائب ہے گویا ان کے نام کا یہ کبھی حصہ رہا ہی نہ ہو۔ تعلیمی زندگی کے جتنے ساتھی ہیں، ان کے ساتھ آج بھی جب ہم بیٹھتے ہیں تو یادیں ادھر ادھر سے بھٹکتی ہوئی یاور بھائی تک پہنچ جاتی ہیں جو چھوٹے اور بڑے ہر ایک کے یاور بھائی تھے۔ جامعہ نگری سے نکل کر سیدھے گھر جانا ہمارے لیے ممکن ہی نہ تھا جب تک کہ ہم ریڈیو اسٹیشن کے چکر نہ لگا لیتے جہاں یاور بھائی فرداً فرداً ہر ایک کے منتظر ہوتے چہرے پر وہی ایک مخصوص مسکراہٹ، ایک جیسی تراش خراش کے لباس اور ادلتے

بدلتے گروں کے باوجود ان کا وجود ہر گرے میں ایسا کہ جیسے ہمیشہ سے یہیں بیٹھے ہوں ۔ مسکراہٹ ، محبت اور خوشبو کا امتزاج " یاور بھائی " کہلاتا ہے ۔

" بزم طلبا " کے گرد ہماری شخصیت گھومتی تھی اور ہماری شخصیت ، ہمارا مزاج بنانے والے یاور بھائی تھے ۔ وہ غصہ بھی کرتے مگر بالکل مصنوعی لگتا ، وہ جھنجلاتے بھی مگر وہ کسی اور کی جھنجلاہٹ معلوم ہوتی ۔ وہ اکثر کسی کسی کو نظر انداز بھی کرتے لیکن معلوم یوں ہوتا کہ وہ اس سے پیار کر رہے ہیں ۔ وہ ڈانٹتے بھی لیکن لہجے کی شیرینی ڈانٹ کے اثر کو بالکل زائل کر دیتی ۔ میں اس وقت بھی یہی سوچتی تھی اور آج بھی یہی سوچتی ہوں کہ ایسے مزاج کی شخصیتیں اور کتنی ہوں گی ۔

آج جبکہ زمانے کے مزاج سے محبت غائب ہو گئی ہے ، ماحول میں خلوص کی کمی ہے ، چہروں سے مسکراہٹ دور ہو گئی ہے ، فضا میں مروت کی کہیں بھی خوشبو نہیں ؛ ہر طرف دھند ہے بے گانگی کی ، بے زاری کی ، بے مروتی کی ، نظر انداز کر دینے کی ؛ کہیں کسی سے لگاؤ نہیں ؛ کسی کے لیے کچھ کر گزرنے کی تڑپ نہیں ہے ؛ کسی کا کسی کو انتظار نہیں .... لیکن آج بھی یاور بھائی کی ذات میں محبت ، خلوص ، مسکراہٹ ، مروت ، پہچان اور کسی کے لیے بھی کچھ کر گزرنے کا جذبہ جوان ہے ۔

سفید بالوں والے یاور بھائی ہمیشہ سے ہی اتنے معتبر تھے جتنے کہ آج ہیں کہ ان پر نوجوانی کا دور کبھی آیا ہی نہیں ، شاید اس لیے کہ نوجوانی میں نوجوانوں کی سرپرستی اور رہبری انھیں سونپ دی گئی تھی اور وہ وقت سے بہت پہلے بڑے ہو گئے تھے جبھی تو وہ ہر بگڑے کے راہ رو بھی تھے اور محتسب بھی ۔ آج وہ لوگ جو اپنے اندر بولنے ، لکھنے لکھانے اور خود اعتمادی کا جوہر پاتے ہیں ، اپنی بات دوسروں کو سمجھانے کا فن جانتے ہیں ، وہ کسی نہ کسی اعتبار سے یاور بھائی کے مقروض ہیں اور اپنے اپنے ٹھکانے پر حسن وخوبی سے اپنا فریضہ انجام دیتے ہوئے ان کا قرض مسلسل چکا رہے ہیں ۔ یاور بھائی کے جینے کے لیے ان کا یہ فعل یقیناً کافی ہو گا ۔

آج جب ہم طالب علم نہیں اور "بزم طلبا" کا وہ زمانہ بھی نہیں اور ریڈیو اسٹیشن "ممنوعہ علاقہ" بھی ہے، یاور بھائی آج بھی ہمارے "یاور بھائی" ہیں کہ یہ محبت ہمارے وجود کا حصہ ہے۔

کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

انیس زیدی

(پرنسپل، گورنمنٹ نیشنل کالج.... ممبر، بورڈ آف انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن، کراچی)

یاور مہدی ایک متوازن اور خوش گوار شخصیت کے مالک ہونے کے ساتھ انسان شناس اور انسان دوست بھی ہیں، خواتین کے حلقے میں خصوصاً بہت مقبول ہیں اور "یاور بھائی" کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔ شان قلندری کا عالم یہ ہے کہ ذاتی مسائل کے علاوہ شہر بھر کے مسائل حل کرنے اور کرانے میں کوشاں نظر آتے ہیں، اسی وجہ سے "نصف بہتر" کی رائے میں "ناپسندیدہ" ٹھہرتے ہیں۔ آرٹس کونسل کو پاکستان کا بہترین اور مثالی ادارہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس ادارے کی توسیع، ترقی اور نیک نامی کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ جہاں آرٹس کونسل کی ترقی کا معاملہ ہو، وہ اپنی انا اور عزت نفس کی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ نوجوانوں، خاص طور پر باصلاحیت نوجوانوں کی تربیت اور فن و ثقافت کے باب میں ان کی فطری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ بہت سے ایسے فن کار جو آج قومی اور بین الاقوامی سطح پر ممتاز ہیں، ان کا پہلا تعارف یاور مہدی کے ریڈیو پروگراموں کا مرہون منت ہے۔

یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ یاور مہدی کی ذات کراچی کی ثقافتی اور ادبی سرگرمیوں میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔

صاحبِ غم ہائے دیگر

پروفیسر ایف - ایم نذیر
(صدر کلیۂ فنون، گورنمنٹ نیشنل کالج، کراچی)

پندارِ محبت کے وہی لوگ امیں ہیں
پہنچے غمِ جاناں سے جو غم ہائے دگر تک

اس کٹھن سفر میں کامیابی پر میں یاور بھائی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

یاور مہدی .... رکھ رکھاؤ کے آدمی

ڈاکٹر عنیزہ انور

یاور مہدی کا اور میرا ساتھ اس وقت سے ہے جب میں میڈیکل کی طالبہ تھی میں اپنے کالج میں دوسری ساتھیوں کے علاوہ تسنیم زہرا کا خاص طور پر ذکر کروں گی جنھوں نے ریڈیو پاکستان میں یاور مہدی سے ملاقات کروا کے ان کے خلوص، محبت اور شرافت کے ڈنکے کالج میں بجوا دیے تھے۔ جب بھی میری ملاقات ان سے ہوتی تو یہی تاثر لے کر میں کالج سے واپس آتی۔ دراصل میں کانونٹ کی پڑھی ہوئی تھی۔ اردو میری مادری زبان تھی مگر میں اس طرح کے تقریری یا بیت بازی کے مقابلوں میں جہاں اردو کا عمل دخل ہو، بے پناہ گھبراتی تھی۔ میں سمجھتی ہوں کہ یاور مہدی ہم طلبا کے لیے ایک ادارے کا درجہ رکھتے تھے۔ انھوں نے جس طرح یونی ورسٹی، کالج کے طلبا و طالبات کی مختلف مراحل پر تربیت کے فرائض انجام دیے، جس طرح ہاتھ

پکڑ کر لوگوں کی رہنمائی کی، وہ ایک مثال ہے۔ انھوں نے لفظوں کو صحیح طرح بولنا سکھایا، آواز کے زیر و بم سے آگاہ کیا۔ میں انگریزی کی مقررہ تھی اور کالج کے تمام پروگراموں میں کمپیئرنگ سے لے کر مقابلے تک سب انگریزی میں ہوتے تھے، مگر یاور مہدی نے ہم طالبات کو اردو کی محبت میں گرفتار کرا کر اردو میں اسکرپٹ لکھ کر اور سکھا کر پروگرام کروایا۔ ہمارے پروگراموں میں کشور غنی، رسول احمد کلیمی، خوش بخت شجاعت، کنور غنی اور جاوید جبار شرکت کرتے تھے۔ ان سے میں سے کچھ حضرات صبح کے پروگراموں میں بھی فرائض انجام دیتے تھے۔ بعد میں، میں بھی صبح کے پروگراموں میں کمپیئرنگ کے فرائض انجام دینے لگی۔ اس طرح ریڈیو کے ان پروگراموں میں جن میں میں اپنی شرکت غیر یقینی سمجھتی تھی، یاور مہدی نے یقینی بنا دی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد میں ملک سے باہر چلی گئی۔ ۱۹۸۸ء کے آخری سالوں میں پھر مجھے یاور بھائی نے دوسرے پروگراموں میں یاد کیا اور میں نے مختلف پروگراموں میں شرکت کی۔ دھیمے لہجے، محبت آمیز تعلق، خلوص، شفقت اور قومی خدمات کے حوالے سے یاور مہدی کا نام ریڈیو پاکستان کی تاریخ میں سنہری الفاظ میں لکھا جائے گا۔ میرے میاں بھی ان کے مداح ہیں۔

آرٹس کونسل کے حوالے سے یاور مہدی نے آرٹس کونسل کے در و دیوار کو نہ صرف زیبائش سے آراستہ کر دیا بلکہ آرٹس کونسل کو فن مصوری، موسیقی، ڈراموں اور ادبی و ثقافتی سرگرمیوں کا گہوارہ بنا دیا جہاں فن سے دلچسپی رکھنے والوں کا ہر وقت مجمع لگا رہتا ہے۔ انھوں نے ان لوگوں کو آرٹس کونسل کی طرف متوجہ کر دیا جو ان چیزوں کو وقت کا زیاں سمجھتے تھے۔

میری جب بھی یاور مہدی سے ملاقات ہوئی، وہی رکھ رکھاؤ اور محبت میں نے دیکھی جو ۱۹۶۷ء سے میں پہلی ملاقات میں ان میں نظر آئی تھی۔ مجھے وہ الفاظ نہیں

مل رہے ہیں جن سے میں ان کی شخصیت کے ان پہلوؤں کو اجاگر کر سکوں جنھوں نے دلوں کو مسخر کر لیا ہے۔ یاور بھائی آج بھی مرے اسی طرح یاور بھائی ہیں۔

روبینہ انصاری

(کوآپریٹو لیکچرار، خورشید گرلز کالج)

کسی شخصیت کے بارے میں اظہار رائے کرنا دشوار اس لیے ہے کہ رائے کا سچا ہونا ضروری ہے۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس فرد یا شخصیت کو بہت دیانت داری سے پرکھا اور پرکھا جائے، اس کے بعد کوئی رائے قائم کی جائے۔ ویسے بھی اکثر شخصیات نہایت پیچیدہ اور پرت در پرت تہوں میں لپٹی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہ بھی سنا ہے کہ ایک شخص کے ساتھ ساری زندگی بسر کی، مگر اس کی شخصیت کے چھپے ہوئے پہلوؤں کو نہ جان سکے۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض انسان کھلی کتاب کی مانند ہوتے ہیں، لیکن ان کھلی کتابوں میں بھی بعض عبارات نہ سمجھ میں آنے والی ہوتی ہیں۔

میں عمر اور تجربے کے لحاظ سے اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتی کہ کسی کے بارے میں رائے دوں، پھر بھی زندگی میں بعض شخصیات ایسی سامنے آتی ہیں کہ جن کے بارے میں خود بخود اچھے جذبات کا اظہار کرنے کو جی چاہتا ہے۔ ایک ایسی ہی شخصیت کے حامل انکل یاور مہدی ہیں۔ پہلے آپ کو یہ بتاؤں کہ ان سے میری پہلی ملاقات کب اور کس طرح ہوئی۔ ریڈیو پاکستان کے کسی پروگرام میں منھ میں چھالیہ رکھ کر میں مائک پر بولنے بیٹھ گئی تھی۔ اس پر میری امی نے مجھے اس قدر ڈانٹا کہ میں شدت برداشت سے سرخ، ڈبڈبائی آنکھوں کو وہاں موجود لوگوں سے چھپانے کی تگ و دو میں مصروف ہو گئی بالکل ایسے ہی جیسے بیچ سڑک پر کیلے کے چھلکے سے

پاؤں پھسل کر گر جانے والا اپنی تکلیف کو بھول کر ادھر ادھر دیکھ رہا ہوتا ہے کہ کسی نے دیکھا تو نہیں، کوئی اس پر ہنس تو نہیں رہا۔ بس ایسے ہی لمحے انکل یاور مہدی اسٹوڈیو کی جانب آنکلے اور امی کو ایسے دھیمے لہجے اور نرم الفاظ میں تنبیہ کی کہ مجھے ان کی شخصیت میں عجیب سا سحر نظر آنے لگا۔ پھر انھوں نے مجھے سمجھایا کہ مائک بہت حساس ہوتا ہے، ذرا سی آواز بھی اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتی، ہر خامی اور خوبی کو واضح طور پر اجاگر کرتا ہے، اس لیے آپ کو بہت خیال رکھنا چاہیے۔

تو یہ تھی ان سے میری پہلی ملاقات۔ اس کے بعد پروگراموں کے توسط سے آنا جانا رہا۔ جب بھی ریڈیو جاتی، ان سے ملے بنا کبھی نہ لوٹتی۔ بارہا ان کے پروگراموں میں حصہ لینے کے مواقع بھی ملے۔ وہ بہت بااخلاق، شفیق، مہربان اور مہمان نواز انسان ہیں۔ کوئی کام ہو یا کسی چیز کی ضرورت، ان کے پاس چلے جائیے، مایوس نہیں لوٹائیں گے۔

کبھی انکل یاور مہدی کو اکیلا نہیں دیکھا، ہمیشہ ہجوم دوستاں میں نظر آئے مگر سب کی جانب نگراں، سب کی بات سنتے ہوئے، کسی کے کام کے لیے فون کر رہے ہیں تو کسی کو لکھ کر دے رہے ہیں کہ بھئی مستحق ہے، قابل ہے، بے جا سفارش نہیں کرتا، کام دے دو۔ پہلی بار جب ایسی تحریر مجھے ملی تو میں سمجھی کہ انھوں نے ٹال دیا مگر نہیں، کام ہو گیا اور یوں ہوا کہ مجھے طمانیت رہی کہ میری قابلیت کی بنا پر ہوا ہے۔

یاور انکل عجیب ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کی شہرت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ جاب کے سلسلے میں مختلف کالجوں، دفتروں اور فرسٹ ویمن بینک سے رابطے میں رہے، یہاں تک کہ مختلف تقریبات کے سلسلے میں بڑی بڑی جگہوں پر اپنی امی کے ساتھ جانا ہوا (کیونکہ وہ وہاں کمپیئرنگ کے لیے جایا کرتی تھیں) اور ہر جگہ بے شمار اور بڑے بڑے قابل مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق

رکھنے والے ایسے لوگ ملے جنھوں نے "بزمِ طلبا" اور یاور مہدی، بلکہ یوں کہیے کہ یاور مہدی والے "بزمِ طلبا" اور یاور مہدی کا ذکر بڑے اچھے الفاظ میں کیا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس شہر اور دیگر شہروں میں بھی یاور مہدی کا حلقۂ احباب اور شناسائی خاصی وسیع ہے، اور کیوں نہ ہو! میٹھی زبان سے انسان ملک فتح کرسکتا ہے غرض ان کے اچھے رویوں کے باعث جب آپ ایک بار ملتے ہیں تو دوبارہ ملنے کی آرزو رکھتے ہیں۔

یاور انکل بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، مگر ان میں ایک چھوٹی سی خامی بھی ہے۔ یہ کوئی ایسی خامی نہیں ہے جسے کوئی لے اڑے، یہ صرف اور صرف ان کی اپنی ذات سے تعلق رکھتی ہے اور وہ ہے ان کی بدپرہیزی کی عادت۔ کاش یہ سطور لکھے جانے تک اس بری عادت کو ترک کرچکے ہوں! ویسے وہ مانیں گے نہیں، بلکہ مسکرا کر دھیرے سے کہیں گے۔ "یار لوگوں نے خواہ مخواہ مشہور کردیا ہے۔ اب انسان کیا ہر وقت پھیکے سیٹھے کھانوں کا عذاب سہتا رہے۔ کبھی کبھار ذرا سا کچھ چکھ لیا، اور ہوگئے مشہور!" دیکھا آپ نے! جھوٹ بھی نہیں بولا اور نہ مانتے ہوئے مان بھی گئے۔

یہ ہیں ہمارے پیارے سے انکل یاور مہدی! وہ ایسے ابر پارے کی مانند ہیں جو دوسروں کو دھوپ سے بچاتا ہے یا پھر وسیع سمندر جو دوسروں کے لیے اپنی آغوش وا کیے اپنے پھیلاؤ میں کبھی ساکت اور کبھی اپنی شوریدہ لہروں میں گم رواں دواں ہے اللہ ان کو اپنی پیاری سی شریکِ حیات اور خوب صورت بچوں کے درمیان مسرور اور شادمان رکھے!

قدرِ مشترک

پروفیسر مظاہر مصطفیٰ

یاور مہدی کے بارے میں میرے خیالات اتنے ہیں کہ آپ کے مجلّے کے صفحات ان تمام کے متحمل نہ ہو سکیں گے، کیونکہ ہم دونوں کی عمر کا نصف حصہ آپس کی دوستی پر محیط ہے۔ گو اب ہماری ملاقاتیں مسلسل نہیں ہیں، لیکن مشکل میں ہم دونوں کو صرف ایک دوسرے کی ہی یاد آتی ہے۔

مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ اہلیانِ کراچی جشن کمیٹی یاور مہدی کی خدمات کو سراہنے کا اہتمام کر رہی ہے۔ یہ بہت اچھا اقدام ہے کہ ایک ایسا شخص جس نے اپنی ساری زندگی ادب و ثقافت کی خدمت میں خاموشی سے اور بغیر کسی صلے کی امید کے گزاری، اسے خراجِ تحسین پیش کیا جا رہا ہے۔

یاور مہدی کی اور میری زندگی میں بیشتر مشترک اقدار میں سے ایک قدرِ مشترک یہ بھی ہے کہ ہم دونوں نے نسلوں کی تربیت و تعمیر میں اپنا کردار بحسن و خوبی نبھایا ہے، میں نے تدریس و تعلیم کے ذریعے اور یاور نے ادب و ثقافت کے حوالے سے۔

اللہ یاور مہدی کو طویل عمر عطا کرے، آمین!

خود آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے

پروفیسر ریحانہ انیس

(پریزیڈنٹ، سیزن ڈرگ واچ سوسائٹی، کراچی)

یاور مہدی صرف ریڈیو پاکستان اور آرٹس کونسل کے حوالے سے ہی ممتاز

نہیں ہیں ، بلکہ وہ کراچی شہر کی ایک دردمند اور انسان دوست ہستی ہیں ۔ طلبا ، خواتین ، نوجوان اور بزرگ ، سبھی یاور بھائی کی مقناطیسی شخصیت کے اسیر ہیں ۔ شہر کی سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں میں یاور بھائی کی شمولیت سے جان پڑجاتی ہے ۔ یاور بھائی ان بے لوث شخصیتوں میں سے ہیں جو خود پس منظر میں رہ کر باصلاحیت افراد کو متعارف کراتی ہیں ۔ آرٹس کونسل کے پروگرام ہوں یا ریڈیو پاکستان کی سرگرمیاں ، جہاں یاور بھائی کا نام ہوگا ، وہاں انفرادیت اور نیاپن ضرور ہوگا ۔

ریڈیو پاکستان کے پروگرام "بزمِ طلبا" کا جو انداز اور معیار یاور مہدی کے دور میں تھا ، وہ آج تک کوئی دوسرا پروڈیوسر قائم نہ رکھ سکا ۔ باصلاحیت طلبا و طالبات کی رہنمائی یاور مہدی نے اس انداز سے کی کہ آج ان میں سے اکثر اپنے شعبے میں منفرد اور ممتاز ہیں ۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یاور مہدی کا سایہ اس شہر پر تادیر قائم رکھے ۔

پروفیسر سید محمد جعفر

(سابق صدر شعبۂ معاشیات ، کراچی یونی ورسٹی)

اردو کی ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات یاور مہدی اس ضرب المثل کی جیتی جاگتی مثال ہیں ۔ مجھ ناچیز کو یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے اس ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کا مشاہدہ نہایت قریب سے کیا ہے ، کیونکہ میں نے بھی ٹانڈے کی اسی درس گاہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی ہے جس کے طالب علموں میں یاور مہدی شامل ہیں ۔ یہ درس گاہ پہلے ہوبرٹ ہائی اسکول ، (Hobart High School) ، پھر انٹرمیڈیٹ کالج اور اب ڈگری کالج کا درجہ

اختیار کر گئی ہے۔ لیکن یاور مہدی کے زمانے تک یہ ادارہ صرف انٹرمیڈیٹ کالج
تھا۔

میں یاور مہدی سے دو، تین سال سینئر تھا، لیکن اس کی علمی، ادبی اور تہذیبی سرگرمیوں پر میری نظریں جمی رہتی تھیں۔ وہ اسکول میں مشاعروں، مذاکروں اور تقریری مقابلوں کا تواتر سے انتظام کرتا رہتا تھا۔ کالج میں ہر سال ایک مشاعرہ ہوتا تھا جس میں یاور پیش پیش رہتا اور نہایت فعال کردار ادا کرتا تھا۔ اس مشاعرے میں مقامی شعرا کے علاوہ باہر کے شعرا کو بھی شرکت کی دعوت دی جاتی تھی اور اس زمانے کے تقریباً تمام ہی مشہور و مرغوب شعرا شرکت کرتے تھے۔

اس درس گاہ کے علمی ماحول کا اندازہ صرف ایک امر سے کیا جا سکتا ہے کہ یہاں کے متعدد طالب علم ملک کی نام ور شخصیات کے طور پر آج بھی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

انڈین ایڈمنسٹریٹو سروس کے اعلیٰ عہدے دار قاضی مختار احمد، پاکستان سول سروس کے سید مہدی حسن، کراچی یونی ورسٹی کے ڈین آف آرٹس پروفیسر حفیظ زیدی جامعہ ملیہ دہلی کے ڈین آف آرٹس پروفیسر ضیا الحق فاروقی جو مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کے داماد ہیں، کراچی یونی ورسٹی کے ڈین آف آرٹس پروفیسر سید علی سرور رضوی جو اپنے عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد اب عمان یونی ورسٹی سے وابستہ ہیں اور یہ ناچیز جو کراچی یونی ورسٹی کے شعبہ معاشیات کے صدر کی حیثیت سے ریٹائر ہونے کے بعد اب ہمدرد یونی ورسٹی کے انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ سائنسز میں شعبہ معاشیات کے صدر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہا ہے۔ غرض یہ کہ اس درس گاہ کے طالب علم زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں کارکردگی اور اعلیٰ صلاحیتوں کے لحاظ سے قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

یاور نے ٹانڈے سے انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد لکھنؤ یونی ورسٹی میں داخلہ

لیا اور وہاں بھی اپنی علمی ادبی اور تہذیبی سرگرمیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ ٹانڈے اور فیض آباد کی نسبت سے اس نے لکھنؤ یونیورسٹی میں چکبست سوسائٹی قائم کی اور اس سوسائٹی کے زیرِ اہتمام مختلف تقاریب کا انعقاد کیا جن میں مشاعرے، مباحثے اور علمی و تہذیبی موضوعات پر مذاکرے شامل ہیں۔ انھیں علمی اور تہذیبی سرگرمیوں کی وجہ سے وہ ٹانڈے کے اسکول اور لکھنؤ یونیورسٹی، دونوں ہی درس گاہوں میں ایک نمایاں اور فعال حیثیت کے آدمی کے طور پر جانے جاتے تھے۔

یوں تو یاور کے خاندان کا تعلق جون پور سے ہے، لیکن ان کے دادا بسلسلۂ ملازمت فیض آباد کی تحصیل ٹانڈے میں آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ابدالی کے حملوں نے دلی کو برباد کر دیا تھا جس کی وجہ سے یہاں کے صاحبانِ کمال مختلف مقامات کی طرف ہجرت کرنے لگے تھے۔ ان صاحبانِ کمال میں سے کچھ نے فیض آباد کا رخ کیا جو نواب شجاع الدولہ کا دارالخلافہ تھا۔ شجاع الدولہ نے ان صاحبانِ کمال کی قدر و منزلت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جس کے نتیجے میں فیض آباد ایک نئی تہذیب کا مرکز بن کر ابھرا۔ وہ صاحبانِ کمال جو دلی سے فیض آباد آئے، ان میں جعفر علی حسرت، قلندر بخش جرأت کے والد حافظ امان اور رحمت خاں کے بیٹے نواب محبت علی خاں محبت کے نام سرِفہرست ہیں۔ قلندر بخش جرأت نے جعفر علی حسرت کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور بعد میں خود ایک باکمال اور عہد آفریں شاعر کی حیثیت سے تسلیم کیے گئے اور آج بھی دبستانِ لکھنؤ کے نمائندہ شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ نواب محبت علی خاں محبت بھی جعفر علی حسرت کے حلقۂ تلامذہ میں شامل تھے۔ فیض آباد میں دلی سے آنے والے افراد نے یہاں جس تہذیب کی بنیاد ڈالی، اس کے ابتدائی دور میں تو اس پر دلی کی تہذیب کا رنگ غالب تھا، لیکن رفتہ رفتہ اس نے اپنا الگ تشخص قائم کر لیا۔

یاور مہدی نے فیض آباد اور لکھنؤ کے اسی تہذیبی ماحول میں تربیت پائی اور

اپنی منفرد شخصیت کی تعمیر کی ۔ ریڈیو پاکستان اور آرٹس کونسل میں ان کی سرگرمیاں ان کی اسی منفرد شخصیت کا عملی اظہار ہیں ۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی ان صحت مند سرگرمیوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے ۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے تاکہ اور وہ اپنی ان مثبت سرگرمیوں سے پاکستان کے تہذیبی ارتقا میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں ۔

محسنِ شہرِ قائد، عہد ساز شخصیت: یاور مہدی

پروفیسر ڈاکٹر نیر عزیز مسعودی
(صدر شعبۂ فزیالوجی، سندھ میڈیکل کالج)

یہ وہ زمانہ تھا جب یہ آتش جوان / نوجوان ہوا کرتا تھا ۔ ۱۹۶۵ء میں، شاید سال کے آخری دن تھے ۔ میں اور میرے چند ساتھی سائنسی نمائش کے سلسلے میں گورنمنٹ گرلز کالج، ناظم آباد چورنگی میں جامعۂ کراچی کے شعبۂ فزیالوجی سے اس نمائش میں حصہ لے رہے تھے ۔ کالج میں بہار کا سماں تھا ۔ طلبا و طالبات کی کثیر تعداد اس سائنسی نمائش میں نہ صرف شریک تھی بلکہ اس کو کامیاب کرنے کی کوششوں میں بھرپور سعی جلیلہ میں مصروفِ کار تھی ۔ انھی دنوں ریڈیو پاکستان، کراچی کا ایک بڑا مقبول پروگرام عوام الناس کی دلچسپی اور توجہ کا مرکز ہوا کرتا تھا، شہر کی سماجی، ثقافتی سرگرمیوں کی صوتی تصویر " نیوز ریل " ۔ اس کے راوی جناب ماجد اور پیش کش جناب یاور مہدی کی ہوا کرتی تھی ۔ ایک شام میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ جامعۂ کراچی کے اسٹال پر نمائش میں آنے والے افراد کو اپنے تجربات اور سائنسی معلومات بتا رہا تھا کہ ایک صاحب نے مائک بڑھاتے ہوئے کہا، " آپ کا نام؟ جامعۂ کراچی کے کس شعبے سے تعلق ہے اور آپ اس نمائش میں کیا پیش کر رہے ہیں؟ "

میں نے اپنا انٹرویو ریکارڈ کرایا اور اس طرح ہوا کے دوش پر میری آواز اور جناب یاور مہدی سے میرا پہلا تعارف ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب میں نے جامعۂ کراچی میں اپنی تعلیمی اور غیر نصابی سرگرمیوں کا آغاز ہی کیا تھا۔ جامعہ کی سرگرمیوں کی رپورٹ میں "حریت" کے لیے لکھا کرتا تھا۔ مباحثوں، ادبی و شعری نشستوں میں شرکت اور پھر جامعۂ کراچی کی طلبا سیاست میں اپنا کردار ادا کرنے کی کوششیں.... یاور بھائی سے گاہے گاہے بزم طلبا کے پروگراموں کے توسط سے ربط رہنے لگا۔ یہ وہ دور تھا جب ریڈیو پاکستان، کراچی کی نشریات پورے پاکستان کے قریہ قریہ، گاؤں گاؤں اور شہر شہر بہت دلچسپی سے سنی جاتی تھیں۔ "بزم طلبا" میں یاور بھائی نے پروگراموں کی جس خوب صورت انداز سے ترتیب، تزئین اور تنظیم کی، اس کی وجہ سے شہر قائد کو ہزاروں جوہر قابل میسر ہوئے۔ "بزم طلبا" کے تحت شان دار مباحثوں، ادبی تنقیدی نشستوں، محاکموں، مذاکروں، مشاعروں، موسیقی، قومی ملی نغموں، فی البدیہہ مباحثوں، مصرعِ طرح پر مشاعروں، ذہنی آزمائش (کوئز) کے پروگراموں، ادبی عدالتوں کا اہتمام.... غرض نت نئے پروگراموں کے اجرا سے لوگوں میں ریڈیو سننے والوں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

جواہر قابل جو ریڈیو سے میسر ہوئے: پیرزادہ قاسم رضا صدیقی، نقاش کاظمی، سید احمد، انیس باقر، سلطان چاؤلہ، ضیا عباس، جاوید جبار، مظفر حسین شاہ، شاہد عزیز صدیقی، تاجدار عادل، جاذب قریشی، سحر انصاری، اشرف شاد، ظہور الحسن بھوپالی، انیس تفضل، کشور غنی، یونس شرر، سعدیہ صدیقی، فائزہ صدیقی، جنید فاروقی، نصیر ترابی، رسول احمد کلیمی، دوست محمد فیضی، اسد اشرف ملک، شاہد حسین بخاری، خوش بخت شجاعت، خواجہ قمرالحسن، امتیاز مفتی، اویس ادیب، طاہر جمیل نقوی، پروین شاکر، نوشابہ صدیقی، سیما حیدر، ولی رضوی، محسن علی، قاسم جلالی، منور غنی، زلیخا واحد، غلام مجتبیٰ، ندیم (نذیر بیگ)، منور سعید، منیر حسین،

چشتی مجاہد ، مکرم علی خان شیروانی ، حشمت اللہ لودھی ، پروفیسر انجم اعظمی ، پروفیسر فائق ، اشتیاق طالب ، مرزا سلیم بیگ ، نیلوفر عباسی ، اطہر شاہ خان ، فرید خان ، ہما وحید ، ناہید رفیق ، عشرت ہاشمی ، شاہین انصاری ، کاظم پاشا ، اقبال حیدر ، فہمیدہ نسرین ، نصرت شاہین ، اقبال لطیف ، اقبال فریدی ، ام حبیبہ ، قاری وحید ظفر قاسمی ، امجد تھانوی ۔

"بزم طلبا" ہی پر کیا موقوف ہے بلکہ یاور مہدی نے ریڈیو پر جو پروگرام بھی کیے ، وہ سنگِ میل بن گئے ۔ "صبح دم دروازۂ خاور کھلا" اتوار کی صبح نشر ہونے والا یہ خوب صورت پروگرام ، جس کے میزبان پروفیسر فائق ہوا کرتے تھے ، آج بھی اس شہرِ قائد کے بہت سے لوگوں کی حسین یادوں میں ضرور بسا ہوگا ۔ یونی ورسٹی میگزین ، سالانہ ہفتۂ طلبا ، نیوز ریل ، داستاں بنتی گئی ، آپ پر گفتگو کریں ، آپ کی پسندیدہ کتاب ، گویا دبستاں کھل گیا ، شب کو ہے گنجینۂ گوہر کھلا ، ادبی محاکمہ اور نہ جانے اور کتنے پروگرام ایسے ہیں جنھیں یاور بھائی نے یادگار بنادیا اور آج بھی ہم ان کو یاد کرتے ہیں ۔

یاور بھائی پر مضمون لکھتے ہوئے میں ان سے اپنے خصوصی تعلق پر جب غور کرتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ ایسے لوگ قدرت نے بہت کم کم پیدا کیے ہیں ۔ میں بڑی دیانت داری سے اس بات کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ آج میں جس جگہ کھڑا ہوں وہاں تک پہنچانے میں یاور مہدی کی رہ نمائی ، رہبری اور سرپرستی کا بہت ہاتھ ہے ۔ مجھے یاد ہے کہ جب ہم بزم طلبا کے پروگراموں میں شریک ہوا کرتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یاور بھائی کی قرابت داری ہم سب سے ہے ۔ پروگراموں کی ریکارڈنگ کے بعد بعض اوقات رات میں دیر سے جب بھی فراغت ہوتی تو یاور بھائی بہت ہی ذمے داری کے ساتھ طالبات کو ان کے گھروں تک اپنی نگرانی میں خود سرکاری گاڑی لے کر گھر گھر پہنچاتے تھے ۔ مجھے جو خصوصیت یاور بھائی سے حاصل

ہوئی ، وہ یہ کہ یاور بھائی پان شوق سے کھاتے تھے ۔ میں اپنی والدۂ مکرمہ سے " پان کی بیڑیاں " بنواکر لے جاتا تھا جو یاور بھائی کو پسند آتی تھیں ، اور جب بھی یاور بھائی فیڈرل بی ایریا ، لیاقت آباد ، ناظم آباد کی طرف نکلتے تھے تو بلا تکلف گھر پہنچ جاتے تھے اور والدۂ محترمہ سے پان کی بیڑیوں کا مطالبہ ہوتا تھا ۔

ریڈیو پاکستان ، کراچی اس وقت بہت نام ور افراد سے مزین ہوا کرتا تھا ، مثلاً : قاضی واجد ، عائشہ خان ، شہریار قدوسی ، رفیق غزنوی ، امراؤ بندو خان ، محمد یوسف ، امیر احمد خان ، آغا خان ، عبیدہ انصاری ، حریم عارف ، شائستہ بیگم ، محمود علی ، فضل بشر ، منی باجی ، مقصود ، عبدالرب شجیع ، سعید نقش بندی ، ایس ۔ ایم انعام ، عرفان علی ، ضمیر علی ، عصمت زہرا ، بدر رضوان ، قمر جمیل ، آغا ناصر ، ظفر اقبال ، وراثت مرزا ، بدر عالم ، حمید الزماں ، طاہر شاہ ، حمید نسیم ، مہدی ظہیر ، ناصر جہاں ۔ میں نے یاور بھائی میں ایک بات دیکھی کہ انھوں نے جو بھی ذمے داری لی ، اسے بہت ہی خوب صورتی ، دیانت داری اور خلوص سے نبھایا ۔ ان کی خدمات اور صلاحیتوں کو اگر پیش نظر رکھا جائے اور اگر معیار عوام میں مقبولیت اور ساتھیوں میں اچھی شہرت ہو تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یاور بھائی کو وہ مقام نہیں دیا گیا جس کے وہ اہل ہیں ۔ یاور بھائی نے ہمیشہ قناعت پسندی اور صبر کا دامن پکڑے رکھا ہے ۔

۷۸ء کے نومبر یا دسمبر کی بات ہے ۔ میں گلاسگو (اسکاٹ لینڈ) سے چھٹیوں پر کراچی آیا ہوا تھا ۔ میں اور بیگم ثمینہ ، یاور بھائی سے ملاقات کے لیے ریڈیو گئے ۔ یاور بھائی نے فوراً ہی ایک گفتگو کا پروگرام ، جس میں غیر ممالک میں اعلیٰ تعلیم کے حصول میں مسائل سے متعلق بات کی گئی ، کا اہتمام کرادیا ، اس پروگرام میں بیگم تزئین فریدی ، بیگم شائستہ اکرام اللہ اور ایک شہناز..... بھی شامل تھیں ۔

اسی طرح ریڈیو پاکستان ، کوئٹہ میں یاور بھائی کی موجودگی میں جب میں بولان میڈیکل کالج ممتحن کی حیثیت سے گیا تو یاور بھائی کو جب ہماری آمد کی اطلاع

مل گئی تو انھوں نے ہمارے لیے وہاں کے میڈیکل کے طالب علموں کے لیے پانچ پروگراموں کی ریکارڈنگ کرادی ۔ یہ تمام پروگرام بولان میڈیکل کالج کے طلبا کی خصوصی تعلیمی استعداد بڑھانے اور ان کو اس مضمون کو زیادہ اچھی طرح سمجھنے اور علمی طور پر مدد دینے میں بے حد معاون ثابت ہوئے۔

یاور مہدی ایک ممتاز براڈ کاسٹر ہیں، ایک ذہین منتظم ہیں۔ کراچی میں آرٹس کونسل کی سرگرمیاں انھیں کے دم سے جاری و ساری ہیں ۔ یقیناً میں ان کے پرستاروں میں سے ہوں، لیکن میرا یقین واثق ہے کہ اس شہر قائد کی سماجی و ثقافتی سرگرمیوں کی بقا و فروغ کے لیے یاور بھائی کی مساعیٔ جمیلہ کی مثال ممکن نہیں ہے۔ آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی کا ادارہ گزشتہ کئی سالوں سے جس مالی بحران کا حامل ہے، سب ارکان اس سے پوری طرح واقف ہیں ۔ میں اس ادارے میں گزشتہ دس سال سے دلچسپی لے رہا ہوں ۔ میرا یہ ذاتی مشاہدہ ہے کہ یاور بھائی کے مخالفین بھی اس کا برملا اعتراف کریں گے کہ یاور بھائی اور ان کے ساتھیوں نے اپنی حتی الوسع کوششوں سے کسی حد تک آرٹس کونسل کی بہتری اور اس کے مسائل کے حل کے لیے محنت ضرور کی ہے۔

آرٹس کونسل کا "خبر نامہ" جو گزشتہ آٹھ سال سے تواتر اور بغیر کسی رکاوٹ کے ہر ماہ باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے، اس میں شہر قائد کی سرگرمیوں کی تفصیلات اور خصوصاً آرٹس کونسل کی سرگرمیوں اور پروگراموں کی تفصیلات دی جاتی ہیں۔ ہر ماہ یہ "خبر نامہ" آرٹس کونسل کے ڈھائی ہزار اراکین، مقتدر اور اہم سرکاری افراد کے ہاتھوں میں پہنچتا ہے۔

یاور مہدی کی شہر قائد کے لیے ایک یادگار اور تاریخی خدمت ان کا یہ کارنامہ ہے کہ انھوں نے اس شہر قائد کی نہایت مقتدر، قابل، تحریک پاکستان سے متعلق اور تعمیر و تشکیل پاکستان میں نمایاں خدمات انجام دینے والی محترم و مکرم شخصیات

کے ساتھ آرٹس کونسل کی پبلی کیشن کمیٹی کے تحت شناسوں کا انعقاد کرایا اور اس تقریب کی ریکارڈنگ کراکے اس کو تاریخی اثاثہ بنا ڈالا ہے۔ شہر کی چودہ مقتدر، نمایاں افراد کی یہ تاریخی اہمیت کی باتیں اور تجربات اور مشاہدات ندا اسٹوڈیو کے خالد ظفر کے تعاون سے عوام الناس تک تو پہنچے اور ادب، شعر اور شہر قائد کی تعمیر و ترقی سے دلچسپی لینے والے افراد نے ان کو بے حد پسند کیا۔

ڈاکٹر جمیل جالبی، سنیٹر جمیل الدین عالی، مرحوم دلاور فگار، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، سید محمد تقی، مولانا حسن مثنیٰ ندوی، سید ہاشم رضا، حکیم محمد سعید، راغب مرادآبادی، تابش دہلوی، بیگم شائستہ اکرام اللہ، صہبا لکھنوی، پروفیسر کرار حسین، شوکت صدیقی..... یہ وہ معتبر لوگ ہیں جن کے کارناموں کو محفوظ کرکے یاور بھائی نے جو خدمت انجام دی ہے، اس پر شہری ان کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

یاور مہدی کو خدا نے جن صلاحیتوں سے نوازا ہے، ان سے ہم نے بھرپور فائدہ نہیں اٹھایا۔ ان کی پیشہ وارانہ زندگی کا مطالعہ اس حقیقت کا ادارک کرتا ہے کہ انھوں نے اب سے پینتیس سال قبل ۷۰ء میں ہی ملک میں ہونے والے انتخابات سے متعلق معلومات کی ترسیل اور لمحے لمحے کی کارگزاری عوام الناس تک پہنچانے کے لیے اسٹوڈیو نمبر ۱۲۰ میں الیکشن اسٹوڈیو قائم کر ڈالا تھا اور ملک کے کونے کونے سے نتائج حاصل کرکے عوام تک پہنچاتے تھے۔ کھیلوں کے فروغ میں اور کرکٹ، ہاکی، فٹ بال کے میچوں پر اردو تبصرے (کمنٹری) کا اجرا بھی یاور مہدی کا اولین کارنامہ ہے اور "شہرنامہ" کا آئیڈیا اور پہلا پروگرام بھی۔

کراچی کے طالب علموں پر یاور بھائی کے حقیقتاً بہت زیادہ احسانات ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ امتحانات سے قبل یاور بھائی مختلف مضامین کے نمایاں اور مقبول اساتذہ کو ریڈیو پروگراموں میں خاص لیکچر کی زحمت دیا کرتے تھے۔ یہ تمام اساتذہ ان خصوصی مضامین پر گفتگو کرتے تھے جن سے طلبا و طالبات کو اپنے

امتحانات کی تیاری میں بہت مدد مل جاتی تھی۔ اس سلسلے میں انجینئرنگ، میڈیکل، سائنس اور آرٹس کے سب فیکلٹی کے اساتذہ کی خدمات لی جاتی تھیں۔ اسی طرح اب سے بیس سال قبل تک یہ ریڈیو پاکستان، کراچی کا خاصہ ہوا کرتا تھا کہ کراچی سکنڈری بورڈ کا میٹرک انٹر بورڈ سے، انٹر سائنس، آرٹس سے ڈگری یا ماسٹرز جامعہ کراچی کا نتیجہ ہو، ہر نتیجہ سب سے پہلے ریڈیو کراچی سے نشر ہوتا تھا۔ طلبا و طالبات اپنے انٹرویو میں اس بات کا خصوصی اظہار کرتے تھے کہ ان کو نتائج کی اطلاع ریڈیو کے حوالے سے ملی ہے۔

شہر کے تعلیمی اداروں میں ہونے والے ہفتۂ طلبا کی تقریبات، کھیل اور اسپورٹس کی تقریبات اور مباحثوں، مشاعروں اور محاکموں (ادبی عدالتوں) کی تفصیلات بھی باقاعدگی کے ساتھ ریڈیو پاکستان، کراچی کے اسٹیشن سے نشر کرانے کا سہرا بھی یاور مہدی کے سر ہے۔ ہماری بد قسمتی کہ ہمارے طلبا و طالبات آج اپنی یونین سے محروم ہیں، لیکن جب طلبا و طالبات کو اپنے کالجز اور یونی ورسٹی میں اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق تھا تو ان کی انتخابی سرگرمیوں اور خصوصاً نتائج کی اطلاع ریڈیو پاکستان، کراچی کے ذریعے دی جاتی تھی۔ کامیاب ہونے والے نمائندوں کا ریڈیو انٹرویو پیش کیا جاتا تھا، اس طرح صحت مند روایت کی داغ بیل ڈالی جاتی تھی۔

میں خود معلم ہوں اور گزشتہ تیس سالوں سے تدریس اور قوم کے معماروں کی تعمیر سے متعلق ہوں۔ آج میرا طالب علم امریکا، برطانیہ اور دنیا کے کونے کونے میں نمایاں کارکردگی کا مظاہر کر رہا ہے۔ یہی خدا کا میرے لیے تحفہ ہے، لیکن میں یہ بات بڑی تلخی کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے حکمران وقت - تمغائے حسن کارکردگی - کا معیار کیا رکھتے ہیں.... صرف کاسہ لیسی خوشامد اور حاشیہ برداری!

یاور مہدی کی خدمات جو میں نے بساط بھر تحریر کی ہیں، ان سے کہیں زیادہ

ہیں۔ میں ذاتی طور پر ایک پاکستانی کی حیثیت سے یہ سمجھتا ہوں کہ حکومتی سطح پر یاور مہدی کی خدمات کا اعتراف ایسے بہت سے دوسرے یاور مہدی بنا سکتا ہے اور ہمارا وطن پاک ان کی رہنمائی و رہبری میں عظمت، بلندی، شان اور شوکت سے مزین ہو کر قلعۂ اسلام بن سکتا ہے۔

یاور مہدی صاحب

ڈاکٹر محمد عزیر

ریڈیو پاکستان سے میرا واسطہ ۱۹۵۱ء میں ڈھاکا اسٹیشن سے شروع ہوا جب میں وہاں نیا نیا یونی ورسٹی میں اقتصادیات کا لیکچرار تھا۔ اس وقت کلیم اللہ صاحب وہاں اسٹیشن ڈائرکٹر تھے۔ ۱۹۵۵ء میں کراچی یونی ورسٹی کے آئی۔بی۔اے سے وابستہ ہوا تو امین الرحمان صاحب جو سینئر پروڈیوسر تھے، ان سے واسطہ پڑا۔ میں دو بار اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکا گیا اور ۱۹۶۳ء سے جب میں کراچی میں جم گیا اور آئی۔بی۔اے میں سینئر سمجھا جانے لگا تو پھر ریڈیو پاکستان سے رابطہ زیادہ قریبی ہو گیا۔ اس زمانے میں یاور مہدی صاحب سے تعلقات استوار ہونے شروع ہوئے۔ وہ بہت عمدہ دور تھا۔ ڈاکٹر محمود حسین صاحب مرحوم کے صاحب زادے انور حسین صاحب آئی۔بی۔اے میں استاد تھے اور ریڈیو پاکستان سے انگریزی میں خبریں بھی پڑھتے تھے۔ ان کی وجہ سے ریڈیو پاکستان سے دلچسپی میں اضافہ ہوا۔ اس زمانے میں بڑے بڑے نام ور لوگ ریڈیو پاکستان سے انگریزی میں خبریں پڑھتے تھے، مثلاً اسلم اظہر صاحب، رضوان واسطی صاحب، مس انیتا غلام علی، خدیجہ نقوی وغیرہ۔

یاور مہدی سے رسمی تعارف کے علاوہ کچھ ذاتی انس بھی پیدا ہو گیا۔ ذرا نکلتا ہوا قد، کھلتا ہوا رنگ، گفتگو میں اودھ کا لوچ اور ٹھہراؤ ہے، متانت کے ساتھ خندہ

پیشانی کا انداز مگر بعض لوگوں کی طرح قہقہہ لگانا ان کے اطوار میں شامل نہیں ہے
وہ احترام اور ادب یا حفظِ مراتب کے ساتھ اس طرح ملتے تھے کہ "آوازِ دوست" کے
حامل بن گئے۔ آواز کی دنیا سے متعلق شخص سے یہ آواز اور یہ رویہ غالباً فطری امر تھا۔
اس زمانے میں اردو میں "دانش کدہ" اور انگریزی میں "Brains Trust"
پابندی سے ہوتے تھے اور خاصے مقبول پروگرام تھے۔ جن شخصیتوں کے ساتھ ان
پروگراموں میں، میں شریک ہوتا تھا، ان میں مرحوم جی۔ الانہ، ممتاز حسن، اے۔
کے سومار وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ خواتین میں بیگم تزئین فریدی اور مسز گل
میوالا وغیرہ کا ساتھ بھی رہا۔ رفتہ رفتہ "دانش" اور "Brains"، دونوں غیر
ضروری بلکہ غالباً ناپسندیدہ قرار پائے۔ اس کے بعد مذاکرات قسم کے پروگرام رائج
ہوئے۔ مجھے یہ فخر ہے کہ اس قسم کے مذاکرات میں مجملہ اور شخصیات کے مرحوم
ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی صاحب کے ساتھ بھی مجھے ماڈریٹر، جس کا نیا نام "کمپیئر"
ہے، کے طور پر شریک ہونے کا موقع ملا۔ رفتہ رفتہ ریڈیو پاکستان میں ہر قسم کے جا
و بے جا پروگراموں میں شریک ہوتا رہا اور تقریباً سارے پروڈیوسروں سے واسطہ پڑا،
لیکن یاور مہدی صاحب سے سرکاری تعلق نہ ہونے کے باوجود تعلقات قائم رہے اور
پختہ ہوتے گئے، اس کی وجہ یہی بات تھی کہ احترام کے ساتھ ساتھ دوستانہ رکھ رکھاؤ
والا معاملہ رہا۔ یاور مہدی صاحب غالباً سب سے زیادہ عرصے تک "بزمِ طلبا" سے
وابستہ رہے اور یہ ان کی وجہِ شہرت بن گیا۔ ہر وقت لڑکوں اور لڑکیوں میں گھرے
رہتے تھے۔ "بزمِ طلبا" میں مباحثے یا ڈیبیٹ خاصے اہم تھے۔ کم از کم ایک لڑکے اور
ایک لڑکی کی شادی ان مباحثوں کی بدولت ہو گئی۔ معلوم نہیں یاور مہدی کی
کوششوں سے یہ ہوا یا ان کے باوجود یہ ہوا۔ ایسے ایک جوڑے سے میں واقف ہوں
جو اب تک خوش گوار ازدواجی زندگی گزار رہا ہے۔ ان میاں بیوی میں اور چیزوں کے
علاوہ ایک چیز جو مجھے دور سے نظر آتی ہے، وہ یہ کہ دونوں پستہ قد ہیں۔ نپولین بھی

پستہ قد تھا، لیکن کس عظمت تک پہنچا! اسی طرح اس جوڑے والے لڑکے کا بھی حال ہوا۔

"بزم طلبا" میں ایک ریت تھی کہ سالانہ "ہفتۂ طلبا" بڑے اہتمام سے منایا جاتا تھا۔ غالباً ۱۹۷۰ء میں یاور مہدی صاحب نے مجھے "مباحثہ" یعنی ڈیبٹ کے پروگرام میں بطور مہمان خصوصی مدعو کیا تھا۔ اس سال جو طلبا شریک ہوئے، وہ بعد میں بہت نمایاں اور اعلیٰ مقامات تک پہنچے۔ مثلاً مرحوم ظہور الحسن بھوپالی، دوست محمد فیضی صاحب جو دونوں سیاست میں داخل ہوئے اور شہرت پائی۔ ان کے علاوہ شیخ نقی جامعی تھے جو اب بھی اسی طرح ریڈیو سے وابستہ ہیں کہ بی۔بی۔سی ریڈیو سے ان کی آواز ہندی اور اردو، دونوں زبان کے پروگراموں سے آتی ہے۔ انھوں نے کھیلوں کے پروگرام میں خاص مہارت اور شہرت حاصل کی اور آج بھی آواز کا جادو جگا رہے ہیں۔

یاور مہدی صاحب کے تبادلے مختلف شعبوں اور مختلف شہروں میں ہوئے۔ آخر آخر وہ سنٹرل پروڈکشن یونٹ (سی۔پی۔یو) سے وابستہ ہوئے اور وہیں سے باعزت طور پر اور بھرپور کیریئر گزار کر ریٹائر ہوئے۔ یہی معاملہ جمیل زبیری صاحب اور رضی اختر شوق صاحب کا تھا۔ افسوس کہ یاور مہدی صاحب کا تبادلہ شعبۂ مطبوعات، یعنی "آہنگ" کی ادارت وغیرہ میں نہیں ہوا ورنہ شاید اسٹیشن ڈائرکٹر کے عہدے سے ریٹائر ہوتے۔ ایسے دو حادثات ہو چکے ہیں۔ یاور مہدی صاحب "دریا دل" تو ہیں لیکن بیرون ملک سفر نہیں کیے (سفر اردو والا، انگریزی والا نہیں)۔ اب نجم الحسنین شاید اسی خوش فہمی یا غلط فہمی کے تحت شعبۂ مطبوعات کے سربراہ ہیں، لیکن حادثے بار بار نہیں ہوتے۔ ویسے نجم الحسنین نے اعلیٰ افسروں والی شان اختیار کرلی ہے جو میں نے کبھی اختیار نہیں کی کہ پی۔اے ٹیلی فون نمبر لکھ لیتا ہے اور "صاحب" کبھی ٹیلی فون کا جواب نہیں دیتا، اور بقول پی۔اے، "صاحب عام طور پر

میٹنگ میں ہوتا ہے۔

خدا خیر کرے! یاور مہدی صاحب نے اپنی ہدایات اور نگرانی میں ایک پروگرام شب بخیر شروع کروایا۔ مجھے اس پروگرام سے دلچسپی ہوئی اور ٹیلی فون کے ذریعے مشوروں کے علاوہ کچھ فرمائشوں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ پہلے یہ جمعرات کو "مرادوں بھری رات" کو ہوتا تھا اور جمعے کو تعطیل ہوتی تھی۔ پھر جب جمعے کی تعطیل ختم ہوئی اور اتوار کی تعطیل انیس سال بعد دوبارہ رائج ہوئی تو ہفتے کی رات اس پروگرام کو راس نہ آئی اور یہ پروگرام بند ہوگیا۔ "شب بخیر" کے چند ماہ بعد یاور صاحب ریڈیو پاکستان کو شب و روز بخیر کہنے کے مرحلے میں آگئے۔ یاور مہدی صاحب سے میں نے بھی غیر نصابی کام لیے ہیں یعنی بعض بھولی بسری چیزوں کی ٹیپ پر نقل بنانا۔ ویسے میں نے کوشش تو حسن کاظمی سے بھی کام لینے کی کی، لیکن وہ بہت عمدہ گفتگو کرتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ سچ بول رہے ہیں۔ سچ بولنے کے معاملے میں غالباً ان کا نظریہ وہی ہے جو یاس یگانہ چنگیزی کا تھا۔ بہرحال انھوں نے میرے سات کیسٹ بحق خود ضبط کرلیے اور کام کے بارے میں وہی شیوۂ "وعدۂ فردا" جو پرانے زمانے میں محبوبوں کا شیوہ تھا اور اب سیاست کاروں اور حکومتوں کا ہے۔

ذاتی مراسم کا سلسلہ ان اوقات میں بھی ہوا جب میں ریڈیو پاکستان سے بہت دور تھا۔ میں چار سال اسلام آباد میں رہا۔ وہ وہاں انعام صدیقی مرحوم کے ساتھ ملنے میرے گھر تک آئے۔ ایک بار جب میں اسلام آباد سے کراچی دورے پر آیا تو وہ قصرِ ناز میں مجھ سے ملنے آئے اور اپنے ساتھ کسی اعلیٰ خاندان کی لڑکی اور ٹیپ ریکارڈر، دونوں کو ساتھ لے آئے اور میرا انٹرویو ریکارڈ کروایا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے، وہ لڑکی ریڈیو پاکستان میں کام نہیں کرتی تھی، پتا نہیں یاور صاحب نے کہاں سے پکڑی۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ایک بار میں کراچی سے سرکاری کام کے سلسلے میں کوئٹے گیا ہوا تھا۔ انھیں خبر ہوئی تو ہوٹل میں مجھ سے ملنے

آئے۔ اس بار ان کے ساتھ نہ کوئی لڑکی تھی، نہ ٹیپ ریکارڈ، بلکہ ان کے ساتھ امداد نظامی صاحب تھے جو بہت شستہ اور ادبی گفتگو کرتے ہیں۔ معلوم نہیں اب انھیں سرائیکی زبان یاد ہے یا بھول گئے۔ یاور صاحب نے کوئٹہ اسٹیشن سے میری ایک مختصر گفتگو ریکارڈ کرادی۔ مجھے اس کا افسوس ہے کہ میں ان سے ملنے ان کے گھر نہ جاسکا۔ ان کی علالت کی خبر مجھے بعد میں ملی جب وہ بفضلہٖ صحت یاب ہو چکے تھے۔ البتہ ریڈیو پاکستان، کراچی میں صرف دو، ایک بار ان سے ملنے کے لیے گیا، اگرچہ مجھے کوئی چیز ریکارڈ نہیں کرانی تھی۔

کئی سال سے ریڈیو پاکستان والوں نے یاور مہدی صاحب کے ریٹائر ہونے سے بہت پہلے ہی مجھے "سبزۂ بے گانہ" یا خس و خاشاک سمجھ کر خارج از فہرست کر رکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اب میں کسی کے کام نہیں آسکتا۔ یہ نکتہ مجھے مرحوم انصاری صاحب نے بتایا تھا کہ آج کل یہ رواج ہے کہ ریڈیو پاکستان کا عملہ کسی بے فیض اور بے کار آدمی کو نظرانداز کر دیتا ہے، لیکن ایک پرانی کہاوت ہے کہ تم روٹھے ہم چھوٹے۔ یاور صاحب اس لحاظ سے قابلِ مبارک باد ہیں کہ عظیم سرور صاحب کی زبان میں "ماشاءاللہ! لمبی اور شان دار اننگ کھیلنے کے بعد بمشکل اور بالآخر آؤٹ ہوئے" یعنی آواز کی دنیا سے فارغ ہو رہے ہیں، لیکن انھوں نے ریٹائرمنٹ سے کئی سال پہلے اپنا ایک ٹھکانا بنا رکھا ہے اور وہ ہے آرٹس کونسل .... مصروفیت کی مصروفیت، تفریح کی تفریح اور لوگوں سے ربط ضبط رکھنے کا بہانہ بھی۔

یاور مہدی صاحب کے ریٹائرمنٹ سے سینئر اور وضع دار لوگوں کا دور ختم ہوا۔ اب کوئی ایسا نہیں رہا جس سے مل کر دلی مسرت ہو اور بڑے بوڑھے اور عالم و فاضل بزرگ لوگ مثلاً نسیم حمید صاحب بھی مل کر سبکی محسوس نہ کریں بلکہ بے تکلفی اور حفظِ مراتب، دونوں کا لطف حاصل کریں۔ میر کے شعر میں قدرے تصرف

کے ساتھ کہا جاسکتا ہے:

پیدا کہاں ہیں ایسے وضع دار طبع لوگ
خوش ہیں کہ ہم کو میر سے صحبت رہی تو ہے

وہ اپنی ذات میں اک انجمن ہیں

ڈاکٹر عطیہ خلیل

(رپورٹ : محمود حسن)

یاور بھائی ۱۹۶۵ء سے آج تک ہمارے اپنے یاور بھائی ہیں اور سدا رہیں گے۔ ان کی پرخلوص، باغ و بہار اور باوقار شخصیت اتنی قدآور ہے کہ ہمیں اپنی پستہ قامتی کا شدید احساس ہونے لگتا ہے۔

ہم جب گزشتہ کم و بیش پینتیس سالوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی سرپرستی، حوصلہ افزائی اور عالمی سروس میں تو خاص طور پر گزشتہ سال تک ہمارا انٹرویو جو پروفیسر سحر انصاری نے لیا تھا، ہمارے روحانی اور علمی وادبی لگاؤ کا ایک سلسلہ ہے جو ختم نہیں ہو سکتا۔

وہ ریڈیو سے کبھی بھی سبک دوش نہیں ہو سکتے۔ یاور بھائی زندہ باد اور شاد باد!

اربابِ بست و کشاد

maablib.org

maablib.org

دو نسلوں کے گاڈ فادر ..... یاور بھائی

انور علی رومی

(سابق سکرٹری اطلاعات یونی کیریز، سابق صدر کے ۔ ای ۔ ایس ۔ سی انجنئرز اینڈ آفیسرز ایسوسی ایشن، جنرل سکرٹری کے ۔ ای ۔ ایس ۔ سی انجنئرز اینڈ آفیسرز ایسوسی ایشن)

مجھے یاد ہے وہ ذرا ذرا ۔ غالباً ۱۹۶۸ ۔ ۶۹ء تھا ۔ میں ریڈیو پر اسکول براڈکاسٹ کیا کرتا تھا ۔ "بزم طلبا" کا ان دنوں بہت شہرہ تھا اور "بزم طلبا" کا دوسرا نام یاور مہدی تھا ۔ میں نے ایک دن اپنے شوق کے رہوار پر سوار ہو کر "بزم طلبا" والے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کی کہ ذہن میں خدشات کا طوفان اور دل میں یاور بھائی کی شخصیت کا خوف تھا ۔ شنید تھی کہ یاور بھائی معیار کے معاملے میں کوئی سمجھوتا نہیں کرتے ۔ کمرے میں پہنچا تو ایک مشفق سے شخص سے سامنا ہوا اور یاور بھائی کی شفقت اور محبت بھرے لہجے نے سارا خوف دور کر دیا، نتیجتہً اعتماد کا ایک نیا احساس اجاگر ہوا ۔

اس دور میں محمود لودی، کاظم پاشا، عسکر مہدی، اقبال لطیف، محمد نقی، کشور نذر، نیلوفر علیم (اب نیلوفر عباسی)، شاہد حسین بخاری، ولی رضوی، دوست محمد فیضی، عمران رزاقی، نقاش کاظمی، کشور غنی، منور غنی، خوش بخت عالیہ، اقبال فریدی، ثروت حسین (مرحوم) فاطمہ حسن وغیرہ جیسے باصلاحیت طلبا و طالبات کی موجودگی میں یہ یاور بھائی کی ہی شخصیت تھی جس نے میری صلاحیتوں کو جِلا دی اور الحمدللہ! یاور بھائی کی مشفقانہ سرپرستی کی بدولت انور علی رومی جیسا ذرۂ ناچیز بھی کندن کہلایا، یعنی میں بھی "بزمِ طلبا" کے سرخیلوں میں شمار ہونے لگا ۔ ڈرامے،

مذاکرے، مباحثے، مشاعرے، کوئز پروگرام، کمپیئرنگ.... غرض ہر شعبے میں عمل دخل ہوا اور بحمداللہ! کامیابی ملی۔ غالباً عملی زندگی کی کامیابی میں بھی اس دور کی تربیت کا حصہ ہے۔

۱۹۷۰ء آیا۔ "بزمِ طلبا" کا "جشنِ تمثیل" منعقد ہوا۔ ایسے جشنِ تمثیل سے ایوب خاور، عبیداللہ زبیر، شہزاد رضا، زاہدہ سلیم، رعنا انجم، سعدیہ حامد خاں، رضیہ زیدی، زیبا شہناز، شاہد شاہ، کوکب مہدی، صادقہ خاں وغیرہ متعارف ہوئے۔ میں بھی انھی شہ سواروں میں تھا۔ اس جشن کے بعد ہی میں ٹیلی وژن پر اداکاری کر آیا۔ متذکرہ بالا لوگوں میں سے بیشتر اپنے اپنے شعبوں میں نمایاں رہے۔ صرف یہی نہیں، زندگی کے تقریباً تمام شعبوں میں، خصوصاً فنونِ لطیفہ کے حوالے سے کم از کم دو نسلوں کی تربیت اور صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کا سہرا "یاور بھائی" کے سر ہے۔ یہ تربیت محض ریڈیو یا "بزمِ طلبا" تک ہی محدود نہیں رہی، آرٹس کونسل اور دیگر حوالوں سے یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔

ایک چھوٹا سا واقعہ آپ کو سناتا چلوں۔ میں شعر تو ۱۹۶۵ء سے ہی کہہ رہا تھا اور ریڈیو پر بھی مشاعروں اور شعری نشستوں میں شرکت کرتا رہا ہوں، لیکن نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کی جرأت ۱۹۷۳ء یا ۱۹۷۴ء تک نہ کر سکا تھا۔ "بزمِ طلبا" میں ایک نعتیہ نشست ہو رہی تھی جس کے ماڈریٹر ڈاکٹر پیرزادہ قاسم تھے۔ میں "بزمِ طلبا" کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ یاور بھائی نشست کے انتظامات میں مصروف نظر آ رہے تھے۔ غالباً ایک شاعر کسی باعث نہ آسکے۔ یاور بھائی کی نظر مجھ پر پڑی۔ بولے، "میاں! تم بھی شعر کہتے ہو۔ کوئی نعت کہی ہو تو اوپر اسٹوڈیو میں آجاؤ اور محفلِ نعت میں شریک ہو جاؤ"۔ میں تھوڑا سا گھبرایا اور یاور بھائی کو بتایا کہ میں نے نعت کا ایک شعر تک نہیں کہا ہے۔ یاور بولے، "میاں! جب اتنے اچھے شعر کہتے ہو تو نعت کہنے میں کیا مشکل ہے۔ شاباش! ہمت کرو اور آدھے گھنٹے میں اسٹوڈیو میں آجاؤ"۔

یاور بھائی کے بڑھاوے سے میری ہمت بڑھی اور بعد از کوشش میں اپنی زندگی کی پہلی نعت کہنے میں کامیاب ہو گیا۔ مجھے آج تک نہیں بھولتا کہ جب میں نے اس نعت کا مطلع پڑھا تو پیر زادہ قاسمؔ صاحب کس طرح چونکے تھے اور انھوں نے کم از کم چار مرتبہ مجھ سے یہ مطلع پڑھوایا:

مدینہ ہی تو وہ اک سے کدہ ہے
جہاں ہر پینے والا پارسا ہے

یہ یاور بھائی کی ذات ہی تھی جن کی بدولت میں مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کی جرأت کر سکا۔

یاور مہدی صاحب کے کی شخصیت مجسم محبت ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ میری بیوی ریحانہ رومی (سابقہ ریحانہ انجم) کا یاور بھائی سے صرف یہ ناتا تھا کہ وہ طالبِ علمی کے زمانے میں محض ایک بار "بزمِ طلبا" کے ایک مشاعرے میں شریک ہوئی تھی۔ شادی کے بعد یاور مہدی کی شفقتوں اور محبت کے باعث اب ان کی بیٹی بنی ہوئی ہے اور برملا اعتراف کرتی ہے۔ اپنے والد مرحوم کے حصے کی محبت اسے یاور بھائی سے ملتی ہے اور شاید یہ سچ بھی ہے کیونکہ یاور بھائی کی ڈانٹ مجھے جب بھی پڑتی ہے، ریحانہ کی طرف داری میں ہی پڑتی ہے۔

یاور بھائی کی شخصیت اس قدر جہتوں اور خوبیوں کی حامل ہے کہ مجھ جیسا نالائقِ مطلق ان میں سے کسی ایک کا بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔ مختصراً یہی کہہ سکتا ہوں کہ یاور بھائی کم از کم دو نسلوں کے ان افراد کے God Father ہیں جو اپنے اپنے شعبوں میں آج ممیز و ممتاز نظر آتے ہیں۔ غالباً یاور بھائی کے حوالے سے ہی کسی نے کہا ہے:

بارے دنیا میں رہو ، غم زدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ سدا یاد رہو

اللہ تعالیٰ یاور بھائی کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر رکھے، آمین!

محمد مبین احسن

(سابق چیئرمین، سنٹرل بورڈ آف ریونیو)

یاور مہدی صاحب کراچی کے باذوق، علم و ادب اور فنون لطیفہ سے وابستہ حلقوں میں ایک نہایت معتبر اور محترم شخصیت کی حیثیت سے مقبول و معروف ہیں ادبی سرگرمیوں اور آرٹس کے مختلف شعبوں میں ان کی کار آفرینی اور کارکردگی ایک طویل عرصے پر محیط ہے۔

ریڈیو پاکستان میں انھوں نے نئے ادیبوں، شاعروں، ڈراما نگاروں اور نوجوان جوہر قابل کو متعارف کرانے اور ان کی حوصلہ افزائی، تشکیل و ترقی میں قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔

یاور صاحب نے آرٹس کونسل آف پاکستان کی ثقافتی محفلوں میں نئی جان ڈال دی، اس کی سرگرمیوں میں بیش بہا اضافہ کیا ہے۔ ملک کے اس ممتاز ادارے کی قدیم مرکزی حیثیت کو از سر نو مستحکم کرنے اور نمایاں کرنے میں ان کی مخلصانہ اور ان تھک کاوشوں کا نہایت اہم کردار ہے۔

یاور صاحب کے مداحوں اور دوستوں کو امید ہے کہ ملازمت کے بندھنوں سے آزاد ہو کر وہ زیادہ فراغت، یک سوئی اور ایک نئے جذبے سے ادبی، علمی اور ثقافتی حلقوں کو اپنی گراں قدر خدمات سے نوازتے رہیں گے اور ان کی سرگرمیوں کی اشاعت و ترقی میں بھرپور حصہ لیتے رہیں گے۔ میں یاور مہدی اور ان کے اہل خانہ کی صحت اور شادمانی کے لیے دعا گو ہوں۔

بآں رفیق کہ از ساغرِ وفا مستند
سلام ما برسانید، ہر کجا ہستند

یاور بھائی

کپتان منصور ای۔ خان

"یاور بھائی" جگت بھائی ہیں۔ اس بات کا کہ وہ ہمیں اور ہم انھیں بھائی جانتے ہیں، ان کے جگت بھائی ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ شاید یہ شبہ ہمیں ہی نہیں بلکہ ان کے تمام چاہنے والوں کو قطعی یقین ہے کہ جتنا "یاور بھائی" ان کو اور وہ "یاور بھائی" کو چاہتے ہیں، دوسروں کے لیے ممکن ہی نہیں۔

اللہ انجم اعظمی مرحوم کا دوسرے جہان میں بھلا کرے! کسی تقریب میں یاور مہدی کا یوں تعارف کروایا: "یہ تو ٹھہرے بے حد بھلے آدمی، مرنے کے بعد جنت میں تو ضرور جائیں گے اور جب وہاں ان کی آمد کا اعلان ہوگا تو تمام حوریں تالیاں بجاتی ہوئی استقبال کو دوڑیں گی، 'یاور بھائی آگئے! آہا! یاور بھائی آگئے'۔" جگت بھائی ہونے کے لاکھ فائدے ہوں، کچھ محرومیاں بھی ہیں۔

کون ہے جو کراچی میں رہتا ہے اور یاور بھائی کو نہیں جانتا یا یاور بھائی اسے نہیں جانتے؟ ہر دل عزیز ہونے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے! یاور کے معاملے میں یہ خیال ضرور آتا ہے کہ ہر دل عزیزی کی قانونی حد متعین کرنا نہ صرف ضروری ہو گیا ہے بلکہ ایک حد کے بعد اسے قابل تعزیر جرم بھی قرار دیا جانا چاہیے۔ اگر ایسا کبھی ہوا تو کراچی میں ایک، دو آدمی تو ضرور پکڑے جائیں گے.... ایک تو ہمارے یاور بھائی اور دوسرے حکیم سعید۔

ہماری بھابی اس شہر کے معدودے چند لوگوں میں سے ہیں جن کے یاور یقیناً بھائی نہیں، اسی لیے وہ ان سے ملنے سے گریزاں رہتے ہیں۔ یوسف جمال نے ایک مرتبہ رات کے ایک بجے یاور کے گھر فون کیا۔ بھابی نے ریسیور اٹھایا تو پوچھنے لگے،

"کیا یاور بھائی غلطی سے یہاں تو نہیں آ گئے؟"

مشکل یہ ہے کہ یاور بے چارے صرف ایک آدمی ہیں اور انھیں شہر کے مختلف حصوں میں بیک وقت بانٹا نہیں جا سکتا۔ اس کمی کو یاور بھائی نہایت مہربانی سے ریڈیو پاکستان اور آرٹس کونسل میں مستقل اور مسلسل جلسوں کے انعقاد سے پورا کرتے ہیں۔ اگر مجبوراً جلوس کرنا پڑ جائے تو روانہ بھی مع جلوس کے ہوتے ہیں شہر کی تمام تقریبات میں شمولیت کے لیے۔ اس طرح بہتوں کا بھلا ہوتا ہے (بھوتوں اور بھائی کا نہ سہی!)۔

یاور بھائی اب ریٹائر ہو رہے ہیں۔ دیکھیے! اب وہ گھر جاتے ہیں یا ہم سب بھی گھروں سے نکالے جاتے ہیں۔

یاور مہدی

حمزہ علی قادری

(پرل کانٹی نینٹل ہوٹل، کراچی)

"یاور مہدی"۔ یہ نام بھی خوب ہے.... "ی" سے شروع ہوتا ہے اور "ی" پر ہی ختم ہو جاتا ہے ایسے ہی اول و آخر اتحادِ حرفی کی طرح "یاور بھائی" کا کہنا ہے کہ ہمزہ کا تعلق چھوٹی "ی" سے بھی قریب کا ہے اور بڑی "یے" سے بھی۔ ایک حرفِ ندا ہے کہ گونج رہا ہے.... عربی میں بھی "اے" اردو میں بھی "اے"۔ یاور بھائی سنتے سب کی ہیں اور حیرت ہے کرتے بھی کچھ ایسا ہیں کہ سبھی خوش رہیں.... "س" بھی خوش، "ش" بھی خوش، سراپا "س" کہتے رہے، کرتے رہے۔

صحت کے لیے دعا گو ہوں اور صرف اتنا کہتا ہوں کہ جتنی خدمت ریڈیو نے پاکستان کی کی ہے، "یاور بھائی" نے ریڈیو کی کی ہے۔

ہمہ صفت انسان

ضیاالحق صدیقی

(سابق چیئرمین، شاہ فیصل کالونی اور ممبر، ڈسٹرکٹ کونسل)

یاور مہدی نہ صرف میرے پڑوسی ہیں بلکہ جس وقت میں نے ۱۹۵۴ء میں فارغ التحصیل ہو کر شاہ فیصل کالونی (سابقہ ڈرگ کالونی) میں سکونت اختیار کی، اس وقت سے میرے ہم نوا، ساتھی اور بہی خواہ رہے ہیں۔ جب میں نے سیاست میں قدم رکھا اور مغربی پاکستان کی سب سے بڑی ٹاؤن کمیٹی کا چیئرمین منتخب ہوا تو یاور مہدی نے سب سے پہلے مجھے ریڈیو پاکستان سے متعارف کرایا اور کئی بار ریڈیو سے شاہ فیصل کالونی کے مسائل اور اس کی ترقی کے متعلق مجھے پروگرام میں شامل کیا، اس طرح میرے علاقے کے مسائل سے کراچی کی انتظامیہ کو باخبر کیا۔

یاور مہدی خوش اخلاق، صاحبِ ذوق، منکسر المزاج، خوددار، مخلص اور شفیق انسان ہیں۔ موصوف میں سب سے بڑھ کر یہ خوبی ہے کہ اپنے بدترین مخالف اور بدخواہ کو بھی اپنے کردار اور حسنِ اخلاق سے اپنا گرویدہ کر لیتے ہیں۔ میں نے ہمیشہ یاور کو ایک بہتر انسان پایا۔

خداوند عالم موصوف کو ہمیشہ خوش رکھے!

یاور بھائی .... ایک شفیق انسان

ثمر عباس جعفری

میں نے جب اس شہر میں آنکھ کھولی تو ایک نام بار بار ہر ایک کی زبان پر

سنائی دیتا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جو شخص یہ "نام" لے رہا ہے، وہ صرف ان کے ہی اتنا قریب ہے۔ دل میں خواہش پیدا ہوئی، وہ زمانہ "ریڈیو" کا زمانہ تھا، "ڈش" کا زمانہ نہیں تھا، اور میں ایک روز "ہفتۂ طلبا" کے طفیل اس "شخص" کے سامنے تھا.... اور وہ شخص "یاور مہدی" تھا۔ مجھے پہلی بار ہی دیکھ کر یہ محسوس ہوا کہ واقعی میں نے آج کسی انسٹی ٹیوشن میں داخلہ لے لیا ہے۔ آج میں یہ لکھتے ہوئے فخر محسوس کر رہا ہوں کہ میری اپنی شناخت کرانے میں "یاور مہدی" کا بہت بڑا دخل ہے۔

یاور مہدی کی ذات شہرِ کراچی میں بٹ کر رہ گئی ہے۔ اگر میں صرف ریڈیو پاکستان، کراچی کے حوالے سے بات کروں تو ریڈیو پاکستان، کراچی کی تاریخ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک اس کے صفحات پر یاور مہدی کی تصویر چسپاں نہیں ہو پاتی۔ اگر آرٹس کونسل، کراچی کی بات کی جائے تو بھی یاور مہدی ایک سنگِ میل بنے کھڑے ہیں جیسے آرٹس کونسل کی گہما گہمی اور رونق یاور مہدی کے ساتھ ساتھ ہے۔ جس روز یاور مہدی آرٹس کونسل میں نظر نہیں آتے، اس روز یہاں ہزاروں افراد کے ہونے کے باوجود بے رونقی نظر آتی ہے۔

اگر یاور بھائی کی بات سماجی حوالوں سے کی جائے تو وہ کون سا ایسا شخص ہوگا جو یاور بھائی کے پاس کسی ذاتی کام کے لیے گیا ہو اور یاور بھائی تمام آفیشل کام چھوڑ کر اس کے ساتھ نہ چل دیے ہوں کہ چلو ابھی چل کر پکڑتے ہیں۔ خواہ انھیں پیدل چلنا پڑے، خواہ اسکوٹر پر جانا پڑے، کوئی فرمائش نہیں کرتے، مقصد ہر انسان کے کام آنا ہے۔

آج میں اپنے آپ کو کس قدر خوش نصیب محسوس کر رہا ہوں کہ میں یاور بھائی کے بارے میں لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں، یعنی "آسمان" کو دیکھ کر مضمون لکھنا کتنا مشکل کام ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنا منکسر المزاج، نرم خو

اور شفیق انسان نہیں دیکھا۔آج فلم ، ریڈیو ، ٹی ۔وی ، اخبار اور بینکوں میں جہاں جہاں نمایاں وکامیاب شخصیتیں نظر آئیں گی، ان کی صلاحیتوں کے پیچھے یاور بھائی ہی ہوں گے۔

میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں یاور بھائی کے لیے لکھتا چلا جاؤں ، لیکن مجھے معلوم ہے کہ آج اس ملک کا بڑے سے بڑا آدمی یاور بھائی کے لیے تاریخی الفاظ ادا کر رہا ہو گا اور ہر مضمون اپنی ذات میں بہت مکمل اور بہت حسین ہو گا۔

یاور بھائی کی کئی باتیں ہر شخص کے لیے ایک مثال بن گئیں جن میں خاص طور پر وقت کی قدر کرنا ہے۔شادیوں میں تین تین ، چار چار گھنٹے ضائع کرنا معمولی بات ہے، مگر یاور بھائی نے اپنے بچوں کی شادیوں کے موقع پر ایک زندہ مثال قائم کی۔جو وقت شادی کارڈ پر لکھا، اسی وقت پر تمام کام مکمل کروایا۔بعد میں آنے والا ہر شخص سوائے شرمندگی کے، تحفے میں کچھ نہ دے سکا۔

یاور بھائی نے اپنی ذات سے اس ملک اور اس ملک کے نوجوانوں کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں، وہ ہر شخص پر عیاں ہیں۔میری اس موقع پر وزیر اعظم اور صدر پاکستان سے خصوصی گزارش ہے کہ یاور بھائی کی خدمات کے صلے میں حکومتِ پاکستان انھیں تمغائے حسن کارکردگی سے نوازے۔

آج آسمان پر جو ستارے جگمگ جگمگ کر رہے ہیں، یاور مہدی ان میں چاند بن کر روشنی کی ایسی کرن بن کر ابھر رہے ہیں جس کی کوئی مثال نہیں دی جا سکتی۔ شاید یہ شعر یاور بھائی کے لیے ہی کہا گیا ہو گا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدور پیدا

پیغام

سید انظار حسین زیدی

(ایڈمنسٹریٹر، بلدیہ عظمیٰ کراچی)

میرے لیے یہ اطلاع انتہائی خوشی کا باعث ہے کہ "اہل کراچی جشن کمیٹی" کی جانب سے ریڈیو پاکستان کے ایک انتہائی اہل، شریف النفس، دیانت دار اور باصلاحیت افسر سید یاور مہدی کی ریٹائرمنٹ کے موقع پر جشن کی صورت میں ایک الوداعیہ منعقد کیا جا رہا ہے جس میں سید یاور مہدی کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف کیا جائے گا اور ایک اہم ادارے سے ان کو باعزت طور پر رخصت کیا جائے گا۔

قابل ستائش ہوتے ہیں وہ ادارے اور افراد جو اپنے محسنوں کو یاد رکھتے ہیں اور ان کو ان کے کام و کردار کے حوالے سے ان کا منصب عطا کرتے ہیں۔ "اہل کراچی جشن کمیٹی" سید یاور مہدی کے اعزاز میں جشن کا انعقاد کر کے اپنی ذمے داریوں سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہو رہی ہے۔ میں کمیٹی کی ان کوششوں کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔

کراچی اپنی زبوں حالی کے باوجود اپنی ثقافتی، سماجی اور ادبی شناخت رکھتا ہے اور اس کی تقریبات یادگار ہوتی ہیں۔ سید یاور مہدی ان تقاریب کا لازمی جزو ہوتے ہیں اور اپنی دل آویز شخصیت کے باعث ہر دل عزیز رہتے ہیں۔ سید یاور مہدی کا تعلق جس ادارے سے ہے، وہ خود ایک ثقافتی ادارہ ہے اور سید یاور مہدی نے وہاں بہت نام کمایا ہے۔ اپنے اس تجربے کو انھوں نے آرٹس کونسل آف پاکستان میں بھرپور استعمال کیا اور یہاں کی تقریبات کو کامیابی سے ہم کنار کیا۔ وہ ایک اچھے منتظم اور باصلاحیت عہدے دار کی حیثیت سے ان دونوں اداروں میں کامیاب رہے ہیں۔ ان میں سے ایک ادارے سے وہ رخصت ہو رہے ہیں جبکہ دوسرا ادارہ ان کے تجربات

سے آئندہ بھی فیض یاب ہوتا رہے گا۔

میں سید یاور مہدی کی صحت و سلامتی اور کامرانی کے لیے دعا گو ہوں۔

یاور مہدی .... ایک ہمہ جہت شخصیت

حق نواز اختر

یاور مہدی صاحب سے پہلی ملاقات یاد نہیں پڑتا کہ ریڈیو پاکستان، کراچی کی وساطت سے ہوئی یا آرٹس کونسل کے ذریعے۔ مگر ابتدائے شناسائی سے ان کی مسکراہٹ اور خلوص نے مجھے ان کے حلقۂ احباب میں شامل کر لیا۔ جوں جوں ان کی صفات اور فنونِ لطیفہ سے ان کی وابستگی کا انکشاف ہوتا گیا، ویسے ہی میری نیازمندی میں اضافہ ہوتا گیا۔

آرٹس کونسل جس کی رکنیت مجھے مرحوم عبدالرافع فریدی صاحب کی تحریک پر ملی، وہاں کے تمام انتظام و انصرام میں قدسیہ اکبر اور یاور مہدی ہی دو constant ہیں۔ یوں تو ہم اکثر عہدے داران کو جانتے ہیں، لیکن کوئی تقریب ہو، کتاب کی رونمائی ہو یا محفلِ غزل، یاور مہدی صاحب میزبانی کا شرف لیے ہوئے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی میں شک کرتا ہوں کہ وہ شاید کلی طور پر آرٹس کونسل سے وابستہ ہیں، مگر چند مرتبہ ریڈیو پاکستان پروگرام ریکارڈ کرنے گیا تو وہاں بھی ان کو موجود پایا۔

لکھنوی ثقافت کا یہ چلتا پھرتا ثبوت کراچی یونی ورسٹی سے ایم۔اے کرنے کے بعد ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہوا۔ وہیں ترقی کرتے ہوئے آج کل ڈپٹی کنٹرولر، سنٹرل پروڈکشن متعین ہیں۔

سنا ہے آپ اس سال ۶۰ کی عمر کو پہنچ کر ریٹائر ہونے والے ہیں ۔ اتنا نوجوان retiree (میری بنائی ہوئی اصطلاح) ہم نے تو کبھی نہیں دیکھا مگر کیوں نہ ہو! خود خوش رہتے ہیں اور دوسروں میں خوشیاں بانٹتے ہیں ۔ آرٹس کونسل والوں کے تو مزے ہو گئے! ہمہ وقتی اعزازی اور سرگرم کارکن مل گیا ۔

ایک ذاتی معاملے کا ذکر کر کے میں یاور مہدی صاحب کی شخصیت کا بیان ختم کرتا ہوں ۔ ایک سال ایسا ہوا کہ کچھ جوشیلے خواتین و حضرات نے مجھے آرٹس کونسل کے انتخابات کے لیے "کھڑا" کیا ۔ ہمارا پینل یاور مہدی صاحب کے پینل کے مخالفین میں سے تھا ۔ انتخابی ہنگامے میں بھی یاور مہدی صاحب اسی مسکراہٹ اور خلوص کے ساتھ ہمارے لیے چائے پانی کا انتظام کرتے رہے ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے انتخاب سے زیادہ میری کامیابی میں دلچسپی لے رہے ہیں ۔ اللہ خوش رکھے یاور مہدی صاحب کو! ابھی تو ان سے دل جوئی کے بہت کام لینا ہیں ۔

منتظم مزاج

سید محمد سبطین

جناب یاور مہدی کو اکثر لوگ جن حوالوں سے جانتے ہیں ، ان میں پہلا مستند حوالہ ریڈیو پاکستان ہے ۔ سو اس نسبت میں تقریباً چالیس برس سے جانتا ہوں ، لیکن حقیقتاً میں نے انھیں اس حوالے سے بھی اور ذاتی حیثیت میں بھی پہچانتا اس زمانے سے شروع کیا جب ۱۹۷۰ء کی دہائی میں پروفیسر انجم اعظمی مرحوم حکومتِ سندھ کے شعبۂ تعلیم سے بوجوہ طویل رخصت پر تھے ۔ انجم اعظمی کے اس دورِ ابتلا میں یاور مہدی نے جس طرح ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں کی پذیرائی کی ، وہ نہ صرف ان کے دوستانہ خلوص کی مظہر تھی بلکہ ان کی علم شناسی اور ادب آگاہی کی روشن

مثال بھی ہے۔

علم و ادب کے شعبے میں موصوف کا کیا مقام ہے، یہ تو ناقدین ہی بتا سکیں گے۔ البتہ علمی اور ادبی حلقوں میں وہ انتہائی ہر دل عزیز شخصیت کی حیثیت کے مالک ہیں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ادب آگاہی کے ضمن میں جو ادب یاور مہدی کو آتا ہے وہ بقول میر، "عشق بن نہیں آتا"۔

موصوف کی فن شناسی بھی مسلم ہے اور فن کاروں کی قدر دانی بھی، شہر میں کس شعبے کا اور کون سا فن کار ہے جو یاور مہدی کی اس صفت کا معترف نہیں۔ موصوف نے اپنی عمرِ عزیز کا بیشتر حصہ فن اور فن کاروں کے فروغ پر ہی صرف کر دیا۔ ریڈیو پاکستان میں سرخ روئی اور آرٹس کونسل میں نیک نامی، دونوں ہی اس دعوے کی دلیل ہیں۔

یاور مہدی غیر معمولی انتظامی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ اس حوالے سے انھیں منتظم المزاج کہنا بے جا نہ ہوگا۔ دھیما لہجہ اور عزم صمیم ان کے حسنِ انتظام کا خاصہ ہیں۔ میں نے انھیں ذاتی اور اجتماعی، دونوں سرگرمیوں میں پابند کار اور پابندِ اوقاتِ کار پایا ہے۔

کہتے ہیں موصوف سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو رہے ہیں، سو یہ سبک دوشی ان کو مبارک ہو! لیکن نہ تو ان مشاغل سے جو یاور مہدی کی حیات سے عبارت ہیں، کوئی ریٹائر ہوتا ہے اور نہ اس دور میں تلاشِ معاش سے کسی کو ریٹائر ہوتے دیکھا۔ کاش یاور مہدی کو یہ فراغت نصیب ہو! اللہ تعالیٰ موصوف کو صحت و تن درستی کے ساتھ عمرِ طویل عطا فرمائے!

ترتیب و پیش کش: یاور مہدی

نسیم حیدر زیدی

(ٹویوٹا کارپوریشن)

اب سے تیس، پینتیس سال پہلے جبکہ پاکستان میں ٹی ۔وی کی آمد نہیں ہوئی تھی، معلومات و تفریح کا واحد ذریعہ ریڈیو ہوا کرتا تھا۔ صبح ۷ اور رات ۸ بجے کی خبروں کے علاوہ جو پروگرام ذہن میں محفوظ رہ گیا، وہ ہے شہر نامہ۔

اس پروگرام میں جہاں شہر کی سماجی، معاشی اور سیاسی سرگرمیوں کی رپورٹ ہوتی تھی ، وہاں ماہِ رمضان ، محرم اور ربیع الاول کے مذہبی پروگراموں کی جامع رپورٹ بھی نشر ہوتی تھی ۔ غالباً اس وقت کے مقبول ترین پروگرام کو ترتیب دینے والی شخصیت کوئی اور نہیں ، کل اور آج کے ریڈیو پاکستان کی شناخت یاور مہدی ہیں بلکہ میں یہ کہنا چاہوں گا کہ ریڈیو پاکستان اور یاور مہدی ایک تصویر کے دو رخ ہیں۔

وہ تمام خواتین و حضرات جو کسی نہ کسی طرح ابلاغِ عامہ اور سماجیات سے وابستہ ہیں، یاور مہدی ان کے لیے ایک قطب نما ہیں۔

دعا گو ہوں کہ خدائے بزرگ و برتر یاور مہدی صاحب کو صحت و عمرِ طویل عطا فرمائے اور ہم سب کو ان کی بے مثل صلاحیتوں سے فیض یاب ہونے کا شعور عطا ہو۔

ایچ-بی-ایف-سی کے چیئرمین جناب نظر عباس صدیقی نے کہا

پچھلی دو، تین دہائیوں میں جن ادبی اور سماجی شخصیتوں سے کراچی شہر میں ملاقات رہی، ان میں یاور مہدی کی شخصیت اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے نمایاں ہے۔ چاہے وہ ریڈیو پاکستان ہو یا پاکستان آرٹس کونسل کراچی، ہر جگہ انھوں نے اپنی قابلیت، صلاحیت اور تہذیب و شائستگی سے لوگوں کو بے حد متاثر کیا احباب کے ساتھ ان کے خلوص و محبت کو سبھی محسوس کرتے ہیں، لیکن سب سے نمایاں بات مجھے ان کی لگن اور محنت نظر آئی ہے جسے میں نے بارہا دیکھا ہے۔ وہ جو کام بھی کرتے ہیں، اپنی بھرپور توانائیوں کے ساتھ کرتے ہیں اور تنہا نہیں بلکہ اپنے احباب کو بھی ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ ان کی کامیابی میں اس جذبے کا بڑا دخل ہے۔ ایسے افراد معاشرے کے لیے سرمایہ ہیں۔

میں یاور مہدی کی صحت، خوش حالی اور کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔

میں اور یاور مہدی

سید محمد صغیر

اردو کالج کی کینٹین میں یاور مہدی اور حسن امام مرحوم محو گفتگو تھے۔ میں بھی وقت گزاری کے لیے کینٹین میں داخل ہوا اور ایک طرف چائے کی پیالی سے اپنے آپ کو بہلاتا رہا۔ اتنے میں کسی صاحب نے تعارف کرایا کہ یہ یاور مہدی ہیں جو طلبا و طالبات کو خراب کر رہے ہیں۔ اس وقت میری سمجھ میں یہ نہ آیا کہ وہ کس طرح خراب کر رہے ہیں، لیکن معلوم ہوا کہ وہ ریڈیو پاکستان میں طلبا کے پروگرام کرتے ہیں اور بچوں کی تعلیم سے زیادہ ان کی فن کارانہ صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہیں۔

یوں تو ریڈیو سے طلبا کے پروگرام تعلیمی ہی ہوتے تھے لیکن خراب کرنے کی اصطلاح اچھی لگی ۔ میں نے بھی اپنے بارے میں سوچا کہ چلو ریڈیو پر آواز ہی کا پتہ چلے، مگر میری ہمت نہ ہوئی اور میں کبھی ریڈیو نہ گیا ۔ اکثر سماجی پروگراموں میں یاور سے ملاقات ہوتی رہی لیکن بات بہت آگے نہ بڑھ سکی ۔ میں نوکری اور تعلیم، دونوں کاموں میں مشغول رہا اس لیے وہ وقت نہ دے سکا جو ان کاموں کے لیے ہوتا، لیکن دل میں یہ حسرت ہی رہی کہ ریڈیو پر آڈیشن کرالیتا، شاید آواز کچھ بہتر ہوتی اور کوئی پروگرام کر سکتا۔

یاور مہدی لڑکوں اور لڑکیوں میں یکساں مقبول تھے جس سے اکثر حسد بھی ہوتا تھا کہ یہ اچھا آدمی ہے کہ ہر ایک میں مقبولیت رکھتا ہے ۔ میں اس بات کو حسد اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس وقت لڑکیوں میں جو لوگ زیادہ مقبول ہوتے تھے، ان سے اکثر لوگ حسد ہی کیا کرتے ہیں ۔ میں بھی ان لوگوں میں ایک تھا ۔ اکثر لوگ طرح طرح کے الزامات بھی لگا دیتے ہیں ۔ میری یاور سے اس وقت تک سلام علیک ہی رہی اور اس سے آگے نہ میں بڑھ سکا اور نہ شاید انھوں نے اس کی آزادی دی ۔ یوں بھی رکھ رکھاؤ کے آدمی غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور اگر کسی ناپسندیدہ آدمی کو برا کہنا ہو تو وہ بھی چہرے پر مسکراہٹ لا کر کہتے ہیں ۔ اس عادت کا مجھے بہت بعد میں علم ہوا کہ وہ برے کو برا کہنے میں بھی کافی محتاط ہیں اور تاویل دے کر غلط بات کو غلط کہتے ہیں ۔

یاور مہدی فن کار ہیں اور بہت سے فنون کے ماہر ہیں ۔ اپنی بات اس انداز میں دوسروں تک پہنچاتے ہیں کہ شاید وہ بات اسی کی تھی جو یاور نے کہہ دی ہے ۔ یا شاید وہ یہ بات کہنا چاہتا تھا، لیکن یاور نے اس کی مدد کرکے اس بات کو کہہ دیا اور وہ خوش ہو گیا۔

یہ شاید ۱۹۸۲ء کی بات ہے کہ یاور سے زیادہ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا اور

اس طرح وہ میرے ذہن پر چھا گئے کہ مجھے سحر زدہ کر دیا، بلکہ تعلقات کا ایسا ڈنک مارا کہ اب شاید بلا بات یا بلا ملاقات ادھورا سا لگتا ہے۔ بے حد ستم ظریفی یہ کہ مجھے آرٹس کونسل کا رکن بنا کر مجھے پہلی کیشن کمیٹی میں بھی رکھ دیا، گو میں ان کے اس کام میں ان کا اتنا مددگار نہیں، ہوں جتنا شاید مجھے سمجھا گیا ہو۔ شاید یاور سے کہیں جوہر کی تلاش میں غلطی ہو گئی۔ ریڈیو کے لیے جوہر تو وہ صحیح تلاش کرتے رہے لیکن اس میں کہیں مار کھا گئے۔ میری اہمیت کو زیادہ سمجھ کر مجھ پر بھروسا کر لیا یا شاید مجھے اس حد تک پرکھ نہیں سکے۔

یاور مہدی دوسروں سے کام لینے کا ہنر جانتے ہیں اور اس طرح مجھے ایک اور کام سونپ دیا جس میں قدم قدم میری رہنمائی تو کرتے ہیں لیکن کام تکمیل کو نہیں پہنچ پا رہا۔ یاور مہدی ایک دلچسپ آدمی ہیں۔ دوسروں کی باتیں بڑی توجہ سے سن لیتے ہیں، کوشش بھی کرتے ہیں کہ کسی کا مسئلہ حل ہو جائے اور ضرورت پر کسی کے کام کے لیے روانہ بھی ہو جاتے ہیں۔ یہ اس شخص کی خوش بختی ہے اگر کام ہو جائے اور بد بختی ہے اگر کام نہ ہو۔ یاور مہدی بہت جلد دوسروں پر بھروسا کر لیتے ہیں۔ دین دار نہیں ہیں، دنیا دار بھی نہیں ہیں، لیکن کوشش کرتے ہیں کہ ان کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ دوستی کا ایسا ڈنک مارتے ہیں کہ کوئی اس سے باہر نہیں جا سکتا۔ کبھی کبھی لوگوں کو اپنی ٹوپی پہنا دیتے ہیں اور اسی سے اس کا تذکرہ کر کے خوش بھی ہوتے ہیں اور اسے بھی لطف اندوز ہونے دیتے ہیں۔ یاور ابتدا سے ہی سماجی کاموں میں دلچسپی لیتے رہے ہیں۔

یاور مہدی نے ریڈیو پر بچوں کے پروگرام کا آغاز کیا۔ یہ پروگرام اسکول کے بچوں کا تھا جو کافی عرصے تک چلتا رہا اور ریڈیو کو بچوں کے جوہر کا پتا چلا۔ انھوں نے شہر کے سماجی پروگراموں کو ریڈیو میں روشناس کرایا۔ اس کے علاوہ بہت سے فن کار جو آج ریڈیو اور ٹی۔ وی میں ہیں، یاور کی کاوشوں کا ہی نتیجہ ہیں۔

یاور ایک انسان دوست، محبت کرنے والا اور دوسروں کے دکھ درد کا ساتھی ہے۔ وہ اپنی بیماری کے باوجود ہر دوست کے مدعو کرنے پر حاضر ہو جاتے ہیں۔ وہ بے شمار خوبیوں والے انسان ہیں۔ میں نے تو بہت تلاش کیا لیکن ایک سچا دوست مشکل سے ملتا ہے۔ میں بہت جستجو کرتا ہوں کہ کوئی برائی مل جائے تاکہ میں کسی بہانے ان کو کچھ کہہ سکوں لیکن تلاش کے باوجود کچھ نہیں ملتا۔

اللہ یاور مہدی کو جیتا رکھے، آمین!

پرل کانٹی نینٹل کے جنرل منیجر جناب ارشاد انجم نے کہا

وطن عزیز میں جب ٹی۔وی نہیں تھا تو اس وقت ہر آدمی ریڈیو اور تھیٹر سے لطف اندوز ہوتا تھا مگر تھیٹر تو مخصوص طبقہ ہی دیکھتا تھا، ہاں! ریڈیو کے سننے والے زیادہ تعداد میں تھے۔ میں بھی طالب علمی کے زمانے میں ریڈیو بڑے شوق سے سنتا تھا۔ ریڈیو کے پرانے پروگراموں میں "حامد میاں کے ہاں"، "بزم طلبا" اور "فوجی بھائیوں کے لیے" اور "پسندیدہ فلمی نغمے" مشہور پروگرام ہوا کرتے تھے۔ ان سب میں جس پروگرام نے سب سے زیادہ شہرت پائی، وہ "بزم طلبا" تھا جس کو پروڈیوسر یاور مہدی صاحب پیش کرتے تھے۔ یہ ایک ایسا پروگرام تھا جس میں پاکستان بھر کے بہت سے نامور لوگ اس میں گاہے بگاہے شریک ہوتے تھے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف فیلڈز میں اعلیٰ عہدوں پر پہنچے۔

مکرمی یاور مہدی صاحب کی یہ خوبی ہے کہ وہ ہر آدمی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ جو بھی ان کے پروگرام میں گیا، اسے یاور صاحب نے خوش آمدید کہا، یہی ایک

اچھے پروڈیوسر کی پہچان ہے۔ "بزم طلبا" کے علاوہ انھوں نے ادبی و سماجی حوالوں سے بھی بہت سے پروگرام کیے اور اس میں بھی انھوں نے شہرت حاصل کی بلکہ ریڈیو پاکستان کے وقار میں مزید اضافہ کیا۔ کراچی کے علاوہ دیگر ریڈیو اسٹیشن میں بھی انھوں نے خدمات انجام دیں۔

ذاتی زندگی میں بھی یاور مہدی صاحب ایک نفیس اور ملنسار انسان ہیں کیونکہ یہاں پرل کانٹی نینٹل ہوٹل، کراچی میں اکثر و بیشتر ان سے تقریبات میں ملاقاتیں ہو جاتی ہیں۔ ہمیشہ وہ بہت ہی پیار اور محبت سے ملتے ہیں۔ جب مجھے نوجوان صحافی محمود حسن صاحب نے یاور مہدی صاحب کے بارے میں تاثرات لکھنے کو کہا تو میں فوراً راضی ہو گیا، کیونکہ یاور مہدی صاحب کی شخصیت شہرِ کراچی میں ایک پاپولر اور ہر دل عزیز شخصیت ہیں۔ چونکہ وہ خود پڑھے لکھے اور نفیس انسان ہیں اس وجہ سے پڑھے لکھے اور ادبی لوگوں میں بہت مقبول ہیں۔

یہ ریڈیو پاکستان کا بھی فرض ہے کہ یاور مہدی صاحب کے ریٹائر ہونے کے بعد ان کے شایانِ شان پروگرام منعقد کرے جس میں ریڈیو اور ٹی۔وی کے ممتاز لوگ یاور مہدی صاحب کے بارے میں اظہار خیال کریں۔ ریڈیو اور ٹی۔وی میں ان کے شاگردوں اور مداحوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ یہاں صفحۂ قرطاس پر پھیلانا میرے لیے ممکن نہیں۔

اربابِ فنونِ لطیفه

maablib.org

ایس - ایم وسیم صدیقی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول زریں ہے کہ انسان اس کی گفتگو سے پہچانا جاتا ہے - اور اگر اس مقولے کا اطلاق اقوام پر کیا جائے تو غالباً یہ کہنا صحیح ہوگا کہ کوئی قوم اس کی نشریات سے پہچانی جاتی ہے جو اس کی اجتماعی گفتگو ہوتی ہے - ان نشریات کو قومی تشخص اور معیاری گفتگو کی بلندیوں تک پہنچانے میں قومی ریڈیو میں کام کرنے والے اربابِ اقتدار اور عملے کا کردار بہت اہم ہوتا ہے - میری خوش قسمتی ہے کہ ریڈیو پاکستان سے میری وابستگی کے ابتدائی دور ہی میں مجھے ۶۰ کے ابتدائی عشرے میں جناب یاور مہدی کی سرکردگی میں کام کرنے کا موقع ملا جب وہ اور ان کے مرحوم رفیق کار جناب نقش بندی صاحب کراچی ریڈیو اسٹیشن کے روح و رواں تھے اور تمام سامعین کو کراچی میں ہونے والی تقریبات اور دیگر بلدیاتی سرگرمیوں سے بخوبی واقف کراتے تھے - اس کارگزاری میں ان کی تعلقاتِ عامہ کی بے پناہ صلاحیتوں کو بہت دخل تھا اور یاور مہدی صاحب کا یہی طرۂ امتیاز ہے جو ریڈیو پاکستان کی طویل مدتِ ملازمت کے آخری دن تک انھیں کامیابیوں اور ریڈیائی کارناموں کے سہرے پہناتا رہا - وہ ریڈیو پاکستان کے معدودے چند افسران میں سے ہیں جنھوں نے ریڈیو کے نشریاتی دائرے سے باہر بھی نام پیدا کیا اور بے شمار لوگوں کے دلوں میں ریڈیو کی محبت پیدا کر کے انھیں اس ادارے کی زینت بنایا - اور آج جب وہ اپنی طویل ملازمت کے بعد ریڈیو کو خیرباد کہہ رہے ہیں تو میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ریڈیو اور عالمی نشریات سے وابستہ پورا عملہ انھیں کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا ، اور ان میں مجھے ایک وائس براڈکاسٹر کی حیثیت سے اپنا نام

شامل کرنے میں بے حد فخر محسوس ہو رہا ہے۔ میرا ایک پسندیدہ شعر ہے جو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جناب یاور مہدی کی زندگی کا حاصل ہے:

ہم نے لکھی ہیں اپنے مقدر کی سرخیاں
ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا

ہوا بہار کی

ارم وارث ہاشمی

دنیا میں ہزاروں، لاکھوں لوگ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، نہ ان کے آنے کی کسی کو خبر ملتی ہے اور نہ جانے کی، مگر کچھ لوگ دنیا میں کچھ اس طرح آتے ہیں کہ ان کی پیشانی پر آنے والی کامیابی کی چمک دیکھ کر لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شخص دنیا میں اپنی پہچان بنائے گا۔

یاور بھائی کو زندگی نے نہیں گزارا بلکہ یاور بھائی نے زندگی کو گزارا ایک وقار کے ساتھ، ایک بردباری کے ساتھ اور سب سے بڑھ کر کامیابی کے ساتھ۔ زندگی میں ہزاروں لوگوں نے کوشش کی کہ ان کا سفر رک جائے، مگر یاور بھائی کا سفر رکنے کے لیے نہیں تھا۔ انھیں آگے جانا تھا۔ وہ آگے بڑھتے گئے اپنی ایسی پہچان کے ساتھ کہ اللہ کے سوا انھیں کوئی مٹا نہیں سکتا۔

یاور بھائی کی شخصیت کے بارے میں کچھ لکھنے کے لیے میرے پاس الفاظ بہت کم ہیں اور یاور بھائی کی شخصیت بہت بڑی، اس لیے صرف اب اتنا کہوں گی کہ

میں تیرا نام نہ لوں پھر بھی لوگ پہچانیں
کہ آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے

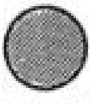

سیما رضا

یاور بھائی کو بزم آرائی کا سلیقہ بہت ہے اور وہ اس کا اہتمام کرکے خوش بھی بہت ہوتے ہیں۔ "بزم طلبا" سے آرٹس کونسل تک کا فاصلہ کچھ بھی نہیں ہے، مگر یاور بھائی نے یہ فاصلہ بہت گھوم پھر کر طے کیا ہے۔ انھوں نے کوئی جست نہیں لگائی، نہ لمبی اڑان دکھائی ہے، لیکن یہاں تک پہنچنے میں انھوں نے وقت بہت لیا ہے طویل سفر کا مشاہدہ عجیب ہوتا ہے۔ حیرانیاں بھی آدمی کے حصے میں آتی ہیں اور غیر متوقع مسرتیں بھی، لیکن خوشیوں اور حیرانیوں کو جمع کرنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ کام شاعری اور مصوری کے زمرے میں آتا ہے۔

یاور بھائی شاعر اور مصور تو نہیں لیکن ان کا مشاہدہ اور تجربہ تخلیق کی ہمسری کرتا ہے۔ یاور بھائی نے شاعر اور مصور دریافت کیے ہیں اور مختلف دنیاؤں کا حسن تلاش کیا ہے شاعری اور مصوری تو استعارے کی بات ہے، سچ تو یہ ہے کہ علم و ادب، کھیل کود اور فنون لطیفہ کو یاور بھائی نے بڑا سرمایہ فراہم کیا ہے۔

یاور بھائی کی خوشبو ۶۰ء کے عشرے میں ریڈیو پاکستان سے پھوٹی تھی۔ یہ ایوب خان کا زمانہ تھا اور اسے سیاسی پابندیوں کا زمانہ بھی کہا جاتا ہے۔ ریڈیو پاکستان کراچی سے اس زمانے میں طلبا کا ایک پندرہ روزہ پروگرام یونی ورسٹی میگزین کے نام سے ہوا کرتا تھا۔ ایک میکانزم کے تحت کولہو کی بیل کی طرح یہ پروگرام روایتی طور پر چلتا تھا اور کسی کو یاد بھی نہیں رہ جاتا تھا کہ کل کیا پروگرام پیش کیا گیا تھا۔ "یونی ورسٹی میگزین" جب یاور بھائی کے سپرد کیا گیا تو شہر میں اس کے چرچے ہوئے، سننے اور حصہ لینے والوں کا حلقہ بڑھنے لگا تو پروگرام کا نام "بزم طلبا" رکھا گیا اور پھر اس پروگرام کی پسندیدگی اور پذیرائی کے باعث یہ روز کا پروگرام ہو گیا

"جشن طلبا" بھی "بزم طلبا" ہی کا سلسلہ ہے جس کے بارے میں مشہور کالم نگار مرحوم ابراہیم جلیس نے اپنے کالم "وغیرہ وغیرہ" میں یوں لکھا: "اس "جشن طلبا" پر کراچی والوں کی ہزار راتیں قربان جو قوم کو ہر سال ایسے ذہین طلبا عطا کرتا ہے جن پر ہم نازاں ہیں"۔ یاور بھائی کو انجمن آرائی کا سلیقہ نہ ہوتا تو "بزم طلبا" کو یہ مقبولیت نہ ملتی۔ "بزم طلبا" شاید اب بھی ہوتا ہے مگر کسی کو پتا نہیں چلتا۔ ہنگامے اٹھانے والے نہ ہوں تو محفل سونی اور خاموش ہو جاتی ہے۔

پاکستان میں ٹیلی وژن کا دور شروع ہوا تو پروگرام اور پروگرام کرنے والے "بزم طلبا" سے ہی میسر آئے اور ہر پروگرام کا تصور "بزم طلبا" سے لیا گیا۔ "بزم طلبا" کے پروگراموں میں اتنی زندگی تھی کہ ریڈیو اور ٹیلی وژن کا فرق نہیں محسوس ہوتا تھا۔ ٹیلی وژن ایک نیا میڈیم تھا اور اس کا تجسس بھی بہت تھا لیکن "بزم طلبا" کا جادو سر چڑھ کر بولتا تھا۔

پروگرام کو زندگی اور مزہ دینے کی صلاحیت اور لوگوں میں بھی ہوتی ہے مگر یاور بھائی کا جواب نہیں۔ اب خیال آتا ہے کہ خاموش فلموں کے زمانے میں فلم بنانے والے کیا کمال کرتے تھے۔

یاور بھائی "بزم طلبا" کے لیے ستارے توڑ کر نہیں لائے بلکہ اس انجمن کے لیے انھوں نے ستارے تراشے ہیں اور ان ستاروں کی روشنی "بزم طلبا" تک محدود نہیں رہی اور اس خرابے میں بھی یہی کہکشاں امید کی آس ہے اور یہی کہکشاں ہماری گم شدہ تہذیب و ثقافت کا نشان ہے۔

یاور بھائی آرٹس کونسل میں ہیں تو ان کی خوشبو یہاں بھی پھیلی ہوئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یاور بھائی اس سفر میں اور اس کارِ ہنر میں تھکے نہیں ہیں۔

دریافت کے کام میں ایک حیرانی ضرور ہوتی ہے اور اس حیرت کا ایک مزہ بھی ہوتا ہے، اس لیے یاور بھائی اس مزے کو نہیں چھوڑیں گے۔

ہمارے سیکھنے کا زمانہ یاور بھائی سے منسوب ہے، مگر میں یہ سوچتی ہوں کہ ہمارے بچے اپنی طالب علمی کا زمانہ کیسے یاد رکھیں گے!

یاور مہدی .... ماہِ نیم ماہ

محمد سبکتگین صبا

(کنوینر، "ڈائلاگ")

کھلتا رنگ، کھلتا قد، کھلتے بال، چہرے پر نکھار، چال میں وقار، طبیعت میں بہار، نگاہ بے چین، دل بے قرار، یاروں کا یار وہ بھی طرح دار، اردو کا دل دادہ، ہر ایک کی مدد پر آمادہ، بظاہر رنگین مگر دل کا سادہ، ادیب ساز، شاعر گر، سلیقہ مند و باہنر، کم گو مگر پر اثر، ریڈیو کی تعمیر نو کا داعی، نظم گلستان صدا کی رباعی، چمنستان صوت و آہنگ کی رعنائی .... یہ ہیں ریڈیو پاکستان، کراچی کی دائی جن کے ہاتھوں آج کے بہت سے بڑے بڑے فن کاروں، ادیبوں، شاعروں اور دانش وروں نے جنم لیا۔ کیوں جان اپنی مفت میں گنوائیں، کن کن کے نام گنوائیں کہ کون ہے جو ان سے فیض یاب نہیں ہوا اور جو نہیں ہوا، وہ کامیاب نہیں ہوا۔ یاور مہدی نے گرتوں کو تھام تھام لیا، ہر شخص کی صلاحیت سے کام لیا۔ کسی کو اوج کمال تک پہنچایا، کسی کو زوال سے بچایا اور یوں اسم بامسمیٰ ٹھہرے کہ نہ صرف کوچہ نوردان صحرائے صدا کی یاوری کی بلکہ مسافران دشتِ ادا کی ہدایت کا فرض بھی نبھایا۔

مجھے یاد نہیں کہ میری ان سے پہلی ملاقات کب ہوئی۔ شاید یہ چند برس پہلے کا واقعہ ہے یا ایک صدی قبل کا قصہ، نہیں تو پھر پچھلے جنم کی داستان، مگر پچھلے جنم کی بات اس لیے جی کو نہیں لگتی کہ ہم دونوں بحمد اللہ! مسلمان ہیں۔ یقیناً یہ روزِ ازل کا

ماجرا ہے کہ جب ارواح کی تخلیق ہوئی اور تب ممکن ہے کہ یہ اس وقت میرے next door neighbour ہوں، تبھی تو یہ ملاقات صدیوں پر محیط معلوم ہوتی ہے:

یہ ساتھ ہے جیسے قرنوں کا، دو چار گھڑی کی بات نہیں

کسے خبر تھی کہ ۱۵ جولائی، ۱۹۳۸ء کو یو۔پی (بھارت) میں جنم لینے والا ایک بچہ چوبیس سال کی عمر میں ایک ایسے ادارے سے وابستہ ہوگا جو ابلاغِ عامہ کا موثر ترین ذریعہ ہے، اور اپنی عمر کے ساٹھ سال مکمل ہونے پر بحیثیت اسٹیشن ڈائرکٹر ریڈیو پاکستان کراچی ریٹائر ہوگا۔ یاور مہدی نے اپنی عمرِ عزیز کے چونتیس سال، دو ماہ ریڈیو کی نذر کیے اور اس تمام عرصے میں اپنے فرائضِ منصبی بڑے خلوص اور لگن کے ساتھ ادا کیے۔ انھوں نے ہمیشہ بزرگوں کا احترام کیا اور قابلیت کی قدر کی، یہی وجہ ہے کہ آج ہر شخص کی دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ انھوں نے تاجِ خسروی کو کلاہِ قلندری سے ڈھانپ رکھا تھا۔ میں نے جب بھی انھیں دیکھا، حالتِ فقیری میں پایا، یہی وجہ ہے کہ ریڈیو کی تاریخ میں ان کا نام ایک legend کی حیثیت سے یاد رکھا جائے گا۔

یاور مہدی کا خاندانی پس منظر بھی عوامی رہا ہے۔ آپ کے دادا مختارکار تھے مگر عوام کی فلاح و بہبود میں خاص دلچسپی تھے۔ ان کے زیرِ اہتمام کئی تعلیمی ادارے چل رہے تھے جن میں ایک ترلوک ناتھ انٹر کالج بھی تھا جہاں سے خود یاور مہدی نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ والد حماد حسین پولیس میں انسپکٹر تھے اور داروغہ کے نام سے جانے جاتے تھے۔ ان کی طبیعت میں جبر نہ تھا، اس لیے وقت سے پہلے ہی ریٹائرمنٹ لے لی۔ والدہ بھی ذہین اور سمجھ دار خاتون ہیں اور یو۔پی بورڈ میں آٹھویں جماعت کے امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی۔ اس دور میں، جبکہ خواتین کی تعلیم عام نہ تھی، یہ ایک بڑا کارنامہ تھا، یہی وجہ ہے کہ خاندانی نجابت اور موروثی

شرافت نے اپنا رنگ دکھایا اور یاور مہدی خواص سے زیادہ عوام میں مقبول ہیں۔

ریڈیو کی زندگی کی ابتدا اسکول براڈکاسٹ نامی پروگرام سے کی۔ پھر نیوز ریل نامی بھرپور پروگرام پیش کرتے رہے۔ دس سال تک نوجوانوں کے لیے پروگرام پیش کیا اور صحیح معنوں میں یہیں سے ان کی عوامی زندگی کا آغاز ہوا۔ اس پروگرام کے ذریعے انھوں نے جوہری کا کام کیا اور جہاں جہاں بھی انھیں کوئی ناتراشیدہ ہیرا نظر آیا، اسے اٹھا لائے، تراش خراش کرکے کوہِ نور بنا دیا، یہی وجہ ہے کہ آج کے فن کار انھیں استاد کا درجہ دیتے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں۔ اگر مبالغہ نہ سمجھا جائے تو ریڈیو، ٹیلی وژن اور فلم، یہاں تک کہ دیگر پیشوں سے وابستہ کئی درخشاں ستارے انھی کی روشنی سے منعکس ہوئے اور آج آسمان شہرت پر جگمگا رہے ہیں۔ یقیناً یاور مہدی ان سب کی کامیابی سے خوش ہوں گے کہ میرے ذاتی تجربے کے مطابق وہ حسد، بغض اور کینہ پروری سے کوسوں دور ہیں۔ وہ ایسے چھتنار درخت کی مانند ہیں جس کی گھنی اور ٹھنڈی چھاؤں تلے ہر مسافر بلاامتیاز آرام کر سکتا ہے۔ اور اسی پر بس نہیں، وہ خود ستائی اور صلے سے بالا وہ فقیر ہیں جو یہ صدا لگاتا پھرتا ہے کہ جو دے اس کا بھلا، جو نہ دے اس کا بھی بھلا۔

اب جبکہ یاور مہدی ریڈیو سے ریٹائر ہو رہے ہیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ چین سے نہ بیٹھیں گے اور یہی ان کے حق میں بہتر ہے۔ اتنے طویل سفر کے بعد وہ یقیناً تھک چکے ہوں گے اور جیسا کہ ہوتا ہے کہ تھکن اتارنے کے لیے سیر و تفریح سے بہتر اور کوئی کام نہیں ہو سکتا، موصوف بھی یہی کرنا چاہیں گے مگر خیال رہے کہ وہ صرف سیر و تفریح ہی کریں اور بھرپور کریں تاکہ تازہ دم ہو کر آگے چلنے کا عزم برقرار رہے۔ میرے خیال میں ان کا مشن ابھی پورا نہیں ہوا۔ انھیں اپنے تجربات سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے رہنا چاہیے۔ تجویز یہ ہے کہ جب یاور مہدی تازہ دم ہو جائیں تو ایک ایسی اکیڈمی کا قیام عمل میں لائیں جو نوجوانوں کی صلاحیتوں کو جلا

بخشنے کا کام کرسکے اور اس میں میرا تعاون انھیں حاصل رہے گا۔

یاور مہدی کا ریڈیو پاکستان کے علاوہ پاکستان آرٹس کونسل سے بھی فعال تعلق رہا ہے۔ بحیثیت خازن، پاکستان آرٹس کونسل انھوں نے کم سرمائے کے باوجود بڑی کامیابی سے اس کے اخراجات کو نبھایا بلکہ کافی حد تک قابو میں رکھا۔ اب جبکہ ان کی توجہ کا مرکز صرف آرٹس کونسل ہی رہے گی تو یقین ہے کہ وہ تمام منصوبے جو ابھی ان کے ذہن کے پالنے میں انگوٹھا چوسنے میں مصروف ہیں، جلد ہی گھٹنیوں گھٹنیوں چلتے نظر آئیں گے۔ دعا ہے کہ یاور مہدی یہاں بھی اپنے نام کی لاج رکھنے میں کامیاب ہوں۔ آمین!

کیسے کیسے لوگ

موسیقار کرامت علی

میں بحیثیت کمپوزر ریڈیو پاکستان سے تقریباً بائیس، تیئیس سال سے وابستہ ہوں۔ اس دوران کئی افسر آئے اور چلے گئے۔

میں یاور مہدی صاحب کے ساتھ تقریباً پندرہ سال سے کام کر رہا ہوں۔ مجھے یاد نہیں کہ میری کسی بات کا برا مانا ہو یا ناراض ہوئے ہوں، اور اگر کوئی غلطی سرزد ہو بھی گئی تو بڑی خوش اسلوبی سے اس بات کو ٹال دیا۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ میں نے اپنے ذاتی کام کے لیے کہا تو فوراً اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ بخدا! ریڈیو پاکستان میں ایسا شخص بہت ہی کم دیکھنے میں آیا جو اپنے ماتحت سے اس قدر محبت کرتا ہو۔ اپنا تو اپنا، غیر بھی جو ان سے ملتا ہے انھیں کا ہو کے رہ جاتا ہے۔

میری دعا ہے کہ جب تک یہ دنیا ہے، یاور مہدی صاحب کا نام یونہی روشن رہے۔

پیش کش.... یاور مہدی

اکبر شہاب

کچھ لوگ نوکری سے ریٹائرمنٹ کو اس طرح لیتے ہیں گویا کسی فلم کا آخری سین چل رہا ہو اور the end ہونے والا ہو۔ ایسے لوگوں کو depression بھی ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو کوئی فالتو پرزہ سمجھنے لگتے ہیں۔ جی ہاں! ساری بات ہے سوچنے اور سمجھنے کی، یعنی: " The way you look at the matters or things". میں ایک ریٹائرڈ شخص کو کہتا ہوں a person with unlimited experience۔ ایسی شخصیت سے جب بھی میں ملتا ہوں تو یہی کوشش رہتی ہے کہ اس شخص سے اس کی زندگی کے تجربات کی روشنی میں، کوئی اچھی اور فائدے کی بات یا کوئی گُر سیکھ سکوں، اسی لیے میں ہر بزرگ یا ریٹائرڈ شخص سے بہت گرم جوشی سے ملتا ہوں اور سلام پیش کرتا ہوں۔ اس لحاظ سے جب بھی یاور مہدی صاحب سے ملتا ہوں یا آئندہ جب بھی ملوں گا تو اسی گرم جوشی سے ملاقات کرنا چاہوں گا، کیونکہ ان کے پاس ایک wealth of experience ہے جس کی میں بہت قدر کرتا ہوں۔

میں یہ بات بجا طور پر کہہ سکتا ہوں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے، ریڈیو کے اکثر ڈراموں یا مختلف پروگراموں کے بعد میں نے یہی سنا، " پیش کش..... یاور مہدی " اور یہ آواز آج بھی میرے کانوں میں گونجتی ہے۔

۱۹۸۰ء میں جب مجھے ریڈیو پاکستان میں western music پروگرام کرنے کا موقع ملا اور جب میں World Service میں انگریزی خبریں پڑھنے جایا کرتا تھا تو اکثر یاور مہدی صاحب سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ میں نے اکثر انھیں بہت

معروف پایا۔ ویسے بھی جو شخص ریڈیو، ٹی۔وی یا دوسرے میڈیا کے طریقوں سے واقف ہے، وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میڈیا میں کام کرنے والا خواہ پروڈیوسر ہو، خواہ کوئی ٹکنیکل انجینئر یا کوئی فن کار ہو، اس کی محنت کا کوئی مول نہیں دے سکتا، کیونکہ یہ لوگ خوب محنت کرتے ہیں صرف اور صرف اپنے satisfaction کے لیے۔ امید ہے کہ یاور مہدی صاحب بھی اپنی زندگی بھر کی محنت سے satisfied ہوں گے اور آنے والے دنوں میں اپنے تجربات کی روشنی پھیلاتے رہیں گے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یاور مہدی صاحب کو طویل عمر، صحت اور بہت سی خوشیاں عطا فرمائے۔ آمین!

محسن شیرازی

ٹی۔وی کے ابتدائی زمانے کے ممتاز فن کار محسن شیرازی نے کہا کہ یاور مہدی صاحب کی شخصیت کی کئی جہتیں ہیں۔ وہ نام ور پروڈیوسر، شیدائے علم و ادب، نیک و دانا انسان، بہترین دوست اور بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ یاور مہدی کی شخصیت پر کتاب کی تیاری ہو رہی ہے۔ اس سلسلے میں میری دعائیں اور نیک تمنائیں بھی شامل ہیں۔ شاید ریڈیو کی دنیا میں اتنا نیک اور صالح آدمی تلاش کرنے سے بھی نہیں مل سکے گا۔ اللہ یاور صاحب کی عمر دراز کرے!

یاور مہدی اور مونالیزا

بانسری نواز استاد سلامت حسین

(تمغائے حسن کارکردگی، پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹ)

نیم کلاسیکل، ہلکی پھلکی موسیقی کی طرح ہر شخص دھیمے لہجے کی شاعری کو پسند کرتا ہے، کیونکہ متوازن محسوسات اور جذبات اعلیٰ تخلیقی شاہکار کا سبب بنتے ہیں۔ اگر یہی اوصاف کسی انسانی شخصیت میں پائے جائیں تو وہ انسانیت کے درجۂ کمال پر فائز ہو جاتا ہے۔ علمی و ادبی اور ثقافتی حلقوں کی ممتاز و معروف شخصیت یاور مہدی کا شمار بھی ایسے ہی صاحب علم و دانش میں ہوتا ہے جن کی شمع تاثیر سے ہر شخص مستفید ہوتا ہے۔

خوش پوش، خوش گفتار اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک یاور مہدی .... مسکراہٹ جن کا وتیرہ اور غصے کے تاثر میں بھی مونالیزا کی مسکراہٹ مگر نامساعد حالات کے مقابلے میں کوہ گراں۔

ڈاکٹر ایس۔این۔ایم شہزاد

آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی میں آغا حشر کا ڈراما "صید ہوس" پیش کیا گیا جس کی ہدایات طلعت حسین صاحب کی تھیں۔ لیڈنگ رول میں کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں آرٹس کونسل روز آنا جانا ہوتا تھا۔ میری نظر بک شاپ پر بیٹھے ایک صاحب پر روز پڑتی تھی اور میں بہت پریشان ہوتا تھا کہ یہ صاحب کون ہیں جو روز یہاں موجود ہوتے ہیں مگر میں نے کبھی کسی سے پوچھا نہیں۔ اس بات کو سالوں

گزر گئے، اور اب سے دو، تین سال پہلے میں نے اسٹریٹ تھیٹر ورک شاپ کنڈکٹ کیا تو پھر ان صاحب کو بک شاپ کے سامنے بیٹھے دیکھا تو ابراہیم نفیس صاحب سے پوچھا، "یہ کون صاحب ہیں؟" انھوں نے مجھے بتایا، "یہ یاور مہدی صاحب ہیں"۔ نام تو میں نے بہت سن رکھا تھا، پہچان اب ہوئی، یہ میری نااہلی اور بد قسمتی تھی۔ بہر حال دل ہی دل میں اپنے آپ کو برا بھلا کہتا رہا اور پھر اپنے کام میں مگن ہو کر ریہرسل کرواتا رہا۔ کچھ دنوں بعد ایک فون کلینک پر آیا، "ہیلو!" میں نے کہا، "جی!" فرمایا، "ڈاکٹر صاحب! پورا شہر ہمارے پیچھے پھرتا ہے، ہم آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔ یاور مہدی بات کر رہا ہوں"۔ ارے! یہ سن کر میں اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا اور نہایت شرمندگی سے بولا، "یاور بھائی! حکم کیجیے"۔ کہنے لگے، "آپ ذرا تشریف لے آئیں"۔ میں نے کہا، "جی اچھا! کلینک کے بعد حاضر ہوتا ہوں"۔ بہر حال حاضری دی فرمایا، "یہ فارم ہے، اس پر سائن کر دیں"۔ میں نے دریافت کیا تو کہنے لگے، "ہم آپ کو آرٹس کونسل کی گورننگ باڈی میں لینا چاہتے ہیں"۔ میں بہت جھجکا، "میں .... میں اس قابل کہاں؟" کہنے لگے، "جو میں کہہ رہا ہوں"۔ میری کیفیت بیان سے باہر ہے۔ مختصراً فارم بھرا اور تمام مراحل طے کر کے ۱۹۹۷ء میں گورننگ باڈی کا رکن بن گیا اور پھر یاور بھائی کی شخصیت کا انکشاف مجھ پر ہونے لگا کہ "وہ بادشاہ گر ہیں"۔ یاور بھائی کے زیر تربیت لوگ پوری دنیا میں اپنے ملک کی بھرپور نمائندگی کر رہے ہیں۔ یاور بھائی کے مخالفین بھی یاور بھائی کے اخلاق کے سامنے گھگھیانے لگتے ہیں۔

یاور بھائی کی خداداد صلاحیتوں سے صاحبِ اقتدار لوگ پوری طرح مستفید نہیں ہو سکے خاص طور پر شہرِ کراچی میں امن و سکون کے حوالے سے یاور بھائی ان لوگوں میں سے ہیں جن کو شہر کی ثقافتی سرگرمیوں کو اجاگر کرنے کے لیے حکومت اختیارات اور فنڈ مہیا کرے تو شہر کے کونے کونے میں فنونِ لطیفہ کے پروگراموں کے ذریعے آپریشن کلین اپ ہو جائے۔

یاور مہدی .... میرا دوست

عمر قریشی

میرا بطور کمنٹیٹر اور یاور مہدی کا بطور پروڈیوسر ساتھ بہت پرانا ہے۔ کمنٹری کو متوازن رکھنا یاور کی بڑی خوبی تھی۔ یاور کو جب یہ احساس ہوتا کہ کمنٹری کے دوران کمنٹیٹر شدتِ جذبات میں حدود کو پار کرنے جا رہا ہے تو ان کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوتی جو ان کی طرف سے تنبیہ کا کام کرتی، اس کے علاوہ وہ کچھ نہ کرتے۔

مستقبل میں وہ جو کچھ بھی کریں گے، اس کے لیے میں اپنی نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں۔ یاور مہدی میرے دوست ہیں اور میں اس دوستی کی بہت قدر کرتا ہوں۔

کوکب زہرا نقوی

(نگراں، اے۔ آر فریدی آرٹ گیلری)

میری زندگی کا یہ پہلا تجربہ ہے کہ میں کسی شخصیت کے بارے میں لپنے خیالات کا اظہار بذریعۂ قلم کر رہی ہوں۔ جس شخصیت پر لکھنے کے لیے آج میں نے لپنے ذہن کو بنایا ہے، وہ ایک ایسی ہمہ جہت شخصیت ہیں کہ جس پر اظہارِ رائے کرنا آسان نہیں۔ ادب اور ثقافت کے فروغ کے حوالے سے شاید ہی کوئی فن کار ہو جو یاور مہدی صاحب کے نام سے واقف نہ ہو اور جس کی تعمیر میں یاور مہدی صاحب کی کاوشیں شامل نہ ہوں۔ چونکہ میرا تعلق آرٹس کونسل آف پاکستان کراچی سے ہے

اس لیے میں آرٹس کونسل کے حوالے سے ہی بات کروں گی۔

آرٹس کونسل کا نام بغیر یاور مہدی صاحب کے ادھورا سا نظر آتا ہے۔ آرٹس کونسل کی کارکردگی میں آپ کی ذاتی کوششوں کا بھی ایک نمایاں حصہ شامل ہے۔ آج جس طرح یہ ادارہ کراچی کے شہریوں کو بہتر تفریح کے مواقع فراہم کر رہا ہے، یہ زیادہ تر یاور صاحب کی ذاتی کوششوں اور سچی لگن کا نتیجہ ہے۔

یاور مہدی صاحب کی ہر دل عزیزی کا جہاں تک تعلق ہے، اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے گرد بہت سے افراد کا مجمع رہتا ہے۔ ان میں ادب، ثقافت، مصوری، موسیقی، تدریس، ذرائع ابلاغ، ڈراما، تھیٹر..... غرض یہ کہ تمام شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ افراد شامل ہیں جو وقتاً فوقتاً آپ کی خدمات سے مستفید ہوتے ہیں۔

آرٹس کونسل کے اندر اے۔ آر فرید آرٹ گیلری کے قیام کا سہرا بھی آپ کے سر ہے۔ آرٹ گیلری کے قیام کی تجویز آپ نے پیش کی اور آپ کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ پاکستان میں پہلی بار ایسی گیلری قائم کی گئی جس میں پاکستان کے نام ور مصوروں کے فن پارے رکھے گئے جو مصوری کے فروغ کے حوالے سے ایک عظیم کارنامہ ہے۔ اپنے عظیم مصوروں کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی نذرانہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ۱۹۹۲ء سے آج تک یہ گیلری فن کے شائقین کو فنی تسکین مہیا کرنے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

فروری، ۱۹۹۲ء سے آرٹس کونسل کی سرگرمیوں سے متعلق ماہانہ "خبر نامہ" بھی صرف اور صرف یاور مہدی صاحب کی اپنی کوششوں سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ قابلِ تحسین بات یہ ہے کہ یہ "خبر نامہ" بغیر کسی معاوضے کے تمام آرٹس کونسل کے ارکان اور دیگر لوگوں تک باقاعدگی سے پہنچایا جاتا ہے جو یاور صاحب کی آرٹس کونسل سے دلی وابستگی کا مظہر ہے۔

میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتی ہوں کہ مجھے اپنی تعلیمی درس گاہ سے نکلنے کے بعد ایک اور درس گاہ مل گئی جہاں یاور مہدی صاحب جیسے مدرس کی زیر تربیت کام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے ہر ہر قدم پر میری بھرپور رہ نمائی کی۔ آپ ہر نئے آنے والے کو حوصلہ افزا تبسم کے ساتھ خوش آمدید کہتے ہیں، چاہے وہ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔

یاور مہدی صاحب کی خدمات و صفات کا تفصیلی جائزہ اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں۔ آپ کے اخلاق پر تو گفتگو لاحاصل ہے، اس کی قدر تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھیں کسی موقع پر آپ سے ملاقات کا اتفاق ہوا ہو۔ میری اپنی ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص ایک بار آپ سے ملنے کے بعد دوبارہ آپ سے ملاقات کا آرزومند نہ ہو۔

غیاث الدین افسر

(پروگرام ایگزیکٹو، پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس، ریجنل آفس سندھ، کراچی)

یاور مہدی سات پردوں میں چھپی سچائی یا دوگام کی کسی منزل کا نام نہیں بلکہ یہ شخصیت روشائی سے روشنی تک کے سفر پر محیط ہے۔

یاور مہدی نے ریڈیو پاکستان سے لے کر علمی و ادبی مراکز تک کے بچوں اور جوانوں میں سانتا کلاز کی طرح ایسے خوشیاں بانٹی ہیں کہ آج ان کی منزلیں اسی کھلی حقیقت کی مرہون منت ہیں، ورنہ ان کے مناصب اور اونچی کرسیاں کسی فٹ پاتھ کے ہوٹل کی بنچوں اور میزوں سے زیادہ اہم نہیں۔ تاہم سیب کے درختوں پر پڑنے والی پھوار اور خوب صورت پھولوں کے شگوفوں جیسی باغ و بہار اس شخصیت کو رات کے پچھلے پہر کھلے اور چھپے دشمنوں کی ملی جلی بے ہنگم موسیقی کا شور بہت تنگ کرتا ہے

اس کے باوجود فرانس کی انتہائی کشادہ شانتا لیزے کی طرح وسیع القلب اس شخص نے علم و ادب سے عشق میں اپنے لیے ایک لمحہ بھی پس انداز نہیں کیا، کیونکہ انسانیت کے لیے "جیو" ان کا نصب العین ہے اور ہمارے پاس بھی ان کی طلب کے سوا کچھ نہیں، اس لیے بس میں بھی اتنا ہی کہوں گا کہ جیو، میرے سانتا کلاز!

فنونِ لطیفہ کی دنیا کا ایک اسکول

ذہین طاہرہ

(ٹی۔وی کی معروف اداکارہ)

محترم یاور مہدی صاحب فنونِ لطیفہ کی دنیا میں ایک اسکول کی حیثیت رکھتے ہیں۔

میں نے "بزمِ طلبا" سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا بطور ریڈیو کی آواز کے۔ اس زمانے میں ٹیلی وژن کا وجود نہ تھا۔ پھر "جشنِ طلبا" میں بطور مہمان پروڈیوسر بھی یاور مہدی صاحب کی نگرانی میں کام کیا۔ آج میں جس مقام پر کھڑی ہوں تو یہ یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اس منزل تک پہنچنے میں یاور مہدی صاحب کی رہ نمائی میرے لیے مشعلِ راہ بنی رہی۔ میری دعائیں ہمیشہ ان کے لیے ہیں۔

خدا انھیں صحت عطا فرمائے اور ہمیشہ ایک رہ نما کے درجے پر فائز رکھے، آمین!

یاور بھائی ..... کیمیا گر

خوش بخت شجاعت

یاور مہدی اب جگت یاور بھائی ہو چکے ہیں۔ ان کی قسمت نے کتنی یاوری کی ہے، یہ تو سب نہیں جانتے لیکن انھوں نے بہت سوں کی یاوری کر دی ہے، یہ سب جانتے ہیں۔

یہ کہتے ہوئے بہت بے ادبی محسوس ہوتی ہے، لیکن کہے بنا رہ بھی نہیں سکتی کہ میں نے انھیں اس وقت دیکھا تھا جب آتش جواں تھا، لیکن یاور بھائی کی شخصیت میں نہ جانے کیا شفقت اور خلوص نظر آتا ہے کہ اس وقت سے آج تک ہم سب انھیں "یاور بھائی" ہی کہتے رہے۔

جہاں تک میری ذاتی رائے کا سوال ہے، میں نہایت انکسار سے یہ دعویٰ کرنا چاہتی ہوں کہ ریڈیو پر یاور بھائی اور ٹیلی وژن پر محسن بھائی نہ ہوتے تو شاید آواز و ابلاغ کے ان دونوں ذرائع میں میرے سفر کا آغاز اس انداز سے نہ ہو پاتا جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں۔

ریڈیو پاکستان، کراچی سے نشر ہونے والے مباحثوں نے ریڈیو اور ٹیلی وژن کو مایۂ ناز صداکار، کمپیئر اور فن کار عطا کیے۔ "بزم طلبا" کے پروگراموں نے طالب علموں کو ادیب، شاعر، صحافی اور لیڈر بنا دیا اور اس کامیابی کا سہرا یاور مہدی کے سر ہے۔ یاور مہدی نے آواز کے سفر کو نئی نئی راہیں دیں اور اپنے قریب آنے والوں کو یہ احساس دیا کہ پارس صرف پتھر کا نام نہیں، انسانوں میں بھی ایسی شخصیات ہوتی ہیں جو اپنی صحبت و قربت سے دوسرے انسانوں کو سونا بنا دیتی ہیں۔ یاور مہدی ایسے ہی "کیمیا گر" ہیں۔

یاور مہدی

سید ظہور مہدی
(سابق رکن ادبی کمیٹی، آرٹس کونسل آف پاکستان)

قیام پاکستان کے بعد ریڈیو پاکستان نے برصغیر کے شہرت یافتہ ماہر علوم و فنون جیسے ڈائرکٹر کی سربراہی اور حفیظ ہوشیار پوری اور بدر عالم ریجنل ڈائرکٹرز کے عہد تک ترقی کے جو مراحل طے کیے اور ملک و قوم کی جو خدمات انجام دیں، وہ ہماری تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہیں۔ ریڈیو پاکستان کا جب بھی تذکرہ آتا ہے، یاور مہدی کا نام بھی بے ساختہ زبان پر آجاتا ہے جو ان کی اس محکمے سے تمام عمر گہری وابستگی اور مخلصانہ خدمات کی روشن دلیل ہے۔

جناب یاور مہدی نے ریڈیو پاکستان، کراچی میں پروگرام آرگنائزر کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی کا آغاز کیا تھا اور ترقی کے منازل طے کر کے اب وہ ڈپٹی کنٹرولر کے عہدے سے ریٹائر ہو رہے ہیں۔ ان کا شمار ان باصلاحیت و باکمال اشخاص میں ہوتا ہے جو اپنی خداداد صلاحیتوں کے سبب شہرت کے حامل ہوئے ہیں۔

میں جناب یاور مہدی سے یوں تو زمانۂ طالب علمی ہی سے واقف تھا جب وہ ضلع فیض آباد یو۔پی کے شہر اکبر پور کے قصبے ٹانڈے میں ہائی اسکول کے طالب علم تھے، لیکن قیام پاکستان کے بعد اردو کالج میں مجھے اپنی علمی و ادبی سرگرمیوں کے دوران طلبا پروگراموں کے سلسلے میں اکثر و بیشتر ان کی صلاحیتوں کو دیکھنے کا موقع ملتا رہا۔ جب "یونی ورسٹی میگزین" پروگرام میں مجھے طلبا سرگرمیوں کو براڈکاسٹ کرنے کا موقع دیا گیا، اس وقت جناب یاور مہدی ہی اس پروگرام کے پروڈیوسر ہوا کرتے تھے۔

۱۹۶۵ء میں جب بھارت نے پاکستان پر اچانک حملہ کیا، اس وقت عوام میں جذبۂ حریت بیدار کرنے، جنگی محاذوں پر افواج پاکستان کا حوصلہ بڑھانے کے لیے جناب یاور مہدی شب و روز جدوجہد میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اس وقت جناب ظفر حسین ریجنل ڈائرکٹر تھے۔ ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والوں کے جذبات و احساسات اور نوجوان طلبا و طالبات سے ہمہ وقت رابطہ رکھنا اور پروگرام براڈکاسٹ کرنے میں جناب یاور مہدی پیش پیش تھے۔ اس وقت ریڈیو ہی نشریات کا ایک موثر ذریعہ تھا اور ٹی۔وی اپنے ابتدائی مراحل میں تھا۔ طالب علموں، دانش وروں، علمائے کرام، شاعروں اور فن کاروں نے اپنی اپنی خدمات پیش کرکے جذبۂ حب الوطنی اور قومی اتحاد و اخوت کا جو مظاہرہ کیا، وہ قابل رشک تھا۔

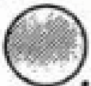

شمیم اختر

(ریڈیو آرٹسٹ، کمپیئر، نعت خواں، گلوکارہ)

یاور مہدی صاحب کو میں کافی عرصے سے جانتی ہوں۔ ریڈیو پر یاور صاحب نے مجھے متعارف کرایا۔ میری فن کارانہ صلاحیتوں کو جب بھی سراہا جائے گا، اس کے ساتھ ہی یاور مہدی صاحب کا نام ضرور شامل ہوگا۔ اس اعتبار سے یہ میرے محسن ہیں جن کی میں ہمیشہ شکرگزار رہوں گی۔ میرے بارے میں ان کا خیال ہے کہ یہ مجھے چاہتے ہیں، لیکن مجھے ان کی اس بات پر سو فی صد یقین نہیں ہے، مگر پھر بھی میں ان سے متاثر ضرور ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان اور شاید بیرون ملک (کیونکہ میں بیرون ملک گئی نہیں) کا بھی ہر تیسرا شخص ان کو جانتا ہے، لوگوں میں بہت مقبول اور اتنے ہی کامیاب بھی ہیں۔ ان کی مقبولیت وہ بھی نیک نامی کے ساتھ ہے جو بہت بڑی بات ہے۔ میں حیران تھی کہ یاور مہدی صاحب جو دیکھنے میں

کچھ نہیں لگتے، آخر لوگ ان کو اتنا کیوں پوجتے ہیں۔ یہ ایک ایسا راز ہے جو میں ابھی تک نہیں سمجھ سکی۔

ان کی شخصیت میں ان کے مزاج کا بڑا دخل ہے۔ بڑی سے بڑی بات ہو جائے، ان کا مزاج ہمیشہ یکساں رہتا ہے۔ مزاج میں یکسانیت، ٹھہراؤ اور گہرائی بہت زیادہ ہے۔ کبھی کبھار غصے میں تیز آواز نکل جائے تو نکل جائے ورنہ ہمیشہ مسکراتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ایک ہی مخصوص لہجہ رہتا ہے۔ کام کے معاملے میں کبھی کمپرومائز نہیں کرتے، ہر کام بروقت اور درست طریقے سے کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں سے کام لینے کا سلیقہ بھی انھیں آتا ہے۔ کون کیا کام کر سکتا ہے اور کس سے کیا کام لینا ہے، یہ بہت اچھی طرح جج کر لیتے ہیں۔ ان کی تحفتہً دی ہوئی بہت ساری کتابیں میرے پاس محفوظ ہیں۔ علم دوست انسان ہیں، خود بھی مطالعہ کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی مطالعے کی تلقین کرتے ہیں۔ جب کبھی میں اپنی جدوجہد سے تھک جاتی تو ان سے پوچھتی، "میں آرٹسٹ کب بنوں گی؟ میری شناخت کب ہوگی؟" ان کا جواب یہی ہوتا، "یاور مہدی ایک دن میں نہیں بنا۔ جو لوگ تیز دوڑتے ہیں، وہ ہمیشہ اوندھے منھ گرتے ہیں۔ کامیابی کی منزل پر ہمیشہ ایک ایک سیڑھی قدم رکھنا چاہیے، ایسے شخص کی کامیابی یقینی ہوتی ہے۔" ان کی یہی بات میرے لیے آئندہ جدوجہد کا حوصلہ بن جاتی۔ ان کی جو بات مجھے بہت اچھی لگتی ہے، وہ یہ ہے کہ کبھی کسی کی برائی نہیں کرتے، اچھی بات کو سراہتے ہیں، پیٹھ پیچھے بھی لوگوں کی تعریف کرتے ہیں، چھوٹے بڑے، امیر غریب، سب کا احترام اور عزت کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ ان کے کسی ماتحت کی بیٹی کی شادی تھی، کسی وجہ سے خود نہیں جا سکے لیکن مبارک باد کے لفافے کے ساتھ اس کو تحفہ ضرور بھیجا۔ یہ بات مجھے اس لیے معلوم ہے کہ وہ تحفہ میرے ہاتھ بھیجا تھا۔

عثمان خان اور یاور مہدی صاحب اکثر ایک ساتھ کھانا کھاتے تھے، غذا بھی

ہلکی پھلکی کھاتے ہیں ۔ پتلی چپاتیاں ، سبزی ، بیسن کی روٹی ، کریلے اور کینو ان کی پسندیدہ غذائیں ہیں ۔ اس سے بھی ان کی مزاج کی سادگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ، ویسے تقریبات کے کھانے الگ زمرے میں آتے ہیں ۔ یوں تو ان کے اردگرد بیٹھنے والوں کا ایک جم غفیر ہے اور یہ سب کو دوست کہتے ہیں ، لیکن چند لوگوں سے میں نے انھیں بہت پیار سے بات کرتے دیکھا ہے جن میں عثمان خان ، شاعر اختر لکھنوی مرحوم ، پروفیسر حسن عسکری فاطمی وغیرہ شامل ہیں ۔

خواتین کا بہت احترام کرتے ہیں ، شائستہ اور پسندیدہ لوگوں کو اپنے قریب رکھتے ہیں ، ناپسندیدہ لوگوں کو بھی برداشت کرلیتے ہیں ۔ ایک اور خاص عادت یہ ہے کہ یاور مہدی صاحب اپنے وسیع حلقۂ احباب میں ہر جگہ جاتے ہیں ، لیکن اپنی سواری کبھی استعمال نہیں کرتے ، ہمیشہ دوستوں کی استعمال کرتے ہیں اور اپنی اس ادا پر بہت خوش بھی ہوتے ہیں ۔

کام کرنے کا جذبہ بہت زیادہ ہے ۔ یاور مہدی صاحب کے ذکر کے ساتھ اگر آرٹس کونسل کو الگ کردیا جائے تو ان کی شخصیت ادھوری رہ جائے گی ۔ آرٹس کونسل کے تقریباً ہر شعبے میں یہ نمایاں ہیں ۔ ادبی حلقوں اور تقریبات میں پیش پیش ہیں ، بہت زیادہ کام کرتے ہیں ، صلے کی توقع نہیں کرتے اور بااصول ہیں ۔ کام ، زندگی ، دوستی ، میل ملاپ ، سب کے لیے ان کے اصول وضع ہیں ۔ گھر ، دفتر ، سماجی تقریبات اور لاتعداد دوستوں کے ساتھ میل جول یہ سب ایک ساتھ چلاتے ہیں ، لیکن ان کے اصول ایسے ہیں کہ گھر ، دفتر اور سماجی وابستگی کے کسی امور میں کوئی بھی ذمے داری کسی دوسری ذمے داری سے نہیں ٹکراتی اور نہ متاثر ہوتی ہے ۔ کئی مرتبہ کام کی زیادتی کی وجہ سے بیمار بھی ہوئے اور ہسپتال داخل ہونے کی نوبت آئی لیکن ان کی نیکیاں اور چاہنے والوں کی دعائیں ہمیشہ ان کے کام آئیں ۔

یاور صاحب ایک ایسے انسان ہیں کہ بلاوجہ ، بلاجواز ان سے ملنے ، ان سے

محبت کرنے کو دل چاہتا ہے، سب کے لیے نیک خواہشات رکھنے والے اور بے ضرر انسان ہیں۔ یاور صاحب کی بہت ساری باتیں ہیں جو اس محدود وقت میں نہیں لکھی جاسکتیں، ان شاءاللہ میں کسی دوسرے موقع پر ضرور لکھوں گی۔ مجموعی طور پر یاور صاحب ایک پر کشش شخصیت کے مالک انسان ہیں۔

یاور...... میرا دوست

حریم احسن

کروڑوں افراد پر مشتمل آبادی میں ایک ایسے شخص کی ستائش، ایک ایسے شخص کی عزت و محبت میں عوام کا گرفتار ہو جانا جو نہ تو کوئی ایکٹر ہے اور نہ پروڈیوسر تو پھر دلوں کو تسخیر کرنا بھلا کیسے ممکن ہوا۔

اگر دل دولت سے خریدے جاتے ہیں تو یہ یاور مہدی کی دسترس سے باہر کی بات ہے۔ ریڈیو پاکستان کی ملازمت کرنے والا جیب سے ہمیشہ مفلس ہوتا ہے۔ اس کی تنخواہ کا کچھ حصہ تو ریڈیو اسٹیشن میں موجود کینٹین والے لے جاتے ہیں، کچھ گھر والوں کو نذرانہ جاتا ہے، باقی بچتی ہے بے چاری خالی جیب۔ میڈیا میں کام کرنے والوں کی خالی جیب اکثر کٹنے سے محفوظ رہتی ہے۔ البتہ دوستوں کی کثیر تعداد کو دیکھتے ہوئے کبھی کبھی یہ گمان ہوتا ہے کہ یاور صاحب ریڈیو کینٹین کی چائے میں آبا و اجداد سے ملی پر خلوص جادو گری گھول دیا کرتے ہوں گے جس کے نشے میں سرشار لوگ بار بار کھنچے آتے ہیں۔ میں ایسے شخص کی معصومیت پر کیا کہوں جو مجھ کو اپنی خطاؤں میں بھی بھلا ہی لگے۔

یاور مہدی بی۔ بی۔ سی کا ایک عہد ہے جو ریٹائر ہو رہا ہے۔ شہر کراچی کے

بیشتر خواندہ افراد اور "بزم طلبا" کے شرکا جو وطن اور بیرون وطن نہ معلوم کہاں کہاں آباد ہیں، اپنے دلوں میں جس بے لوث شخص کی شبیہہ بہت احترام و عقیدت کے ساتھ لیے پھرتے ہیں، اس کا نام یاور مہدی ہے اور لگتا ہے کہ لوگوں کے ذہن سے یاور صاحب کا نام کبھی ریٹائر نہیں ہوگا۔

ہم نے سنا ہے جن کے دوستوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے ، ان کے دشمنوں کی فہرست بھی کم طویل نہیں ہوتی ، مگر ہم جانتے ہیں کہ ۱۹۷۱ء سے ۱۹۹۸ء تک کے لتنے سارے برسوں کے لتنے سارے موسموں کے لتنے سارے دنوں میں کوئی ایک دشمن تو کجا، دشمن نما بھی ہمیں نظر نہیں آیا۔ آج کے اس زر پرست زمانے میں اس ایک فرد کے حصے میں محبتوں کے خزانے اسے کروڑ پتی ، ارب پتی یا کھرب پتی تو نہ بنا سکے ، مگر وہ اپنی اس کمائی پر مسرور و شاداں ہے ، کیونکہ وہ شخص یہی چاہتا تھا ۔ دلوں کو جیتنے کا فن جاننے والے یاور مہدی کا لقب ہے "یاور بھائی"۔ یہ لقب انھیں اس دور میں مل گیا تھا جب بھائی کے معنی دوست ، ہمدرد و مسیحا کے زمرے میں آتے تھے۔

یاور صاحب کے "بھائی" کہلانے بلکہ "جگت بھائی" کہلائے جانے پر ایک بار پروفیسر انجم اعظمی مرحوم نے فرمایا تھا: "جب یاور مہدی اس دارفانی سے کوچ کر کے جنت میں منتقل ہو رہے ہوں گے تو قدم لینے حوران جنت کا غول یہ کہتا ہوا بڑھے گا ، 'لوا یاور بھائی آگئے'" ۔

یاور صاحب کے ریڈیو کے اس سفر میں ان کے ہم سفروں میں شعرا ، دانش ور، سیاست دان، موسیقار، گلوکار، ٹیکنیشنز کے علاوہ خوب صورت خواتین اور خوب صورت ذہنوں، کی مالک خواتین اور طفل مکتب کا بھی ہجوم رہا، اکیلے تو یہ کبھی رہے ہی نہیں۔

یاور صاحب مذاق کو ، مزاح کو ، علم کو اور حلم کو تو شیئر کرتے ہیں مگر اپنے

مسائل، اپنے دکھ، اپنا کرب اور اپنی پریشانیوں کو اپنی ذات تک محدود رکھتے ہیں۔ شاید کوئی بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ یاور صاحب کے نجی معاملات و حالات سے اتنا باخبر ہے جتنا کہ ایک دوست کا حق ہوتا ہے۔ شاید ہی کوئی جان پایا ہو کہ بظاہر اپنی ذات میں انجمن صفت اس فرد کے اندر کبھی کبھی تنہائی کا ایسا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے جس کی آواز روح تک کو جھنجوڑنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ ایسے میں ایک درد کو آگیا ان پر پیار، اس نے کیا دل پر وار، کرلیا انھیں اپنا گرفتار، آئی جب خبر بذریعے اغیار، یاور ہیں بہت بیمار، تو فکر و تحیر کی ہوئی یلغار، کیونکہ ہم سمجھتے تھے کہ دل یاور، تو ہے سمندر پار، خیر، پوچھا مزاج دل بیمار، ہنس کر کہا "ٹھیک ہے، یار!" آرٹس کونسل کا تھا دربار، تھی محفل دوستاں پروقار، کرب کے بظاہر نہیں تھے کچھ آثار، دل مگر کہہ رہا تھا کچھ ہر بار، نہ سمجھ پائے دل کی چیخ و پکار، اور یوں ہو گئے تھے کچھ بیمار دن جو اب رہ گئے ہیں پورے چار، دو ہمارے ہیں اور دو ہیں نذرِ یار۔

یاور صاحب جو آج سفید ریش، باوقار شخصیت کے مالک ہیں، کبھی کالی، گھنگھریالی زلفوں کے مالک تھے، ایک موٹی سی لٹ ماتھے کی دائیں جانب سرکش رہتی، بظاہر یہ اس سے بے نیاز ہوتے، مگر جب بھی آنکھیں چار ہوتیں تو شوخی تبسم بر سر گفتار ہوتا۔

یاور صاحب کو ہم نے ریڈیو پر صبح سے رات کرتے دیکھا۔ پروگرام کی تیاری میں انھیں یوں منہمک پاتے گویا ریڈیو پروگرام نہ ہوا بدصورت دلہن کا سنگھار ہوا۔ کوئی بھی چیلنج یاور صاحب کے لیے فوری قابل قبول ہو جاتا ہے۔ ہزاروں ہی ایسے لوگ جن کی مائکروفون اور قلم سے دور کی بھی صاحب سلامت نہ تھی، یاور صاحب نے انھیں یوں رواں کیا گویا دو دھاری تلوار۔

یاور صاحب کو اگر بے تاج کا بادشاہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ وہ جانتے ہیں کہ حکم کو کس طرح اتنا شیریں کر دیا جائے کہ اگلے کے پاس قبول کرنے کے سوا اور

کوئی چارہ نہ ہو۔ یہ تو واضح ہے ہی کہ ان کی P.R مشرق، مغرب، شمال، جنوب، ہر شعبہ ہائے زندگی سے ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے یاور صاحب کے پاس ایک ایسی Yellow Book بھی ہے جس کی ترتیب خود ان کی ہے۔ ہر مسئلے کے حل کے لیے ایک نمبر۔ بات کرنے کا ڈھنگ تو کوئی ان سے سیکھے، حالانکہ بات کرنے میں نہ تو موتی جھڑتے ہیں نہ پھولوں کی بارش ہوتی ہے، احکامات کو جاری کرتے ہوئے نہ رویے میں سختی نہ آواز میں کرختگی، نہ لہجے میں گونج نہ الفاظ کے چناؤ میں کوئی خاص تگ و دو۔ بہت صاف، سیدھے الفاظ و انداز میں کہتے ہیں، "جاؤ! یہ کام کر دو اور اتنی دیر میں یہ کام کر کے آجانا"۔ اور کسی وقت کوئی دشواری پیش آجائے تو مختلف فون نمبر دے کر کہتے، "ان پر اس وقت سے اس وقت تک رابطہ کر لینا"۔

بہت پہلے ہمارے گھر فون نہیں تھا اور یاور صاحب براہ راست حکم صادر نہیں کر پاتے۔ ان کا انداز یہ ہوتا کہ ریڈیو کی ایک کھڑکھڑاتی کار لیے ایک بزرگ ڈرائیور تشریف لاتے اور دروازے پر دستک دیتے۔ ایک مڑا ہوا بے لفافے کا پرچہ ہمارے ہاتھ میں تھما کر کہتے کہ ہم گاڑی میں انتظار کر رہے ہیں۔ اس پرچے پر کچھ یوں درج ہوتا: "حریم! ایک پروگرام ابھی ریکارڈ کرنا ہے، سب تیار ہے، فوراً آجائیں"۔ اس کے بعد ہماری انا پسند طبیعت پر کہیں گراں نہ گزرے کے اندیشے میں اپنے نام سے پہلے یوں لکھتے: "احقر..... یاور"۔

بہت پہلے تو یاور صاحب کا یہ وتیرہ تھا کہ خواہ وہ کتنی ہی حسین و دل کش صنفِ نازک کیوں نہ ہوں، وہ بہت صبر و تحمل سے تعارف کا انتظار کرتے۔ تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں، اس لیے لوگوں کو یہ پتا ہوتا کہ کسی میں کشش محسوس کر کے بہانے بہانے سے دوسروں کے دفتر میں آیا کرتے اور پندار کے بھرم میں یہ بھی ظاہر کرتے کہ وہ صرف دفتر کے ضروری کام سے یہاں آئے ہیں اور بس۔ ویسے انھیں اس وقت کا انتظار بھی رہتا کہ مبادا حسینہ خود ان سے گفتگو شروع

کر دے ۔ اگر ایسا ہو جاتا تو یاور صاحب کی فتح مندانہ مسکراہٹ چھلک پڑتی اور اس طرح یاور بھائی کہنے والے اکثر "والی" کا اضافہ ہو جاتا۔

اکثر احباب نشریات یاور صاحب کی مقناطیسیت سے اپنی سکھیوں سہیلیوں کو بچائے رکھنے میں رسم تعارف کو مہینوں تک بھی ٹال دیتے ۔ خود ہمارا تعارف یاور صاحب سے کوئی پچاس، ساٹھ دنوں تک نہیں ہوا تھا اور جب تعارف ہوا تو ہم سے یہ بھی کہا گیا کہ "بی بی! ان سے بچ کر رہیے گا" ۔ اچھا ہوا ہم نے فیصلے کا اختیار کسی کو نہیں دیا ہوا ہے۔ ویسے یاور صاحب کم گو واقع ہوئے ہیں ، مگر اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ حسن اور ہر ایک کے کام کی تعریف ضرور کرتے ہیں ۔ مثلاً ہر ایک کے رنگین ملبوسات ، خوشبو، جوڑے میں لگے پھول اور آرائش حسن کے جواب میں کہتے ہیں، "اچھی لگ رہی ہو" ۔ آج بھی شخصیت کی مقناطیسیت کا وہی عالم ہے کہ لوگ کمرے میں درانہ جاتے ہیں اور پھر باہر کی دنیا کو گویا بھول جاتے ہیں ۔ اکثر اوقات یاور صاحب جب گھر جاتے یا ریڈیو اسٹیشن سے نکلتے تو اپنے ساتھ کمرے میں موجود کارواں کو لے کر چلتے جس میں مختلف طبقۂ فکر اور مختلف عمر کے مرد، خواتین، لڑکیاں، لڑکے، سبھی ہوتے ۔

کوئی اچھا فقرہ ، کوئی تازہ چٹکلا، کوئی اچھا مصرع سماعت سے ٹکرائے تو یاور صاحب اپنی فائلوں سے سر اٹھا کر داد ضرور دیتے ہیں۔ شعر فہمی اور ادب نوازی تو گویا ان کے مزاج کا حصہ ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ اتنے مجلسی نہ ہوتے ۔ ان کے دو لوگ ! ان کی آواز لوگ ! ان کی خوشی لوگ ! ان کی ہنسی لوگ ! لوگوں کی ترقی پر شاداں ، لوگوں کی وفات پر پرساں ، لوگوں کے کام آنے پر انتہائی فرحاں۔

اچھا ہوا کہ یاور صاحب کوئی جاگیردار، نواب، رئیس یا دولت مند نہیں ہیں کیونکہ اس شخص کو لٹانے کی عادت ہے وصف و وقت کو جو دوسروں پر قربان کرتا ہے، بھلا تخت کو کیسے بچا سکتا تھا!

یاور صاحب کبھی قسمت کا گلہ نہیں کرتے، وقت کی ستم ظریفی کا رونا ان کا شیوہ نہیں ۔ نہ افسران کی شکایت ان سے سنی، نہ کبھی ہم نے سنا کہ فلاں وجہ سے پریشان ہوں ۔ کسی ماتحت سے یہ نہیں سنا کہ یاور صاحب زیادتی کرجاتے ہیں ۔ اگر کبھی کسی سے سنا تو تعریف سنی، جب بھی دیکھا تو لوگوں سے مخلص پایا ۔ یہ جامعے اوصاف قابلِ ستائش نہیں تو اور کیا ہیں؟ مگر سرکاری اداروں میں ایسے کردار کے مالک کے لیے نہ کوئی اعزازی سرٹیفکیٹ ہوتا ہے نہ کوئی شیلڈ، نہ انعام و اکرام..... البتہ ایسے لوگوں کو جب بھی دیکھنے کا موقع مل جائے، یعنی ملاقات ہو جائے تو ذہن اتنی ساری خوبیوں کو فوری تسلیم نہیں کرتا بلکہ تنقیدی معائنے کا عمل شروع ہو جاتا ہے ۔

ریڈیو کا سفر ہم نے سابقہ مشرقی پاکستان سے شروع کیا تھا ۔ پاکستان کے علاوہ مختلف ممالک میں بھی ریڈیو اور ٹی ۔ وی کے حوالے سے بہت سارے لوگوں نے ہمیں دوست کے درجے پر فائز کیا ۔ ان کا خیال ہے کہ ہم اپنے ناظرین و سامعین کے مزاج کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں.... شاید سچ ہے.... مگر یاور صاحب! ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ اس طویل مسافت میں گو پچھلے پندرہ سالوں سے آپ کا، ہمارا رابطہ نہ ہونے کے برابر رہا، مگر ہم نے جہاں آپ کو چھوڑا تھا اور جہاں آپ سے آج پھر ملے ہیں تو پتا چلا کہ آپ کو دوست کہہ کر ہم نے کوئی غلطی نہیں کی تھی ۔ کل آپ کو دوست جانتے تھے، آج آپ کو دوست مانتے ہیں اور اسی رشتے سے ایک شکایت کر رہے ہیں کہ آپ نے ایک ماہر پروڈیوسر، بہترین منتظم اور دیانت دار افسر کا نعم البدل اس ادارے کو نہیں دیا ۔ کبھی کبھی لگتا ہے کہ ایسا دانستہ ہوا ہے۔ اس میں آپ کی کوششوں کو دخل ہے ۔ آپ اپنی کوششوں میں اس لیے بھی کامیاب ہو گئے کہ آپ ایک اچھے پلانر بھی ہیں ۔

یاور صاحب! آپ سے درخواست ہے کہ اپنی طویل ریڈیائی مسافت کو اپنی

عمرِ رفتہ کے ساتھ آواز دیجیے گا اور اپنے تجربات کا آئینہ آنے والوں کے لیے بہم پہنچایئے گا تاکہ آپ کو اس الزام سے بری کر دیا جائے کہ آپ نے اپنا جانشین نہیں چھوڑا۔

اپنی سوانح حیات و تجزیات و تجربات یا مشاہدات پر مبنی کتاب جب شائع ہو تو ہمیں کینیڈا روانہ کرنا نہ بھولیے گا۔

کنیز فاطمہ

قائد اعظم کا مقولہ کام، کام اور صرف کام اگر کسی پر صادق آتا ہے تو وہ یاور مہدی ہیں۔ یاور صاحب کو میں ۱۹۸۰ء کے دسمبر سے جانتی ہوں۔ مجھے ہوم سروس میں یاور صاحب ہی لائے تھے، اس سے پہلے میں ورلڈ سروس پر مختلف پروگرام کیا کرتی تھی۔ یاور صاحب سے بہت کچھ سیکھا، چونکہ میں ریڈیو پر نووارد تھی اس لیے زیادہ کچھ نہیں آتا تھا۔ طالب علمی کا دور تھا، تھوڑی لاپروا بھی تھی، لیکن یاور صاحب کی یہ خوبی ہے کہ وہ خود تو ذمے داری سے کام کرتے ہیں مگر دوسروں سے بھی کام لینا جانتے ہیں، لہٰذا ہم نے بھی ۸۱ء سے ۸۲ء تک "شہر نامہ" خوش اسلوبی کے ساتھ کیا۔

یاور صاحب اس قدر اپنائیت سے سب کے ساتھ پیش آتے ہیں کہ ہر شخص انھیں اپنا سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ مجھے یاور صاحب اپنوں سے بھی زیادہ پیارے اور دنیا میں سب سے زیادہ اپنے لگتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ریڈیو کو شادی کے بعد خیرباد کہنے کے بعد بھی میں نے ان تیرہ سالوں میں یاور صاحب سے ملنا جلنا نہیں چھوڑا۔ میں اس معاملے میں اپنے آپ کو لکی سمجھتی ہوں کہ نہ صرف یاور مہدی، بلکہ ان کی بیگم نے بھی مجھے بھرپور پیار دیا۔

یاور صاحب بھرپور شخصیت کے حامل ہیں۔ ان کی شخصیت کے سحر سے کوئی بھی اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔ جو لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں، وہ بھی ان کی

خوبیوں کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں ۔ ان کی مخالفت کی ایک وجہ تو ضرورت سے زیادہ خواتین کا ان پر اعتماد ہے ، اور صنفِ نازک تو چیز ہی ایسی ہیں کہ ہر شخص ان کی توجہ کا طالب ہوتا ہے ۔ یاور صاحب اس سلسلے میں کچھ زیادہ ہی قسمت کے دھنی نظر آتے ہیں ، یہ اور بات ہے کہ زیادہ تر خواتین انھیں "یاور بھائی" کہتی نظر آتی ہیں ۔ شاید اس دنیا میں دو یا تین خواتین ہیں جو یاور صاحب کو "یاور بھائی" کہہ کر مخاطب نہیں کرتیں جن میں سے ایک میں بھی ہوں ۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ عمر کے اتنے فرق کے باوجود وہ ہمیشہ ایک اچھے دوست کی طرح رہے ، دوسرے میں ان پر بھرپور بلکہ اندھا اعتماد کرتی ہوں اور اپنی ذاتی پرابلم بھی ان سے discuss کرتی ہوں اور وہ ہمیشہ مجھے اچھے مشوروں سے نوازتے ہیں ۔ یاور صاحب جہاں اچھے دوستوں کی طرح پیش آتے ہیں ، اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے کام کے وقت اچھے سے اچھے دوست کو بھی پہچاننے سے انکار کر دیتے ہیں ، لہٰذا اپنے ریڈیو کے دور میں ہم نے بھی یاور صاحب کی بہت ڈانٹیں سنیں ۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم غلطی کر کے کبھی یاور صاحب سے آنکھ نہیں ملاتے تھے ۔ ان کی ڈانٹیں انسان کو سونے سے کندن بنانے کا کام کرتی ہیں ، اور یاور صاحب کو یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ انھوں نے بہت سے ذروں کو آفتاب بنایا ہے ۔

یاور مہدی ایک ایسی شخصیت ہیں جو دلوں پر راج کرنا جانتی ہے ۔ انھوں نے اپنی تمام زندگی ریڈیو کو اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا اور اپنی پوری زندگی کے سنہرے دن ریڈیو کی نذر کر دیے ۔ کراچی اسٹیشن کا نام آتے ہی یاور صاحب کا خیال دل میں ضرور آتا ہے ۔ یہ ان کی رات دن کی محنت کا پھل ہے جو لوگ انھیں اپنے دل سے نہیں نکال سکتے ۔ ہمیں تو اب رات دن یہی فکر کھائے جا رہی ہے کہ یوں رات دن مصروف رہنے والا شخص جب فارغ ہوگا تو کیا ہوگا ۔ خدا کرے اس فارغ وقت میں سے کچھ وقت وہ ہمارے لیے بھی نکال پائیں ، آمین !

یاور مہدی صاحب کے بارے میں مختلف شخصیات کے تاثرات

راحت کاظمی

یاور مہدی صاحب ایک سلجھے ہوئے ذہن کے بہت ہی پیارے انسان ہیں۔ ریڈیو کے حوالے سے ان کا نام انتہائی معتبر ہے۔ میری خوش نصیبی کہ ان سے پرانی شناسائی بھی ہے۔ میں نے انھیں بطورِ انسان بھی بہت ہی مخلص پایا۔ محبت اور احترام سے ملنا ان کا شیوہ ہے۔ ہر طبقۂ فکر کے لوگوں میں یاور صاحب گھل مل جاتے ہیں، یہی ان کی عظمت کا ثبوت ہے۔ آرٹس کونسل کی سرگرمیوں میں جس لگن اور محنت سے یاور مہدی صاحب کام کرتے ہیں، وہ واقعی قابلِ قدر ہے۔

حفیظ فاطمہ

یاور مہدی صاحب کے بارے میں کچھ کہنا بذاتِ خود ایک اعزاز ہے۔ کسی اچھے انسان کے لیے کچھ کہنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اظہارِ خیال کرنے والے نے اس شخصیت کی نشست و برخاست کا بغور مطالعہ کیا ہے اور بہت کچھ حاصل، مشاہدہ کیا ہے۔

میں نے اپنی فنی زندگی کا آغاز ریڈیو پاکستان، کراچی سے کیا۔ یہیں مجھے یاور مہدی صاحب سے شرفِ ملاقات نصیب ہوا۔ یاور صاحب کی شخصیت ہمہ صفت

ہے ۔ان کی شخصیت کے کس کس پہلو کو اجاگر کیا جائے ۔ یاور صاحب خود اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں ۔ یاور صاحب بیک وقت استاد بھی ہیں ، دوست بھی ۔ وہ ایک بااخلاق انسان ہیں ، دوسروں کی عزت کرنا جانتے ہیں ، اپنی ذات سے ہر ایک کے کام آنا اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں ۔ یاور صاحب کی محفل میں بیٹھ کر آپ کبھی اپنے آپ کو تنہا اور غمگین نہیں سمجھ سکتے ۔ ایسا لگتا ہے کہ یاور صاحب کے پاس ہر مسئلے کا حل اور ہر دکھ کا علاج موجود ہے ۔

مجھے جب بھی یاور صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا تو میں نے دیکھا کہ یاور صاحب اپنے فرائض منصبی بھی مہارت سے ادا کر رہے ہیں اور اس دوران اپنے نیازمندوں کو بھی بھرپور توجہ دے رہے ہیں جو ایک اعلیٰ اخلاق کے حامل انسان کی صفت کو ظاہر کرتا ہے ۔

مجھے یاور صاحب کی جس خوبی نے سب سے زیادہ متاثر کیا ، وہ ان کی انصاف پسندی ہے ۔ جو اخلاق اور محبت وہ اپنے educated staff کے ساتھ روا رکھتے ہیں ، وہی انداز ان کا اپنے lower staff کے ساتھ بھی ہوتا ہے ۔ یاور صاحب انسان کی عزت کرنا جانتے ہیں ۔ اور میری نظر میں قابل احترام اور بڑا انسان وہی ہے جو انسان کو انسان سمجھے ، اور اس وصف سے اللہ تعالیٰ نے یاور مہدی صاحب کو خوب خوب نوازا ہے ۔

یاور انکل اور میں

سروش چغتائی

شیکسپیئر کے کہنے کے مطابق یہ دنیا ایک اسٹیج ہے اور ہم ، آپ اس کے کردار اس ناتے زندگی میں ہزاروں کرداروں سے ملاقات ہوتی ہے .... کچھ کردار ذہن کے

پردے سے محو ہو جاتے ہیں اور کچھ کرداروں کے عکس اتنے جان دار ہوتے ہیں کہ ان کے اثرات آپ کی زندگی پر بھی پڑتے ہیں.... یاور مہدی بھی ایک ایسا ہی جیتا جاگتا، پراثر کردار ہیں۔

محترم یاور مہدی صاحب کو میں "یاور انکل" کہتی ہوں اور یقیناً یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میرا ان سے یہ رشتہ ہے کہ یوں بھی ہمارے بڑے ہمارے لیے راہ نما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یاور انکل کو میں عرصہ اٹھارہ سال سے جانتی ہوں جب میں نے ریڈیو کی دنیا میں قدم رکھا۔ میرے والد وجد چغتائی ریڈیو پر سینئر پروڈیوسر کے عہدے پر فائز تھے اور ساتھ ہی ایک قدآور ادبی شخصیت بھی۔ یاور انکل ان کے ہر میدان کے ساتھی تھے۔ میں نے ہمیشہ ابا جان کے منھ سے ان کا نام ایک قریبی دوست کی حیثیت سے انتہائی بے تکلفانہ انداز میں سنا۔ وہ ایک دوسرے پر جملے بازی کرتے مجھے ہمیشہ اچھے لگے۔ یہ اور بات ہے کہ ابا جان کی طرح یاور انکل بھی انتہائی سادہ اور مشفق مزاج کے مالک ہیں ساتھ ہی کم گو بھی، مگر حالات پر گہری نظر ان دونوں کی ایک اور یکساں صفت تھی۔

جب میں نے ۱۹۷۹ء میں ریڈیو کی دنیا میں قدم رکھا تو ہر طرف یاور انکل کا مختلف نام پایا۔ کوئی انھیں یاور بھائی کہتا، کوئی یاور صاحب، مگر کوئی کچھ کہے، کسی بھی نام سے پکارے، وہ سب کے دوست تھے۔ مجھے بھی خوش نصیبی سے ان کی راہ نمائی ہمیشہ حاصل رہی۔ وہ انتہائی بے تکلفانہ مگر مہذب اور مختصر الفاظ میں ہماری غلطیوں کی نشان دہی کرتے اور چپکے سے صحیح راستہ بھی بتا دیتے۔ آج بھی شہر کراچی کا کوئی بھی مکین جو کچھ کر گزرنے کی لگن رکھتا ہو، ان کی راہ نمائی سے محروم نہیں۔ ان کی سب سے بڑی صفت ان کی شخصیت میں اپنائیت کا عنصر ہے۔ سامنے والے کی عمر کچھ بھی ہو، وہ ہر ایک کے دوست، ہر ایک کے ہمدرد اور ہر ایک کے راہ نما ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ یہ سرپرستی حاصل کرنے والے خوش نصیبوں میں میرا شمار بھی ہے۔

صاف ستھرا یاور مہدی جس کا ظاہر اور باطن ایک ہے

عائشہ خان

(ریڈیو، ٹی۔وی کی معروف فن کارہ)

زندگی میں اکا دکا ہی لوگ ملتے ہیں جنھیں بے اختیار "بھائی" کہنے کو جی چاہتا ہے۔ ان میں سے ایک یاور بھائی ہیں.... دھیمے، نفیس اور شریف النفس۔

۱۹۶۲ء کا سال تھا۔ "بزمِ طلبا" شروع ہو چکا تھا۔ ہم سبھی نوعمر تھے۔ ریڈیو اسٹیشن پر برگد کے پیڑ کے نیچے ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اجلا اجلا، اونچا لمبا، صاف ستھرا یاور مہدی۔ پیڑ کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ریڈیو اسٹیشن کے کمروں میں برگد کی خصوصیات رکھنے والا ایک نوجوان نشوونما پا رہا ہے جس کی چھاؤں سے معلوم نہیں کتنے لوگ آرام، فائدہ اور کامیابی حاصل کریں گے۔

یاور بھائی نے فون پر بتایا، "میں ریٹائر ہو رہا ہوں"۔ بے اختیار میرے منھ سے نکلا، "مبارک ہو! آزادی ملی۔ اب آپ دوسروں کے کام آنے کے لیے آزاد ہوں گے، وقت آپ کا اپنا ہوگا"۔

ٹی۔وی کے نامور اداکار جناب جمشید انصاری نے کہا

(رپورٹ: محمود حسن)

یاور بھائی سب کے یاور بھائی ہیں۔ میں نے بھی ان کے کئی پروگراموں میں حصہ لیا ہے۔ ان کے سمجھانے کا انداز بہت لطیف اور نرم ہوتا ہے، مگر وہ اصول اور قانون کے سخت پابند ہیں۔ کسی بھی پروگرام میں جیسی ان کی خواہش ہوتی ہے، وہ

بالکل اسی طرح پروگرام کرتے ہیں ۔ وہ اپنے پروگرام میں کسی کا مشورہ یا رائے ہرگز قبول نہیں کرتے اور وہ اس میں ۱۰۰ فی صد کامیاب رہتے ہیں ۔

میں بطور انسان بھی یاور بھائی کو خوب جانتا ہوں ، بڑے ہمدرد اور نیک آدمی ہیں ، کبھی کسی کی دل شکنی نہیں کرتے ۔ نئے لوگوں کو روشناس کرانا تو ان کی کمزوری ہے ۔ یاور مہدی نے جتنے نئے لوگوں کو روشناس کرایا ہے ، وہ اپنی مثال آپ ہیں ۔ حیرت ہے کہ ریڈیو اور ٹی ۔ وی سمیت فلم کی دنیا میں بھی کئی نام ور چہرے یاور بھائی کے لائے ہوئے ہیں ، مگر یاور بھائی اپنی زبان سے کبھی نہیں کہتے ، بلکہ آرٹسٹ خود ہی مختلف مواقع پر یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ پہلی بار مجھے یاور بھائی نے ریڈیو پر موقع دیا تھا ۔

ثانی نہیں رکھتے

عامرہ شاہد

ہیرے کی تعریف اس سے بڑھ کر کیا ہو گی کہ وہ ہیرا ہے ۔ یاور بھائی کے بارے میں اس سے زیادہ کیا کہوں کہ وہ یاور بھائی ہیں ۔ میرا تعلق ادب سے ہونے کی وجہ سے یاور بھائی سے رہا ۔ میں نے ان کو ایک مہربان اور شفیق استاد کے روپ میں پایا ۔ ان سے میں نے بہت کچھ سیکھا اور ابھی تک سیکھ رہی ہوں ۔

یاور بھائی نایاب تھے ، نایاب ہیں اور نایاب رہیں گے اس کوہ نور کی مانند جو تمام دنیا کے لیے اپنی چمک دمک میں ثانی نہیں رکھتا ۔

بنام یاور مہدی

ثمینہ کمال

یاور مہدی ایک ایسی ہمہ گیر شخصیت ہیں جن کے بارے میں میرا کچھ کہنا ایسا ہی ہے جیسے سمندر کو کوزے میں بند کرنا، لیکن کچھ کہنا بھی ضروری ہے۔

یاور مہدی ریڈیو پاکستان کے حوالے سے ڈپٹی کنٹرولر ہیں اور "بزمِ طلبا" جیسے پروگرام کے بانی ہیں۔ یہ وہ پروگرام ہے کہ جس سے بہت سے طلبا و طالبات نے فیض حاصل کیا اور جن میں کل کے بہت سے طلبا و طالبات آج کے مشہور فن کاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ریڈیو کے بہت سے فن کار بنانے میں بھی یاور مہدی کا ہاتھ ہے۔

یاور مہدی کا سماجی حلقہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کے لیے کئی صفحات درکار ہیں۔ آرٹس کونسل کی سرگرمیوں کے علاوہ جن میں یاور مہدی کی کاوشوں کا بہت عمل دخل ہے، ایک اور بات یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ آرٹس کونسل کا "خبرنامہ" جو چند وجوہات کی بنا پر بند ہو گیا تھا، اس کو دوبارہ شروع کرنے کا سہرا بھی یاور مہدی کے سر جاتا ہے۔ یاور صاحب ہی اس کے مکمل طور پر مدیرِ مسئول ہیں۔

اور بہت سی شخصیات کی طرح جن کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں لکھا گیا اور نہ کوئی تحقیقی کام ہوا ہے کہ جن سے آنے والی نسلیں مستفید ہو سکیں، ان میں یاور مہدی کا نام بھی شامل ہے۔ ہمیں ان کے تجربے اور علم سے فائدہ اٹھانا چاہیے، کیونکہ وہ اپنی ذات میں ایک ادارہ ہیں، لیکن یہ ہماری اور آنے والی نسلوں کی بد قسمتی ہے کہ ہم ایسے لوگوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

کلاسیکل سنگر اور میوزک ڈائرکٹر جناب استاد محمد افضل خان نے کہا

میں نے یاور مہدی کو ہمیشہ ایک نیک اور اچھا انسان پایا ۔ میں نے اور گلبہار بانو نے ان کے بے شمار پروگرام کیے ۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ مجھے پہلی بار پروڈیوسر عرفان علی صاحب نے ملایا تھا اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہا ۔ یاور بھائی اتنے اچھے انسان ہیں کہ ہمیشہ چھوٹے سے چھوٹے آرٹسٹ کے لیے بھی بھلائی کا کام سوچتے رہتے ہیں ۔ ریڈیو میں جن ہنرمندوں کو آٹھ سو روپے ملتے تھے ، انھیں یاور بھائی کے طفیل تین ہزار روپے ملتے ہیں ۔ ہمیشہ چھوٹے بڑے لوگوں کے لیے وہ خاص طور پر اسلام آباد فون کرکے تمام مسائل حل کرواتے ہیں ۔ یہ ان کا بڑا احسان ہے ۔ ریڈیو پر ان کا اتنا احسان ہے کہ ہم لوگ ہمیشہ ان کے احسان تلے دبے رہیں گے ۔

وہ ذاتی زندگی میں بھی بے حد نفیس اور ہمدرد قسم کے آدمی ہیں ۔ ان کا اگر کوئی دشمن بھی ہوگا تو وہ یقیناً ان کی تعریف ہی کرے گا ۔ میں ذاتی طور پر یاور بھائی کا مداح ہوں اور گلبہار بانو بھی ان کی پرستار ہے ۔ یاور بھائی نے ریڈیو اور آرٹس کونسل کے حوالے سے اتنے زیادہ کام کیے ہیں کہ جس کا تصور بھی محال ہے ۔

اربابِ فلم اور اسپورٹس

maablib.org

maablib.org

فلم اسٹار جناب محمد علی نے کہا

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس! تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

میری اور اس کی بات کچھ ایسی ہی ہے۔ میں نے اسے قریب سے بہت کم دیکھا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو جتنی دور ہوں، اتنے نمایاں نظر آتے ہیں، وہ کچھ ایسا ہی ہے۔ میں جب بھی اس سے ملا ہوں، وہ مجھے ایک نیا آدمی لگا ہے..... کبھی ایک معما، کبھی کھلی کتاب..... کبھی دوسروں کے لیے پریشان، کبھی اپنی ذات پر خنداں..... کبھی آنسو، کبھی مسکان۔

اس نے ریڈیو کی ملازمت کو کیوں اور کن حالات میں منتخب کیا، اندر کی بات تو نہیں معلوم مگر:

عشق نہ کرتے تم سے تو کیا کرتے ہم مرجانے کو

بدنامی کا کوئی بہانہ تو چاہیے تھا، سو اس نے ریڈیو کو چن لیا۔ آپ اسے یوں سمجھیں کہ حقیقت کا ادراک بہت سے لوگوں کو ہوتا ہے، بہت کم ان میں سے اس ادراک پر اپنے محسوسات میں دوسروں کو شریک کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ان کی جبلت ہوتی ہے یا فطری مجبوری کہہ لیجیے کہ وہ اظہار کے بغیر ادھورے ہوتے ہیں۔ اس کام کے لیے ابلاغ کی ضرورت پڑتی ہے جس کا ایک ذریعہ اخبار ہے، مگر وہ تجارت سے قریب اور انداز میں عامیانہ ہوتا ہے۔ اس سے لوگوں کو مطلع کیا جا سکتا ہے، محسوس نہیں کرایا جا سکتا۔ کسی بات کو محسوس کرانے کے لیے جس ناوک انداز بیان کو اختیار کرنا ہوتا ہے، اخبار کا کینوس اس وسعت کو برداشت نہیں کر پاتا، جبکہ ریڈیو ان تمام نزاکتوں کے ساتھ ابلاغ کا یہ اہم کام کر لیتا ہے۔ اس میں شعر، ڈراما، متنوع

موضوعات پر تبصرے، ہر سطح کے موضوع کو اختیار سے زیادہ پیش کرنے والے کے نقطۂ نظر کی وضاحت کے ساتھ سامع تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس نے ریڈیو کی ملازمت کر لی اور ابتدائی مراحل کے بعد اس کی ہر تخلیق پر اس کے ادراک کی چھاپ واضح ہوتی گئی۔ اس کے پروگرام کی کاسٹ پر اس کے لب و لہجہ، ادائیگی کے توازن اور جذبات کی معنویت نمایاں محسوس ہونے لگی۔

اب سنا ہے وہ ریڈیو بھی چھوڑ رہا ہے، اور اظہار کا ایک اور ذریعہ آرٹس کونسل کی شکل میں اسے مل گیا ہے۔ اللہ مبارک کرے! دعا ہے اس کی کج ادائی ویسے ہی قائم رہے جیسے ریڈیو پر تھی۔

ممتاز فلمی اداکار جناب مصطفیٰ قریشی نے کہا

میرے پرانے ساتھیوں اور دوستوں میں جناب یاور مہدی کا بھی نام آتا ہے۔ وہ بڑے ہنس مکھ، ملنسار، معاملہ فہم اور انسان دوست آدمی ہیں، کیونکہ میں انھیں ذاتی طور پر جانتا ہوں اور ان سے بہت قریب بھی رہا ہوں۔ میں ہی نہیں بلکہ میرے بہت سے فلمی ساتھیوں نے بھی یاور صاحب کی قربت میں کام کیا ہے، ان سے سیکھا ہے جن میں غلام محی الدین، ندیم، محمد علی اور منور سعید جیسے ممتاز ترین اداکار شامل ہیں۔ میری اہلیہ روبینہ بھی یاور صاحب کا بے حد احترام کرتی ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ جب ریڈیو کی تاریخ لکھی جائے گی تو یاور صاحب کا نام بھی اس میں بہت نمایاں ہوگا، کیونکہ ریڈیو کی ترقی میں اور خاص طور پر کراچی اسٹیشن کی ترقی میں انھوں نے بہت ہی عظیم کارنامے انجام دیے ہیں۔ مجھے یاور صاحب کے جو

چند پروگرام یاد آرہے ہیں، ان میں بزم طلبا، کسٹم کے قوانین، شہر نامہ، یونی ورسٹی میگزین جیسے پروگرام شامل ہیں۔ادبی حوالوں سے بھی انھوں نے خاصا کام کیا ہے۔

ریڈیو کے حوالے سے میں بہت کچھ یاور صاحب کے بارے میں لکھ سکتا ہوں مگر آرٹس کونسل کے حوالے سے مجھے اپنے کراچی کے دوست اور صحافی اور چھوٹے بھائی محمود حسن سے پتا چلا کہ یاور صاحب آرٹس کونسل کے ادبی و ثقافتی پروگرام کرانے میں پیش پیش رہتے ہیں۔میرے خیال میں یہ ان کی بہت اچھی کوشش ہے اور وہ اس میں بھی کامیاب رہیں گے۔

فلمی دنیا کے ہردل عزیز اداکار جناب ندیم نے کہا

یاور مہدی صاحب ریڈیو کی دنیا کے ایک انتہائی نام ور اور ہر دل عزیز پروڈیوسر ہیں۔جس طرح ریڈیو میں مرحوم زیڈ۔اے۔بخاری صاحب اور آغا ناصر صاحب کو اچھے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے، اسی طرح یاور مہدی صاحب کو بھی اچھے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی عمر طویل کرے کہ وہ ریڈیو سے رخصت ہونے کے بعد بھی ریڈیو کی خدمت کرتے رہیں۔

میں ان خوش نصیب لوگوں میں ہوں کہ میں یاور مہدی صاحب کے پروگراموں میں حصہ لے چکا ہوں۔جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ریڈیو میں کلام اقبال بھی گایا تھا جس کے پروڈیوسر یاور مہدی صاحب تھے۔

۱۹۶۷ء میں، میں نے فلمی صنعت جوائن کرلی، پھر مجھے اتنا وقت ہی نہیں مل سکا کہ ریڈیو میں گانا گاؤں۔ہاں! ریڈیو کو اب بھی like کرتا ہوں۔

ماضی کی اداکارہ، حال کی کامیاب ہدایت کارہ محترمہ شمیم آرا نے کہا

(رپورٹ: محمود حسن)

مجھے یاد پڑتا ہے کہ مرحوم فضل کریم فضلی اور زیڈ۔ اے۔ بخاری مرحوم اور سعید ہارون مرحوم کے ساتھ مختلف تقریبات میں میری یاور مہدی صاحب سے ملاقاتیں ہوئیں۔ پھر اسد جعفری مرحوم نے میری ملاقات، یعنی تفصیلی ملاقات یاور صاحب سے کروائی اور کئی انٹرویوز گاہے بگاہے کیے۔ اس دوران میں نے یاور مہدی صاحب کو ایک ذہین اور اچھا پروڈیوسر محسوس کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے بے حد ترقی کی۔

"بزم طلبا" پروگرام مجھے اچھی طرح یاد ہے جسے میں سنا کرتی تھی۔ پھر بعد میں میری فلمی مصروفیات اتنی زیادہ ہو گئیں کہ ریڈیو کم کم سننے کا موقع ملا۔ میرے بہت سے فلمی ساتھی جو اب بہت ہی سینئر ہیں، وہ سب بہت ادب و احترام سے یاور صاحب کا نام لیتے ہیں۔ یہ ایک بڑے اور عظیم انسان کی پہچان ہے۔

میں یہ دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ یاور مہدی صاحب کو ریڈیو کے بعد والے عرصے میں ہمیشہ خوش و خرم رکھے، کیونکہ یہاں پاکستان میں ملازمت سے فارغ ہونے والا شخص احساس کم تری کا شکار ہو جاتا ہے، بہت سے دوست بچھڑ جاتے ہیں۔

یاور مہدی کی یادوں کی مہک آج بھی تازہ ہے

منور سعید

یہ مبالغہ آرائی نہ ہوگی کہ میرے دورِ جوانی میں اگر کسی پڑھے لکھے نوجوان کو ریڈیو پاکستان، کراچی کا صحیح پتا معلوم نہ ہو اور اسے صرف اتنا بتا دیا گیا ہو کہ وہ جگہ

جہاں سید یاور مہدی بیٹھتے ہیں تو وہ یقیناً سیدھا ریڈیو پاکستان، کراچی پہنچ گیا ہوگا۔

ریڈیو کے حوالے سے یاور بھائی سے واقف تھا۔ قربت کا شرف اس وقت حاصل ہوا جب طلبا کے اسٹیج ڈرامے "راز داں اپنا" میں کام کیا۔ یہ ڈراما "فلیٹ کلب" کے اسٹیج سے براہِ راست ریڈیو سے نشر ہوا۔ اس ڈرامے کی ہدایات ابراہیم نفیس کی تھیں اور پروڈیوسر یاور مہدی تھے۔ اس ڈرامے کو تقریباً تیس، پینتیس سال گزر چکے ہیں، لیکن یہ کل کی ہی بات لگتی ہے۔ یہ تازگی میری یادداشت کی نہیں بلکہ یاور بھائی کی شخصیت کی ہے کہ ان کی یادوں کی مہک آج بھی تازہ ہے۔

یاور بھائی کی ریڈیو سے وابستگی ایک عہد تھا جو ان کی ریٹائرمنٹ کے ساتھ ختم ہو رہا ہے، لیکن آواز کی دنیا سے تعلق رکھنے والے ان کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

فلمی اداکار جناب غلام محی الدین نے کہا

(رپورٹ: محمود حسن)

اس دنیائے پر آشوب میں اچھے لوگوں کی تعداد تو خاصی ہوگی مگر بہت اچھے لوگ کم کم نظر آئیں گے۔ میں یاور بھائی کو بہت اچھے لوگوں کی فہرست میں پہلا نمبر دیتا ہوں، کیونکہ وہ فن و تمثیل کی رنگین دنیا میں رہتے ہوئے بھی بہت نیک نام ہیں اور ان کا دامن بالکل شفاف ہے۔ نئے فن کاروں، اداکاروں، گلوکاروں، شاعروں کو آگے بڑھانے میں جتنا کام یاور مہدی صاحب نے کیا ہے، اتنا کام بہت کم لوگ

کرتے ہیں ۔ جس طرح اچھے کام ٹی ۔ وی میں جناب اسلم اظہر اور جناب آغا ناصر نے کیے ہیں ، اسی طرح ریڈیو میں یاور صاحب نے بہت ہی اچھے کام کیے ہیں ۔ نئے نئے پروگرام پیش کیے ہیں ۔ ان کے لائے ہوئے بہت سے فن کار آج ٹی ۔ وی اور فلم میں نمایاں مقام رکھتے ہیں ۔ میں خود بھی یاور صاحب کے پروگراموں میں شرکت کر چکا ہوں ۔

بہت عرصے سے یاور صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی جس کا بہت افسوس ہے ۔ اگر یاور صاحب نے اپنے اعزاز میں ہونے والے پروگرام میں مدعو کیا تو ضرور آؤں گا ۔ میں اس موقع پر جناب اویس احمد انصاری اور جناب محمود حسن کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھے یاور صاحب کے بارے میں تاثرات لکھنے کے قابل سمجھا ۔ یاور صاحب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ نئے فن کاروں کی حوصلہ افزائی اس طرح کرتے ہیں جس طرح باپ اپنے بچوں کو تربیت دیتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کا ہر فن کار و شاعر یاور صاحب سے بہت محبت کرتا ہے ۔ میں بھی ان کا ایک مداح ہوں ۔

پاکستان کے ممتاز و صاحب طرز مزاحیہ اداکار جناب **لہری** نے کہا

یاور مہدی صاحب کو دیکھا تو کم کم ہے مگر سنا بہت زیادہ ہے ، وجہ صاف ظاہر ہے کہ یہ ہیں ہی سننے سنانے والے شعبے سے ۔ سچی بات یہ ہے کہ یاور مہدی صاحب بہت نیک اور نفیس طبیعت کے مالک ہیں ، کیونکہ میں ان سے کئی بار ملاقات بھی کر چکا ہوں ۔ ابھی چند روز پہلے میرے عزیز دوست اور چھوٹے بھائی نوجوان شاعر اور صحافی محمود حسن نے ٹیلی فون پر یاور مہدی صاحب سے بات کروا دی ۔ محمود میاں ایسی حرکتیں اکثر کرتے رہتے ہیں ۔

مجھے یاور صاحب سے یہ معلوم ہوا کہ وہ ۱۴ جولائی ۱۹۹۸ء کو ریڈیو پاکستان سے ریٹائر ہو رہے ہیں۔ مجھے بڑا دکھ ہوا کہ اتنا خوب صورت کام کرنے والا اتنی جلدی ریٹائر ہو رہا ہے۔ میرے خیال میں شوبزنس کی دنیا کے لوگوں کو اس وقت تک کام کرنا چاہیے جب تک کہ ان میں کام کرنے کی ہمت ہو، سکت ہو۔ ریڈیو، ٹی۔وی، فلم اور اسٹیج کی شخصیات میں جتنا طویل تجربہ ہوگا، اتنا ہی معیاری کام سامنے آئے گا، مگر سرکاری محکمے کی پالیسی یہی ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یاور مہدی صاحب کو طویل عمر دے اور ہمیشہ خوش رکھے۔ آمین!

بیگم سلمیٰ وحید مراد

محترم یاور مہدی کا نام ریڈیو کے حوالے سے کئی سالوں سے سنتے آئے ہیں۔ فن تمثیل، یعنی ریڈیو اور فن کی دنیا میں جتنی شہرت اور عزت یاور صاحب کو ملی ہے، وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ میں نے بہت سے لوگوں سے یاور صاحب کی تعریف سنی ہے، جبکہ یہ مجھے پتا ہے کہ ٹی۔وی اور ریڈیو کے بڑے بڑے لوگوں کو انھوں نے ریڈیو سے روشناس کیا ہے جو بڑے اعزاز کی بات ہے۔

میں آرٹس کونسل میں کئی بار یاور صاحب سے مل چکی ہوں، بہت نفیس اور لائق انسان ہیں۔ آرٹس کونسل کے حوالے سے بھی انھوں نے بہت کام کیے ہیں، مگر ان کی ایمان داری دیکھیے کہ وہ کبھی ریڈیو کے اوقات میں آرٹس کونسل نہیں آئے۔ وہ آرٹس کونسل کی سرگرمیوں کو پارٹ ٹائم کے طور پر کرتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ میرے مرحوم شوہر وحید مراد صاحب بھی گاہے بگاہے ریڈیو

کے پروگراموں میں شریک ہوتے تھے اور اسد جعفری انھیں مدعو کرتے تھے، مگر غالباً ان پروگراموں کے انچارج یاور مہدی صاحب تھے۔

اللہ تعالیٰ یاور صاحب کی عمر دراز کرے! میری دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔

ریڈیو، ٹی۔وی اور فلم کی اداکارہ محترمہ طلعت صدیقی نے کہا

یاور مہدی صاحب کو کون نہیں جانتا! میں سمجھتی ہوں کہ ٹی۔وی اور ریڈیو کا ہر آدمی یاور صاحب سے واقف ہے اور ہر آدمی ان کی صلاحیتوں کو بھی مانتا ہے۔ ایک زمانہ ہوا کرتا تھا جب ریڈیو پر مسرور انور، سہیل رعنا اور یاور صاحب سے ہماری خوب دوستی تھی۔ ریڈیو کے لیے بھی میں نے بہت کام کیا ہے۔

ریڈیو میں نت نئے پروگرام کرنا یاور صاحب کی عادت تھی اور اب بھی ہے۔ وہ نئے نئے پروگرام بناتے ہیں اور ان پر فوراً عمل کرتے ہیں، اس طرح نیا جوہر بھی سامنے آجاتا ہے۔ ریڈیو کے حوالے سے جتنے نئے لوگ یاور صاحب نے آگے بڑھائے ہیں، اس کی مثال نہیں ملتی۔ جب مجھے عزیزی محمود حسن نے لاہور فون کیا تو میں یاور صاحب کا نام سن کر خوش ہوئی اور میں نے فوری طور پر اپنے تاثرات یاور صاحب کے بارے میں لکھوائے۔ یہاں لاہور میں بھی ان کے چاہنے والوں کی بھاری تعداد موجود ہے۔

ریڈیو کے علاوہ ذاتی زندگی میں بھی یاور صاحب اچھے ساتھی، اچھے دوست ہیں۔ وہ ایسے انسان ہیں جو زندگی بھر اچھے اوصاف کی وجہ سے یاد رہیں گے۔ حالانکہ مدت بیت گئی ان سے ملاقات ہوئے، مگر وہ اکثر یاد آتے ہیں۔ خدا کرے وہ صحت یاب رہیں، خوش رہیں!

میرا دوست، میرا محسن، میرا استاد..... یاور مہدی

منیر حسین

آج سے تقریباً چالیس سال پہلے کی بات ہے۔ کراچی کرکٹ ایسوسی ایشن اپنے سکرٹری محمد عیسیٰ جعفر (مرحوم) کا بحیثیت سکرٹری دس سالہ جشن منارہی تھی۔ میرے دفتر میں جشن کمیٹی کی میٹنگ ہورہی تھی کہ ریڈیو پاکستان کے سینئر اناؤنسر عبدالحکیم، جنھیں میں ادب اور پیار سے انکل کہتا تھا، دفتر میں داخل ہوئے۔ میز پر ہر طرف کارڈ ہی کارڈ پھیلے ہوئے تھے۔ انھیں دیکھ کر کہنے لگے، "بھئی ماشا اللہ! کس کی شادی ہورہی ہے؟" میں نے ایک کارڈ اٹھا کر ان کا نام لکھ کر انھیں یہ کہتے ہوئے دیا "انکل! یہ شادی کا نہیں، عیسیٰ جعفر صاحب کے دس سالہ جشن کا دعوت نامہ ہے۔ آپ اسپورٹس کی اس تقریب میں ضرور شرکت کیجیے گا"۔ انکل نے کارڈ بغور پڑھا اور کہنے لگے، "اگر آپ کہیں تو آپ کے اس جشن کی کارروائی ریڈیو پر نشر کرادوں؟" میں نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے کہا، "انکل! ایسا ہوسکتا ہے؟" انھوں نے کہا، "بالکل ہوسکتا ہے۔ آپ ایک کارڈ شہر نامہ پروگرام کے انچارج یاور مہدی صاحب کے نام لکھیے، ان شاءاللہ! آپ کا پروگرام ریڈیو پر ضرور نشر ہوگا"۔

تقریب شام کے ۵ بجے تھی، لیکن ہم لوگ ۳ بجے سے ہی ڈائس وغیرہ سجانے کے سلسلے میں ہوٹل میں موجود تھے۔ ۴ بجے انکل عبدالحکیم دو، تین افراد کے ساتھ تشریف لائے۔ ان کے ساتھیوں نے کچھ آلات وغیرہ اٹھا رکھے تھے۔ ان افراد میں چھریرے بدن اور گورے رنگ کا ایک نوجوان بھی تھا۔ انکل نے اس نوجوان سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا، "یہ لیجیے! جناب یاور مہدی آپ کی دعوت پر تقریب ریکارڈ

کرنے آگئے ہیں"۔ میں نے ان کی آمد کا شکریہ ادا کیا۔ یاور مہدی نے پوچھا، "مقرر کتنے ہیں اور پروگرام کتنی دیر کا ہے؟ ہمارا پروگرام شہر نامہ ۱۵ منٹ کا ہوتا ہے۔ ہم آپ کے پروگرام کی اہمیت کی وجہ سے آپ کو ۳۰ منٹ دیں گے۔ اتنا وقت عام طور پر ہم بہت کم تقریبات کو دیتے ہیں"۔ میں نے ایک بار پھر یاور مہدی کا شکریہ ادا کیا اور انھیں بتایا، "اس تقریب میں دس ملکوں کے سفیر آرہے ہیں، وہ بھی کچھ نہ کچھ بولیں گے۔ افتتاحی تقریر میری ہوگی اور اختتامی تقریر عینی جعفر صاحب کی ہوگی"۔ یاور مہدی نے کہا، "آپ کو یقین ہے کہ دس سفیر آجائیں گے؟" میں نے کہا، "ہم نے پندرہ ملکوں کے سفیروں کو دعوت دی تھی جن میں سے دس نے کنفرم کیا ہے، ان دس میں امریکا اور بھارت بھی شامل ہیں۔ یاور نے کہا، "ٹھیک ہے، ہم ریکارڈ تو سب کریں گے، بعد میں فیصلہ کریں گے کہ کون کون سی تقاریر نشر کریں"۔ اس کے بعد یاور مہدی نے معذرت کرتے ہوئے مجھ سے ایک انتہائی عجیب سوال کیا۔ کہنے لگے، "آج سے پیشتر آپ نے ریڈیو کے لیے کبھی کوئی پروگرام کیا ہے؟" میں نے کہا، "دہلی میں بچوں کے پروگرام کیے، ڈراموں میں کئی کردار ادا کیے ہیں"۔ یاور ہنستے ہوئے کہنے لگے، "ڈرامے اور تقریر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ میں بس یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی تقریر کے دوران اعتماد سے بولیے گا۔ اٹک اٹک کر تقریر نہ کیجیے گا، ورنہ ہمارے لیے اسے چلانا مشکل ہو جائے گا"۔ میرے براڈ کاسٹنگ کیریئر میں ایک ماہر کی جانب سے میرے لیے یہ پہلی ہدایت تھی جس پر میں چالیس سال سے کامیابی سے عمل کر رہا ہوں۔ اس لحاظ سے یاور مہدی اس شعبے میں میرے پہلے استاد ہیں۔

میری عادت ہے کہ میں تقریر ہمیشہ فی البدیہہ کرتا ہوں، کیونکہ لکھی ہوئی تقریر نہ میں اعتماد سے پڑھ سکتا ہوں اور نہ اس کی صحیح انداز سے ادائیگی کر سکتا ہوں۔ ۲۰ منٹ کی افتتاحی تقریر میں نے فی البدیہہ انداز میں کی جسے حاضرین نے بے حد پسند کیا۔ تقریب کے اختتام پر یاور مہدی میرے پاس آئے، مجھے تقریر پر مبارک باد دی

اور کہنے لگے، "ایک بات سچ سچ بتائیے، کیا آپ نے یہ تقریر پہلے سے رٹ لی تھی؟" میں نے کہا، "قطعاً نہیں! میں نے ہر چیز فی البدیہہ کہی ہے"۔ اس پر انھوں نے مجھے مبارک باد دیتے ہوئے کہا، "آپ ریڈیو اسٹیشن آئیے۔ ہم آپ سے کرکٹ میچوں میں تبصرہ کرائیں گے"۔

اسی رات یاور مہدی نے "شہر نامہ" میں ہماری تقریب کا آنکھوں دیکھا حال نشر کیا۔ حسبِ وعدہ ہماری تقریب کو ۱۰ منٹ دیے جن میں ۵ منٹ میری تقریر کو اور ۵ منٹ امریکی سفیر عیسیٰ جعفر اور برطانیہ کے سفیر کو دیے۔

دوسرے دن ریڈیو پاکستان جاکر میں نے یاور صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے میری ملاقات پروگرام منیجر عبدالرب شیخ صاحب سے کرائی۔ مجھے کسی بھی فرضی میچ پر تبصرہ کرنے کے لیے کہا گیا اور اسے ریکارڈ بھی کیا گیا۔ میرے استفسار پر یاور نے بتایا، "یہ ریکارڈنگ ہم ہیڈ کوارٹر بھیجیں گے تاکہ وہ بھی آپ کی آواز اور انداز سن لیں"۔

کچھ ہی دن بعد ۱۴ اگست یوم آزادی کا جشن تھا۔ یاور مہدی نے اس موقع پر مجھے بلوایا اور کہا، "مزارِ قائد سے آپ جشن کا آنکھوں دیکھا حال نشر کریں گے"۔ میرے لیے یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ فی البدیہہ بولنا تھا، اس لیے میں نے محنت اور اعتماد سے یہ آنکھوں دیکھا حال لوگوں کو سنایا۔ یاور نے اس موقع پر مجھے گلے لگا کر شاباش دی اور کہا، "یہ میری پیش گوئی ہے کہ آپ ایک دن بہت مشہور اور شہرت یافتہ براڈکاسٹر بنیں گے"۔ یاور مہدی جیسے ماہرِ فن سے اپنے متعلق ایسے ہمت افزا جملے سن کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ اس کے بعد یاور مہدی سے ملاقاتیں بڑھتی رہیں، دلوں میں محبتوں کی لہریں مسلسل موج زن رہیں جو آج بھی پوری جولانی پر ہیں۔

میری اور یاور مہدی کی رفاقتوں اور ان کی سرپرستی کی داستان اتنی طویل ہے کہ اس کے لیے ایک علیحدہ کتاب "میرا دوست.... یاور مہدی" کے عنوان سے شائع

کرنی پڑے گی۔ یاور مہدی کا ایک احسان مجھ پر اتنا بڑا ہے کہ میں اسے مرتے دم تک اتار نہیں سکتا۔ آج اللہ تعالیٰ نے مجھے اردو کرکٹ کمنٹری کے بانی کے اعزاز سے نوازا ہے۔ یہ اعزاز تاریخ کا ایک حصہ بن گیا ہے اور ان شاءاللہ! رہتی دنیا تک میرے نام سے منسوب رہے گا۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کا تمام تر کریڈٹ مجھے مل رہا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ناسپاسی اور احسان فراموشی ہوگی اگر میں اپنے اس کریڈٹ میں یاور مہدی کا نام شامل نہ کروں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ یاور مہدی ہی تھے جنھوں نے ریڈیو پاکستان، کراچی کے اسٹیشن ڈائرکٹر طاہر شاہ مرحوم کو اردو کرکٹ کمنٹری کا آغاز کرنے پر آمادہ کیا ورنہ مجھے تو وہ یہ کہہ کر انکار کر چکے تھے کہ "بھئی! نئی چیز ہے، پتا نہیں لوگ اسے پسند بھی کریں گے یا نہیں"۔

۱۹۶۷ء کا واقعہ ہے کہ کراچی سٹی کرکٹ ایسوسی ایشن کے تعاون سے ہم نے پہلا جنگ گولڈ کپ ٹورنامنٹ منعقد کرایا۔ سراج بخاری ٹورنامنٹ کے سکرٹری تھے۔ انھوں نے بڑی محنت سے ٹورنامنٹ کو فائنل کے مرحلے تک پہنچایا۔ ٹیسٹ میچوں کے دوران میں اردو میں کھیل پر تبصرہ تو پیش کیا ہی کرتا تھا، لیکن میری دلی خواہش تھی کہ کرکٹ میں اردو کمنٹری کو رائج کروں۔ جب ہاکی اور فٹ بال کی کمنٹری اردو میں ہو سکتی ہے تو کرکٹ کی کیوں نہیں ہو سکتی؟ فائنل میں کلفٹن جیم خانہ اور نیشنل اسپورٹس کی ٹیم تھی۔ دونوں طرف سے کم و بیش تیرہ ٹیسٹ کھلاڑی حصہ لے رہے تھے۔ میچ بختیاری یوتھ سنٹر پر کھلا جانے والا تھا۔ میرے دل میں اردو کرکٹ کمنٹری کی تمنا نے ایک بار پھر انگڑائی لی۔ میں نے یاور مہدی کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ انھوں نے ہمت افزائی کی اور کہا، "میں اسٹیشن ڈائرکٹر طاہر شاہ صاحب سے بات کروں گا"۔ یاور نے کہا، "چونکہ اردو کمنٹری نئی چیز ہے، شاید شاہ صاحب risk نہ لیں، لیکن آپ انھیں آمادہ کیجیے گا کہ وہ کم از کم مجھ سے مشورہ کرلیں"۔ میں نے جب طاہر شاہ صاحب کے سامنے اپنی تجویز پیش کی تو انھوں نے بھی

عذر پیش کیا کہ یہ بالکل نئی چیز ہے۔ اگر فیل ہو گئی تو ریڈیو پاکستان کا مذاق اڑے گا۔ میں نے کسی نہ کسی طرح بہرحال انھیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ کم از کم اپنے پروڈیوسر یاور مہدی کی رائے بھی لے لیں۔ شاہ صاحب نے یاور کو بلا کر پوچھا تو یاور نے کہا، "شاہ جی! اردو کمنٹری ہے تو نئی چیز لیکن میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ لوگ اسے پسند کریں گے، کیونکہ اردو کمنٹری سے کھیل ان کی سمجھ میں زیادہ بہتر طریقے سے آئے گا۔ میرا خیال ہے ہمیں تجربہ کرنا چاہیے میچ تین دن کا ہے، اگر لوگوں نے اردو کمنٹری پسند نہ کی تو بقایا دو دن کمنٹری انگریزی میں نشر کر دیں گے"۔ شاہ صاحب نے یاور مہدی کی یہ بات تسلیم کر لی، اس طرح جنگ گولڈ کپ کے فائنل کے ذریعے اردو کرکٹ کمنٹری کا آغاز ہوا۔ بختیاری یوتھ سنٹر پر ایک عارضی بوتھ بنایا گیا۔ یاور مہدی میرے ساتھ والی کرسی پر بیٹھے اور کہنے لگے، "دیکھیے! بالکل مت گھبرائیے گا۔ جس طرح آپ تبصرہ کرتے ہیں، اسی طرح آنکھوں دیکھا حال لوگوں کو بتائیے۔ آواز کے زیر و بم سے تھوڑی سی ڈرامے بازی اور excitement بھی پیدا کرتے رہیے"۔ اردو کمنٹری کے آغاز کو ابھی ایک گھنٹا بھی نہ ہوا تھا کہ ہاٹ لائن پر شاہ صاحب کا پیغام یاور کو ملا کہ لوگ کمنٹری پسند کر رہے ہیں، یہ تینوں دن ہو گی۔ یاور نے اس میچ میں ایک پروفیشنل پروڈیوسر کے ساتھ میرے استاد ہونے کے بھی فرائض ادا کیے وہ گاہے گاہے مجھے بتاتے رہے کہ "یہاں تیز بولو، دیکھو! رن آؤٹ ہو رہا ہے، excitement پیدا کرو۔ میدان سے باہر شائقین کا بھی ذکر کرو"۔ تو یہ تھا یاور مہدی کا تاریخی کارنامہ! میں آج بھی سوچتا ہوں کہ اگر اس دن یاور مہدی اسٹیشن ڈائرکٹر صاحب کو اپنی باتوں سے قائل نہ کر پاتے تو آج اردو کمنٹری کا نام و نشان تک نہ ہوتا، اسی لیے میں نے کہا ہے کہ اردو کرکٹ کمنٹری کے کریڈٹ میں یاور مہدی کا نام نمایاں ہے۔

ریڈیو پاکستان سے طویل رفاقت کے بعد یاور مہدی بھائی اب ریٹائر ہو رہے

ہیں ۔ ریٹائرمنٹ کا تصور ہی بہت سوہان روح ہوتا ہے ۔ آدمی تیس ، چالیس سال تک ایک ادارے سے وابستہ رہتا ہے ، اس کی عظمت اور شہرت کے لیے رات دن کام کرتا ہے ، لیکن ایک دن اچانک اسے پتا چلتا ہے کہ وہ ریٹائر ہونے والا ہے ۔ زندگی کا سارا شیڈول اپ سیٹ ہو جاتا ہے ۔ چالیس سال سے انسان جس ڈگر پر چل رہا ہوتا ہے ، وہ راستہ اچانک اختتام پذیر ہو جاتا ہے اور انسان حسرت و یاس کی تصویر بنا یہ سوچتا ہے کہ اب کیا کروں ، کہاں جاؤں ۔ لیکن یاور مہدی جیسی شخصیت کو حسرت و یاس کی تصویر نہیں بننا پڑے گا ، کیونکہ انھوں نے اپنی محنت ، لگن اور ہمت سے دوستوں کا ایسا حلقہ بنا رکھا ہے جو انھیں کبھی ناکام ، ناامید یا ٹنشن کا شکار نہ ہونے دے گا ۔

حرف آخر کے طور پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ یاور بھائی میرے استاد اور اپنی ذات میں خود ایک ادارہ اور ایک انجمن ہیں ۔ انھوں نے اپنی محبت اور نیک نیتی سے لوگوں کو فیض یاب کیا ہے ۔ ان شاءاللہ ! وہ جہاں بھی جائیں گے ، انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا ۔ میں ان کے ایک دوست اور ادنیٰ شاگرد کی حیثیت سے ان کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں خوش و خرم رکھے اور انھیں پاکستان کی ثقافت میں نمایاں کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین !

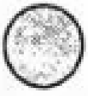

انوار احمد خاں

(تمغائے امتیاز... سابق اولمپیئن اور گولڈ میڈلسٹ ... سابق کھلاڑی اور منیجر ، پاکستان ہاکی ٹیم)

میرے لیے یہ بات انتہائی اعزاز کی ہے کہ میں یاور مہدی صاحب کو خراج تحسین پیش کروں جو اس سال جولائی میں ریڈیو پاکستان سے اعلیٰ درجے کے ، خصوصاً کھیلوں کے پروگرام نشر کرنے کے بعد ریٹائر ہو رہے ہیں ۔ وہ نہ صرف میرے

لیے بلکہ تمام کھلاڑیوں کے لیے ایک روشن ستارے کی مانند ہیں۔

میرے اور یاور مہدی صاحب کے تعلقات کی ابتدا ۱۹۷۰ء سے ہوئی ، اور اس دوران میں نے انھیں ایک دھیمے لہجے میں گفتگو کرنے والا ، شفیق ، کھیل اور کھلاڑی کے ہر مسئلے کو حل کرنے والا پایا۔

انھوں نے میرے ساتھ ہاکی کے فروغ و ترویج کے لیے بہت سے پروگرام تیار کیے ، ان پروگراموں میں پروفیسر حشمت اللہ لودھی ، جاوید قدوسی اور مرحوم مکرم علی شیروانی بھی شریک کار ہوتے تھے ۔ حال میں یاور مہدی صاحب نے ۱۹۲۸ء کے اولمپیئن فیروز خان پر ایک طویل عرصے تک یاد رہنے والا پروگرام تیار کیا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ ہاکی اور دوسرے کھیلوں کے لیے ان کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

میں آنے والے دنوں میں ، جو ریٹائرمنٹ کے بعد یاور مہدی صاحب گزاریں گے ، ان کے لیے خوش گوار اور پر مسرت دنوں کی توقعات رکھتا ہوں۔

سید اشرف علی

ڈرگ روڈ کے ارد گرد جو بستیاں آباد ہیں ، انھیں میں سے ایک سادات کالونی بھی ہے جو شاہ فیصل کالونی اور ڈرگ روڈ کینٹ بازار کے درمیان آباد ہے۔ یہ بستی ۱۹۵۰ء میں آباد ہوئی اور اس بستی میں تقریباً ہر فقہ کا ماننے والا آباد ہے ۔ اس بستی کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں کے رہنے والے ایک دوسرے کی خوشی و غمی میں شریک ہوتے ہیں جیسے کہ ایک خونی رشتے دار اپنے خونی رشتے دار کے یہاں شریک ہوتا ہے۔

ایک وقت تھا کہ اس بستی میں جھگیوں میں رہتے تھے، کنویں کا پانی پیتے تھے اور رات کو لالٹین جلایا کرتے تھے۔ بارشوں کے موسم میں ہم پر قیامت کا سماں ہوتا تھا۔ کچی اینٹوں کی دیواریں گر جاتی تھیں جس سے اکثر بچے دب کر مر بھی گئے ہیں۔ ان سارے مسائل کے باوجود اس وقت لوگوں میں بڑا خلوص تھا، بڑی محبت تھی اور چھوٹے بڑے کی تمیز تھی۔ اس گزرے ہوئے وقت کی اگر مجھے کبھی یاد آجاتی ہے تو آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔

سادات کالونی میں ہم تین آدمیوں کی دوستی ایسی تھی کہ لوگ ہمیں ایک ساتھ دیکھ کر رشک کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو! دوستی کرو تو اس طرح کہ جیسے اشرف، یاور اور انعام میں ہے۔ کچھ لوگ ہماری دوستی پر حسد بھی کرتے تھے۔ دھیرے دھیرے وقت گزرتا رہا اور ۱۹۶۳ء میں سادات ہاؤسنگ سوسائٹی بنائی گئی اور چیف کمشنر کراچی جناب اے۔ ٹی نقوی سے کہہ سن کر سوسائٹی کو زمین کا الاٹمنٹ دے دیا۔ اس طرح یہ دور افتادہ کچی بستی ایک کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی میں تبدیل ہو گئی، لیکن گورنمنٹ ملازمین ہونے کی وجہ سے اہلیانِ سادات کالونی کی تعمیر و ترقی میں ازحد سست رفتاری رہی۔

یاور مہدی صاحب کو اس بات کا کریڈٹ جاتا ہے کہ انھوں نے اس کی آبادی میں علمی و ادبی نشستوں کا نہ صرف انعقاد کیا بلکہ اس بستی میں راجا صاحب محمود آباد، جوش ملیح آبادی، زیڈ۔ اے۔ بخاری، شوکت تھانوی، آل رضا لکھنوی، نہال ردولوی، صبا اکبر آبادی، استاد قمر جلالوی، مولانا ماہر القادری، بہزاد لکھنوی، سید ناصر جہاں، مہدی ظہیر، ڈاکٹر احسن فاروقی، سراج الدین ظفر، کرار نوری، سید محمد جعفری، حامد لکھنوی جیسے قد آور دانش ور، شاعروں اور ادیبوں کو مدعو کیا جنھوں نے علم و آگہی کے چراغ روشن کیے۔ اس طرح یہ بستی دور و نزدیک میں پہچانی جانے لگی، یہی وجہ ہے کہ آج بھی اس بستی کو دوسری بستیوں پر علمی اور سماجی اعتبار سے

فوقیت حاصل ہے۔

اپنے تاثرات ختم کرنے سے قبل میں یہ بتا دوں کہ اگر یاور مہدی کچھ نہ کرتے تب بھی وہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے، کیونکہ انھوں نے اس بستی میں علم کے چراغ روشن کیے جس کی گواہی عباس سکنڈری اسکول دے گا جہاں ہزاروں طلبا و طالبات علم کی پیاس بجھا رہے ہیں ۔ یہ اسکول یاور مہدی، راغب نقوی اور محمد عسکری نقوی کی خدمات کا مرہون منت ہے۔

سید یاور مہدی

سردار خان

سید یاور مہدی بظاہر ایک شخصیت کا نام ہے، لیکن درحقیقت وہ ایک زریں عہد کا درجہ رکھتے ہیں ۔ ان کے عقیدت مندوں اور اکتساب فن کرنے والے روحانی شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے ۔ یاور مہدی نے بے غرض ہو کر، بے طلب ہو کر براڈکاسٹنگ کی، دنیا میں نوزائیدہ بچوں کو اپنی انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا ہے۔ انھیں اپنے متعارف کردہ باصلاحیت افراد کو ترقی کرتے دیکھ کر شاید اتنی ہی عجیب روحانی مسرت اور کیف محسوس ہوتا ہے جتنا کسی بچے کی ماں کو اس وقت ہوتا ہے جب وہ اماں اماں کرنا بولنا شروع کرتا ہے یا پھر لڑکھڑاتے چلنے کی پہلی کوشش کرتا ہے۔

یاور مہدی کو جیسا میں جانتا ہوں، میں نے انھیں ایک مہربان و شفیق دوست، بزرگ اور استاد پایا ۔ میں نے ۱۹۸۷ء میں ریڈیو کے پروگرام اسپورٹس راؤنڈاپ سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا ۔ ۱۹۹۰ء میں دماغ میں ہاکی کمنٹری کا سودا سر میں سمایا۔ اپنی خام خیالی کا تذکرہ جناب ابراہیم خان سے کیا ۔ وہ مجھے یاور مہدی کے پاس لے کر گئے ۔ یہ پہلی ملاقات تھی ۔ بڑی شفقت سے ملے، مجھ سے میرے آڈیشن کا

کیسٹ مانگا، لیکن چند روز بعد کہنے لگے ۔" اس وقت حالات مناسب نہیں ہیں، کچھ دن ٹھہر جاؤ"۔ میں سمجھا کہ سید صاحب ہاتھ دکھا کر ٹال گئے۔ تقریباً تین ماہ بعد مجھے ملے تو آڈیشن کیسٹ کا تقاضا کیا۔ میں نے آڈیشن دیا، وہ منظور ہو کر آگیا۔ کمنٹری کا آغاز ہوا لیکن شومیِ قسمت کہ ہاکی ٹیم کے ساتھ غیر ملکی دورے پر جانے کے لیے سفارش ضروری تھی ۔ میں پھر سید یاور مہدی کی خدمت میں حاضر ہوا اور بتایا کہ سفارش درکار ہے۔ کچھ سوچا اور پھر کہنے لگے کہ شام کو مرحوم اسد جعفری کی عیادت کو چلنا ہے۔ ہم گئے، مرحوم کے آخری دن تھے۔ مجھے علم نہ تھا کہ کیا ترکیب استعمال کریں گے ۔ دو دن کے بعد مجھے پھر کہا کہ آج پھر اسد جعفری کے پاس جائیں گے اور ان سے میرے موبائل پر وزیرِ اطلاعات مولانا کوثر نیازی مرحوم سے بات کی ۔ انھوں نے فوری طور پر میرے چیمپئن ٹرافی پر کمنٹری کے لیے ملائشیا جانے کے احکام صادر کیے۔

یہ محض چند واقعات ہیں۔ ایسے ہی بے شمار واقعات بے شمار افراد کے ساتھ پیش آئے ہیں۔ قصہ کوتاہ یہ کہ آج بندہ جس مقام پر ہے، اس عمارت کی ابتدائی بنیادوں میں یاور مہدی کے خلوص و محبت کا گارا شامل ہے۔ یاور مہدی کی کل کمائی، ہمہ جمع پونجی اور ان کی یادوں کا محور شاید ان کے وہ شاگرد ہیں جو آج اہم مقام پر ہیں۔

میں خدائے بزرگ و برتر کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے ہمت دی میری صلاحیتوں میں اضافہ کیا۔ آج میں ہاکی کمنٹری کے شعبے میں جس مقام پر ہوں، اس پر یقیناً سید یاور مہدی کو فخر ہو گا۔ تاریخ یاور مہدی کے شاگردوں کے ذریعے کارناموں کو اگرچہ آبِ زر سے رقم کرے گی، لیکن حق یہ ہے کہ یہ تاریخ پس پردہ یاور مہدی کے خونِ جگر سے رقم کی گئی ہے۔ آخر میں بطورِ عقیدت یہ شعر:

لفظ جب تک وضو نہیں کرتے
ہم تیری گفتگو نہیں کرتے

یاور مہدی

جاوید ایم۔ قدوسی

نکل پڑے تھے کہ چلتے رہنا ہی زندگی ہے

عروس البلاد "کراچی جشن کمیٹی" کے کنوینر اویس ادیب انصاری کا محبت نامہ موصول ہوا کہ ۱۹۸۰ء میں "جشن یاور" کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ یہ جان کر بے پناہ مسرت ہوئی۔ اس حوالے سے یاور کے متعلق تحریروں پر مشتمل ایک کتاب بھی شائع کی جارہی ہے۔ فی الحقیقت ایک اچھے دوست کو اس کی خوبیوں پر اس کی زندگی ہی میں خراج تحسین پیش کرنے کا اس سے بہتر موقع اور اس سے عمدہ طریقہ نہیں ہوسکتا۔ اس ناچیز پر بھی ایک ذمے داری ڈال دی گئی ہے۔ میں عرصے تک یہی سوچتا رہا کہ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں، بلکہ اگر یہ کہوں کہ کیا کیا نہ لکھوں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

اگر ایک اچھے دوست کے اجزائے ترکیبی پر غور کیا جائے تو محبت، خلوص، تعلق خاطر، نیک نیتی اور ہمدردی جیسے خواص ذہن میں ابھرتے ہیں۔ اگر ایک اچھی اور جامع شخصیت کو پیرہن دیا جائے تو سادگی، ایمان داری، اصول پسندی اور احساس ذمے داری جیسے اجزا سامنے آتے ہیں۔ اگر ہر دو کو یک جا کر دیا جائے تو یاور بالمقابل کھڑے نظر آتے ہیں:

آدمی شوق سے فارغ نہیں رہتا، گزارا
دھن کوئی زیست کے دوران لگی رہتی ہے

یاور ایک باعزم، باہمت، باصلاحیت اور متحرک شخصیت کا نام ہے۔ وہ کچھ نہ کچھ کرتے رہنے اور کچھ کر گزرنے کی دھن میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ خواہ ان کے فرائض منصبی، یعنی ریڈیو / براڈکاسٹنگ ہوں یا دیگر ادارے، آواز کا میدان ہو یا علمی میدان، ادبی میدان ہو یا کھیل کا میدان، محفل حمد و نعت ہو یا محفل مباحثہ، مشاعرہ ہو کہ مذاکرہ، اجتماع طلبائے قدیم ہو یا طلبائے موجودہ کی مجلس، سماجی کام ہو یا فن کی ترویج کی ذمے داری، کتابوں کی تعارفی تقریب ہو کہ اچھے چہروں کی رونمائی، استقبالیہ ہو یا الوداعیہ .... غرض یہ کہ ہر جگہ اور ہر موقع پر یاور نہ صرف موجود ہوں گے بلکہ عملی طور پر شریکِ کار نظر آئیں گے۔ ریڈیو اسٹیشن، آرٹس کونسل آف پاکستان، ابوذر غفاری ہاؤسنگ سوسائٹی پراجیکٹ اور کئی دیگر ادارے ان کی ان تھک محنت اور جاں فشانی کے گواہ ہیں۔ یہ سب کچھ جہاں ایک طرف ان کے ذوق و شوق اور دلچسپی کا غماز ہے تو دوسری طرف دوستوں کی نظر میں یاور کی عزت و توقیر اور ہر دل عزیزی کا بھی ضامن ہے۔ دوستی اور دوست نوازی کا سلسلہ صرف کراچی ہی تک محدود نہیں ہے، بلکہ اندرون و بیرون ملک کوی سے کڑی ملتی چلی جائے گی۔ بقول جالب:

جہاں بھی گئے ، داستاں چھوڑ آئے

یہ بات قابل صد رشک ہے کہ "بیماری دل" بھی یاور کو اپنے تمام تر معمولات کی بجاآوری میں ذرہ برابر بھی پیچھے نہ کر سکی اور وہ اسی طور ہر جگہ اور ہر محفل میں خوش و خرم، ہشاش بشاش اور فعال حیثیت میں نظر آتے ہیں۔ ربِ ذوالجلال والاکرام ان کے اس تعلق خاطر، ذوق و شوق، جذبے اور سرگرمیوں کو اسی طرح قائم و دائم رکھے، آمین!

یاور کی ہمہ جہت شخصیت کا اثر ان کے اہل خاندان پر بھی ہے جس کا احساس ان کے اہل خانہ، بھائی بہنوں اور اولاد سے مل کر ہوتا ہے۔ ان کی خوش نصیبی ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے نیک اور فرماں بردار اولاد سے نوازا جو ترقی کی راہوں پر گام زن ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کراچی اور ملک کے دیگر علاقوں میں ایک بڑی تعداد ایسے افراد کی ہے جن کو براڈکاسٹنگ کے شعبے سے یاور نے متعارف اور متعلق کرایا۔ مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ مجھ جیسا ادنیٰ شخص بھی اس فہرست میں شامل ہے۔ ابتدائی اور بنیادی طور پر یہ یاور ہی تھے جن کی رہ نمائی کچھ اس طور پر تھی کہ

کچھ سیکھ لو لفظوں کو برتنے کا قرینہ
اس شغل میں گزرا ہے بہت وقت ہمارا

بعد ازاں ایم۔ نقی اور عثمان خان کی ہمت افزائی سے مجھے کمنٹری کے شعبے میں آگے بڑھنے کا موقع ملا۔

دیگر پروگراموں میں جن کے روح رواں یاور ہی تھے، ان میں صرف مجھے بلکہ دیگر کرم فرماؤں اور دوستوں کو بھی جن میں پروفیسر حشمت اللہ لودھی، پروفیسر مکرم علی خان (مرحوم)، پروفیسر شوکت حسین، پروفیسر ایف۔ ایم نذیر، آفتاب افغانی، علی نواز، مظاہر باری (مرحوم)، ناہید سلطانہ، ہما سرور اور دیگر افراد شامل ہیں، ان کی معیت میں کام کرنے کا موقع ملا، وہ تھے: عالمی سروس، طبی معلومات، سائنسی معلومات، شہر نامہ، کھیلوں کی خبریں، کھیل کے میدان میں، دنیا کے عظیم کھلاڑی وغیرہ۔ یاور کا پہلا مقصد سامعین کے لیے بہت عمدہ اور کامیاب پروگرام ترتیب دینا ہوتا تھا، دوسرا مقصد دوستوں کا اجتماع، گفتگو اور معلومات کا تفصیلی مباحثہ اور تیسرا مقصد ہوتا تھا ہلکی پھلکی تواضع و تبادلۂ لطائف و ظرائف جس کے بعد دوستوں کی یہ محفل اختتام پذیر ہوتی تھی۔ یہ یادگار لمحات آج بھی ذہن میں روزِ اول کی طرح تازہ ہیں اور لطف اندوز ہونے کے لیے کافی۔

آج کل بھی یاور کے ذہن رسا نے ہمارے قومی کھیل پر "ہاکی کی تاریخ" کے

عنوان سے ایک پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ پروگرام تکمیل پذیر ہونے پر نہ صرف ایک قومی خدمت ہو گا بلکہ بہت عمدہ اور جامع معلومات پر مشتمل مواد اور ایک قومی اثاثہ بھی ثابت ہو گا۔ اس طرح یاور کی ریڈیو کے لیے بے پناہ خدمات میں ایک اور گراں قدر اضافہ ہو گا۔

یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ ان خیالات اور احساسات کا اظہار کر کے میں یاور کی ذات باکمال اور اس سے اپنی تیس سالہ خوش گوار رفاقت کا کچھ حق ادا کر سکا ہوں لیکن یہ امر یقیناً باعثِ تسکین ہے کہ میں یاور کی شخصیت پر اس کتاب میں حصے دار ضرور بن گیا۔

maablib.org

اربابِ صحافت و تعلقاتِ عامہ

maablib.org

maablib.org

ربع صدی کا تعلق

محمود شام

(مدیر روزنامہ جنگ، کراچی)

لاہور سے کراچی آنا ہوا۔ یہ بھی اب ربع صدی سے زیادہ عرصے کی بات ہے۔ کراچی میں شروع شروع میں جتنی شخصیتوں سے ملاقات ہوئی، ان میں ایک یاور مہدی بھی تھے۔ یہ ان کی بھی جوانی کا دور تھا اور ہماری بھی۔ وہ تو اب بھی جواں سال ہیں، جواں عزم ہیں، جواں ہمت ہیں۔ ہم پر بزرگی طاری ہو گئی ہے یا دوسروں نے طاری کر دی ہے۔

ریڈیو اسٹیشن، کراچی ان دنوں ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بڑی کشش رکھتا تھا۔ شاعر، افسانہ نگار یہاں جمع ہوتے تھے، ایک دوسرے کو سنتے سناتے تھے۔ یہاں رضی اختر شوق تھے، انعام صدیقی تھے، بدر رضوان تھے، شکیل فاروقی تھے، ایم۔ سلیم تھے۔ کسی کے شعروں کا چرچا تھا، کسی کی آواز کا۔ اور بھی بہت سی چیدہ ہستیاں تھیں، اب نام شاید یاد نہیں آرہے ہیں۔

انھی دنوں یاور مہدی کے پروگرام "بزم طلبا" کا بڑا شور تھا۔ کراچی کا جو بھی جوہر تھا، یہیں دریافت ہوتا تھا، یہیں ابھرتا تھا اور یہیں سے قومی اور بین الاقوامی افق پر جا پہنچتا تھا۔ یاور مہدی کی جوہر شناسی کا تذکرہ شہر کی ہر بزم میں ہوتا تھا۔ ہماری طالب علمی کا زمانہ تو لاہور کی درس گاہوں اور ریستورانوں میں گزرا، اس لیے

یاور مہدی کے پروگرام "بزم طلبا" میں شرکت سے محرومی رہی، ورنہ ہماری دنیا بھی اس کولمبس کے ہاتھوں دریافت ہوتی۔

یہ وہ دور تھا جب کراچی میں ٹیلی وژن شروع نہیں ہوا تھا، اس لیے ستارے ریڈیو میں ہی چمکتے تھے، بہت ہجوم رہتا تھا۔ ریڈیو کی کینٹین شہر کے ادیبوں، شاعروں کا ٹھکانا تھی جہاں اہل قلم کی مختلف نسلیں آپس میں ملتیں، تخلیقات کا تبادلہ ہوتا۔

یاور مہدی ان لوگوں میں سے نہیں جو سرکاری ملازمت میں صرف سرکاری ہو کر رہ جاتے ہیں اور صبح دفتر پہنچنے کے بعد شام دفتر ختم ہونے کا انتظار کرتے ہیں۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے لیے رات دن ایک سے ہوتے ہیں، جو کام، کام اور صرف کام میں مگن رہتے ہیں اور اس کے لیے دفتری اوقاتِ کار کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے۔

نئے جوہر دریافت کرنے، انھیں صیقل کرنے، ان کی سرپرستی کرنے، ان کے پروگرام کروانے اور ان کی کتابوں کی رونمائی کروانے میں یاور مہدی کو ایسے خوش ہوتے دیکھا ہے جیسے وہ اپنے بچوں کے لیے کچھ کر رہے ہوں۔ نہ جانے کتنے شاعر شاعرات، مقرر، مقررات اور افسانہ نگار پاکستان کو ان کے ذریعے ملے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بڑا حوصلہ، ہمت اور برداشت دی ہے، اسی لیے انھوں نے یار لوگوں کی سازشوں کا مقابلہ بھی دل جمعی سے کیا ہے اور اپنی صحت کو لاحق عارضوں کا سامنا بھی خندہ پیشانی سے کیا ہے، کبھی معمولات میں فرق نہیں آنے دیا۔

ہم باقاعدگی سے ملتے رہے ہوں یا نہیں، لیکن ایک نیاز، ایک تعلق مستقل رہا ہے: ایک دوسرے کی خیر خبر حاصل کرتے رہے ہیں، ایک دوسرے کے آگے بڑھنے پر دلی مسرت کا اظہار بھی کرتے رہے ہیں۔ صحافت اور سیاست میں عتاب، حجاب اور شباب کے دور آتے ہیں۔ ہم بھی ان موسموں سے گزرے ہیں، لیکن کسی

موسم میں بھی یاور مہدی کو گریز کرتے یا ضرورت سے زیادہ قریب آتے نہیں پایا۔ ان کے رویے میں ایک مستقل مزاجی اور تعلق میں ایک استقامت رہی ہے۔ ان کا مطالعہ بھی وسیع ہے، نہ جانے وقت کیسے نکال لیتے ہیں! لیکن وہ موضوعات نو بہ نو پر گفتگو کھل کر کرتے ہیں، کسی تکلف یا احتیاط میں نہیں پڑتے۔

جوہر تراش

نرجس زیدی

یہ ایک مستطیل کمرا تھا جس میں دو میزیں اور چھے کرسیاں رکھی ہوتیں۔ دروازے پر ایک پرانی چک لگی ہوتی جسے اٹھا کر ہر گھنٹے بعد چائے والا چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں چائے لاتا۔ چھت پر نو آبادیاتی دور کی نشانی ایک پنکھا گھومتا رہتا۔ کمرا حیرت انگیز طور پر ٹھنڈا رہتا، اور یہاں بیٹھے کسی فرد کو باہر کے بندر روڈ پر رواں ٹریفک کا شور اپنی طرف متوجہ نہ کر پاتا۔ یہ کمرا وہ راو عمل تھا جس نے پاکستان بھر سے الیکٹرانک میڈیا کے متوالے ایسے ہزاروں افراد کو اپنی جانب متوجہ کیا جو ریڈیائی لہروں کے ذریعے اپنے آپ کو منوانا چاہتے تھے۔

یہی جگہ ایسے پر جوش طلبا کی میزبان تھی جو یہاں بیٹھے "بزم طلبا" کی تیاریوں میں مصروف نظر آتے۔ یہ پروگرام روزانہ رات ۹ بجے نشر ہوتا تھا۔ یونی ورسٹی اور کالج سے تعلق رکھنے والے ان پر مغز طلبا کے گروہ کے روح و رواں ایک نوجوان پروڈیوسر تھے جنھیں محبت سے "یاور بھائی" کہا جاتا تھا جو بہترین عادات و اطوار اور غیر معمولی گرم جوشی رکھنے والی شخصیت کے مالک تھے۔ وہ ایک نوجوان استاد کی طرح اپنے تلاش کیے ہوئے خام جوہر انتہائی احتیاط سے تراشتے اور شہرت و کامیابی کی راہ تک لے جانے کے لیے ان کی راہ نمائی کرتے۔ گزرتے سالوں کے ساتھ یہ

باصلاحیت گروہ بڑا ہوتا رہا اور پھیلتا رہا۔ اسی طرح یاور مہدی پر سامعین کا اعتماد بھی بڑھتا گیا۔ یہ ان کی شخصیت پر اعتماد کا اظہار تھا کہ دور دراز علاقوں اور قدامت پسند گھرانوں سے تعلق رکھنے والی طالبات کو بھی اپنے گھرانوں سے "بزم طلبا" میں شرکت اور طویل فاصلوں تک آزادانہ سفر کرنے کی اجازت مل جاتی۔ اپنے رہ نما کی پر اثر تراش خراش اور صبر آزما تربیت نے ان نئی سامنے آنے والی باصلاحیت شخصیات کو نہ صرف شہرت کی چمک عطا کی، بلکہ ان میں سے کچھ نے تھوڑے ہی عرصے میں ابلاغ اور ثقافت کی دنیا میں اپنے آپ کو ایک قومی خزانے کے طور پر منوالیا۔ ایسا شاذ و نادر ہی ہوا ہو کہ کراچی سے تعلق رکھنے والی قومی سطح کی کسی شخصیت نے یاور بھائی سے فیض حاصل نہ کیا ہو۔

آج جب وہ ریڈیو پاکستان سے ریٹائر ہو رہے ہیں، ہمیں ان کے تراشے ہوئے اس صلاحیت دوست کلچر کو سراہنا چاہیے جو یاور مہدی نے اپنے ادارے کے گرد ڈھالا۔ ایک ایسا کلچر جس نے باصلاحیت شخصیات کے درمیان تمام عمر کے رشتے قائم کرنے میں مدد دی۔

شمع جلائی جا چکی ہے، اب راستہ دکھانے پر ہمیں یاور مہدی کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

ممتاز صحافی، پریس کلب کے سابق جنرل سکرٹری

اور ڈیلی نیوز کے اڈیٹر

جناب ایس۔ ایم فضل نے کہا

یاور مہدی صاحب بہت اچھے انسان ہیں جن سے مل کر ہمیشہ خوشی ہوتی ہے وجہ یہ ہے کہ یاور صاحب ہر حالت میں اور ہر وقت لوگوں کے کام آنے کی فکر میں

لگے رہتے ہیں ۔ یہ وہی آدمی ہیں جنھوں نے ہمارے معاشرے کو ، ریڈیو پاکستان کو ، کراچی آرٹس کونسل کو بہت کچھ دیا ہے ، لیا کچھ نہیں ۔ ایسے لوگ اس پرآشوب دور میں بہت کم ملیں گے ۔

ذاتی طور پر میری یاور صاحب سے بہت پرانی ملاقاتیں ہیں ، کیونکہ ہم دونوں کا پیشہ تقریباً ایک جیسا ہے ۔ وہ ذاتی زندگی میں بہت نفیس اور نیک طبیعت انسان ہیں ۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر بڑے اور چھوٹے سے محبت اور خلوص سے ملتے ہیں ۔

ریڈیو کے ساتھ انھوں نے کراچی آرٹس کونسل میں بھی اپنی محنت اور محبت سے آرٹس کونسل کو عروج پر پہنچایا ۔ یہاں نت نئے پروگراموں میں یاور صاحب کا ہی عمل دخل رہتا ہے ۔ میں بھی اکثر آرٹس کونسل کے پروگراموں میں شرکت کرتا رہتا ہوں ۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یاور مہدی صاحب کی عمر دراز کرے اور انھیں ہمیشہ خوش رکھے ۔

یاور مہدی.... ایک ادارہ

حسن ظہیر

گزشتہ غالباً ایک برس سے احباب یاور مہدی ۱۴ جولائی کے انتظار میں ہیں کہ جب یاور مہدی ریڈیو پاکستان سے لپنے تیس سال سے زائد فرائض منصبی سے ریٹائر ہوں اور احباب ان کا جشن ترتیب دے سکیں ۔ اس انتظار کی نوبت یوں آئی کہ خود یاور صاحب کا اصرار تھا کہ ان کی تمام مدح سرائی کی اعزازی تقریبات اور ان کو پیش کیے جانے والے سپاس اس وقت منعقد کیے جائیں جب وہ اپنی سرکاری ملازمت سے

فراغت حاصل کر لیں ۔ احباب جہاں بصد اشتیاق ان کی ریٹائرمنٹ کے منتظر تھے، وہیں خاص طور پر ان کے اہلِ خانہ بھی پر امید تھے کہ غالباً ان کی شبانہ روز کی معروفیات میں سے اب حق بہ حق دار نصیب کے مصداق ان کے لیے بھی یاور مہدی صاحب کے پاس وقت کی فراوانی ہو گی، لیکن ایسی اگر امید دراز بھی ہوئی ہو گی تو وہ حالاتِ حاضرہ اور سابقہ تجربات کی روشنی میں دم توڑ چکی ہو گی اور ریڈیو پاکستان سے ریٹائرمنٹ کا معاملہ محض ایک معمول کی کارروائی ہی کے طور پر کیا جائے گا۔

یاور مہدی بنیادی طور پر اسی کیفیتوں کے انسان ہیں کہ جن پر ریٹائرمنٹ کا مرحلہ آہی نہیں سکتا۔ میں ان کے ساتھ کئی رشتوں میں مقید ہوں ۔ میرے والد نجم الحسن کے وہ قدیم ترین دوست اور عہدِ طالب علمی کے ساتھی ہیں اور دبستان لکھنؤ کی مشترکہ بود و باش کے وارث ہیں اور ماشاءاللہ! دونوں افراد اپنے رویوں اور طبیعت کی جولانیوں کے ساتھ عہدِ شباب میں ہیں ۔ دوسرا رشتہ یاور مہدی کے ساتھ ایک ایسے نوجوان کا ہے جو اپنی صلاحیتوں اور فن کی ترویج میں انھیں ایک رہ نما اور ایک استاد مانتا ہے، جبکہ تیسرے رشتے کے حوالے سے بعض ذاتی اختلافی امور ہیں جو اس موقع کی مناسبت سے زیرِ بحث نہیں ۔

یاور مہدی نہ کبھی فن کار تھے، نہ صداکار، نہ ادیب تھے اور نہ شاعر ۔ آئندہ بھی ان شعبوں میں ان کے آگے آنے کے امکانات حد درجہ معدوم ہیں لیکن قدرت نے ان کو جو خصوصی جوہر شناسی عطا کی، وہ قابلِ رشک ہے ۔ ان کی بصارت جوہر تو تلاش کرنے میں مہارتِ کلی رکھتی ہے، لیکن انسانوں کی شناخت کے اعتبار سے وہ کوئی بہت زیادہ کامیاب نہیں کہے جا سکتے ۔ انھوں نے لوگوں سے بہت محبت کی سب مانتے ہیں، لیکن اس سے کہیں زیادہ لوگوں نے ان کو چاہا ۔ مجھے جدہ میں چند سال پرانا ایک واقعہ یاد ہے کہ جب افتخار عارف بغرضِ عمرہ تشریف لائے، مجھ سے رابطہ ہوا اور میں نے ہنگامی طور پر رسول احمد کلیمی اور چند دیگر احباب سے مل کر

رسول احمد کلیمی کی قیام گاہ پر ایک شعری نشست کا اہتمام کیا۔ شعری نشست ایک گھنٹے چلی اور تذکرۂ یاور مہدی کئی گھنٹوں پر محیط ہو گیا۔ اس محفل میں صلاح الدین حیدر، امیر محمد خان، لطافت علی صدیقی، مظہر صدیقی، مجیب خان اور چند دیگر احباب اپنے اپنے ذاتی حوالوں سے یاور مہدی پر گفتگو کرتے رہے۔

یاور مہدی پر گفتگو کرتے ہوئے ہمیں آج کی معاشرتی اقدار کا گزشتہ بیس سال قبل کی اقدار سے مقابلہ کرنا ہو گا کہ جب ہماری تہذیبی روایات اور معاشری اخلاقی معیارات کو وہ نشیب نہیں ملے تھے جو آج ہیں۔ یاور مہدی کا بنیادی کردار یہ تھا کہ انھوں نے شہر کے نوجوانوں کو ایک ادارے میں سمویا تھا۔ ریڈیو کبھی ہمارے آنگن، ہماری بیٹھک، ہماری خواب گاہوں کا ایک کردار ہوا کرتا تھا۔ وہ ہمارے ساتھ سوتا تھا اور اس کے ساتھ ہم جاگتے تھے۔ اس ریڈیو پر یاور مہدی نے اس قوت کو بھرپور نمائندگی دی جو مستقبل ہوا کرتی ہے، جو آنے والے عہد کا خواب اور اس کی تعبیر ہوتی ہے۔ ریڈیو پاکستان "بزم طلبا" سے نوجوانوں کا مرکز بنا اور پھر اس میں شرکت نوجوانوں اور طالب علموں کا اعزاز بن گیا۔ یاور مہدی کا کارنامہ محض دریچہ کھولنا تھا اور پھر دریچہ کھل جائے اور موسم خوش گوار ہو تو پھر جمالیات کا داخلہ کون روک سکتا ہے اور وہ بھی اس قوت سے جو

ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

آج ٹیلی وژن پر، جو ہمارے معاشرے میں بعد میں وارد ہوا، اگر کراچی کے حوالے سے بات کی جائے تو پروڈکشن سے لے کر ہدایت کاری تک، اداکاری سے گلوکاری تک اور ادب و شاعری تک اکثریت "بزم طلبا"، ریڈیو پاکستان سے ابتدائی تعلیم کے بعد آئی اور یہ تمام افراد پچاس سالوں کے اندر اندر ہیں۔ بے شمار لوگ صحافت میں چلے گئے اور بہت سے دیگر پیشوں میں، لیکن ان کی بود و باش اور تربیت میں "بزم طلبا" کی روایتیں محفوظ ہیں جو ان کی شخصیت کا حصہ ہیں۔

یاور مہدی کی مدح سرائی صرف اور صرف بدعت ہو گی۔ اگر ان کو انفرادی طور پر سراہا گیا، اس لیے کہ وہ ایک ادارے کے بانی ہیں .... اس ادارے کے جس نے پرورش لوح وقلم کی ، جس نے اس زمانے کے منہ زور اور سیماب فطرت نوجوانوں کو سمتِ مستقیم دی ، کتابوں سے رابطہ جوڑا ، شعور و ادب دیا اور سب سے بڑھ کر وہ اعتماد عطا کیا جو آگے چل کر ان کی زندگیوں میں کام آیا۔

" بزم طلبا" ایک ادارہ تھا جس نے اجاڑ ریڈیو پاکستان میں جنم لیا اور یاور مہدی کی رخصت کے بعد اجاڑ ریڈیو کے سرکاری ملازمین کی " پیشہ ورانہ " صلاحیتوں کی بنا پر تہ خاک ہوا۔ عجب اتفاق ہے کہ " بزم طلبا" کی کہانی یاور مہدی سے شروع ہوتی ہے اور انھیں پر ختم ہو جاتی ہے۔ کراچی کے تعلیمی اداروں ، خاص طور پر یونی ورسٹیوں اور کالجوں میں " ہفتۂ طلبا" دراصل ریڈیو پاکستان کے " جشن طلبا" اور " جشن تمثیل " کا تسلسل تھا۔ یہ روایت اس درجہ پھیلی کہ اس دور ابتلا میں بھی اس روایت کے شائبے ملتے ہیں۔

یاور مہدی کو میں ایک انسان سے زیادہ ایک ادارے کے طور پر دیکھتا ہوں۔ ایک ادارے کے طور پر انھوں نے نہ صرف فن کاروں کے فنون کو آگے بڑھایا بلکہ ساتھ ہی ساتھ وہ ان کی ذاتی زندگیوں میں بھی شامل رہے اور ان کی رسائی سب کے ذاتی اور معاشی دکھوں میں بھی تھی۔

ایک واقعہ یاد آرہا ہے کہ میں حسبِ عادت یونی ورسٹی سے فارغ ہو کر ریڈیو کے مشہور زمانہ برگد کے پیڑ تلے چند دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا کہ یاور مہدی نے بلایا اور ایک صاحب سے ملایا کہ یہ کوئٹے کے فن کار ہیں اور ان کے ساتھ چند پروگرام کرنے ہیں۔ اس روز شام تک ان صاحب کے ساتھ مختلف موضوعات پر تین پروگرام ریکارڈ کرائے گئے اور بظاہر ان کی کوئی اہمیت ظاہر نہیں ہو رہی تھی، لیکن بعد ازاں پتا چلا کہ موصوف کو ان پروگراموں کی آمدنی سے کوئٹہ

واپسی کا کرایا ادا کرنا تھا۔ کوئٹے کا یہ فن کار آج ٹیلی وژن اور فلم کا ایک بہت بڑا صاحبِ طرز اداکار ہے۔

"بزم طلبا" کو کامیاب و کامران مرحلے پر چھوڑ کر جب یاور مہدی ورلڈ سروس سدھارے تو وہاں بھی نت نئی روایات کی بنیادیں ڈالیں۔ ہجوم یاراں اگلی بیرک میں جمع ہو گیا۔ قافلے وہاں بھی اترنے لگے اور جنگل آباد ہو گیا۔ یوں اس یقین کو کامل کیا کہ دفتر، کرسی، میز اور لوازمات ادارہ نہیں بناتے، بلکہ انسان اپنی مشقت، روایتوں اور سچائیوں سے ادارہ تخلیق کرتے ہیں۔

فن اور تخلیق کے حوالے سے وہ پس پردہ ایک کامیاب شخص ہیں۔ انھوں نے ریڈیو کو بے شمار خوب صورت اور مقبول پروگرام دیے۔ جدت طرازی ان کی فطرت کا خاصہ ہے۔ نئی صورتیں، نئی صلاحیتیں، نئے لوگ اور منفرد فنون کی تلاش میں وہ تمام عمر سرگرداں رہے اور تلاش میں سچائی ہو تو منصب کوئی مشکل امر بھی نہیں۔ مرحومہ پروین شاکر کا فنی خمیر بھی "بزم طلبا" سے پروان چڑھا تھا۔ مجھے پروین شاکر کی ابتدائی شاعری، ریڈیو پر ان کے پروگرامز اور پھر ان کی پہلی کتاب "خوشبو" کی YMCA میں تقریب رونمائی کا احوال یاد ہے۔ سچ پوچھیے تو اس تقریب کی زبردست کامیابی کے پیچھے صرف اور صرف یاور مہدی تھے اور اس تقریب کے دوران کسی نے ایک متنازعہ جملہ یہ بھی کہا تھا کہ پروین شاکر کو ان کے عمو (احمد ندیم قاسمی) اور یاور مہدی نے مارکٹ میں launch کیا ہے اور وہی ان کی کامیابی کے لیے کوشاں ہیں۔

یاور مہدی سے متعدد باتوں پر اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن ان کی ہمہ جہت شخصیت سے لوگ جس قدر فیض یاب ہوئے ہیں، وہ بھی ایک حقیقت ہے۔ میری کتاب کی تقریبِ رونمائی میں انھوں نے نہ صرف ذاتی طور پر سب سے قبل آکر مجھے ممنون کیا، بلکہ اپنے ساتھ متعدد لوگوں کو خود مدعو کیا اور اپنے سمدھیانے کی

ایک اجتماعی ضروری سماجی تقریب میں بھی شریک نہ ہو سکے اور تمام وقت میری تقریب میں موجود رہے۔ وہ "جو بھی کچھ ہے، محبت کا پھیلاؤ ہے" پر یقین رکھتے ہیں۔ محبت پھیلاتے ہیں سو محبتیں اور چاہتیں سمیٹتے ہیں۔

یاور مہدی ایک بہترین منتظم، روابط کے ماہر اور آراستگی کے مشاق شخص ہیں۔ ان کے شکنجۂ محبت میں آنے کا راستہ ہے، جانے کا نہیں۔ مجھے کہنے دیجیے کہ انھوں نے اپنے ادارے ریڈیو پاکستان میں دشمنیاں بنائیں اور ریڈیو کی دیواروں سے باہر صرف اور صرف دوستیاں۔

وہ تنہا بیٹھ نہیں سکتے، چوپال لگانا ان کی فطرت ہے۔ دور اندیشی کی انتہا یہ ہے کہ برسوں سے آرٹس کونسل میں ایسا پڑاؤ ڈالا کہ اب مالکانہ حقوق کے ساتھ تناوے سال کی لیز پر براجمان ہیں، خاصے عرصے سے خزانے پر غالب ہیں اور ان کی اگلی منزل کا ادراک کرنا کوئی ایسا مشکل بھی نہیں۔ آرٹس کونسل کی ویرانیوں میں انھوں نے جو محفل سجائی، اس کی رونقیں پھیلتی جاتی ہیں۔ ہم سب یاور مہدی کی کامیابیوں اور ان کی خوشیوں میں شریک ہیں، لیکن ان کامیابیوں کے پیچھے، ان دوستوں اور شب و روز کی محفلوں کے پیچھے تھکاوٹوں اور قہقہوں کا بھی ایک سلسلہ ہے جو یاور مہدی سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔

محترم یاور مہدی صاحب

قطب الدین عزیز

محترم یاور مہدی صاحب ریڈیو پاکستان کا کلی تشخص ہیں۔ براڈکاسٹنگ کے میدان میں وہ پاکستان میں تجربے اور مہارت میں یکتا ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ریڈیو پاکستان اور اس کی نشریات کی خدمت میں گزارا اور ریڈیو کے

کروڑوں سامعین کے لیے وہ ایک صوتی ہیرو ہیں ۔ میں ان سے ریڈیو پاکستان کے ابتدائی دور سے واقف ہوں اور ان کی پیشہ ورانہ مہارت ، عزم اور ذہانت کا مداح ہوں ۔ انھوں نے نہ صرف ریڈیو پاکستان کی مہارت ، محنت اور وفاداری کے ساتھ خدمت کی ، بلکہ ان کے تربیت یافتہ افراد نے مرورِ زمانہ کے ساتھ ریڈیو اور ٹیلی وژن پر نام پیدا کیا ہے اور برقی ، صوتی اداروں کی اعلیٰ خدمت کر رہے ہیں ۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ یاور مہدی صاحب کو طویل عمر اور صحت عطا کرے تاکہ وہ پاکستان میں براڈکاسٹنگ کی خدمت جاری رکھ سکیں ۔

حسابِ دوستاں

ولی رضوی

یاور بھائی سے مل کر وصال و ہجر کے دو موسم تازہ ہوتے ہیں ، یہ الگ بات ہے کہ

کس نے وصل کا سورج دیکھا ، کس پر ہجر کی رات ڈھلی

یاور بھائی اس شہر کے دو موسموں کی گواہی ہیں ۔ ان کے حوالے سے ہمیں کراچی کے تہذیبی و ثقافتی مسائل کو بھی سمجھنے کا موقع ملتا ہے ، سیاست و معاشرہ سے بھی آگہی ہوتی ہے اور ادب و فن کے عروج و زوال کو محسوس کرنے کی ایک ساعت بھی میسر آتی ہے ۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ملک میں بدترین سیاسی انتشار کے بعد ایوب خان کا مارشل لا آیا تھا ۔ یاور بھائی نے اپنے حصے کا زیادہ تر کام اسی زمانے میں کیا ۔ شاید اس مارشل لا کی یہ پالیسی نہیں تھی کہ تہذیب و ثقافت کی بساط الٹ دی جائے اور دانش گاہوں میں آسیب کے سائے پھیلائے جائیں ۔ پاکستان میں تہذیبی و ثقافتی

رچاؤ کا بہترین زمانہ وہی تھا جس پر ہم نے سو سو لعنتیں بھیجی ہیں ۔ اس وقت یونی ورسٹی اور کالجوں میں طلبا یونینوں پر پابندی نہیں تھی، ان کی سرگرمیوں پر کوئی تادیب نہیں ہوا کرتی تھی ۔ شہر میں ایک کلچر لائبریریوں کا فروغ پا رہا تھا اور ایک ثقافت بیٹھکوں اور نشستوں کی رائج ہو رہی تھی ۔ بڑے کتب خانوں کے علاوہ شہر میں محلے محلے آنہ لائبریریاں چلنے لگی تھیں اور کتاب سے لڑکوں کی دوستی بڑھ رہی تھی کالجوں میں طلبا یونینوں کے علاوہ ایک بزم ادب ہوا کرتی تھی اور کالجوں کے باہر بھی ایسی بہت انجمنیں آراستہ تھیں ۔ شہر میں بیٹھکوں اور نشستوں کا کلچر ایسا تھا کہ چائے خانوں پر بے کدوں کا گمان ہوتا تھا ۔ کافی ہاؤس ، زیلن ، کیفے ٹیریا ، جبیس اور ایسی بہت سی بیٹھکیں تھیں جہاں سیاست ، شاعری ، مصوری ، موسیقی اور حالاتِ حاضرہ پر گفتگو رہتی تھی ۔ ان نشستوں سے آگہی بھی ملتی تھی اور نیاز مندی کی طرح بھی ۔ یہی نشستیں لڑکوں کو کتاب کی طرف لے جاتی تھیں ۔ کالج یونینوں کے مباحثے اپنے پورے عصری شعور کا اظہار ہوا کرتے تھے اور اہلِ دانش ان مباحثوں کو سننے اور دیکھنے آتے تھے ۔ یہ مباحثے سیاسی و سماجی شعور پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ تھے سیاسی جماعتوں نے بھی شاید اتنا کام نہیں کیا جتنا ان مباحثوں کے توسط سے انجام پایا۔

تہذیب و ثقافت کی یہ بساط ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت الٹی گئی ۔ برٹش کونسل لائبریری میں آگ لگائی گئی تو یہ بہت اچھا زمانہ تھا، لیکن یہ کراچی کے کلچر کو آگ لگانے کی پہلی واردات تھی ۔ کچھ زمانے کے بعد کیفے ٹیریا میں آگ لگائی گئی تو اسے بچا لیا گیا، مگر جب دوسری بار کیفے ٹیریا جلا تو اسے بچایا نہیں جا سکا اور اس کے ساتھ ہی ایک ایک کر کے شہر کی ساری بیٹھکیں سونی ہو گئیں:

اس جگہ اک مے کدہ تھا ، کیا ہوا؟

رہی سہی کسر اس طرح پوری ہوئی کہ کالجوں میں طلبا یونینیں ختم کر دی گئیں ۔

یونینیں ہوتیں بھی تو کیا کہ ایک موسم شہر سے اٹھ گیا تھا ۔ لائبریریاں اور بیٹھکیں خاموش ہو گئی تھیں اور کتابوں تک لے جانے والی روشنیاں بجھا دی گئی تھیں ۔ سب کچھ ایک دوسرے سے جڑا ہوا تھا:

خواب کا سلسلہ تھا خواب کے ساتھ

جیسے پھولوں کو ایک سازگار موسم کی ضرورت ہوتی ہے اور فصلوں کو سوافق آب و ہوا چاہیے ہوتی ہے ، ویسے ہی تہذیب و ثقافت کے فروغ اور علم و فن کی ترقی کے لیے بھی ایک موسم درکار ہوتا ہے ۔ اس موسم کو آگ لگا دی جائے تو صرف لائبریریاں اور چائے خانے نہیں جلتے ، سب کچھ تباہ ہو جاتا ہے جیسے ہمارا سب کچھ تباہ ہو گیا ہے ۔ یاور بھائی جن موسموں کا استعارہ ہیں ، یہ ماجرا انھی موسموں سے تعارف کراتا ہے ۔ ایک موسم وہ جو ہم سے چھین لیا گیا ہے اور دوسرا موسم یہ جو ہم پر طاری ہے ۔ پہلے موسم کو ہم وصل کا موسم کہتے ہیں اور دوسرا موسم ہجر کا ہے:

اک ہجر جو ہم پر طاری ہے

یاور بھائی کا جو بڑا کام ہے ، وہ ریڈیو کے حوالے سے ہے ۔ اپنی طویل ملازمت کے دوران انھوں نے "بزم طلبا" کے علاوہ کچھ نہ کیا ہو تو بھی یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا ۔ شہر کا تہذیبی و ثقافتی رچاؤ ایسا تھا کہ "بزم طلبا" کو اس کے اثر سے الگ نہیں رکھا جا سکتا تھا ۔ بہت احتیاط پسند ہونے کے باوجود یاور بھائی نے بھی "بزم طلبا" کو زندگی سے دور لے جانے کی کوشش نہیں کی ۔ جب تک شہر میں بیٹھکیں ویران نہیں ہوئیں ، "بزم طلبا" کی مقبولیت بھی قائم رہی ۔ سب کچھ ایک دوسرے سے اتنا جڑا ہوا تھا کہ اس کا اندازہ اب ہوتا ہے ۔ بہرحال یاور بھائی نے ریڈیو کے حوالے سے اپنی پہلی اننگ بہت سلیقے سے کھیلی ہے ۔ ان کی دوسری اننگ آرٹس کونسل کے حوالے سے ہے ، مگر اب کے انھیں موسم اچھا نہیں ملا ۔ کچھ بھی تو موافق نہیں ہے ، لیکن ابھی اس کا جائزہ لینے کا وقت نہیں آیا ۔ ابھی تو ہم پہلے

موسم کا جشن منا رہے ہیں جس کی دھوپ چھاؤں سے بچھڑے ہوئے زمانے گزرے۔ اب محسوس ہوتا ہے کہ میر کو دلی کے لٹنے کا ملال کیوں تھا:

ہم کو غریب جان کے ، ہنس ہنس پکار کے
کیا بود و باش پوچھو ہو ، پورب کے ساکنو!

دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے

جس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

کراچی کا مقدمہ دلی کے مقدمے سے مختلف نہیں ہے اور یاور بھائی اس مقدمے کے گواہ ہیں۔ انھوں نے ایک موسم تخلیق کرنے میں حصہ لیا تھا اور دوسرے موسم کا عذاب دیکھ رہے ہیں۔ دامان باغبان و کف گل فروش کا جو حال ہے سو ہے، پر ابھی ہار جیت کا فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ یاور بھائی ہماری نیازمندی پر یقین نہ کریں تب بھی تیس سال سے زیادہ کی محبتیں ہیں اور پھر ہم ایک دوسرے کے گواہ بھی ہیں۔

محبوبیت کا راز

شاہد حسین بخاری

یہ ۱۹۶۸ء کی بات ہے۔ پیر الہیٰ بخش کالونی کے بس اسٹاپ پر ایک ملنگ سا آدمی اکثر راتوں کو گھومتا پھرتا نظر آتا تھا۔ رسول احمد کلیمی نے بتایا کہ اس شخص کا نام محمود ہے اور اسے قدیم و جدید شعرا کے اشعار بہت یاد ہیں۔ پھر یوں ہونے لگا کہ یاور

بھائی (یاور مہدی)، عون محمد رضوی، رسول احمد کلیمی اور مجھ پر مشتمل چوکڑی ریڈیو اور ٹی۔وی سے فارغ ہونے کے بعد اکثر پی۔آئی۔بی کے ایک ہوٹل میں اپنے ساتھ اس مست ملنگ کو بٹھانے لگی۔اس کے سامنے جب تک چائے کے کپ آتے رہتے، وہ اشعار سناتا رہتا۔وہ یاور بھائی کو ہمیشہ "نادر مہدی" کہا کرتا تھا۔ایک بار میں نے اس سے پوچھا کہ وہ اچھے بھلے نام کو بگاڑ کر کیوں بولتا ہے۔ محمود نے کہا، "میں نام کو بگاڑتا نہیں ہوں، حقیقت بیان کرتا ہوں۔یاور مہدی ریڈیو پاکستان، کراچی کا وہ سب سے اونچا نادر ہے جس نے اس کی نشریات کے لیے جھونپڑوں سے محلوں تک ایک کشش و رغبت پیدا کر دی ہے"۔یہ یاور بھائی کو ایک فٹ پاتھ نشین مست ملنگ شخص کا خراج تحسین تھا اور اس قدر سچا تھا کہ میں نے یونی ورسٹی کے اساتذہ، علمائے دین، طلبا، ادبی و سماجی شخصیات، حتیٰ کہ سیاست سے تعلق رکھنے والی شخصیات میں بھی یاور بھائی کے ریڈیو پروگراموں کا تذکرہ سنا۔مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کے انتقال سے کچھ عرصے قبل میں نوجوان مقررین کی تنظیم ینگ اسپیکرز فورم کے ایک وفد کے ساتھ ان کی قیام گاہ پر گیا۔مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس وفد میں محفوظ النبیٰ خاں بھی تھے جو بعد میں کونسلر بنے۔ محترمہ فاطمہ جناح نے مباحثوں کے حوالے سے گفتگو میں ریڈیو کے "بزمِ طلبا" کے مباحثوں کا خاص طور پر ذکر کیا۔یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ان مباحثوں کو بڑی توجہ سے سنتی رہی ہوں۔یہی کیفیت دیگر علمی و ادبی شخصیات سے گفتگو میں سامنے آتی تھی۔شہر کی بیشتر علمی و ادبی شخصیات "بزمِ طلبا" کے مختلف پروگراموں میں شریک بھی ہوتی۔چنانچہ یہ کہنا درست ہوگا کہ ان کے درمیان "بزمِ طلبا" کے مباحثوں، ادبی مقدموں، مشاعروں، مذاکروں، ادبی نشستوں، ڈراموں، بیت بازیوں اور دوسرے پروگراموں کا تذکرہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی، بلکہ میں نے اس پروگرام کو کلرکوں، سیلز مینوں، مکینکوں، کارخانوں میں کام کرنے والوں اور دوسرے لوگوں کے علاوہ گھریلو خواتین میں بھی انتہائی مقبول دیکھا۔۱۹۶۶ء سے شروع ہونے والے "ہفتہ

صبا" کے پروگرام گھروں میں، ہوٹلوں میں، پان والوں کی دکانوں پر، گلی کے نکڑوں پر ریڈیو کے گرد جمع ہو کر لوگ اس طرح سنا کرتے تھے جیسے شہر میں کوئی بڑا میلہ لگا ہو اور اس میں شہر کا ہر شخص شریک ہو۔ "ہفتۂ طلبا" کی یہ روایت یاور بھائی نے ڈالی تھی یہ ہفتہ بعد میں سات دنوں سے بڑھ کر دس دنوں پر محیط ہونے لگا تھا یعنی "عشرۂ طلبا" بن گیا تھا۔

یاور بھائی ایک پروگرام "شہر نامہ" بھی پیش کرتے تھے جس میں شہر کی علمی، ادبی اور سماجی سرگرمیوں کی صوتی تصویر پیش کی جاتی تھی۔ یہ دونوں پروگرام اگرچہ یاور بھائی کے چارج میں آنے سے پہلے بھی جاری رہے اور ان کے چارج سے نکلنے کے بعد بھی چلے، مگر انھیں عوامی سطح پر جو پذیرائی یاور بھائی کے دور میں حاصل ہوئی، وہ نہ ان سے پہلے ہوئی، نہ بعد میں۔

میرا ریڈیو سے تعلق اگرچہ اس دور کے بچوں کے پروگرام سے رہا جب عبدالماجد مرحوم اور افضل صدیقی مرحوم بچوں کے پروگرام کے بھائی جان تھے، مگر اس تعلق کی تجدید یاور بھائی کی بدولت ہوئی اور ۱۹۶۶ء میں، میں اور امیر حیدر کاظمی گورنمنٹ کالج، ناظم آباد کی طرف سے "ہفتۂ طلبا" میں منعقد ہونے والے مباحثے میں شریک ہوئے تو اس "ہفتے" کے نگراں اور پروگرام پروڈیوسر یاور مہدی سے بھی ملاقات ہوئی۔

یہ تعلق بعد میں بزم طلبا کے مختلف پروگراموں میں شرکت کے حوالے سے جاری رہا۔ نومبر، ۱۹۶۷ء میں جب کراچی میں ٹیلی وژن اسٹیشن کا افتتاح ہوا تو افتتاح کے دوسرے ہی دن میں، یونس شرر، انیس زیدی، ولی رضوی اور کچھ دوسرے لوگ طلبا کے لیے پیش کیے جانے والے پروگرام "سوال نامہ" میں شریک ہوئے۔ اس پروگرام میں ہمیں بھیجنے کا ذریعہ بھی یاور بھائی تھے۔ یوں میرا ٹی۔ وی سے بھی تعلق بنا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس وقت کے مقبول ٹی۔ وی پروگراموں کے پروڈیوسر عون محمد رضوی سے بھی رابطہ ہوا جو بالآخر دوستی اور پھر گہری دوستی کے رشتے میں تبدیل ہوا

یاور بھائی نے ایک پروگرام "صبح دم دروازۂ خاور کھلا" شروع کیا جو بہت مقبول ہوا۔ جب ریڈیو پاکستان کی عالمی سروس کا آغاز ہوا تو یاور بھائی اس کے بانیوں میں سے تھے۔ یہ پروگرام جب تک کراچی اسٹوڈیوز سے نشر ہوتا رہا، یاور بھائی عالمی سروس سے وابستہ رہے۔ اس کے بعد وہ مختلف ریڈیو اسٹیشنوں اور سنٹرل پروڈکشن یونٹ میں اہم ذمے داریاں انجام دیتے رہے، اور پچھلے برسوں سے آرٹس کونسل کی سرگرمیوں میں بھی نمایاں حصہ لے رہے ہیں۔

ریڈیو کے پروگرام ہوں یا آرٹس کونسل سے تعلق، یاور بھائی کے اخلاص اور محنتِ شاقہ نے انھیں ہر جگہ ممیز و ممتاز رکھا۔ ان کا اخلاص وہ "پارس" تھا کہ جو اس سے چھو گیا، سونا بن گیا چاہے وہ کوئی ریڈیو پروگرام ہو، چاہے آرٹس کونسل جیسا کوئی ادارہ ہو یا یاور بھائی کے پروگراموں میں شامل ہونے والے اساتذہ، طلبا اور دیگر افراد میں سے کوئی ہو۔

یاور بھائی اپنی ذات میں ایک ایسی انجمن ہیں کہ جہاں بیٹھ گئے، وہی مقام شہر بھر کی علمی، ادبی، سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ اس میں ان کی ذاتی محبت و شفقت اور لوگوں کے مسائل حل کرنے کی کاوشوں کا بھی بڑا دخل ہے۔ نہ جانے کتنے طلبا یاور بھائی کی سرپرستی کی بدولت اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے اور اچھے مناصب پر فائز ہونے میں کامیاب ہوئے۔ ۱۹۷۳ء میں ایک بار میں نے یوں ہی گفتگو کے دوران یاور بھائی کے سامنے یہ کہہ دیا کہ روزنامہ مشرق میں میری ڈیوٹی نائٹ سے دن میں تبدیل ہو گئی ہے جس کے باعث مجھے پچاس روپے ماہانہ کا نقصان ہو گا۔ (اس زمانے میں پچاس روپے اچھی خاصی رقم ہوتی تھی)۔ میں نے یہ بات اگرچہ یوں ہی روا روی میں کہی تھی مگر یاور بھائی نے اس کو پلے میں باندھ لیا، اور انعام صدیقی مرحوم سے کہہ کر مجھے ان کے پروگرام "اخبارات کی سرخیاں اور اداریے" میں بک کرا دیا جس سے میری آمدنی معاشی نقصان سے دگنی ہو گئی۔ پھر کچھ اور پروگرام بھی انھوں نے دلوائے اور

میرے معاشی حالات خاصے خوش گوار ہو گئے۔ یہ یاور بھائی کی لوگوں کے مسائل کے سلسلے میں ذاتی دلچسپی کی ایک مثال تھی۔ ایسی نہ جانے کتنی مثالیں بکھری پڑی ہیں۔

ایک بات جس کا میں خاص طور پر ذکر کرنا چاہوں گا، وہ ہے ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور خانوادۂ نبوت سے یاور بھائی کی عقیدت و محبت۔ میلادِ رسولؐ کی محفلوں اور مجالسِ محرم میں وہ ہمیشہ اہتمام و عقیدت کے ساتھ شریک ہوئے، اور ہم جیسوں کو بھی ان سعادتوں میں شامل کر لیتے ہیں۔ ریڈیو پر محرم کے جو پروگرام انھوں نے پیش کیے، ان میں امام عالی مقام سے عقیدت و محبت کی خوشبو اور غمِ حسینؑ کا درد پوری شدت سے ملتا ہے۔ یہی کیفیت ان پروگراموں کی ہے جو عید میلادالنبیؐ کے سلسلے میں یاور بھائی نے ریڈیو پر پیش کیے۔ مجھے اتفاق سے ریڈیو پر میلادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی محفلوں میں شرکت کا موقع ملا۔ ان میں اگربتی سے لے کر گلاب پاشی اور تبرک کی تقسیم تک ویسا ہی سارا اہتمام ہوتا تھا جیسا گھروں یا دوسرے مقامات پر میلاد کی محفلوں میں ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ریڈیو کے سامعین کو ان سب لوازمات کی خبر نہیں ہوتی تھی، مگر ریڈیو کے اسٹوڈیو میں میلاد کی محفل اسی عقیدت و محبت سے سجائی جاتی تھی اور اس کے تبرک وغیرہ کے اخراجات یاور بھائی خود اور ان کے ساتھی پروڈیوسر مل جل کر برداشت کرتے تھے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ٹی۔ وی کے بھی اس نوع کے پروگراموں میں یاور بھائی کی پسِ پردہ مشاورت اور بعض حالتوں میں محنت بھی کارفرما رہی ہے۔

شاید یہ رسولؐ اور آلِ رسولؐ کی محبت کا فیضان ہی تھا جس نے یاور بھائی کو ہر جگہ نمایاں اور سرخ رو رکھا، اور انھیں اتنی محبتیں ملیں جن کا کوئی بھی شخص مشکل سے تصور کر سکتا ہے۔ یہاں میرا دل چاہتا ہے کہ حضورِ اکرمؐ کی "مشہور احادیث" کا ذکر کروں۔ پہلی حدیث ہے: "اللہ سے محبت کرو کہ وہ تمھیں نعمتیں عطا کرتا ہے جن سے تم متمتع ہوتے ہو۔ اور مجھ سے محبت کرو اللہ کی محبت کے لیے اور اہلِ بیت سے محبت

کرو میری محبت کے لیے"۔ دوسری حدیث ہے: "حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ اے اللہ! جو حسینؑ کو محبوب رکھے، اسے تو بھی محبوب رکھ"۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یاور بھائی نے ان احادیث سے اللہ کی "محبوبیت" کا راز پالیا ہے۔ اور جسے اللہ کی "محبوبیت" حاصل ہو، وہ خلق میں کیوں نہ محبوب ہوگا!

سید قیصر

(سابق افسرِ تعلقاتِ عامہ اسٹیٹ لائف، انٹرنیشنل ہاکی امپائر، نمائندہ پریس ورلڈ ہاکی
سکریٹری جنرل اسپورٹس مین ویلفیئر ایسوسی ایشن، پاکستان)

محترم عالی جناب سید یاور حسین مہدی، مشہور بین الاقوامی نام یاور مہدی جو ۱۹۳۸ء میں فیض آباد اور غازی پور (پرانا نام گلوی پوری) کی ایک بستی ٹانڈے میں پیدا ہوئے۔ یہ تاریخی جملے اس لیے لکھ رہا ہوں کہ ان کے خاندان کا پس منظر پیش کرسکوں۔

۷۲۵ھ سلطان فیروز شاہ محمد تغلق ہندوستان کے فرماں روا ہوئے اور تخت نشین ہوئے تو میرے جدِامجد امیر سید مسعود ملک السادات سالار غازیؒ کچھ عرصہ ان کے مشیر (adviser) رہے جب مقبوضہ علاقوں میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر بہت ہی ظلم کر رکھے تھے۔ بادشاہ کو اطلاع ہوئی اور ایک کثیر لشکر اسلامی اس علاقے کے حاکم کو ناظم مقرر کرکے روانہ کیا۔ جنگ ہوئی، فتح ہوئی، علاقہ زیر ہوا۔ اب انتظام سلطنت چلانے کے لیے اعلیٰ و ذہین سول افسروں اور فوجی افسروں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بارہ سادات بستیاں دہلی سے قریب تھیں۔ بادشاہ کے حکم پر وہاں سے یاور مہدی صاحب کے جدِامجد حکومت کا انتظام چلانے کے لیے تشریف لائے یہ زمانہ ۷۳۰ھ کا تھا۔ ان کے جدِامجد اور دیگر کارکنان کی ذہانت اور قابلیت

سے علاقے کے ہندو راجا اور دیگر قوموں نے اسلام قبول کیا اور پھر یہ خاندان وہیں آباد ہو گئے۔ بادشاہ نے بڑی بڑی جائدادیں اور انعام دیے۔

اب رہا یاور مہدی صاحب کا قصہ۔ ۱۹۴۷ء میں جب اسلامی ریاست دولتِ خداداد پاکستان جب وجود میں آئی تو ہر جگہ بورڈ لگے تھے "دولتِ خداداد پاکستان"۔ یاور مہدی صاحب کی عمر اس وقت قریب قریب نو، دس سال تھی۔ قائداعظم نے نوجوانوں کو للکارا تھا۔ اپنے والدِ گرامی اور دیگر اہلِ خاندان کے ہمراہ سربستہ سفر پر چل پڑے۔ یہ ان کے آباو اجداد کی بہترین تربیت کا مظاہرہ "یاور مہدی" تھے اور قائداعظم کا پیغام اس زمین پر قدم رکھتے ہی ان کے رگ و پے میں دوڑنا شروع ہو گیا۔ قائداعظم نے فرمایا تھا:

> "We have to build up the character of our future generation with highest sense of honour, integrity and selfless service to nation, so that they are fully qualified to play there part in the various branches". (1947)

یاور مہدی صاحب نے کراچی آکر اپنی زندگی کو ایک انقلاب کے حوالے کر دیا، کیونکہ نوجوانوں کو تیار کرنا تھا۔ تعلیم کے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے ایم۔اے، ایل ایل۔بی کیا۔ ایل ایل۔بی کے بعد محسوس کیا کہ خدمت کرنے کے لیے یہ پیشہ موزوں نہیں، کیونکہ اس میں جھوٹ زیادہ ہے، خدمت کم، لہذا لکھنے پڑھنے اور ریڈیو کو اپنا لائحۂ عمل بنایا جس کے ذریعے علم میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور ملک وقوم کی خدمت کرنے کا بہترین موقع بھی مل سکتا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہو گئے۔

یاور مہدی صاحب قابلیت اور فن کے لحاظ سے ایک ذہین اور مردم شناس شخصیت کے مالک ہیں، چنانچہ اگر کسی سے ملتے ہیں تو اس کی حیثیت کو خوب سمجھ لیتے ہیں اور اس کا مقام متعین کرتے ہیں۔

یاور مہدی صاحب سے میری پہلی ملاقات ۱۹۵۰ء میں ہوئی تھی ۔ وہ نہایت ملنسار تھے اور ان کی دوستی کا ایک معیار تھا ۔ ہر شخص کی قابلیت پہچان کر اس کی شخصیت کو چار چاند لگا دینا اور طلبا کو خاص طور پر اور بغیر کسی لالچ کے مدد کرنا ان کی عادت تھی ، مگر بھابی صاحبہ سے کبھی نہیں بنتی تھی ۔ جب بھی فون کیا ، جواب ملا ، " قیصر بھائی ! ان کی شادی تو ریڈیو اور آرٹس کونسل سے ہو گئی ہے " ۔ جب یاور صاحب ریڈیو میں ملازم ہوئے تو اس زمانے میں ریڈیو کی بڑی اہمیت تھی ۔ ریڈیو تک زیادہ لوگوں کی رسائی کم تھی ۔ یاور صاحب نے ریڈیو کو عوامی بنانے میں بڑا کردار ادا کیا اور خاص طور پر پروگرام " کھیل کے میدان میں " اور " بزم طلبا " کی حیثیت کلیدی تھی ۔ اس پروگرام نے بڑے بڑے کلاکار اور شاعر پیدا کیے ۔ میں بھی ستمبر ، ۱۹۴۷ء میں راولپنڈی ، پاکستان آگیا ۔ ہاکی کھیل کی وجہ سے میں نے ریلوے میں ملازمت کر لی اور ۱۹۵۰ء ۔ ۵۱ء میں کراچی آگیا ۔ ۱۹۵۳ء ۔ ۵۴ء میں یاور صاحب سے ملاقات ہو گئی ۔

ان کا سادات اور میرا ڈرگ کالونی میں قیام تھا ۔ ریلوے سے میں نے ایسٹرن فیڈرل میں ملازمت کر لی ، اس وجہ سے ان کا ، میرا روزانہ کا ساتھ دفتر جانے کے لیے ہو گیا ۔ قریب قریب دس سال تک ان کو ریڈیو پاکستان کے گیٹ پر اتارتا

یاور صاحب میرے کھیل کے جنون کی حد تک شوق سے پوری طرح واقف تھے ۔ ۱۹۶۵ء میں یاور صاحب نے کچھ سول ڈیفنس کے پروگرام کروائے ۔ پاک ، بھارت جنگ شروع تھی ۔ میں گروپ وارڈن تھا ۔ یہ ۱۹۷۰ء کی بات ہے کہ ریڈیو پر تبصرے کا ایک پروگرام ترتیب دیا اور مجھے ہاکی اور منیر حسین کو کرکٹ پر تبصرہ کرنے کے لیے مدعو کیا ، کیونکہ میرے اور منیر صاحب کے بارے میں یاور صاحب معلومات کر چکے تھے ۔ مائک پر دونوں کو بٹھا دیا گیا ۔ دونوں کو پسینا آگیا جبکہ دسمبر کا مہینا تھا ۔ خدا کا شکر ہے ہم ان کے معیار پر پورے اترے ۔

میں نے پہلی کمنٹری ۱۹۷۱ء میں آل پاکستان سردار عبدالرب نشتر ہاکی ٹورنامنٹ میں کی۔ اس میں ہمارے محترم و شفیق دوست قمر علی عباسی صاحب پروڈیوسر تھے (جو آج کل اسٹیشن ڈائرکٹر، کراچی ہیں)۔ ریڈیو کمنٹری کی تربیت میں میں یاور مہدی صاحب، عرفان علی صاحب اور مرحوم انعام صدیقی کے کردار کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ یہی احساسات منیر حسین صاحب بھی رکھتے ہیں۔ میں نے پاکستان اور غیر ممالک میں جاکر کمنٹری کے ذریعے خوب ملک کا نام روشن کیا۔ اس حوالے سے میں نے جن ممالک کا دورہ کیا، ان میں دوبئ، کویت، انڈیا، جرمنی، ملائشیا اور کافی ممالک شامل ہیں۔

یاور مہدی صاحب نے ریڈیو کو لاتعداد ہونہار جوہر مہیا کیے جس کی مثال ریڈیو کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یاور صاحب ریڈیو میں تاریخ ساز پروڈیوسر ہیں۔ یاور صاحب نے ورلڈ سروس میں کھیل کو اعلیٰ مقام دیا، رات دن بے پناہ محنت کی، عزت حاصل کی اور دعائیں لیں۔

پاکستان آرٹس کونسل ایک بیمار اور مردہ لاش تھی، لیکن اب یاور صاحب کی ان تھک کوششوں سے اس کا ایک اعلیٰ مقام ہے۔ اس کونسل کا ماہ نامہ "خبرنامہ" بھی جاری کیا اور اس کے علاوہ سماجی کاموں میں بھی پیش پیش رہے ہیں آپ نے ایک ہاؤسنگ سوسائٹی کی بنیاد ڈالی، سادات کالونی میں پہلی بار پکی سڑک کی تعمیر، عباسی اسکول کا قیام اور کئی اسپورٹس کلب بھی قائم کیے۔

یاور مہدی صاحب کے شاگردان کی تربیت کی بنا پر امریکا اور افریقا میں اس وقت ایک اعلیٰ مقام حاصل کیے ہوئے ہیں، مثلاً امریکن اکیڈمی سائنس میں عبدالکریم اور فلم کی دنیا میں ندیم۔ اس کے علاوہ کئی بار کرکٹ اور ہاکی کے سلسلے میں یورپ، فارایسٹ گئے۔ وزیراعظم پاکستان کے ساتھ امریکا کا دورہ بھی کیا۔ تعلقاتِ عامہ کے حوالے سے کافی عرصے تک ریڈیو پاکستان، کراچی میں پروٹوکول

افسر کے فرائض انجام دیے۔ الغرض یاور مہدی صاحب کی انسانی و سماجی خدمات اس قدر ہیں کہ ان کے لیے کئی صفحات درکار ہیں۔

یاور مہدی صاحب ۱۵ جولائی ، ۱۹۹۸ء کو ڈپٹی کنٹرولر ، ریڈیو پاکستان کے عہدے سے سبک دوش ہو رہے ہیں۔ یہ ملازمت کا ایک عوامی اعزاز ہے۔ "ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے" ۔ یہ ریڈیو کی نرگس تھے۔

یاورگی

شہریار جلیس

یاور مہدی پر لکھنا بالکل ایسا ہے جیسے ریڈیو اسکرپٹ لکھ رہے ہوں۔ ریڈیو اسکرپٹ میں کئی چیزیں شامل ہوتی ہیں مثلاً صوتی اثرات ، پس پردہ بھاری بھر کم آواز، پروڈیوسر، موسیقی وغیرہ وغیرہ۔ یاور کا جب ذکر آتا ہے تو ان کے ساتھ ریڈیائی اسکرپٹ کی طرح کئی چہرے عیاں ہو جاتے ہیں۔ نقاش کاظمی ، نصیر ترابی ، رسول احمد کلیمی ، نیر عزیز مسعودی ، انیس زیدی صوتی اثرات دیتے نظر آتے ہیں.... پس پردہ بھاری بھر کم آواز پروفیسر حسن عسکری فاطمی کی سنائی دیتی ہے.... ۔ فاطمہ حسن ، قدسیہ اکبر، ساجدہ قدوسی ، ڈاکٹر ریحانہ شاہ ، ہما بخاری کی پر اثر آوازیں گونجنے لگتی ہیں.... دھیمی موسیقی کی جھنکار رفعت علی خان کے بک اسٹال سے سنائی دینے لگتی ہے اور اسکرپٹ کے پروڈیوسر جناب اویس ادیب انصاری کی کار کراچی کی سڑکوں پر دوڑتی ، فراٹے بھرتی نظر آتی ہے، کیونکہ یاور مہدی کے ذکر پر ادیب انصاری کا ذکر نہ ہو تو اسکرپٹ مکمل نہیں ہوتا۔

ہم نے سنا ہے کہ جشن یاور کی تیاریاں پورے شباب پر ہیں۔ جشن کمیٹی نے

یاور مہدی کی شخصیت کو خراج تحسین پیش کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے ۔ کمیٹی کے روح و رواں " میاں فولادی " اویس ادیب انصاری ہیں جو اسٹیل مل کے افسر ہونے کے ساتھ آرٹس کونسل کی پسندیدہ شخصیت بھی ہیں ۔ ان کے فولادی ارادوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کام اسٹیل مل میں کرتے ہیں ، رہتے بھی وہیں ہیں ، مگر ان کے دل و دماغ آرٹس کونسل کی گہما گہمی میں کھوئے رہتے ہیں ۔ اسی عشق میں وہ کم از کم روزانہ دو مرتبہ شہر اور اسٹیل مل کا دورہ کرتے ہیں ۔ انھیں " میاں فولادی " ہم ان کے مضبوط ارادوں کے سبب گردانتے ہیں ۔ ہم نے سنا ہے کہ ان کے نقش قدم پر کچھ لوگوں نے چلنے کی کوشش کی مگر سنا ہے کہ وہ اسٹیل مل اور شہر کے درمیانی فاصلوں کی نذر ہو گئے ، ہنوز لاپتا ہیں ۔ شہر میں وہ " جشن یاور " کے اہتمام کی تگ و دو میں مصروف ہیں ۔ یہ مضمون بھی ان کے جھنجوڑنے پر لکھا جا رہا ہے ۔

یاور مہدی کے ایک اور دوست ان کے نام سے ملتے جلتے مہدی امام ہیں ۔ یاور اور ان میں مماثلت لفظ " مہدی " کی ہے ، کام بڑے مختلف ہیں ۔ فرق یہ ہے کہ مہدی امام بات سے بات نکالتے ہیں اور پھر بال کی کھال نکالتے ہیں ، بعض اوقات تو بال رہ جاتا ہے اور کھال نکل آتی ہے ۔ ان کی اس عادت سے کچھ خوش اور کچھ ناشاد ہیں ۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ ہم یاور مہدی پر مضمون لکھ رہے ہیں تو انھوں نے بات سے بات نکالی ۔ اس مضمون کا عنوان تجویز کیا " یاوارگی " ۔ ان کا کہنا ہے کہ یاوارگی ایک کیفیت کا نام ہے جو یاور سے دوستی کے دوران طاری ہو جاتی ہے ۔ وہ " یاوارگی " کا انگریزی ترجمہ Yawarization (یاورائزیشن) گردانتے ہیں ۔ ان کے مطابق یاوارگی یاور کی مصروفیات اور دوستی کی کیفیت کا دوسرا نام ہے ، اس کا آوارگی سے قطعی کوئی تعلق نہیں ۔ مہدی امام کے مقابلے میں یاور مہدی جو " بھائی " زیادہ اور " مہدی " کم ہیں ، اپنے دور کے بڑے شخصیت ساز شخص ہیں ۔ ان کی

شخصیت سازی کا فن کچھ اس قدر تیکھا ہے کہ ریڈیو پاکستان کے مشہور زمانہ "بزمِ طلبا" کے نکلے ہوئے نوجوان آج بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں ۔ یاور مہدی نے کیسے کیسے لوگ بنا دیے ، اس کی ایک طویل فہرست ہے جس کے لیے علیحدہ مضمون یا کتاب کی ضرورت لاحق ہو گی ۔

شخصیت ساز یاور مہدی کو شہرت و نام و نمود سے کوئی دلچسپی نہیں ۔ وہ ہمیشہ تقریبات کی آخری نشستوں پر براجمان نظر آتے ہیں ۔ "جشنِ یاور" پر بھی امید ہے کہ وہ اسٹیج پر نظر آئیں گے ، تاج پہنیں گے ، اپنے متعلق تقاریر سنیں گے ۔ ہمیں ڈر ہے کہ وہ "جشنِ یاور" کے روز حسبِ عادت پچھلی نشستوں پر براجمان نہ ہوں ۔ ایسا نہ ہو کہ اویس ادیب انصاری تاج لیے انھیں ڈھونڈ رہے ہوں اور تقریب میں موجود ان کے ہم شکل داد وصول کر رہے ہوں ۔

ایس ۔ ایچ ہاشمی

(مینجنگ ڈائرکٹر، اوریئنٹ ایڈورٹائزنگ)

مثالی معاشرہ اچھے افراد سے تشکیل پاتا ہے ۔ صاحبِ علم اور صاحبِ فراست لوگ کسی بھی معاشرے کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ وہ نہ صرف معاشرتی قدروں کے پاسبان ہوتے ہیں بلکہ ان قدروں کی ترویج اور آئندہ نسل تک ان کی منتقلی کو اپنا فریضۂ اول گردانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خصوصی عنایات، صلاحیتوں اور فہم و ادراک کو بروئے کار لاتے ہوئے خدمتِ مخلوقِ خدا کے عظیم نصب العین کے ساتھ جہاں بانی و جہاں سازی کو مقصدِ حیات بناتے ہیں ۔ وہ جہاں بھی ہوں ، زندگی کے جس میدان میں بھی ہوں ، ان کے ہر عمل میں ، ہر بات میں معاشرتی فلاح اور انسان دوستی کا پہلو غالب نظر آتا ہے ۔

یاور مہدی مذکورہ بالا صفات سے متصف شخصیت کا پرتو لیے ہوئے ہیں ۔ وہ وطن عزیز کے ادبی و سماجی حلقوں میں جانی پہچانی شخصیت اور اپنی ذات میں ایک انجمن کے مصداق تقریباً چار دہائیوں سے ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ تشنۂ احساس خدمت کی آبیاری کے لیے کراچی آرٹس کونسل کو مرکز بنایا جہاں وہ زبان و ادب اور فن و ثقافت کے حوالے سے ملک و قوم کو اپنی گراں قدر خدمات سے فیض یاب کر رہے ہیں ۔ میڈیا کے میدان میں آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ۔ قومی و بین الاقوامی آفاق پر جگمگانے والے کئی ستارے ایسے ہیں جو ان کے ہاتھوں روشن کیے ہوئے چراغ ہیں ۔ یقیناً جو محبت وہ وصول کر رہے ہیں، وہ محبت انھیں کے شایانِ شان ہے ۔

ہم خدا تعالیٰ سے ان کی صحت اور درازیٔ عمر کے لیے دعاگو ہیں کہ ملک و قوم کو صاحبِ کردار افراد کی ضرورت ہے ۔

اعترافِ خدمات

فرید شمسی (علیگ)

(مدیر اعلیٰ ہفت روزہ پنج لوک ، کراچی)

برادرم اویس احمد ادیب انصاری نے جب "جشن یاور مہدی" منانے کی اطلاع دیتے ہوئے مجھ سے ان کے بارے میں اپنے تاثرات لکھنے کے لیے کہا تو یقین کیجیے کہ دل نے لبیک کہا اور میں نے بخوشی حامی بھرلی، ورنہ تو عموماً میں "تقریظ" لکھنے سے گریز کرتا ہوں ، اس لیے کہ غیر مستحق افراد کے لیے دل پر جبر کر کے تعریف و توصیف لکھنے کا مطلب ہے کہ میں بھی قارئین کو گمراہ کرنے میں شریک ہوں جو میرے مزاج کے خلاف ہے ۔ اس کے برعکس میں ایسے شخص کی نہ صرف قدر کرتا بلکہ

اپنی کم مائیگی کے باوجود وہ سب کچھ کرنے کے لیے تیار رہتا ہوں جس کی ادب و فن یا سماج کے لیے نمایاں کاوشیں ہوں۔

یاور مہدی بھی انھیں شخصیات میں سے ہیں جن کی اس شہر کے لیے قابل قدر خدمات ہیں جن کا اعتراف یہاں کے علمی، ادبی و ثقافتی حلقوں پر واجب ہے، اور مقام مسرت ہے کہ یہ قرض ان کا جشن منا کر اب ادا کیا جا رہا ہے۔ جو لوگ اس جشن کا اہتمام کر رہے ہیں، وہ یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں۔

یاور مہدی صاحب سے میری تقریباً پچیس سال سے یاداللہ ہے۔ آج کی سی بات ہے کہ ریڈیو پاکستان کے ایک مشاعرے میں شریک ہوا تھا جس کے وہ پروڈیوسر تھے۔ ملاقات ہوئی تو ان کی شخصیت نے ایسا سحر کیا کہ آج بھی ان کا گرویدہ ہوں۔ مسکراتے ہوئے دھیمے لہجے میں ان کی گفتگو کا انداز کسی کو بھی ان سے ناخوش نہیں ہونے دیتا۔ وہ ایک ممتاز اور اعلیٰ قدروں کے حامل خاندان کے فرد ہیں جہاں اس دورِ خرابی میں بھی اخلاق و مروت جیسی صفات کا پاس رکھا جاتا ہے۔

یاور مہدی ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہونے کی بنا پر مختلف شہروں اور ریڈیو کے مختلف شعبوں میں خدمات انجام دے چکے ہیں اور ہر جگہ اپنی محنت اور لگن کی بنا پر یادگار نقوش چھوڑے ہیں۔ ہر دل عزیزی کے ساتھ ان کی نمایاں خوبیوں میں سے امتیازی خوبی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے پیشے اور ذمے داریوں سے مخلص رہے۔ انھوں نے اپنے پروگراموں میں بلاامتیاز مستحق افراد کو آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ اس ملک میں ایسے ہزاروں معروف افراد مل جائیں گے جو شاید یاور مہدی کی حوصلہ افزائی کے بغیر آج اس مقام پر فائز نہ ہوتے۔

میری اطلاعات کے مطابق ریڈیو پاکستان کی ملازمت کی اہم ذمے داریوں کے علاوہ بھی وہ کئی سماجی اور ادبی انجمنوں میں بھرپور حصہ لیتے رہتے ہیں اور لوگ اپنے اداروں میں ان کی شرکت کو فالِ نیک سمجھتے ہیں۔ آرٹس کونسل، کراچی کی

سرگرمیوں کو نئی زندگی دینے والوں میں ان کا نمایاں حصہ رہا ہے جس کے نتیجے میں پروگراموں کا تسلسل اور معیار کہیں بہتر ہو گیا ہے۔

میں ایک بار پھر اراکین کو جشن یاور مہدی منعقد کرنے پر مبارک باد دیتا ہوں اور جشن کی کامیابی کے لیے خلوص دل سے دعا گو ہوں۔

یاور مہدی .... میری نظر میں

سید جاوید اقبال

(اڈیٹر، "تھرڈ ورلڈ")

خلوص اور محبت کا اگر کوئی generic نام ہے تو وہ یاور مہدی کی صورت میں موجود ہے۔

میری ان سے تقریباً تیس سال کی شناسائی ہے۔ پہلی ملاقات ۱۹۶۶ء میں ہوئی جب میں نے نیا نیا کالج کا ماحول دیکھا تھا اور طلبا کی یونین کی جانب سے "بزم طلبا" سے رابطہ رہتا تھا۔ وہ نہایت شفیق انسان ہیں اور بغیر کسی غرض کے ہر کسی کی مدد اور رہ نمائی کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ کراچی کے نوجوان رہ نماؤں کو "دریافت" کرنے اور ان کی صلاحیتوں کو نکھارنے میں یاور مہدی نے کلیدی کردار ادا کیا ہے تو بے جا نہ ہو گا "بزم طلبا" نے جو قیادت ملک کو فراہم کی ہے، اس کی مثال شاید ہی کہیں ملے۔ سیاست کا شعبہ ہو یا تعلیم کا، صداکاری کا ہو یا ڈراما نویسی کا، یاور مہدی کی خدمات ہر جگہ نظر آتی ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مختلف نظریات کے حامل طلبا اور طالبات نے یاور مہدی سے یکساں سلوک پایا ہے۔ ان کے یہاں دائیں اور بائیں کی کوئی تفریق نہیں۔

یاور بھائی.... ایک مہربان استاد

رضیہ حسن

(انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ، حکومتِ سندھ)

کہتے ہیں کہ گھنے سایہ دار درخت کے نیچے چھوٹے پودے پنپ نہیں سکتے، لیکن یاور بھائی ایسا چھتنار درخت ہیں جن کے سائے تلے پودے نہ صرف پھلے پھولے بلکہ ان کی اپنی شناخت اور پہچان بھی ہے۔

یہ میری خوش قسمتی کہ میں نے ریڈیو پاکستان سے جب پروگرام "بزم طلبا" کا آغاز کیا تو یاور مہدی صاحب اس پروگرام کے انچارج تھے۔ یاور بھائی (جگت یاور بھائی، نہ جانے گھر میں بھی ....) نے اپنی ذاتی دلچسپی اور کوششوں سے طالب علموں کے اس پروگرام کو سب سے زیادہ سنا جانے والا پروگرام بنادیا۔ یاور بھائی کی جوہر شناس نظریں طلبا کی صلاحیت اور قابلیت کو پرکھ لیتیں اور پھر وہ اس کو جلا سنوار کر ایک بھرپور شخصیت بننے میں مدد دیتے۔

آج کتنے ہی ایسے لوگ زندگی کے مختلف شعبوں میں نمایاں اور ممتاز ہیں جن کا شمار انگلیوں پر کرنا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ یاور بھائی نے اپنی ذات کی نفی کرکے ہمیشہ دوسروں کے مفاد کو پیش نظر رکھا۔ وہ اتنے مشفق اور مہربان ہیں کہ آج بھی ان سے رہ نمائی لیتی ہوں۔ غرض وہ ایک ایسے روشن چراغ کی مانند ہیں جس کی روشنی سب کے لیے یکساں ہے۔

یاور بھائی کی شخصیت اتنی ہمہ جہت ہے کہ اس پر لکھنے کے لیے صفحات درکار ہیں۔ ان کی ذات اتنی مخلص اور محبت والی ہے کہ آپ لکھتے جائیے اور پھر بھی یہ حسرت رہ جائے کہ حق ادا نہ ہوا۔ خدا انھیں صحت تن درستی اور زندگی دے تاکہ ہم جیسے ان کی ذات سے مستفید ہوتے رہیں، آمین!

شہرِ کراچی کے شہنشاہ .... یاور مہدی

ایاز احمد فاروقی

(مدیر اعلیٰ و ناشر، ادبی ماہ نامہ "جواہر پارے")

کہتے ہیں کہ جذبہ سچا ہو تو انسان ایک نہ ایک دن اپنی منزل ضرور پالیتا ہے کچھ ایسی ہی مثال شہرِ کراچی کی ممتاز شخصیت یاور مہدی صاحب کی ہے جو ریڈیو پاکستان، کراچی کے ڈپٹی کنٹرولر ہیں۔ یاور مہدی صاحب اپنی ان تھک محنت اور لگن کے سبب نہ صرف شہرِ کراچی کے عوام کی خدمت کر رہے ہیں بلکہ انھوں نے اپنی صلاحیت کا لوہا بھی منوا لیا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج ان کے اعزاز میں ایک بہت بڑی تقریب منعقد کی جارہی ہے۔ دراصل یاور مہدی صاحب نے اپنی سروس کے دوران بیک وقت مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی ہے، مگر ان کی بنیادی حیثیت اور پہچان ریڈیو پاکستان میں ڈپٹی کنٹرولر کی ہے۔ ہاں! یاور مہدی صاحب ریڈیو پاکستان میں اپنی خدمات سرانجام دینے کے ساتھ مخلص دوست اور سماجی کارکن ہونے کے باعث اور آرٹس کونسل کی پبلی کیشن کمیٹی کے چیئرمین اور خازن ہونے کے باعث آرٹس کونسل کی بے شمار محفلوں کو منعقد کروانے میں کامیاب سمجھے جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر یاور مہدی صاحب کو "شہرِ کراچی کے شہنشاہ" کا لقب دے دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا، کیونکہ یاور مہدی صاحب اپنی ذہنی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے جس قدر سنجیدگی کے ساتھ فلاحی و سماجی کام کرتے ہیں، وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ یاور مہدی صاحب ڈپٹی کنٹرولر ہوں یا آرٹس کونسل کی پبلی کیشن کمیٹی کے چیئرمین، ہر مقام پر یاور مہدی صاحب کی عقل ان کی حمایت کرتی نظر آتی ہے، یہی اچھے انسان

کی پہچان ہے۔

میری دعا ہے کہ خداوندِ کریم یاور مہدی صاحب کو مزید کامیابیوں سے ہم کنار کرے۔آمین!

فرزانہ رحمان

(اڈیٹر، ویمن ایریک آف پاکستان اینڈ پریزیڈنٹ لیڈیز فورم)

یاور مہدی کا نام ریڈیو پاکستان کے ساتھ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے، انھوں نے اپنے آپ کو ریڈیو کے لیے وقف کر رکھا ہے۔اس کے علاوہ ان کی وجہِ شہرت آرٹس کونسل آف پاکستان کے لیے گراں قدر خدمات بھی ہیں۔اس اہم ادارے کے لیے جو ادبی اور ثقافتی سرگرمیاں یاور مہدی کے دم سے ہیں، وہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

یاور مہدی یا یاور بھائی (جو بالعموم اسی نام سے پکارے جاتے ہیں) کراچی کی تمام نمایاں تقاریب میں بہت معروف و مقبول ہستی ہیں، اور ان کی موجودگی سے شہر کی ادبی و ثقافتی تقریبات کو جلا ملتی ہے۔

یاور مہدی نے اس شہر اور ریڈیو پاکستان کی سالہا سال خدمت کی ہے اور مجھے خوشی ہے کہ ان کے طویل اور نمایاں کارناموں کی بنا پر ان کی خدمات کے اعتراف کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔

میں اس موقع پر منتظمین اور یاور بھائی کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتی ہوں کہ وہ مزید اس شہرِ کراچی کی ادبی و ثقافتی دنیا کو زندہ رکھنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔

یاور رم

مہدی امام

آج کے اس منافقانہ ماحول میں کسی زندہ شہرت یافتہ شخص کے بارے میں آزادانہ رائے دینا مصیبتوں کو دعوت دینا ہے۔ یہی مشکل آج مجھے درپیش ہے جبکہ یاور مہدی جیسی ہمہ پہلو شخصیت پر اپنے تاثرات رقم کرنے جا رہا ہوں۔

یاور کی زندگی کے متعلق ریڈیو پاکستان کے حوالے سے بہت کچھ لکھا اور کہا جائے گا۔ اس ضمن میں "بزم طلبا" اور "بزم طلبہ" کا ذکر ہوگا اور آرٹس کونسل سے ان کا گہرا رشتہ بھی زیر بحث ہوگا۔ یہاں کی سرگرمیوں میں "بزم طائفہ" اور "بزم توتا" کہانی بھی موضوع سخن ہوں گے۔ یہ مصروفیات ان کی زبان سے معتبر سمجھے جائیں گے جو ان کے دیرینہ ساتھی رہے ہوں۔ میں تو گزشتہ چند ماہ سے ان کے حلقۂ احباب میں شامل ہوا۔ دراصل ان سے میری ملاقات نو عمری کی نہیں بلکہ "پختہ عمری" کی ہے، اس لیے اس کا تقاضا ہی کچھ اور ہے۔ مجھے اس وقت عصمت چغتائی کا یہ جملہ کہ "جب بھی تمھاری تعریف کی جائے تو دھیان نہ دینا اور تنقید پر بار بار غور کرنا" یاد آرہا ہے۔ اس نصیحت کو اپنے اور یاور مہدی کے درمیان ڈھال کی طرح استعمال کرتے ہوئے چند تاثرات لکھنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

یاور مہدی بحیثیت شخصیت ساز بہت جانے پہچانے جاتے ہیں۔ انھوں نے ہزاروں طلبا و طالبات کی نشو و نما کی اور محبت و شفقت سے ان کو تراش کر قابل عمل اور قابل قبول بنایا جو آج ملک کے اندر اور باہر کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔

یاور آرٹس کونسل کو ایک ایسا ادارہ بنا چکے ہیں جہاں مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے ان کے اہم ستون ہیں۔ وہ ذات پات کی بندشوں کے قائل نہیں۔

وہ ایک ایسی ٹیم لے کر چلتے ہیں جو ادارے کو فعال بنا سکے۔ دراصل آرٹس کونسل ایک ادبی، سماجی و ثقافتی اقوام متحدہ ہے، اور اس بین الاقوامی ادارے کی طرح یاور نے بھی مختلف ذیلی ادارے بنا رکھے ہیں جن میں Security Council بھی ہے اور Veto Power کا حق بھی محفوظ ہے۔ یاور کی یہ تمام سرگرمیاں صرف اور صرف ادب و ثقافت اور تہذیب کی نشر و اشاعت کے لیے ہیں۔ وہ اپنا وجود ان کاموں کے لیے وقف کر چکے ہیں۔ ان خدمات کے صلے میں اپنا ایک شعر ان سے منسوب کر رہا ہوں:

آپ ہی کے دم سے ہے فکر و نظر کی آبرو
دیکھا ہے ہم نے شاہ گر سب کچھ ہیں، واحد آپ ہی

یاور کی ان صلاحیتوں کے اعتراف میں ان کے قدرداں ہزاروں خواتین و حضرات جو ان کے گہوارۂ گراں مایہ سے فیض یاب ہوئے، "جشنِ یاور" کی تقریبِ سعید میں یاور کے اس قرض کو ایک ہی قسط میں منافع کے ساتھ چکا سکتے ہیں ان کی جیب سے کچھ نہیں جائے گا، صرف جیب کے ساتھ یاورم کا بیج لگا کر یاور کی محبتوں اور شفقتوں کا جواب دیں گے۔ یہ مجھے بھی فخر ہوگا کہ میں "یاورم" کے قبیلے میں شامل ہو جاؤں، مگر یہ سوچ کر ڈر لگتا ہے کہ علی گڑھ سے تعلیم یافتہ "علیگ" کہلانے کے اس وقت تک مستحق نہیں جب تک کہ طویل عرصے تک اس ادارے سے وابستہ نہ ہوں۔ کیا میری چند ماہ کی رفاقت مجھے "یاورم" کہلانے کا حق دے سکتی ہے؟

Count your life by smiles not by tears

Count your age by friends not by years

اس کا جواب تو یاور ہی دے سکتے ہیں، مگر وہ بھی آج چاہنے والوں کے نرغے میں ہیں اور مجبور بھی:

لتنے حصوں میں بٹ گیا ہوں میں
اپنے حصے میں کچھ بچا ہی نہیں

میری دعا ہے کہ یاور اپنے مشن میں سرگرم عمل رہیں اور اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد کردار سازی اور شخصیت سازی کے عمل کو جاری رکھیں۔ خدا انھیں ہمت و صحت عطا کرے!

پرتو مہر سے ذرے میں چمک آتی ہے

رشید عمر تھانوی

میں لاہور میں تھا اور یاور مہدی کراچی میں تھے، میں لاہور ریڈیو کا صداکار تھا قلم کار تھا اور یاور مہدی کراچی ریڈیو کے پروڈیوسر تھے۔ باہمی ربط کوئی نہ تھا، ملا بھی نہیں تھا، لیکن پھر بھی یاور مہدی سے ان کے مداحوں کے ذریعے، انھیں اچھے نام سے یاد کرنے والوں کے ذریعے واقف تھا۔یہی وجہ تھی کہ جب ۴۰ کی دہائی میں کراچی میں یاور مہدی سے ملاقات ہوئی تو یوں محسوس ہوا کہ برسوں سے انھیں جانتا ہوں .... مخلص، ملنسار اور اپنے کام میں یکتا۔

ریڈیو میں یاور مہدی کی ملازمت کا دور ریڈیو پاکستان پر احسان عظیم ہے کہ انھوں نے اپنی محنت اور لگن سے نوجوانوں میں چھپی ہوئی فن ادائیہ کی چنگاریوں کو کریدا، انھیں ہوا دی، حوصلہ افزائی کی اور ان کی فن کارانہ صلاحیتوں کو جلا بخشی اور وہ نوجوان جو ریڈیو اور آواز کی دنیا سے واقف بھی نہ تھے، دیکھتے دیکھتے اچھے صداکار بن گئے۔

میری بد قسمتی کہ یاور مہدی کی تربیت سے محروم رہا کہ وہ ذرا بعد میں اس دنیا میں آئے یا میں کچھ پہلے آگیا، البتہ ایک ایسی خاتون کا شوہر ضرور ہوں جو اپنے جہیز میں یاور مہدی کی تربیت ساتھ لائی ہیں۔

بیگم تمیم عمر تھانوی

میں سینٹ جوزف میں پڑھتی تھی ۔ یاور بھائی ایک پروگرام کیا کرتے تھے بزم طلبا۔ اسے سنا، اچھا لگا اور بغیر کسی توسط یا سفارش کے ریڈیو پاکستان، کراچی پہنچ گئی ۔ یاور بھائی سے ملاقات ہوئی ۔ سچ بات تو یہ ہے کہ صداکاری کی الف ب بھی نہیں آتی تھی، لیکن یاور بھائی نے "بزم طلبا" کی میزبانی کی ذمے داری میرے سپرد کردی ۔ ان کی سرپرستی میں، میں نے بہت کچھ سیکھا۔ وہ انتہائی شفیق انسان ہیں اور بہت ہنر مند استاد ۔ محمد نقی، دوست محمد فیضی، خوش بخت عالیہ، گو مجھ سے خاصے سینئر ہیں، لیکن یہ سب یاور بھائی سے ہی تربیت یافتہ ہیں۔

میں نے طویل عرصے تک "بزم طلبا" کی میزبانی کی لیکن بعد ازیں ریڈیو کے شوق کو جاری نہ رکھ سکی ۔ یاور بھائی سے جو کچھ سیکھا، اس کا مجھے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ شادی کے بعد میرے شوہر رشید عمر تھانوی جن کی ریڈیو سے گہری وابستگی ہے، مجھے ریڈیو اور آواز کی دنیا کے سلسلے میں ان کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا پڑا، کیونکہ ریڈیو کی ابجد میں نے یاور بھائی سے سیکھی ہے۔

کمانڈر روشن خیال

(اسسٹنٹ ڈائرکٹر پبلک ریلیشن، پاک بحریہ)

جس طرح اجالا سورج کا یا خوشبو پھول کی مرہونِ منت ہوتی ہے، بالکل اسی طرح قیامِ پاکستان سے آج تک شہرِ کراچی کی کم و بیش تین، چار نسلوں کے نوجوان جو ریڈیو پاکستان سے وابستہ رہے اور جن کی تعداد یقیناً ہزاروں میں ہے، اپنی ذہنی و فکری اور شخصی تعمیر کے سلسلے میں یاور مہدی صاحب کے مرہونِ منت ہیں۔ یاور صاحب نے جہاں اپنی بے انتہا صلاحیتوں سے ریڈیو کے پروگراموں کو نت نئی جہتوں سے روشناس کرایا، وہاں اس سے وابستہ نوجوانوں کی شخصیت سازی میں ایک انتہائی کلیدی کردار بھی ادا کیا۔ اس اعتبار سے یاور مہدی صاحب کی شخصیت جہاں ریڈیو کے لیے ایک دور کی حیثیت رکھتی ہے، وہاں دوسری جانب وہ ایک شخصیت ساز کے طور پر بھی جانے جاتے ہیں۔ عہدِ حاضر میں وہ نوجوان جن کا ماضی میں ریڈیو پاکستان سے تعلق رہا اور جو آج اپنی اپنی جگہ مختلف مقامات پر بڑے وقار سے قومی فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہیں، اپنے سماجی رتبے کے حوالے سے یاور مہدی صاحب کے مقروض ہیں جن میں، میں بھی شامل ہوں۔ مجھے فخر ہے کہ یاور صاحب کی شفقت، تربیت اور نصیحت زندگی کے ہر ہر مرحلے میں میرے شاملِ حال رہی۔

یاور صاحب، جو آج بھی پوری تن دہی اور بے لوثی سے فنونِ لطیفہ اور اس سے وابستہ افراد کی تعمیر و ترقی کے لیے کوشاں اور مصروفِ عمل ہیں، کو دیکھتے ہوئے دل سے دعا نکلتی ہے کہ خدایا! یہ شاخ یونہی ثمر بار رہے۔

یاور مہدی.... ایک تاثر

طاہر انور خان

(چیف ایگزیکٹو، انٹر فلو کمیونیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ)

اس پر آشوب دور میں جبکہ علم و فن کی قدر و قیمت اور زندگی کی اعلیٰ اقدار پامال ہو رہی ہوں، یاور مہدی کا جشن منانا اور ان کی خدمات کا بھرپور اعتراف کرنا ایک مثبت قدم ہے۔ مقتدر ہستیوں کا جشن ان کی زندگیوں میں منانا زندہ قوموں کا وتیرہ ہے۔

یاور مہدی مشرقی تہذیب اور روایات کی علامت ہیں۔ وہ جس تن دہی سے ادب و ثقافت کی خدمات انجام دے رہے ہیں، وہ انھی کا حصہ ہے۔ ان کا شمار ان ہستیوں میں ہوتا ہے جو اپنی دھن کے پکے اور لگن کے سچے ہوتے ہیں۔ یاور مہدی کراچی شہر کی ایک نام ور اور ہمہ گیر شخصیت ہیں۔ ان کا نام ثقافتی اور ادبی حلقوں میں بڑے احترام سے لیا جاتا ہے۔ ان کی ذات میں مروت، محبت اور پاس داری کی ایسی خوبیاں شامل ہیں جو ہر شخص کو ان کا گرویدہ بنالیتی ہیں۔ انتہائی متحرک اور فعال شخصیت ہونے کے باوجود وہ بے حد منکسر المزاج ہیں۔ ان میں خلوص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے جو ان کی شخصیت کو مزید پروقار بناتا ہے۔ یاور مہدی اپنی ذات میں بلاشبہ ایک انجمن ہیں جن کی خصوصیات بیان کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

امید کی جاتی ہے اہلیان کراچی جشن کمیٹی یاور مہدی کی علمی، ادبی اور ثقافتی خدمات کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کو اجاگر کرکے شائقین فن و ادب کے سامنے ان کی شخصیت کو اس انداز سے پیش کرے گی جو آئندہ نسلوں کے لیے مشعل راہ اور

منارۂ نور ثابت ہو۔

میری ان سے رفاقت کافی عرصے سے قائم ہے۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت کے بہت سے پہلو مجھ پر آشکار ہو رہے ہیں۔اس موقع پر یاور مہدی کو خراج عقیدت پیش کرنا میرے لیے ایک بڑا اعزاز ہے۔

یاور مہدی یا سحر

نبیل الرحمان

محترم جناب یاور مہدی صاحب کی ذاتِ عظیم پر کچھ لکھنا وہ بھی جناب پروفیسر انصاری صاحب کے بقول ڈیڑھ صفحے پر لکھنا، یہ تو گویا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

بہرحال جناب یاور مہدی سے میرا تعارف میری عزیزہ ہمشیرہ شیبا آفتاب حیدری کے توسط سے ہوا۔پہلی بار جناب یاور مہدی کے روبرو ہوا تو مجھ پر ایک سحر سا طاری ہوگیا۔ان کی ظاہری شخصیت ہی اتنی پر تاثیر تھی کہ لفظوں میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ہمشیرہ کے تعارف کرانے پر انھوں نے ازراہِ کرم جب مجھے مخاطب کیا تو میرے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے۔آپ نے نہایت محبت اور شیریں لہجے میں مجھے مخاطب کیا اور میرے حال دریافت کیے۔ان کے لہجے کی چاشنی سے میرے ذہن پر چھائی ہوئی دھند مزید صاف ہونے لگی۔مختصر کلام کی جادو آفرینی کے بعد وہ دوبارہ میری ہمشیرہ سے ہم کلام ہوگئے اور میں اس پہلی ملاقات میں بت بنا ان کی سحر انگیز اور نکتہ رس باتیں سنتا رہا۔

تو دوستو! یہ تھی ہماری پہلی ملاقات۔اس کے بعد میں اکثر و بیشتر ان کی

خدمت میں حاضر ہونے لگا اور اپنے ہر مسئلے کا حل ان سے دریافت کرنے لگا۔ ان کی شخصیت اتنی "جامع" اور مکمل ہے کہ شاید ہی زندگی کا کوئی ایسا مسئلہ یا پہلو ہو جس کا ان کے پاس مکمل اور مختصر وقت میں جواب موجود نہ ہو۔ وہ ہر گتھی منٹوں میں سلجھا دیتے ہیں۔ وہ اپنی ذات میں ایسی چلتی پھرتی اکیڈمی ہیں کہ میں نے جب بھی ان سے ملاقات کی تو محسوس کیا کہ میں نے ان سے کافی سیکھا اور پھر سیکھنے اور سکھانے کا یہ سلسلہ چلتا رہا اور میں ان سے بہت کچھ سیکھتا چلا گیا۔ ہر انسان کی حوصلہ افزائی اور ہمت افزائی کرنا آپ کی ذات کا شیوہ ہے اور یہ ایسی خوبی ہے جو کم ہی لوگوں میں نظر آتی ہے۔

جناب یاور مہدی کی شخصیت ایک ایسی ہستی کا نام ہے جو اعلیٰ مجموعۂ صفات ہیں، جن کی ہر صفت جدا ہے اور مخلوقِ خدا کی بھلائی کے لیے وقف ہے۔ یہ بات میں برسوں کے مشاہدے کے بعد کہہ رہا ہوں، کیونکہ میں نے کبھی جناب یاور مہدی کو کسی سے اپنی ذات کے متعلق کسی کام کے لیے کہتے ہوئے نہیں سنا اور نہ کبھی دیکھا۔ آپ ہمیشہ دوسروں کے کام آتے رہے اور آرہے ہیں۔ اس کے علاوہ یاور صاحب کی شخصیت میں ایک ایسی وضع داری، ایک ایسا جادو یا سحر ہے کہ لوگ آپ کے پاس سے اٹھ کر جانے کا نام نہیں لیتے۔ چاہے کوئی کتنا ہی مایوس یا غم زدہ آ جائے، وہ ہمیشہ پرامید اور ہنستا ہوا رخصت ہوتا ہے۔ آپ کے کردار کی عظمت اور بلندی سے بڑے بڑے عیاں و پوشیدہ کھوکھلے دعوے کرنے والے شمشیر زنوں کی قلعی کھل گئی۔ آپ کے پاس کسی بھی مذہب فرقے، پارٹی یا پھر کسی بھی طرزِ فکر کا مالک آئے، وہ آپ سے کبھی اختلاف نہیں کرے گا۔ غرض یہ کہ یاور مہدی صاحب علامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق ہیں:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں اللہ کی برہان

یاور مہدی.... ایک ٹائرلیس آدمی کی ریٹائرمنٹ

امداد نظامی

(نائب صدر، کوئٹہ پریس کلب، کوئٹہ)

"یاور مہدی دو ماہ بعد ریڈیو پاکستان کی ملازمت سے ریٹائر ہو جائیں گے"۔ ایک ہمدم دیرینہ نے کراچی سے فون کر کے یہ خبر مجھے سنائی۔ اس میں چونکانے والی کوئی بات نہ تھی، نوکری کرنے والے ہر شخص کو اس مرحلے سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ انگریزوں کی حکومت میں دیسی لوگوں کو پچپن سال کی عمر میں ناکارہ (unserviceable) قرار دے دیا جاتا تھا۔ ہم اپنی توانائیوں کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی خوش خیال ثابت ہوئے، لہذا ہم نے اس مدت میں توسیع کر لی لیکن ریٹائرمنٹ سے نجات حاصل نہ کر سکے۔ یہ زندگی کا ایک لازمہ اور معمول بن چکی ہے۔ اس کے باوجود اس خبر نے مجھے خاصے زور سے چونکا دیا ہے۔

اچھا! یاور مہدی جیسا tireless آدمی بھی retire ہو سکتا ہے؟ وہ تو خود سر سے پاؤں تک چلتا پھرتا ریڈیو پاکستان ہیں، کیا انھیں بھی ریڈیو پاکستان سے رخصت کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا وہ واقعی اسی خوش دلی اور سعادت مندی سے رخصت ہو جائیں گے جو چھتیس، پینتیس سال تک ان کی کارکردگی کا اصول بنی رہی؟ یہ اور ایسے ہی کئی سوال میرے ذہن میں ابھرتے چلے گئے۔ پھر طویل باہمی رفاقت کی یادیں ایک سیلاب کی طرح ابھریں اور مجھے اپنے ساتھ بہا لے گئیں۔

کسٹمز کی ثمر بار افسری کو اپنے لیے ناموزوں پا کر (یا شاید اپنے آپ کو اس کے لیے ان فٹ تسلیم کر کے) میں نے اس سے استعفا دیا اور "ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے" کے قانون قدرت کے تحت روزنامہ "انجام" میں آگیا۔ وہاں جو فرائض

میرے سپرد تھے۔ ان میں ایک یہ بھی تھا کہ میں اخبار کے شعبۂ تعلیم "دانش کدہ" کا مدیر تھا۔ عین انھیں دنوں ریڈیو پاکستان، کراچی کے شعبۂ تعلیم "یونی ورسٹی میگزین" کی ترتیب و پیش کش یاور مہدی کے فرائض میں شامل تھی۔

میرا بنیادی فریضہ اس سلسلے میں صرف یہ تھا کہ طلبا و طالبات کے لیے انھیں کی تحریروں پر مشتمل ایک صفحہ ترتیب دے کر ہر ہفتے شائع کر دیا جائے۔ ادھر "یونی ورسٹی میگزین" کے نام سے جو ترکہ یاور مہدی کو ملا، وہ مہینے بھر میں طلبا و طالبات کے لیے نشر ہونے والے دو پروگرام تھے، ایک اردو میں اور دوسرا انگریزی میں۔ بظاہر دونوں کا کام بہت سادہ اور آسان تھا۔ میرے پاس طلبا و طالبات کی ڈاک کے ڈھیر لگے رہتے تھے اور یاور مہدی اپنے پروگراموں کے لیے مقامی کالجوں اور کراچی یونی ورسٹی کے طلبا و طالبات اور اساتذہ کو دعوتِ شرکت دیتے تھے۔ یہ دعوت بڑی خوشی سے قبول کی جاتی تھی، کیونکہ ان دنوں ریڈیو پاکستان کے اسٹوڈیو اور اس کے توسط سے ہوا کے دوش تک رسائی کو ایک قابلِ فخر اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ ہم چاہتے تو ان آسانیوں کی بدولت بڑی عافیت کی زندگی گزار سکتے تھے لیکن یہ آسانیاں ہمیں راس نہ آئیں۔ ہمیں رسمی انداز میں صفحے اور پروگرام ترتیب دے کر پیش کر دینا قبول نہ تھا۔ ہم طالب علموں اور تعلیم کے ان پلیٹ فارموں کو اس طرح استعمال کرنا چاہتے تھے کہ ہمارا ہر قدم ایک مشکل، ایک آزمائش اور ایک چیلنج کی طرف بڑھے اور ہمارا ہر کام واضح مقصدیت کی لازمی خوبی کے ساتھ طلبا برادری اور تعلیمی شعبے کے لیے دل کش اور دلچسپ بھی ثابت ہو اور مفید بھی۔ ہم دونوں نے اس بارے میں اپنی اپنی جگہ سوچا اور اس کے عملی پہلوؤں پر غور شروع کیا۔ ایک اتفاق نے ہماری ایک طویل ملاقات کا سامان کر دیا۔ کراچی یونی ورسٹی کے سابق طلبا نے گورنمنٹ کالج، ناظم آباد میں دو نام ور اور ہر دل عزیز مرحوم شعرا نظر حیدرآبادی اور ادیب سہارن پوری کی یاد میں ایک مشاعرے کا اہتمام کیا۔ میں اس مشاعرے میں

شاعر کی حیثیت سے بھی شریک تھا اور اخبار کے شعبہ ادب و فن کے نگراں کی حیثیت سے بھی اس کی روداد قلم بند کر رہا تھا۔ یاور مہدی اس مشاعرے کو ریڈیو پاکستان کراچی کے لیے ریکارڈ کر رہے تھے۔ دونوں کی نشستیں ایک ہی جگہ تھیں، لہذا مشاعرے سے متعلق فرائض کی ادائیگی کے علاوہ طلبا و طالبات اور تعلیم کے بارے میں کام کرنے کی خواہش پر بھی تبادلۂ خیال جاری رہا۔ اس دوران ہم نے اپنی مشترکہ حکمتِ عملی کا ابتدائی خاکہ بنا لیا اور طے کیا کہ اگلے روز ملاقات کے دوران اس منصوبے کو آخری شکل دی جائے گی اور باہمی اشتراکِ فکر و عمل کے ساتھ اپنے اپنے ذریعۂ ابلاغ کو تعلیم اور طلبا کی بہتری، ترقی اور فلاح کے لیے کام میں لانے کی راہیں متعین کی جائیں گی۔ ہم دونوں نے یہ راہیں متعین کر لیں اور طے کیا کہ

"یونی ورسٹی میگزین" کو خانہ پری کے بجائے ایک مکمل، جامع اور بامعنی پروگرام بنایا جائے.... انگریزی زبان کا نشریہ ختم کر دیا جائے، اسے پندرہ روزہ کے بجائے ہفتے وار پروگرام بنا کر اس میں طلبا و طالبات کی شرکت کو یقینی بنایا جائے.... ابتدا میں اس کا نام "یونی ورسٹی میگزین" ہی رہنے دیا جائے اور چند ہفتوں میں جب یہ پروگرام طلبا میں موثر طور پر معروف اور مقبول ہو جائے تو اس کا نام بدل کر "بزم طلبا" کر دیا جائے.... روزنامہ انجام کے تعلیمی شعبے "دانش کدہ" اور "بزم طلبا" میں اشتراک و تعاون کا رشتہ قائم کر کے ایک مشن کے طور پر غیر معمولی اور خصوصی صلاحیتوں کے حامل طلبا و طالبات کو تلاش کیا جائے اور نہایت باوقار طریقے سے ان کو ریڈیو اور اخبار کے ذریعے متعارف کرایا جائے تاکہ ان کے عزم و حوصلہ کو تقویت ملے، خود اعتمادی میں اضافہ ہو اور دوسرے طلبا میں بھی آگے بڑھنے کی امنگ پیدا ہو.... تخلیقی صلاحیتوں کے حامل طلبا و طالبات کی بھرپور حوصلہ افزائی کی جائے اور مختلف النوع مقابلوں اور انعامات کے ذریعے ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا جائے.... دونوں ادارے ایسی مجالس کا اہتمام کریں جن میں نام ور اساتذہ،

اہل دانش، اہل قلم، اور مختلف شعبوں کی ممتاز شخصیات کو مدعو کر کے طلبا و طالبات کو ان کے ساتھ مل بیٹھنے اور آزادانہ تبادلۂ خیال کے مواقع فراہم کیے جائیں اور ایسے تمام کام کیے جائیں جن کے ذریعے طلبا و طالبات کے جوہرِ ذاتی کو نکھارنے، ان کے علمی ذوق کو پروان چڑھانے اور ان کی خود اعتمادی کو مستحکم کرنے کے مقاصد پورے ہو سکیں۔ اس پوری ریاضت کے پس منظر میں یہ فلسفہ کارفرما تھا کہ اخبار کے صفحات اور ریڈیو کے پروگراموں کو محض ملازمت کا حصہ سمجھنے کے بجائے نئی نسل کی خدمت، تربیت اور حوصلہ افزائی کا مشن بنایا جائے۔ اس مشن کی تکمیل کے لیے دفتروں سے نکل کر طلبا کی محفلوں تک پہنچا جائے اور ان اداروں سے ان کا رشتہ اور تعلق میکانکی کے بجائے ذاتی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ اس وحدتِ فکر اور اشتراکِ عمل نے ہمیں ایک ایسے ابدی رشتے میں پرو دیا جو سگے بھائیوں میں بھی کم ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں استقامت بھی بخشی اور ہمارے مشن کو مثالی کامیابی بھی عطا کی۔

ہماری اس جدوجہد کی بدولت جن نوجوان طلبا و طالبات نے مثالی کامیابیاں اور قابلِ رشک شہرت حاصل کی، ان کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ اگر ان میں سے ایک فی صد کے نام بھی یہاں شامل کروں تو یہ مضمون بجائے خود ایک کتاب بن جائے گا۔ ہم دونوں کے لیے یہ بات بڑے اطمینان و افتخار کا باعث ہے کہ ہماری مخلصانہ کاوشوں نے ملک اور معاشرے کا دامن جوہرِ قابل کی دولت سے بھر دیا۔ زندگی کے ہر شعبے میں ہمارے ساتھ ساتھ چلنے والے نوجوانوں نے اپنی مثالی صلاحیتوں کے پرچم سربلند کیے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اپنی راہ سے نہ بھٹکا اور ملک و قوم کی خدمت ان میں سے ہر ایک کے پیشِ نظر رہی۔

کئی سال پر پھیلی ہوئی اس ولولہ انگیز داستان کا خلاصہ تو بس اتنا ہی ہے، لیکن یہ داستان اتنی سادہ اور اپنی منزلوں کی جانب ہمارا سفر اتنا ہموار بھی نہ تھا کہ

اس سے وابستہ یادوں کو الگ رکھ دیا جائے، خاص طور سے میرے لیے یہ مشن ایک مسلسل چیلنج بن گیا۔ میں اگر یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ یاور مہدی دوسرے تمام کام تو کرتے ہی تھے، ایک کام بڑے اہتمام اور انہماک سے کیا کرتے تھے، وہ یہ تھا کہ ہر وقت میرے لیے خطرے کی گھنٹی بجاتے رہتے تھے۔ اس کی چند مثالیں پیش کر رہا ہوں جو ایسے لاتعداد واقعات کی نمائندگی کریں گی۔

ایک روز انھوں نے فون کیا، "کچھ ضروری مشورہ کرنا ہے، ذرا آجاؤ"۔ میں پہنچا تو انھوں نے کاغذوں کا ایک ڈھیر میرے سامنے رکھ دیا اور فرمایا، "رمضان لمبارک آرہا ہے۔ 'بزم طلبا' کے پانچ پروگرام اس مہینے میں ہوں گے۔ ذرا ان پانچوں پروگراموں کی پلاننگ کر دو"۔ یہ ایک مشکل کام تھا لیکن مجھے کرنا پڑا۔ ہر پروگرام کا مکمل منصوبہ بھی تیار کیا اور اس میں شرکت کرنے والوں کے نام بھی تجویز کیے۔ یہ سارے پروگرام اس پلان کے مطابق ہوئے۔ یاور مہدی نے طلبا و طالبات کی صلاحیتوں میں اپنی پیشہ ورانہ مہارت اور محنت کو شامل کر کے ان پروگراموں کو یادگار بنا دیا۔ ایسے ہی خصوصی پروگرام محرم الحرام اور ربیع الاول میں بھی ہوتے رہے۔

اسی طرح ایک روز پیغام ملا، "کچھ احباب جمع ہیں، محفل جمی ہوئی ہے، صرف تمھاری کمی محسوس ہو رہی ہے، ذرا آجاؤ"۔ میں پہنچا تو ان کے کمرے میں کسی محفل کے آثار دکھائی نہ دیے۔ یاور مہدی خود تھے اور دو طالب علم محمد نقی اور اقبال فریدی جن کو ان کی معاونت کے لیے کنٹریکٹ پر رکھ لیا گیا تھا (بعد میں یہ دونوں نوجوان ریڈیو پاکستان کے مایۂ ناز پروڈیوسر ثابت ہوئے اور اہم عہدوں تک پہنچے، اب بھی خدمات انجام دے رہے ہیں)۔ میں نے پوچھا، "وہ احباب کہاں ہیں، وہ محفل کیا ہوئی جس کے لیے مجھے بلایا گیا ہے؟" یاور مہدی جلدی سے اٹھے اور کہنے لگے، "وہ محفل دوسرے کمرے میں جمی ہوئی ہے، آؤ!"

میں ان کے ہمراہ ایک اور کمرے تک پہنچا۔ یاور مہدی نے دروازہ کھولا۔ میں اندر داخل ہوا تو انھوں نے باہر سے دروازہ بند کر کے باہر سے تالا ڈال دیا اور کہا، "محفل تمھارے سامنے ہے! مجھے آج ہی رات طلبا کا مشاعرہ نشر کرنا ہے۔ مشاعرے کا انتظام ہو جائے تو فون کر دینا، تالا کھل جائے گا۔ اور ہاں! مشاعرے کی ریکارڈنگ بھی تمھیں اپنی نگرانی میں کرانی ہوگی"۔ میں سٹپٹا کر رہ گیا۔ کمرے میں دس، بارہ طلبا و طالبات موجود تھے جو مشاعرے میں شرکت کے لیے آئے تھے۔ میں سب سے واقف تھا۔ ان میں ایک، دو کے علاوہ، جو جزوقتی قسم کے شاعر تھے، باقی صرف تفریحاً تک بندی کرنے والے تھے لیکن مشاعرہ تو ہونا تھا۔ میں نے ان سب سے ان کا کلام بلاغت نظام وصول کیا۔ وہ جو کچھ بھی لکھ کر لائے تھے، اسی کو بنیاد بنا کر ٹوٹے مصرعوں کی مرمت، شاعری گڑھنے کا کام شروع کیا۔ ایک، ڈیڑھ گھنٹا اس میں لگا۔ گھنٹا بھر ان ریڈی میڈ شعرا و شاعرات کی ریہرسل پر صرف ہوا۔ اس کے بعد میں نے فون کر کے یاور مہدی کو بتایا کہ مشاعرہ تیار ہے، تالا کھولا جائے۔ جواب ملا، "تالا تو دو گھنٹے پہلے ہی کھول دیا گیا تھا۔ طلبا کو اوپر اسٹوڈیو میں لے چلو، میں ٹیپ لے کر آرہا ہوں"۔ محمد نقی نے اس مشاعرے کی نظامت سنبھالی، مشاعرہ ریکارڈ ہوا اور رات کو نشر ہو گیا۔

شہر میں طالب علموں کی کوئی احتجاجی تحریک جاری تھی جو خاصی شدت اختیار کر گئی تھی۔ اسلام آباد سے ریڈیو پاکستان کو ہدایت ملی کہ طلبا کی توجہ کا رخ بدلنے کے لیے کچھ کیا جائے۔ ریڈیو پاکستان، کراچی کے اس وقت کے ریجنل ڈائرکٹر جناب ظفر حسین نے اپنے افسروں کا اجلاس طلب کیا اور مجھے بھی اس میں شرکت کی دعوت دی۔ مسئلہ زیر غور آیا اور تجاویز طلب کی گئیں۔ دیر تک گفتگو جاری رہی لیکن بات بنتی دکھائی نہ دیتی تھی۔ آخر میں نے اور یاور مہدی نے تجویز پیش کی کہ ریڈیو سے "ہفتۂ طلبا" کا اعلان کیا جائے، سات راتیں سات بین الکلیاتی مقابلوں کے لیے

وقف کر دی جائیں، آٹھویں رات اختتامی تقریب اور تقریب تقسیم انعامات منعقد کی جائے ۔ اس تجویز پر بعض حضرات کچھ ایسے برہم ہوئے کہ نقض امن کا اندیشہ پیدا ہو گیا ۔ ان کا خیال تھا کہ طلبا ویسے ہی بپھرے ہوئے ہیں، ایسے حالات میں ان کو ریڈیو میں آنے کا موقع دیا گیا تو وہ پورے ادارے کو اکھاڑ پھینکیں گے وغیرہ وغیرہ ۔ ہم نے ان کو یقین دلایا کہ ایسا کوئی سانحہ نہیں ہو گا ۔ یہ "ہفتۂ طلبا" شان دار کامیابی حاصل کرے گا، طلبا و طالبات مکمل نظم و ضبط کے ساتھ سارے مقابلوں میں شریک ہوں گے اور یہیں سے ہر سال "ہفتۂ طلبا" منانے کی روایت قائم ہو گی ۔ تھوڑی سی بحث و رد و کد کے بعد یہ تجویز منظور کر لی گئی ۔ میں نے اور یاور مہدی نے مقابلۂ حسن قرأت سے مقابلۂ موسیقی تک سات مختلف مقابلوں کا جامع پروگرام مرتب کیا ۔ ایسے اداروں اور شخصیات کی فہرست بھی تیار کی جن سے ٹرافیوں اور انعامات کے سلسلے میں تعاون حاصل کیا جا سکتا تھا، بعض دوسری ضروری تفصیلات بھی طے کر دیں اور اسی روز یہ پلندا اظفر صاحب کے سپرد کر دیا ۔ یہ "ہفتۂ طلبا" مثالی شان و شوکت، غیر معمولی نظم و ضبط، طلبا کے خوش گوار ذوق و شوق اور جوش و خروش کے ساتھ کامیابی سے ہم کنار ہوا اور اس کی کامیابی نے "ہفتۂ طلبا" کی سالانہ روایت کی بنیاد رکھ دی ۔

مرزا اظفر الحسن الیکشن کمشن کے افسر اور ممتاز ادیب و دانش ور تھے ۔ یہی وہ صاحب تھے جنھوں نے ۱۹۶۹ء میں غالب کے صد سالہ جشن اور غالب لائبریری کے قیام کا تصور پیش کیا اور اسے شان دار کامیابی سے ہم کنار کیا ۔ ان کے ذہن رسا نے ایک اچھوتی ادبی تقریب کا اہتمام کیا ۔ یہ تھا ایک ادبی محاکمہ "امراؤ جان ادا بنام مرزا ہادی رسوا" ۔ اس مقدمے کے لیے تھیوسافیکل ہال میں عدالت لگی ۔ ملک کے نام ور اہل فضل و کمال اس کے جج تھے اور جناب شان الحق حقی پیش کار عدالت ۔ مدعی اور مدعا علیہ کی موجودگی کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، ان کی نمائندگی وکیل استغاثہ اور

وکیل صفائی اپنے معاون وکلا کے ساتھ کر رہے تھے۔ یہ سب کراچی کے صفِ اول کے ادیب اور شاعر تھے۔ جوش صاحب نے مرزا ہادی رسوا کے قریبی دوست ہونے کے ناتے مہمان خصوصی کے طور پر شرکت کی۔ استغاثہ پیش ہوا اور خوب زور کا مقدمہ چلا۔ یہ محاکمہ بے حد معلومات افزا اور فکر انگیز اور اسی قدر دلچسپ ثابت ہوا۔ مدتوں تک اخبارات و جرائد میں بھی اس کی گونج قائم رہی اور ادبی حلقوں میں بھی اس کا چرچا رہا۔

ہم نے اس دلچسپ اور اچھوتے تجربے سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور "بزمِ طلبا" کا ایک خصوصی پروگرام ایک ادبی محاکمے کے لیے وقف کرنے کا اعلان کر دیا "اردو غزل بنام اکبر الہ آبادی"۔ ادبی عدالتِ عالیہ کے چیف جسٹس کے لیے جناب ممتاز حسن اور ان کے ساتھی ججوں کے طور پر جناب فرمان فتح پوری اور ایک ریٹائرڈ جج کا انتخاب ہوا۔ وکیل استغاثہ ڈاکٹر اسلم فرخی مقرر ہوئے اور منتخب ڈیبیٹر طلبا و طالبات کی ایک ٹیم معاون وکلا کے طور پر ان کے ساتھ منسلک کر دی گئی۔ وکلائے صفائی کے طور پر طلبا کا انتخاب تو آسانی سے ہو گیا، اس ٹیم کے سربراہ کا انتخاب ریڈیو پاکستان کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ میں نے اردو کالج کے نفسیات کے استاد پروفیسر محمد فائق کا نام تجویز کیا۔ ریڈیو پاکستان میں یاور مہدی سمیت کوئی بھی ان سے واقف نہ تھا اور فائق صاحب نے اس سے پہلے ریڈیو کے کسی پروگرام میں شرکت بھی نہ کی تھی۔ اس کے باوجود ان کا نام صرف اس بنا پر قبول کر لیا گیا کہ اس کی تجویز میں نے پیش کی تھی۔ احباب کو اعتماد تھا کہ میرا انتخاب غلط ثابت نہیں ہوگا۔ دوسری جانب فائق صاحب نے بھی میری درخواست قبول کر لی اور اردو غزل کے مقابلے میں اکبر الہ آبادی کے وکیل صفائی کی حیثیت سے عدالت کے روبرو پیش ہونے پر آمادہ ہو گئے۔

محاکمے کی کارروائی شروع ہوئی۔ چیف جسٹس جناب ممتاز حسن کے حکم پر

ڈاکٹر اسلم فرخی نے غزل کی جانب سے اکبر الہ آبادی کے خلاف استغاثہ پیش کیا۔ یہ استغاثہ اس قدر جامع، مدلل اور مضبوط تھا کہ اسے سن کر میرے تو پسینے چھوٹنے لگے حاضرین کی پرجوش تالیوں نے اور بھی دھوم مچا دی۔ میں حاضرین کی آخری صف میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اب میرے منتخب کردہ وکیل صفائی کیا کریں گے اور اپنے موکل کو اس کڑی گرفت سے کیسے چھڑائیں گے۔ جب استغاثہ پیش ہونے کے بعد وکیل صفائی پروفیسر محمد فائق کو جواب کے لیے کہا گیا تو ایسا محسوس ہوا کہ حسن خطابت، ذہانت، استدلال، برجستہ گوئی اور بذلہ سنجی کا کوئی آتش فشاں پھٹ پڑا ہے۔ انھوں نے استغاثے کے بخیے ادھیڑ ڈالے، اسے روئی کی طرح دھنک ڈالا۔ ان کی اس شان دار کارکردگی نے تمام حاضرین کو حیرت زدہ کر دیا۔ سب سے زیادہ متاثر ریڈیو پاکستان کے افسر اور پروڈیوسر تھے۔ وہ بار بار میرے پاس آکر میرے حسن انتخاب کی داد دیتے تھے اور اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے تھے کہ اب سے پہلے ریڈیو نشریات ان کی بے مثال صلاحیتوں سے کیوں محروم رہیں۔

یہ محاکمہ بے مثال کامیابی سے ہم کنار ہوا اور اس کے ساتھ ہی ریڈیو پاکستان نے الف لیلیٰ کے پیرِ تسمہ پا کی طرح فائق صاحب کو اپنی گرفت میں لے لیا، چنانچہ انھوں نے مختلف پروڈیوسروں کے ہمراہ ریڈیو کے لاتعداد پروگرام کیے۔ ان میں جو پروگرام سب سے زیادہ مقبول ہوا، اس کی یادیں آج بھی سامعین کے ذہنوں میں محفوظ ہیں۔ یہ پروگرام صبح سویرے نشر ہوتا تھا۔ اسے فائق صاحب کے ہمراہ یاور مہدی پیش کرتے تھے۔ عنوان تھا "صبح دم دروازۂ خاور کھلا"۔ یار لوگوں نے اسے بدل کر اپنی محفلوں میں یوں بنا دیا:

صبح دم دروازۂ یاور کھلا
ایک اندر اور اک باہر کھلا

" ریڈیو نیوز ریل" کے تذکرے کے بغیر اس دور کی یادیں مکمل نہیں ہو سکتیں ۔ " بزم طلبا" کے ساتھ ساتھ یہ پروگرام بھی یاور مہدی کرتے تھے ۔ وہ کراچی میں ہونے والی علمی و ادبی اور سماجی و ثقافتی تقریبات کی ریکارڈنگ کرتے تھے اور ان تمام تقریبات کی جھلکیاں ریڈیو پاکستان کے مشہور اناؤنسر اور نیوز ریڈر وراثت مرزا کی پروقار روایت کے ساتھ ایک لڑی میں پرو کر ہر شام نشر کرتے تھے ۔ پندرہ منٹ کے اس پروگرام میں کراچی جیسے بڑے شہر کی سماجی زندگی کی بھرپور جھلکیاں پیش کرنا ممکن نہ تھا ، اس کے باوجود یہ پروگرام ریڈیو کے مقبول ترین پروگراموں میں شامل ہو گیا تھا ۔ شہر بھر کے لوگ خصوصی اہتمام سے اسے سنتے تھے اور اسے پسند کرتے تھے ۔ یہ تمام شہریوں کا پسندیدہ پروگرام تھا ، لیکن ایک صاحب ایسے بھی تھے جو اس سے نالاں رہتے تھے ۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ پروگرام یا تو مجھے پاگل کر دے گا یا میرے بلڈ پریشر کا ستیاناس کر دے گا ۔ یہ تھے وراثت مرزا جن کو اس پروگرام کی کمنٹری ریکارڈ کرانی ہوتی تھی ۔ یاور مہدی کی کوشش ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ تقریبات کا احاطہ کر لیا جائے ۔ اس کوشش میں وہ دیر تک ریڈیو اسٹیشن کے باہر ریکارڈنگ میں مصروف رہتے تھے ۔ واپس آتے تو پروگرام کی اڈیٹنگ اور کمنٹری کی ریکارڈنگ کے لیے بہت کم مہلت باقی ہوتی تھی ۔ یہ کام سو میٹر کی دوڑ کے انداز میں کرنے پڑتے تھے ۔ وراثت مرزا اس صورتِ حال سے بے حد پریشان رہتے تھے ۔ اس کے باوجود ان دونوں حضرات کی پیشہ ورانہ مہارت اور لگن نے اس پروگرام میں کبھی جھول نہ آنے دیا ، اس کے اعلیٰ معیار کو قائم رکھا ۔

" ریڈیو نیوز ریل " کے سلسلے میں ان گنت دلچسپ واقعات مجھے یاد ہیں ۔ اس وقت صرف ایک واقعہ سنا رہا ہوں : ایک اہم رہ نما جو اب سے کچھ عرصے پہلے تک وفاقی کابینہ کے اہم رکن رہے ہیں ، ان دنوں بھی ملک کی سیاسی و سماجی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت کے حامل تھے ۔ یاور مہدی نے " ریڈیو نیوز ریل " کے لیے ایک

تقریب میں ان کی تقریر ریکارڈ کی ۔ پروگرام کی اڈیٹنگ کرتے ہوئے یہ ریکارڈنگ سنی گئی تو سب کے اوسان خطا ہوگئے ۔ کسی فنی خرابی کی بنا پر یہ تقریر کچھ اس طرح ریکارڈ ہوئی تھی جیسے کسی کارٹون فلم کا کوئی کردار بول رہا ہو ۔ اسے نشر کرنا ممکن نہ تھا اور اس کے بغیر نیوز ریل پیش کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا ۔ یاور مہدی نے اپنے مضبوط اعصاب کو مدد کے لیے پکارا ۔ پھر ان صاحب کو فون کر کے بتایا کہ تقریر کی ریکارڈنگ درست نہیں ہو سکی ، از راہِ نوازش اس کے اہم حصے ٹیلی فون پر دہرا دیجیے انھیں ریکارڈ کر لیا جائے گا ۔ خلافِ توقع وہ تیار ہو گئے ۔ تقریر ٹیلی فون لائن پر ریکارڈ ہوئی اور اسی شام ریڈیو کی نیوز ریل میں شامل ہو گئی ۔ یاور مہدی نے اس قسم کی کئی آزمائشوں کو کامیابی سے بھگتا ۔

اب کچھ باتیں پیشہ ورانہ کارناموں اور سرگرمیوں سے ہٹ کر ۔ ان میں سب سے پہلے یاور مہدی کی شخصیت اور ان کے اوصاف کا ذکر ضروری ہے ۔ ان کی مرنجاں مرنج ذات ، انسانی تعلقات میں بے لاگ اخلاص و محبت ، اس میں درویشی کے رچاؤ اور شائستہ بے تکلفی کے باوجود سب کے احترام کی عادت نے ان کے حلقۂ احباب کو غیر معمولی وسعت دے دی تھی ۔ ان کے معاون بنا دیے جانے والے دونوں جوانوں محمد نقی اور اقبال فریدی سمیت تمام طلبا و طالبات کے ساتھ ان کا رویہ دوستانہ تھا ۔ وہ کسی کو چھوٹا نہیں سمجھتے تھے ، سب سے اپنی سطح پر آکر تعلقات نبھاتے تھے ، چنانچہ وہ سب کے "یاور بھائی" تھے اور شہر بھر کے لوگوں کو ان پر غیر متزلزل اعتماد تھا ۔ ایسی طالبات بھی جن کو بعض اوقات اپنی سہیلیوں کے ہاں ہونے والی تقریبات میں شرکت کی اجازت بھی مشکل سے ملتی تھی ، "بزم طلبا" کے پروگراموں میں بلا روک ٹوک شرکت کرتی تھیں ۔ انھیں یہاں مکمل احترام و تحفظ اور شفقت و محبت کی فضا ملتی تھی ۔ اخلاص ، محبت ، احترام باہمی اور بے تکلفی کی اس دل کش فضا نے ہم سب کو ایک مضبوط رشتے میں پرو دیا تھا ۔ اسی کی بدولت ریڈیو پاکستان کا یہ گوشہ

ہمارے لیے گوشۂ سکون بن گیا تھا۔ کام کی تھکن، کسی پریشانی یا بوریت کی صورت میں ہم لوگ اسی گوشۂ سکوں کا رخ کرتے تھے۔ وہاں گزارے ہوئے چند منٹ ہمیں نئی تازگی عطا کر دیتے تھے۔ اس کمرے کی فضا ہمارے لیے ایک بارونق اور پربہار کلب کی صورت اختیار کر گئی تھی جو ہمارے لیے سامان فرحت تھا۔ کام کے ہجوم اور ہر لمحے درپیش کسی نہ کسی چیلنج کے باوجود یاور مہدی کا فعال ذہن نت نئے چٹکلے ایجاد کرتا رہتا تھا جو ہمارے لیے زبردست دلچسپی اور تفریح کا سبب بن جاتے تھے۔

ایک روز ایک پرانے مشترکہ دوست ملنے آئے۔ باتوں باتوں میں یاور مہدی نے ان سے کہا، "تم نے بہت دنوں سے کوئی دعوت نہیں کی۔ یہ بہت بری بات ہے"۔ وہ صاحب بولے، "چند روز کے لیے ٹھہر جایئے، نہایت شان دار دعوت ہو جائے گی"۔ یاور مہدی کہنے لگے، "کسی شان دار دعوت کی ضرورت نہیں، بس نمک مرچ کی تڑکا لگی چٹنی کے ساتھ بیسنی روٹی کی دعوت کر دو، یہی کافی ہے"۔ وہ صاحب فوراً تیار ہو گئے۔ کہنے لگے، "جب چاہو آجاؤ"۔ چنانچہ اس دعوت کے لیے تاریخ طے ہو گئی۔ یاور مہدی نے ایک بڑا سا کاغذ میرے حوالے کیا اور کہا، "پہلے نمبر پر ان کا نام لکھ لو۔ یہ فہرست بہت دور تک جائے گی"۔ اور ایسا ہی ہوا۔ کئی دوستوں سے یہ فرمائش کی گئی۔ سب نے اسے بے ضرر اور کم خرچ سمجھ کر آمادگی ظاہر کر دی، چنانچہ بارہ، چودہ افراد کی فہرست بن گئی۔ اس فہرست میں ہمارے "کلب" کے بعض ارکان کے نام بھی شامل تھے، آخری نام میرا تھا۔

ہمارے سارے میزبان خوش تھے کہ سستے چھوٹے، لیکن جب بیسنی روٹی اور نمک مرچ کی چٹنی کی یہ دعوتیں شروع ہوئیں تو ان کو اپنی بے وقوفی اور مظلومیت کا شدت سے احساس ہوا۔ دعوت کرنے والوں میں ہمارے ایک دوست ظہور مہدی بھی شامل تھے۔ وہ خود بھی شیروانی پوش تھے اور مزاج بھی شیروانی میں ملفوف پایا تھا، یعنی بڑے رکھ رکھاؤ اور تکلفات والے نرم رفتار آدمی تھے، بات بھی

ناپ تولے بغیر نہ کرتے تھے۔ ان کی باری آئی تو ان کے مزاج کے یہی اوصاف ان کے لیے مصیبت بن گئے۔ انھوں نے مہمانوں کو دسترخوان پر بٹھایا، اندر سے چٹنی اچار اور سلاد کی طشتریاں لاکر رکھیں اور روٹیاں لینے اندر گئے۔ لوٹ کر آئے تو چٹنی سلاد اور اچار کی طشتریاں خالی ہو چکی تھیں۔ روٹی رکھ کر مزید چٹنی وغیرہ لینے گئے، لوٹے تو روٹیاں غائب تھیں۔ وہ مہمانوں کی اس برق رفتاری کا مقابلہ کرنے سے معذور تھے۔ میزبانی کا یہ تجربہ ان کے لیے بڑا پریشان کن ثابت ہوا۔ ساتھی پروڈیوسر عرفان علی اپنی شگفتہ مزاجی کے لیے مشہور تھے۔ ان کی باری آئی تو انھوں نے دسترخوان باورچی خانے کے بالکل ساتھ بچھایا اور ہمارے ساتھ بیٹھنے کے بجائے اپنے آپ کو میزبانی کے لیے وقف کر لیا۔ ہم نے ساتھ بٹھانے کے لیے اصرار کیا تو بولے، "تم لوگ کھاؤ، کچھ بچا تو ہم لوگ بھی کھالیں گے"۔ کچھ دیر بعد یاور مہدی نے "بس" کا نعرہ لگایا تو عرفان علی فرش پر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولے، "یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ آج تو نے عزت بچالی۔ یہ مفت خورے اب بھی بس نہ کرتے تو بیوی مجھے گھر سے نکال دیتی"۔

دراصل بیسنی روٹی کی ان دعوتوں میں بیسنی روٹی کی حیثیت ثانوی تھی، اصل مقصد تفریح تھا، بے تکلف دوستوں کو تھوڑا سا پریشان کرکے اس کا لطف لینا تھا۔ اس منظم حملے کو پسپائی کا سامنا آخری دعوت میں ہوا جو میرے گھر پر ہوئی تھی۔ میں اپنی والدہ کو دوسرے میزبانوں کا حال زار سنا چکا تھا۔ انھوں نے عام بیسنی روٹیوں کے بجائے شان دار بڑے بڑے پراٹھے تیار کیے۔ تین گرم گرم پراٹھوں سے ابتدا ہوئی اور پھر ان پراٹھوں کا تانتا بندھ گیا۔ یہ واحد دسترخوان تھا جہاں سے پراٹھے چٹنی، سلاد، اچار وغیرہ بچ کر گئے۔

یاور مہدی کی اور ایک خوبی بھی حیرت انگیز تھی۔ ان کو شہر بھر کی کباب تکے وغیرہ کی دکانوں اور اسٹالوں کا اس قدر وسیع علم تھا کہ اگر یونی ورسٹی اجازت دیتی تو

وہ اس شعبے میں پی ایچ۔ڈی کر سکتے تھے۔ایک بار رات گئے ہم کام سے فارغ ہونے کے بعد ریڈیو گاڑی میں گھر واپس جا رہے تھے۔ تھکن سے سب کا برا حال ہو رہا تھا اور بھوک بھی لگ ہوئی تھی۔ایک ویران سے علاقے سے گزرتے ہوئے نشست پر ڈھیر یاور مہدی نے تھکے تھکے لہجے میں کہا، "اس وقت تکے کباب کھانے کو بہت جی چاہ رہا ہے"۔ میں نے کہا، "اس ویرانے میں یہ نعمتیں مل سکتی ہیں تو ضرور کھلائیے"۔ یاور مہدی اچھل کر سیدھے ہو بیٹھے اور ڈرائیور کو ہدایات دینے لگے، "دائیں موڑو، اب بائیں، اب پھر بائیں...." بمشکل ۵ منٹ بعد ہم سڑک کے کنارے بنے ہوئے ایک کیبن تک پہنچ گئے۔ایک ایک جہازی سائز کے توے پر گوشت، گردے، کلیجی دل وغیرہ کا معجون مرکب بھونا جا رہا تھا اور اس کے قریب ہی دہکتے انگاروں پر چکن تکے، مٹن تکے اور سیخ کباب تیار ہو رہے تھے۔قافلے کے لیے اس وقت اس سے بڑا روڈ بلاک اور کیا ہو سکتا تھا۔میں نے یاور مہدی کی معلوماتِ خاصہ کی داد دی اور جیب ہلکی کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

جہاں تک میرا تعلق ہے، معلوم نہیں کیوں انھوں نے مجھے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سمجھا ہوا تھا، حالانکہ اس وقت پاکستان میں سائنسی معجزوں کا نام و نشاں تک نہ تھا۔ان کی فرمائشیں مجھ پر ایک افتاد اور شب خون کی طرح وارد ہوتی تھیں، بعض اوقات تو کچھ سوچنے کی مہلت بھی نہ ملتی تھی۔وہ کاغذوں کا ڈھیر سامنے رکھتے اور کہتے، "جلدی سے یہ لکھ دو، وہ لکھ دو"۔ایسی تمام آزمائشوں میں اللہ تعالیٰ نے مجھے سرخ روئی بخشی۔ ۱۹۷۰ء کے بعد میں کراچی سے کوئٹہ آ گیا تو کچھ سکون کی زندگی نصیب ہوئی، لیکن کچھ عرصے بعد ایک دور مار میزائل کی طرح یاور مہدی نے کراچی سے بھی مجھے نشانہ بنا لیا۔فون آیا، "جلدی سے پانچ چھ گیت، چھ سات ملی نغمے اور سات آٹھ غزلیں بھیج دو، سی۔پی۔یو میں ان کی فوری ریکارڈنگ ہونی ہے"۔ یہ تو نسبتہً آسان کام تھا۔دوسرے دن میں نے یہ چیزیں بھیج دیں، لیکن اس سے بڑی

آزمائشیں بھی میری منتظر تھیں ۔ ایک روز فون آیا، "فلاں کوریئر سروس کے ذریعے ایک پیکٹ تمھیں بھیجا گیا ہے، جلدی سے منگوالو"۔ اس کوریئر سروس کا دفتر میرے قریب ہی تھا لہذا پیکٹ ۲۰ منٹ میں آگیا۔ کھولا تو اس میں منشیات کے بارے میں کتابچوں کا ایک ڈھیر بند تھا اور اس کے ساتھ ایک باضابطہ سرکاری خط کہ "تمھیں انسدادِ منشیات کے موضوع پر تین ڈرامے لکھنے ہیں ۔ تینوں ڈراموں کے خلاصے (synopsis) تین روز میں بھیج دو، ڈرامے ہفتے بعد مل جانے چاہییں"۔ اللہ غنی! میرا دماغ گھوم گیا، لیکن مرتا کیا نہ کرتا! اس آزمائش سے بھی گزرنا پڑا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میرے تینوں ڈرامے پسند کیے گئے اور اردو کے علاوہ سندھی، سرائیکی پشتو، پنجابی اور بلوچی میں ترجمہ ہو کر بھی نشر کیے گئے۔

سالہا سال کی رفاقتوں کی یہ دور تک پھیلی ہوئی رنگا رنگ یادیں رات کی تاریکیوں میں چمکتے جگنوؤں کی طرح میرے حافظے کا حصہ بنی ہوئی ہیں ۔ یہ یادیں کسی تحریک کی بنا پر تازہ ہوتی ہیں تو فرحت و تازگی کا احساس بھی ہوتا ہے اور یہ دکھ بھی جاگ اٹھتا ہے کہ راحتوں، مسرتوں، محبتوں اور باہمی جاں نثاریوں کے وہ دن ماضی کی گرد میں دب چکے ہیں، اب کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے ۔ ہم تو اپنے آپ اور اپنے مزاج کو نہیں بدل سکتے، لیکن وقت اور ماحول میں اتنی اور ایسی تبدیلیاں آچکی ہیں کہ ہم نے کبھی اس کا تصور تک نہ کیا تھا۔

بہرحال مجھے خوشی ہے کہ بعض بالشتیوں کی مسلسل منفی حرکتوں کے باوجود دیاور مہدی قومی نشریاتی ادارے کی خدمت کے پینتیس شان دار سال مثالی عزت و وقار اور بے مثال سرخ روئی کے ساتھ گزار کر آبرومندانہ سبک دوشی کی منزل تک پہنچ گئے ہیں۔ انھیں یہ سعادت مبارک ہو! البتہ یہ سوال میرے لیے ہمیشہ الجھن کا سبب بنا رہے گا کہ آخر وہ کون سے عوامل تھے جن کی بنا پر وہ ریڈیو پاکستان، کراچی کے اسٹیشن ڈائرکٹر کی حیثیت سے ریٹائر نہیں ہوئے ۔ وہ ہر اعتبار سے اس کے

حق دار بھی تھے اور اس کے لیے انتہائی موزوں بھی۔

میری دعا ہے کہ ان کی فراغت کی زندگی آرام و سکون سے گزرے، وہ ہمیشہ صحت مند اور خوش و خرم رہیں اور ریڈیو پاکستان سے باہر کی زندگی کے وسیع میدان میں نت نئی کامیابیاں اور عظمتیں ان کے قدم چومتی رہیں، وہ عام ریٹائرڈ لوگوں کی طرح روایتی انداز کے ناکارہ (unserviceable) انسان بن کر کوئی گوشۂ عافیت تلاش کرنے کے بجائے اپنے مزاج کے عین مطابق تعمیری سرگرمیوں میں مصروف رہیں اور معاشرہ ان کے جذبۂ اخلاص سے ہمیشہ مستفید ہوتا رہے۔آمین!

ہر لحظہ نیا طور، نئی برقِ تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

مجھے ان کی زندگی بہت عزیز ہے

آفتاب رضوی

مجھے ایک خط موصول ہوا کہ یاور بھائی ۱۲ جولائی کو ریٹائر ہو رہے ہیں، لہذا ان کے لیے کچھ تحریر کیا جائے۔ خط احباب یاور مہدی کی جانب سے تھا۔ پہلے تو اس بات پر تعجب ہوا کہ کسی کی زندگی میں ہی اس کو سراہنے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے، لیکن پھر سوچا کہ ایک مکالمہ کچھ اس طرح لکھا جائے:

- کیا یاور بھائی ریٹائر ہو رہے ہیں؟
- جی ہاں!
- لیکن کب؟
- ۱۲ جولائی کو۔

- کیا آرٹس کونسل ان کو چھوڑ دے گی؟
- نہیں بھئی! وہ ریڈیو پاکستان سے ریٹائر ہو رہے ہیں۔
- ریڈیو کو تو ریٹائر ہوئے عرصہ گزر گیا۔
- بھئی! آپ کی معلومات بہت کم ہیں۔ ریڈیو ریٹائر نہیں ہوا کرتا بلکہ اس میں کام کرنے والے ریٹائر ہوتے ہیں۔
- بھئی! آپ معلوم کریں، وہ نکالے جا رہے ہوں گے۔
- لیکن کیوں؟
- یہ وجہ کچھ کم ہے کہ وہ "بزمِ طلبا" کرتے تھے!
- مگر یہ تو بہت پرانی بات ہے۔
- ہاں! لیکن افسران تو نئے ہو سکتے ہیں۔
- بھئی! آپ اصل بات کی طرف کیوں نہیں آتے۔ یاور بھائی کے لیے کچھ لکھیے۔
- مجھے ان کی زندگی بہت عزیز ہے۔ میں نے تو زندگی میں ریٹائر ہونے والوں کی تعریف نہیں سنی۔ کیا کوئی پارٹی انھیں سنیٹر بنا رہی ہے؟
- بھئی! وہ سیاسی آدمی کب تھے۔
- لیکن آرٹس کونسل کا سیاسی محور تو وہی ہیں۔
- بھئی! کیسے عرض کروں کہ وہ سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو رہے ہیں۔
- چلیے! اچھا ہے۔
- سنتے ہیں یاور بھائی کے لوگوں پر بہت احسانات ہیں۔
- ہوں گے! میں تو تیس سال پہلے بھی ڈرگ کالونی ہی کے گھر پر گیا تھا اور گزشتہ سال بھی۔
- اس سے احسانات کا کیا تعلق ہے؟

○ آپ نے کبھی کسی پر احسان کیا ہو تو سمجھ پائیں گے! خیر، چھوڑیں۔

○ یاور بھائی کے احسانات تو آپ پر بھی ہیں!

○ ہاں ہیں!

○ لیکن اتنی تکرار کے بجائے ان کے لیے کچھ لکھتے کیوں نہیں ؟

○ بھئی! آپ تو ذاتیات پر اتر آئے۔ ابھی مجھے بہت ضروری کاروباری میٹنگ میں جانا ہے، مصروفیت بہت ہے۔ میں نہیں مانتا کہ یاور بھائی جیسے لوگ ریٹائر ہو سکتے ہیں۔ وہ ریڈیو پر نہ ہوں گے تو کہیں اور ہوں گے۔ ریٹائرمنٹ تو آدمی کو کام کرنے سے روک دیتی ہے لیکن یاور بھائی کو تو برین ہیمرج بھی کام کرنے سے نہ روک سکا۔ یہ ۶۰ کا ہندسہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، کیونکہ یہ کبھی ساٹھ سال کے نہیں ہوں گے، اس لیے کہ ان کی صلاحیتیں ہمیشہ جوان رہیں گی۔

یاور بھائی .... بابائے طلبا

سید باقر رضا زیدی

(پروڈیوسر ریڈیو تہران و زاہدان، اردو مجلس)

جس طرح انقلاب اسلامی، یعنی ایران کے انقلاب کی اگر بات نکلے تو امام خمینی کا نام بے ساختہ لبوں پر آجاتا ہے، جب فرانس کے انقلاب کا ذکر چھڑتا ہے تو لوئس کا نام لوگ یاد کرنے لگتے ہیں، جب سوویت یونین کا محفلوں میں نام لیا جاتا ہے تو اسٹالن کی تصویر ذہن کی اسکرین پر اپنا نقش چھوڑنے لگتی ہے، بالکل اسی طرح پاکستان میں کسی بھی جگہ، کسی بھی شہر، کسی بھی حصے میں جب ریڈیو کا ذکر نکلے اور ریڈیو کے ارتقائی انقلاب کا ذکر ہو تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ سب سے پہلے

زبان زدِ عام پر یاور مہدی کا نام سنائی دے گا۔

یاور بھائی کا صرف نام ہی یاور نہیں، بلکہ ریڈیو پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ شو بزنس ہو یا سیاست، صحافی شخصیات ہوں، یا کھیل کا میدان مجھے کسی بھی فیلڈ میں کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس کی یاور بھائی نے یاوری نہ کی ہو۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں نے ہوش سنبھالا تو ریڈیو میں "بچوں کی دنیا" میں چلا آیا، اور پھر بچوں کی دنیا سے باہر ایک ایسی دنیا دیکھی جہاں یاور بھائی جیسی قدآور شخصیات نظر آئیں۔ اس کے بعد سیکھنے اور حاصل کرنے کی تلاش شروع ہوئی اور ہمیشہ مددگار یاور بھائی جیسی شخصیات ہوئیں۔ مجھے یہ لکھنے میں کوئی جھجک نہیں ہے کہ جس قدر ڈانٹ اور ڈپٹ میں نے اور میرے ساتھ "بزم طلبا" کے دوسرے جونیئر ساتھیوں نے یاور بھائی سے کھائیں ہیں، شاید یہ شرف کسی اور کو نہیں حاصل ہوا ہو۔ دراصل یاور بھائی اس وقت جب ہمارا دور ریڈیو میں شروع ہوا، اتنے بزرگ ہو چکے تھے ("بزرگ" میں نے کام کے حوالے سے تحریر کیا ہے) کہ وہ سمجھانے کے بجائے صرف آنکھوں کے اشارے سے ہمیں ہماری غلطی کی جانب توجہ مبذول کرا دیا کرتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جب ہم نے "بزم طلبا" کی پچیسویں سال گرہ جشنِ طلبا کے عنوان سے منائی تو یاور بھائی بہت خوش ہوئے اور کئی سالوں کے بعد انھیں "بزم طلبا" میں ایک نئی روح دکھائی دی۔

مجھے جب تہران میں اس بات کا علم ہوا کہ یاور بھائی ریٹائر ہو رہے ہیں تو یقین جانیے! میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اس خبر پر افسوس کا اظہار کروں یا خوشی کا، کیونکہ افسوس اس بات کا تھا کہ ریڈیو پاکستان ایک ایسی شخصیت سے محروم ہو رہا ہے جس کی اتنی خدمات ریڈیو کے لیے ہیں کہ جس کا اجر وہ کبھی ادا نہیں کر سکتا، اور خوشی اس بات کی ہوئی کہ اب بہت سے افراد یاور بھائی سے استفادہ کریں گے بلکہ بہت سے ادارے اس عظیم شخصیت سے کچھ حاصل کریں گے۔

یاور بھائی کو مجھے "بابائے طلبا" لکھتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی ہے، کیونکہ یہ لفظ یاور بھائی کے لیے بہت چھوٹا ہے۔ میری خواہش ہے کہ جس طرح میں تہران میں بیٹھ کر یاور بھائی سے آج بھی استفادہ کر رہا ہوں، تمام اہل علم و دانش افراد بھی اس سمندر سے اپنی پیاس بجھائیں۔ میری یاور بھائی سے محبت کا اندازہ آپ یوں بھی لگا سکتے ہیں کہ میرا قلم یاور بھائی کی ریڈیو پاکستان سے جدائی کو قبول کرنے سے انکار کر چکا ہے اور ایک نئے قلم سے آخر میں بس یہی لکھوں گا کہ یاور بھائی کو اپنا یہ نیا سفر مبارک ہو اور وہ اپنے فیض کا دامن ہم جیسے افراد کے لیے ہمیشہ باز رکھیں۔

ہم نے ہر دور کے چہروں کو ضیا بخشی ہے

یوسف ابن الحسن

آج یاور مہدی سے نہ معلوم کتنے سالوں بعد ملاقات ہوئی۔ یہ ان کا بلاوا تھا کہ اٹھارہ سال بعد میں ریڈیو پاکستان، کراچی کی عمارت میں داخل ہوا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یاور مہدی ریڈیو پاکستان جیسے بڑے اور اہم ادارے کے کس بوسیدہ حصے میں اب تشریف رکھتے ہیں۔ اس عظیم عمارت مین چھوٹے چھوٹے کبوتروں کی

کابکوں کی مانند بنے ہوئے کمرے جن میں گھٹن بھی رہتی ہے اور سیلن بھی، انھی کئی کابکوں میں یاور مہدی تقریباً پچاس سال سے چہروں کو ضیا بخش رہے ہیں۔ان کے ارادوں میں عزم تو ہے ان عمارتوں کی بوسیدگی کا اثر نہیں۔ یاور مہدی میرے بزرگ نہیں ہیں اور شاید وہ کسی کے بھی بزرگ نہیں۔ پچاس سال ان تھک محنت کرنے کے بعد بھی آج جب میں نے یاور مہدی کو دیکھا تو وہ اپنے نوجوان بیٹے کے بڑے بھائی ہی نظر آئے۔ان کے دل کا حال مجھے معلوم نہیں، ہاں! اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھ سے ہزار درجہ بہتر دل کے مالک ہیں۔ مجھ سے عمر میں بڑے ضرور ہیں مگر میرے دوست بھی ہیں اور ان کی دوستی میری تعلیم و تربیت کا ایک خاص حصہ ہے۔

یاور مہدی سے میری پہلی ملاقات ۱۹۷۰ء میں ہوئی جب میٹرک کرنے کے بعد مجھے ریڈیو پاکستان میں صداکاری کرنے کا شوق ہوا۔ باوجود اس کے کہ میرے والد جن کا زندگی میں براہ راست تو نہیں ہاں! صحافت کے پیشے کی نسبت ریڈیو پاکستان سے تعلق خاطر رہا، مرحوم کا نام آج بھی اس ادارے میں عزت اور احترام سے لیا جاتا ہے۔ میرا سب سے بڑا مسئلہ ریڈیو پاکستان، کراچی کی عمارت میں داخل ہونا تھا۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ مجھے کس کے پاس جانا ہے۔ اس زمانے میں چونکہ ریڈیو ایک اہم حیثیت رکھتا تھا، لہٰذا ریڈیو پاکستان، کراچی کا استقبالیہ افسر حکومت پاکستان کے ۲۲ گریڈ کے افسر سے زیادہ اختیارات، اس سے زیادہ غصہ، اس سے زیادہ تنگ مزاجی اور اہمیت رکھتا تھا۔ بڑی مشکل سے سے اور کئی جھوٹ بول کر اپنی بے عزتی کراتا ہوا ایک فرسودہ بیرک میں داخل ہوا تو پہلے سیلن زدہ کمرے کے باہر جو تختی لگی تھی اور اس پر جو نام لکھا تھا، وہ یاور مہدی کا تھا جو شعبہ بزم طلبا کے انچارج کی حیثیت رکھتے تھے۔ ٹوٹی ہوئی چک اٹھا کر جب میں نے اندر جھانکا تو چھے، سات نوجوان لڑکے لڑکیاں ہاتھوں میں کاغذ لیے کسی پروگرام کی تیاری کر رہے تھے سب نے میری طرف دیکھا، مگر صرف دو آنکھیں ایسی نظر آئیں جن میں خلوص و محبت

کی چمک تھی ۔ میرے بغیر کچھ کہے یاور مہدی نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا میں ابن الحسن صاحب کا بیٹا ہوں ۔ میرے اقرار پر انھوں نے کھڑے ہو کر مجھے بیٹھنے کے لیے کہا اور خود کام میں مصروف ہو گئے ۔

یاور مہدی نے ڈراموں میں صداکاری کا صرف ایک موقع دیا اور میں نے اپنی آواز کی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر یاور مہدی کو مایوس نہیں کیا ، مگر یاور مہدی نے تمثیل کی طرف میرے رجحان کو کبھی پسند نہیں کیا ۔ اپنے الفاظ اور چہرے کے تاثرات سے ناپسندیدگی تو نہیں ظاہر کی ہاں ! مجھ سے جتنے بھی پروگرام کرائے ، وہ تمام علمی وادبی تھے ۔ آج مجھے پورا یقین ہے کہ وہ مجھے صداکار نہیں بلکہ ایک تبصرہ نگار کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے تھے ۔ یہ ان کی خواہش تھی کہ میں اپنے باپ کی طرح علم کی طرف دھیان دوں نہ کہ اپنا قیمتی وقت ریڈیو پاکستان کی کینٹین میں بیٹھ کر کڑوی کسیلی چائے پی کر گزاروں ۔

یاور مہدی کیا ہیں ؟ میری نگاہ میں وہ ریڈیو پاکستان ، کراچی کی پچاس سالہ تاریخ میں لاکھوں طالب علموں کے ابتدائی دنوں میں جیب خرچ کے ذمے دار ہیں ۔ یہ وہ رہبر ہیں جو راستہ بھی بتاتے ہیں اور چلنے کا طریقہ بھی ۔ میری دانست میں ان کے اصول ان کے شاگردوں کے لیے زحمت نہیں ، رحمت بنے ۔ وہ پیغمبر نہیں ، مگر ان کا پیغام محبت ان کے شاگردوں میں نمایاں نظر آتا ہے ۔ یاور مہدی جیسے ۱۹۷۰ء میں تھے آج ۱۹۹۸ء میں بغیر کسی تبدیلی کے مجھ سے زیادہ جوان ، مجھ سے زیادہ چاق وچوبند نظر آئے ۔ ان کے معاشی حالات جو بھی ہوں ، مگر میرا اندازہ ہے کہ یاور مہدی نے پیسے کی عزت تو ضرور کی مگر اس سے محبت نہیں کی ۔ یاور مہدی کے کتنے ہی شاگردوں نے اس ملک کے اعزازات حاصل کیے ، مگر مجھے افسوس ہے کہ جس ادارہ کے لیے یاور مہدی نے نصف صدی قربان کر دی ، جس نے ملک کو ہزاروں قیمتی ہنر مند دیے ، آج وہ بلا کسی اعزاز کے محض عزت و احترام سے ریڈیو پاکستان ، کراچی کی

عمارت سے رخصت ہونے کے لیے پر تول رہا ہے۔

پچیس سال پہلے جب میں ہمیشہ کے لیے ریڈیو پاکستان کی عمارت میں داخل نہ ہونے کی قسم کھاتے ہوئے رخصت ہو رہا تھا تو یاور مہدی نے "جشن تمثیل" میں کام کرنے کے صلے میں جو سند مجھے دی، اس کے پیچھے ایک شعر لکھ کر دیا اور وہ شعر جس نے میری ساری زندگی بدل کر رکھ دی، یہ تھا:

ہم نے ہر دور میں تذلیل ہی ہے ، لیکن
ہم نے ہر دور کے چہروں کو ضیا بخشی ہے

اس شعر کا دوسرا حصہ میرے مضمون حاضر کا عنوان ہے۔ اس شعر کے پہلے مصرع سے میں کبھی بھی اتفاق نہیں کروں گا، کیونکہ یاور مہدی! تمھی تو ہو جس نے مجھے عزت کرنی اور عزت کروانے کے ہنر سے آشنا کیا۔

maablib.org

اربابِ تجارت و صنعت

maablib.org

maablib.org

شمیم کاظمی

(قومی صدر، انجمن تجارت، ملازمت و زراعت پیشہ خواتین)

میں یاور مہدی صاحب کو بہت عرصے سے جانتی ہوں، سماجی حوالوں سے ان کے کئی پروگراموں میں شرکت بھی کر چکی ہوں۔ اپنے شعبے میں مہارت کے علاوہ وہ ایک ہمدرد اور مخلص انسان ہیں، ہر چھوٹے بڑے سے محبت سے ملتے ہیں، لوگوں سے کام کروانے کا ہنر بھی جانتے ہیں۔

یاور بھائی ریڈیو کے انتہائی سینئر اور معتبر لوگوں میں ایک نمایاں شہرت رکھتے ہیں۔ بطور انسان بھی وہ اعلیٰ انسان ہیں۔

مجھے پتا چلا ہے کہ وہ ریڈیو کے محکمے سے ریٹائر ہونے والے ہیں۔ بڑا افسوس ہوا کہ وہ بہت جلد ریڈیو سے رخصت ہو رہے ہیں۔ میرے خیال میں فن تمثیل اور صحافت والوں کو کبھی ریٹائر نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ جب تک ان شخصیات کے دم میں دم ہو، وہ اس شعبے کی خدمت کرتے رہیں۔

مجھے امید ہے کہ ریڈیو کا محکمہ ان کے دفتر سے رخصت ہونے کے باوجود بھی ان کی خدمات سے استفادہ کرے گا، کیونکہ وہ اپنے فن میں ماہر ہیں۔

یاور مہدی .... محبت و شرافت کا دوسرا نام

سید عابد رضوی

مجھ جیسے فرومایہ کے لیے کسی شخص اور شخصیت کے بارے میں لکھنا کار دارد، اس وجہ سے میں ہمیشہ اس سے پہلو تہی کر جاتا ہوں۔ اس میں دو فائدے ہیں: اول

کہ میں اپنی جہالت کو ڈھانپ لیتا ہوں کہ من آنم کہ من دانم، دوم یہ کہ اس سے آدمی بہت سارا جھوٹ بیک جنبشِ قلم لکھنے اور لفظوں کی ریاکاری سے بچ جاتا ہے، ہر چند کہ اس فن کے ماہرین نے اس باب میں ایک ایسا فارمولا ایجاد کر رکھا ہے کہ یہ نسخۂ کیمیا ہر مرض کو اکسیر ہے اور ہر مریض کو شفا بخش۔ یہ فرما ہر پیر کو موزوں ہوتا ہے صرف نام اور مقام واردات، نظریۂ ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بدلتا رہتا ہے، مگر کبھی کبھی بقول مصطفیٰ زیدی مرحوم، "عشق میں، اے مبصرین کرام ایسی تکنیک کام آتی ہے اور یہی لے کر ڈوب جاتی ہے"۔ فن شخصیت نگاری یا سوانح نگاری کے باب میں میرے محترم دوست پروفیسر ڈاکٹر وقار گل نے اپنے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے میں سیر حاصل بحث کی ہے اور اس کے حسن و قبح پر بڑی حقیقی گفتگو کی ہے۔ علامۂ دوراں جمیل الدین عالی صاحب (حالیہ سنیٹر جمیل الدین عالی) ڈاکٹر وقار گل کی کتاب کے اجرا کے موقع پر اپنے گراں قدر خیالات سے حاضرین با تمکین کو سرفراز فرماتے ہوئے مرحوم قدرت اللہ شہاب کے شہاب نامے اور حضرت شبلی نعمانی کے کارنامے "المامون" کے بارے میں اپنے زریں خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے بتایا کہ ایسے مواقع پر صرف ممدوح کی خوبیاں زیر بحث لائی جاتی ہیں بلکہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالی جاتی ہیں بلکہ بقول ناچیز کی رائے میں تراشی بھی جاتی ہیں اور ان کی بڑی سے بڑی تاریخی، اخلاقی، سماجی اور انسانی کمزوریوں کو جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اب ایسا کیوں کیا جاتا ہے، یہ ایک بحث طلب بات ہے اور یہاں نہ اس کا موقع ہے نہ اس قدر تفصیل میں جانے کی گنجائش ہے اور نہ مجھ گوشہ گیر درویش کا یہ منصب کہ ان رموز و نکات پر سر کھپا سکے۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بعض شخصیات اتنی تہ دار، اتنی پہلو دار ہوتی ہیں کہ ہمہ وقت ان کے ساتھ رہتے ہوئے بھی ہم ان کے بارے میں کچھ نہیں جان پاتے۔ ایسی شخصیات بظاہر بہت سادہ اور بہت عام سی زندگی گزارتی ہیں، مگر ان کے سینے ایسے نور سے منور ہوتے ہیں جس کو نور انسانیت

کہا جاتا ہے، جن کا مقصدِ حیات، جن کا نصب العین شرافتِ انسانی اور انسانی اقدار کو اجاگر کرنا ہوتا ہے اور وہ اپنے قول و عمل سے مسلسل اس بات کا ثبوت دیتی رہتی ہیں کہ

ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں

یہی وجہ ہے کہ جب عزیزم اویس ادیب انصاری نے مسلسل اصرار کیا تو میں اپنے ہذیان کو کاغذ پر منتقل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس لیے کہ یاور مہدی صاحب کے بے شمار جاننے والوں کی قطار میں ایک کم شمار میں بھی ہوں۔

یاور بھائی جن کو میں محبت و شرافت کا دوسرا نام سمجھتا ہوں، ان سے میری یاد اللہ میری کالج کی ابتدائی تعلیم کے زمانے سے ہے۔ کبھی کبھی "بزم طلبا" میں شرکت کے لیے ریڈیو جانا ہوتا تھا تو وہ ہر ایک کی طرح مجھ سے بھی محبت و شرافت سے پیش آتے۔ ہر چند یہ رشتہ دوستی کا نہ تھا احترام و شفقت کا تھا، ایک بزرگ و خرد کا تھا، سو وہ آج بھی قائم ہے۔ میں اسی احترام سے ملتا ہوں، وہ شفقت سے پیش آتے ہیں۔ گاہ بگاہ کبھی میرے دفتر کو، کبھی غریب خانے کو اپنی آمد سے رونق بخشتے ہیں۔

یاور بھائی کی بہت سی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ وہ مخالفین کو بھی ساتھ لے کر چلتے ہیں، ہر چند کہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں اور خود ہی قافلہ اور خود قافلہ سالار بھی۔ دوستوں کے تو ہیں ہی مگر وہ دشمنوں کے بھی خیر خواہ ہیں، ہر چند کہ ان کی اپنی دشمنی کسی سے نہیں۔ وہ سیدھے سادے مسلمان ہیں۔ مذہب ان کا دل داری ہے، تفرقہ و نفاق سے ان کو بے زاری ہے.... شعار عفو و درگزر، رواداری۔ ان کی مستی کردار میں بھی ایک ہشیاری ہے، اداؤں میں بانکپن ہے۔ عمل نیک کی ان کو لگن ہے، ریڈیو اور آرٹس کونسل کا مفاد ان کا موضوعِ سخن ہے اور اس علت میں مبتلا ان کا تن من اور دھن ہے۔ جب سے بالوں میں چاندی اگ

آئی ہے تو شہر کے خوش جمالوں میں ٹھن گئی ہے، مگر دل، سادہ نہ کچھا ماسوائے پاک دامانی .... نگاہ یار کہتی ہے کوئی افسانہ برسوں۔ ان کی دل ربا بے نیازی خام کاروں کے لیے چارہ سازی اور شہر کے منصب داروں کے لیے لمحاتِ فکر سازی۔ اس نمود و نمائش اور پراز تصنع ماحول میں بھی سادگی شعاری، وہی آمد ورفت کے لیے کرائے کی سواری۔ جنوری، فروری ہو کہ مارچ، ریڈیو پاکستان سے آرٹس کونسل تک نہیں تو پیدل مارچ .... "جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے"۔ خود بہار، خود گل، خود خوشبو، چہرے پر سدا بہار مسکراہٹ کا جادو، غلام صاحب کرم اللہ وجہہ اور وہ کی صدا صدا الصحرا، ان کے پیغام پر دل ٹھہرا۔ خرد سال ہو کہ مسن، ان کا دستِ شفقت سب پر دراز۔ ہر چند کہ لب کشا کم ہوتے ہیں مگر نکہتِ گل کے ہمراز، کارخانۂ آرٹس کونسل کے دم باز و دم ساز۔

حالات مخالف ہوں، مرض کی شدت ہو، یہ ادبی و سماجی سرگرمیاں ترک نہیں کرتے، گہرے سیاسی و سماجی شعور کے حامل ہیں۔ کل ایک محفل میں دوران گفتگو ہادی نقوی صاحب نے کہ ان کے ہمدم دیرینہ ہیں، بتایا کہ ان کی تخلیق حضرتِ آدم کی بچی ہوئی مٹی سے ہوئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب! میں تو یہ جانتا ہوں کہ اگرچہ یہ سائنس دان نہیں ہیں مگر ان کی سوچ سائنسی ہے، یہ فکر کے ساتھ عمل کے میدان کے شہسوار ہیں۔ "ہماری باتیں ہی باتیں ہیں اور سید کام کرتا ہے"۔ پاکستان کے نوجوانوں کی ایک نسل کی سماجی اور ادبی تربیت کے شعور کو اجاگر کرنے میں ان کا حصہ ہے۔ یہ ہمہ وقت ان کی تعلیم، تربیت کے معاملات میں دلچسپی لیتے رہے ہیں۔

ریڈیو پاکستان، کراچی کے "بزم طلبا" کے انچارج ہونے کا زمانہ ان کی تب و تاب و توانائیوں کی بھرپور جوانی کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں اور خاص کر مارشل لا کے عہدِ ایوب فانی میں جو کارنامے انھوں نے سرانجام دیے اور جن مراحل سے وہ

بخیر و خوبی گزرے ، وہ انھیں کا حصہ ہے ۔ اس مشکل زمانے میں انھوں نے جس طرح "بزمِ طلبا" کے معاملات کو چلایا اور آج تک جس تن دہی اور لگن سے وہ ریڈیو اور آرٹس کونسل کے معاملات کو چلا رہے ہیں ، وہ ان کی انتظامی صلاحیتوں کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے ۔ اس زمانے میں انھوں نے جو "خام ذہن" دریافت کیے تھے ، وہ بعد میں جا کر علم و دانش کے پیکر بنے ۔ پاکستان کی ادبی ، سیاسی اور بیوروکریسی کے افق پر چمکنے والے کیسے کیسے نام اور نام ور لوگ! کوئی ایک دو ہوں تو گنواؤں ، یہاں تو ایک فوجِ ظفر موج ہے ، ایک سلسلہ در سلسلہ ہے جو "بزمِ طلبا" سے چلا تھا۔

یاور بھائی کو دیکھ کر اور ان سے مل کر یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ وہ پیدا ہی علمی و ادبی و سماجی کام کرنے کے لیے ہوئے ہیں ۔ میں ان کی صحت و تن درستی و درازیِ عمر کے لیے دعا کرتا ہوں ۔

ممتاز صنعت کار جناب شیخ منظر عالم نے کہا

یاور مہدی صاحب میرے بڑے بھائی کے برابر ہیں ۔ سچ ہے کہ یاور بھائی نے ریڈیو کے حوالے سے پورے شہر کراچی کو متاثر کیا ہے ۔ میں نے ریڈیو میں ان کے بہت سے پروگرام سنے ہیں ۔ یاور صاحب استادوں کے استاد تسلیم کیے جاتے ہیں ، کیونکہ میں نے سنا ہے کہ یاور صاحب ٹی۔وی کے ممتاز ترین پروڈیوسر قاسم جلالی ، حیدر امام رضوی ، کاظم پاشا ، ایوب خاور اور تاجدار عادل جیسے ممتاز ترین پروڈیوسروں کے استاد ہیں ۔ یہ یاور بھائی کی عظمت ہے کہ کبھی ان کی زبان سے نہیں سنا کہ ان کے کون سے شاگرد اب خود استادوں کی صف میں کھڑے ہیں ۔

یہ ہم سب کا فرض ہے کہ یاور بھائی کے لیے وہ کام کریں جسے دنیا دیکھ کر حیران ہو جائے۔ ان کی شخصیت پر ضرور ایک ایسی کتاب مرتب ہونی چاہیے جسے واقعی ایک اچھی اور نادر و نایاب کتاب تصور کیا جائے۔

یاور بھائی ہماری صنعت کار برادری میں بھی مقبول ہیں، کیونکہ ہم لوگوں کو بھی علم و شعر و ادب سے لگاؤ ہے، یہی وجہ ہے کہ میں اپنے گھر بھی مشاعرہ کرواتا ہوں

یاور بھائی کی آرٹس کونسل کے حوالے سے بھی خوب خدمات ہیں۔ میرا تعاون ہمیشہ یاور بھائی کے ساتھ رہے گا۔

رفعت ایم۔ خان

کسی بھی عمارت کی تکمیل انجام دے دینے کو مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ ایک پودے کو پروان چڑھانے کے لیے اس کی مستقل دیکھ بھال اور آبیاری کی ضرورت ہر وقت رہتی ہے۔ عمارت کی دیکھ بھال اور ضرورت کے ساتھ ساتھ اور موجودہ تقاضوں کے عین مطابق ضروری تبدیلیاں، توڑ پھوڑ کی مرمت، اوپن ایئر تھیٹر کی تکمیل کے بعد اسے چھوڑ نہیں دیا کہ یاور اب اس کمیٹی کے سربراہ ہیں بلکہ حسب ضرورت یاور اس کی تزئین اور آرائش سے کبھی بھی غافل نہیں رہے۔ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یاور نے جس کمیٹی کے بھی چیئرمین کی حیثیت سے کسی ایک چیز کی بنیاد رکھی ہو اور بعد میں خواہ وہ اس کمیٹی سے الگ رہے ہوں، وہ اس پودے کو بھولتے نہیں بلکہ حسب ضرورت اپنے قیمتی مشورے اور ضروری امداد ہمیشہ دیتے رہے ہیں۔

اوپن ایئر تھیٹر کے بعد ایک چھوٹے آڈیٹوریم کا خواب بھی یاور ہی کا ہے۔ وہ

اس کمیٹی کے پہلے چیئرمین چنے گئے۔ ایک ایسا چھوٹا آڈیٹوریم جو تقریباً پانچ، چھے سو نشست کا ہو، ہر لحاظ سے بہت ہی modern اور جدید ترین سہولتوں سے آراستہ جس میں زیادہ سنجیدہ او معیاری ڈراموں کے علاوہ دوسرے اقسام کے اچھے پروگرام منعقد ہو سکیں۔ یاور نے ایک بہت بڑے خواب کی بنیاد ڈال دی۔ پروجیکٹ آدھا مکمل ہو گیا۔ یاور براہِ راست اس کے اب سربراہ نہیں، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کو جلد سے جلد تکمیل تک پہنچانے میں یاور دوسروں سے زیادہ بھاگ دوڑ میں مصروف ہیں۔ دعا ہے کہ یاور کا یہ خواب جلد از جلد شرمندۂ تعبیر ہو۔

یاور کی روز مرہ کی زندگی کا نزدیک سے مشاہدہ کریں تو حقیقتاً قدرت ہی کا یہ منشا تھا کہ یاور اپنی زندگی دوسروں کے لیے وقف کر دیں۔ یاور اپنے لیے نہیں، دوسروں کے لیے جیتے ہیں۔ انھوں نے اپنے آپ کو کبھی بھی دوسروں سے دور نہیں رکھا، سب کی خوشیوں اور غموں میں برابر کے شریک رہے، اتنے نرم دل کہ دوسروں کے آنسو نہ برداشت کر سکے۔ عفو اور درگزر یاور کی ذات کا ایک بہت اہم پہلو ہے۔ کیا عجب بات ہے کہ قدرت نے یاور کو خون تک بھی ایسا دیا جو ہر دوسرے شخص کو تو دیا جا سکتا ہے، مگر کسی اور کا خون یاور کے کام نہیں آسکتا۔ یہ ایک medical fact ہے کہ ضرورت پڑنے پر یاور کا خون دنیا کے ہر شخص کے کام آسکتا ہے۔ medical terminology میں یہ ایک بہت ہی عنقا phenomena (rare) ہے مگر کسی دوسرے شخص کا خون یاور کے کام نہیں آسکتا۔

والد صاحب پولیس کے محکمے میں اعلیٰ افسر تھے۔ ان سے discipline اور پابندیٔ وقت ورثے میں ملی۔ تعلیم برصغیر کے عظیم تاریخی، علم و ادب اور مسلمانوں کے ثقافتی گہوارے لکھنؤ میں حاصل کی۔ مروت، محبت، انکسار خاندانی ورثہ تھا۔ یاور سب کے بھائی، سب سے محبت کرنے والے، ان تھک محنت، جدوجہد پیہم، لگن اور دوسروں کے لیے کچھ کر دینے کے جذبے کو دل میں بسا کر حصولِ تعلیم کے بعد شہر

کے سماجی اور ثقافتی افق پر نمودار ہونا شروع ہوئے۔آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے کام کرنے میں، خواہ کتنا چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، کبھی عار نہ محسوس کی۔ تعلیم کا حصول جو تقسیم کے بعد جامعۂ کراچی میں آکر مکمل ہوا، وہ بھی ایک جد وجہد سے کم نہ تھی۔ اپنے اطراف میں بسنے والے بنی نوعِ انسان کی بے بسی اور بے حسی نے یاور کو ان کی طرف دیکھنے پر مجبور کیا اور وہ شروع ہی سے سماجی کاموں میں دلچسپی لینے لگے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد وہ روزگار جو دل میں چھپی بسی ہوئی امنگوں کو بھی شرمندۂ تعبیر کرسکے، اس جانب سفر شروع کیا۔زندگی کا یہ سفر ریل کی پٹریاں تبدیل کرتا رہا اور بالآخر یاور نے ریڈیو پاکستان، کراچی اسٹیشن پہنچ کر ایسا محسوس کیا کہ ان کی منزل کو جانے والا راستہ یہی ہے اور اپنا سفر شروع کیا۔یاور کو اپنے اندر لے جوہر سے دوسروں کو کانٹ چھانٹ کر شہرت کی معراج دینے کا موقع مل گیا، یاور ان لوگوں کی تلاش میں کھوگئے۔ تھوڑے ہی عرصے بعد ریڈیو کی زندگی میں چاہے وہ کھیل کا میدان ہو، ثقافتی پروگرام ہو یا بزم طلبا، یاور کی بازگشت کراچی ریڈیو کی بلڈنگ سے نکل کر باہر آنے لگی اور پھر بہت سارے پر امید اور ناامید، دونوں قسم کے لوگ ہمارے یاور بھائی کی طرف کھنچ کر آنے لگے کیونکہ وہ سب کے یاور بھائی ہیں۔

ایک unique قابلیت یا خوبی جو میں نے ہمیشہ یاور بھائی میں محسوس کی کہ ان کو خداداد صلاحیت کے استعمال پر دسترس حاصل ہے۔ وہ کوئی ایک پروجیکٹ یا پروگرام سوچتے ہیں، اس کا خاکہ تیار کرتے ہیں اور پھر ہر پہلو سے جائزہ لینے کے بعد چاہے کتنی ہی محنت کیوں نہ کرنی پڑے، اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں اور پھر وہ تاریخ کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔ کھیلوں کے میدان سے ان کی منفرد نشریات، موسیقی کے پروگرام ترتیب دے کر ایسے لوگوں کو سامنے لانا جن کے جوہر کوئی اور نہ سمجھ سکا اور وہ ثقافتی افق پر جگمگاتے ستارے بن گئے۔اسی طرح ادب کے

میدان میں ان گنت لوگ شہرتوں کی منزلوں کو جالیے۔ "بزم طلبا" میں کتنے تراشے ہوئے ہیرے ملک اور ملک سے باہر جگہ جگہ اپنی روشنیاں پھیلا رہے ہیں۔

"انکسار" کے کوٹے کو تو اللہ تعالیٰ نے یاور کے حصے میں ضرورت سے زیادہ ہی دیا ہے۔ یاور شہرت سے بھاگتے ہیں اور وہ اتنی زیادہ ان سے لپٹی ہے کہ یاور کو لوگوں نے پہچان سے بڑھ کر سراہنا شروع کر دیا۔ بلوچستان کے ایک سابق گورنر نے یاور کو طلائی تمغا پہنایا۔ یوں تو یاور کو بہت سے تمغے اور ایوارڈ دیے گئے مگر Transmit Forum کی ایک تقریب میں یاور کو ایوارڈ دیتے ہوئے جو سپاس پیش کیا گیا، وہ ۳ منٹ سے زیادہ دورانیے کا تھا، حالانکہ سپاس تیز رفتاری سے پڑھتے ہوئے ایک یا ڈیڑھ منٹ سے زیادہ نہیں لگتا۔ ایک اور تقریب میں جس میں شہر کے تین سو سے زائد معززین موجود تھے، وہاں مدعو مہمانوں میں یاور اپنی پہچان میزبان سے زیادہ رکھتے تھے۔ شہرت سے خود بھاگنے والے کا شہرت کیسے پیچھا کر رہی تھی!

یاور نے دنیا کے مختلف ممالک میں کافی سفر بھی کیے ہیں۔ سفر سے خود تو خالی ہاتھ واپس آتے تھے مگر یاور جہاں جہاں بھی گئے، اپنی محبت اور پیار کے انمٹ نقوش چھوڑ کر آتے رہے۔

یاور جتنا اپنی منزل کی طرف بڑھتے، شاہراہ اتنی ہی زیادہ پھیلتی رہی۔ کسی ادارے کی بنیاد تو لوگ رکھ ہی دیتے ہیں، یہ بھی ان لوگوں کا عظیم جذبہ ہوتا ہے جس کے تحت وہ یہ کام کرتے ہیں، مگر کام کو آگے بڑھانا بڑا مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے بعد یہ امر قدرتی تھا کہ یاور آرٹس کونسل میں بھی آئیں اور اس ادارے کے لیے کچھ کریں۔ اور پھر جیسے جیسے یاور کی دلچسپی آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی سے بڑھتی گئی، آرٹس کونسل کی بازگشت آرٹس کونسل سے نکل کر شہر اور پھر ملک بھر میں سنائی دینے لگی۔ وسائل کی کمی، رقم نہ ملنے کے برابر اور بہت سی دشواریاں یاور کے عزم کو کمزور نہ کر سکیں اور یاور نے

ایک کے بعد دوسرے محاذ پر جہاد شروع کر دیا۔

یاور بھی کچھ اپنے پسندیدہ حواریوں کو ساتھ لے کر چلے اور وقت اور ضرورت کے ساتھ ساتھ تھوڑا بہت رد و بدل بھی کرتے رہے۔ یاور مستقل مزاجی اور عزم صمیم کا بھی نام ہے۔ یاور ایک بلند حوصلے، ان تھک محنت اور سب سے بڑھ کر ایک بہت ہی محبت بھرے دل کے انسان ہیں.... دل بھی ایک مندر جس میں محبتوں کی دیوی کے سوا اور کوئی دیوی یا دیوتا نہیں۔

یاور کی نظر خستہ حال اوپن ایئر تھیٹر پر پڑی تو یاور ایک نیا لباس پہن کر بھیک کا کاسہ ہاتھ میں لیے نکل کھڑے ہوئے۔ عمارت کی تزئین اور آرائش دوبارہ ہو گئی۔ عمارت پھر مضبوط ہو گئی، پروگرام ہونے لگے۔ اس کا نام یاور نے ذوالفقار علی بخاری آڈیٹوریم رکھا جو بخاری صاحب کو اچھا خراج تحسین تھا۔ اس کمیٹی کے یاور پہلے چیئرمین تھے، پھر لائبریری کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے آرٹس کونسل میں ایک لائبریری کی بنیاد ڈالی۔ یاور نے محمد حسین آزاد لائبریری کا نام خود تجویز کیا اور پھر کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا۔ بھیک کا کاسہ بھی پھیلتا گیا، فائن آرٹس کمیٹی کے چیئرمین بنے اور اے۔ آر۔ فریدی آرٹ گیلری عمل میں آئی۔ یہاں پاکستان کے ماسٹرز مصوروں کے شہ پارے جمع کیے گئے اور یہ ملک کی ایک اہم نیشنل آرٹس گیلری بن گئی۔

پبلی کیشن کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے یاور نے دو بہت ہی منفرد تاریخی کارنامے سرانجام دیے۔ ان میں ایک شام کا انعقاد جس میں ملک کی نام ور ادبی، سماجی، ثقافتی اور تاریخ ساز شخصیتوں کو دعوت دے کر ان کے ساتھ "ایک شام" کے عنوان سے پروگرام منعقد کیے جو ٹیلی وژن پر ریکارڈ اور ٹیلی کاسٹ بھی ہوئے، جو ملک کے لیے ایک اہم سرمایہ بن گئے۔ اور دوسرے آرٹس کونسل کی پہچان کے ساتھ ساتھ آرٹس کونسل کو اپنی ایک زبان بھی دی اور ایک ماہ نامہ "خبرنامہ" کا اجرا کیا

یہ سب سے مشکل ترین کام یاور ۹۲ء سے اب تک بغیر کسی رکاوٹ کے برابر کر رہے ہیں ۔ صرف اشتہاروں پر انحصار کرکے چھپوانا اور بغیر کوئی رقم وصول کیے آرٹس کونسل کے ارکان کے علاوہ ملک کی مقتدر شخصیتوں کو پہنچا کر آرٹس کونسل، کراچی کی اس زبان کے ذریعے اہل وطن کو علمی، ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں سے مطلع کرتے رہے ۔ یہ دونوں کارنامے ملک کے ادبی اور ثقافتی ورثے میں اہم اضافہ ہیں ۔

طلیبہ محسن آڈیو اور وڈیو لائبریری کا قیام بھی یاور کی ان تھک محنت کا ثمر ہے ۔

آپ "جشن یاور" کا اہتمام کر رہے ہیں، یہ بھی ایک تاریخی اقدام ہے ۔ یہ تو یاور کا ملک پر وہ قرض ہے جو ہم سب کو کسی نہ کسی صورت میں اتارتے رہنا چاہیے ۔

ہم کچھ زیادہ تو نہیں کر سکتے، البتہ خداوند قدوس کے آگے ہاتھ پھیلا کر یاور بھائی کے لیے دعا کرتے ہیں کہ وہ یاور کو صحت اور ہمت سے ہمیشہ نوازتا رہے، یاور بھائی خوش و خرم رہیں، صحت مند رہیں اور اپنی محبتوں کے پھولوں کی خوشبو سے ہم سب کو مہکاتے رہیں ۔ آمین!

یہ اپنے یاور بھائی

شکیل اسلم

شفیق بزرگ بھی ہیں، بے تکلف دوست بھی، وقت پر کام آنے والے ہمدم اور ساتھی، محسن اور محبوب بھی ۔ اگر بالوں کی سفیدی ان کی بزرگی کی غماز ہے تو آنکھوں کی گہرائی میں وہ ٹھنڈک ہے جو ایک ہمدرد دوست کا پتا دیتی ہے ۔ بھولے چہرے پر ہر وقت پھیلی رہنے والی مسکراہٹ ان کی بے تکلف دوستی کی عکاس ہے ۔ یہ ہیں ہمارے اور آپ کے پیارے یاور بھائی! جن کا پورا نام تو سید یاور مہدی یا کچھ اور ہے لیکن ہم سب کے لیے وہ صرف یاور بھائی ہیں، گو بعض لوگوں کا "یاور بھائی" کہہ کر پکارنا ان کو

ناگوار گزرتا ہے۔

ہم ابھی اسکول میں ہی تھے اور اسکول براڈکاسٹ کے پروگراموں میں شریک ہوتے تھے جو پابندی سے نشر اور اسکولوں میں باقاعدگی کے ساتھ سنے جاتے تھے۔ ایک دن براڈکاسٹنگ ہاؤس پہنچے تو معلوم ہوا اسکول براڈکاسٹ سیکشن میں نئے پروڈیوسر صاحب تشریف لے آئے ہیں۔ ان سے ملنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ مرحوم منظور جمال آگئے اور کہنے لگے۔ "بھئی! یہ نئے پروڈیوسر بھلے آدمی ہیں۔ میں ان سے تمھارا تعارف کرائے دیتا ہوں"۔ پھر کاغذ کے ایک پرزے پر کچھ لکھا اور کہا۔ "یہ لے جا کر ان کو دے دو"۔ ہم گئے تو پروڈیوسر صاحب نے ہمارے ہاتھ سے پرچہ لے کر پڑھا اور بلند آواز میں ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ وہ دن اور آج کا دن، یہ قہقہہ یاور بھائی کی پہچان بن گیا۔ پرچے پر مرحوم منظور جمال نے کیا لکھا، یہ ان کے، ہمارے اور یاور بھائی کے درمیان راز ہے۔

کم و بیش چالیس سال کی رفاقت میں ہم نے یاور بھائی کی تناور شخصیت سے بہت کچھ سیکھا۔ مثلاً کام لگن اور سلیقے سے کرنا، دھن اور ارادے کی پختگی، تعلقات نبھانے کا فن، چھوٹوں کے ساتھ شفقت اور بڑوں کا ادب، احساسِ ذمے داری اور فرائض کی ادائیگی، وقت کی پابندی، وعدے کا پاس۔ یاور بھائی مخلص بھی ہیں اور بے لوث بھی۔ ان کی دوستی بے غرض ہے۔ ان کو قدرت نے ہر چیز وافر عطا کی ہے، ماشاءاللہ! اولاد بھی اور سر کے بال بھی جو ان کی صلاحیتوں کا برملا اظہار ہیں۔

لوگوں سے کام لینا انھیں خوب آتا ہے۔ کون، کب اور کس کام کے لیے موزوں ہے اور اس سے کس طرح اس کی صلاحیت کے مطابق کام لیا جا سکتا ہے، یاور بھائی سے بہتر شاید ہی کوئی جان سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ریڈیو پاکستان اور آرٹس کونسل میں ہر موقع پر انھوں نے جو کام بھی کیا، اس کو انتہائی بلندی اور تکمیل کی منزل تک پہنچایا اور ان کاموں میں فن کاروں، دانش وروں، قلم کاروں، سماجی شخصیات اور دیگر

لوگوں کو پوری طرح شامل حال کیا۔

ہر ملازمت پیشہ شخص کا خواب طویل سرکاری ملازمت کے بعد باعزت ریٹائرمنٹ ہوتا ہے۔ یاور بھائی کے لیے بھی وہ دن آگیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ریٹائرمنٹ کے بعد کی زندگی بھی اتنی ہی بلکہ زیادہ طویل ہو جتنی ملازمت کی تھی، اور ان کو اس زندگی میں بھی کامیابیاں اور خوشیاں نصیب ہوں کہ وہ خود لاتعداد لوگوں کے لیے کامیابیوں اور خوشیوں کا باعث بنے ہیں۔ آمین!

یاور مہدی

قیصر مفتی

خلیق، قوتِ عمل کا مجسمہ..... یہ احساس تھا کوئی بیس سال پہلے جب میں نے یاور مہدی کو پھرتی سے آرٹس کونسل میں ادھر سے ادھر ہوتے دیکھا۔ ایک دوست سے نام پوچھا۔ نام مانوس تھا۔ ریڈیو سننے والوں کے لیے یہ نام عرصۂ دراز سے ایک عجب سی دل آویزی لیے ہے۔

جب بھی آرٹس کونسل کی کسی تقریب میں جانا ہوتا، یاور مہدی لپک کے ملتے اور میری بیٹی اور بیوی کے لیے کسی ایسی جگہ کی نشان دہی کرتے جو اسٹیج سے قریب ہوتی جہاں سے گانے والی یا شاعر کی صورت واضح ہو۔ ان کی تمام تر خوش خلقی اور ہمت افزائی کے باوجود بہت عرصے تک ان سے تعلقات میں ایک حجاب رہا، یہی خیال رہا کہ ایسے گنی، گیانی سے بات کی تو معلوم نہیں کس لفظ پر گرفت ہو، کیسی خفت کا سامنا ہو۔

یاور مہدی نے آرٹس کونسل کے جریدہ کی ذمے داری اٹھائی اور تکلف کے اس سلسلے کا خاتمہ ہوا۔ آرٹس کونسل جانا ہوا تو رسالے کی ترسیل ہو رہی تھی۔ پرچہ

اٹھایا۔ رسالے کے مفاد میں کچھ تجویزیں ذہن میں آئیں۔ عمارت سے باہر آنا تھا کہ موصوف سے مڈھ بھیڑ ہو گئی۔ معمولی سی تجاویز تھیں جو کوئی بھی عام فہم شخص دے سکتا تھا، مگر میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور اپنی تنقید اور تجاویز کی ٹوکری ان پر انڈیل دی۔ ٹوکری ابھی خالی نہ ہوئی تھی کہ مجھے احساس ہوا کہ کچھ زیادہ ہو گیا۔ میں ۹۰ ڈگری ٹرن کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ جناب ہمک کے گلے لگ گئے۔ میری تقریر کا شکریہ ادا کیا، چند تجاویز پر عمل میں دشواریاں بتائیں اور بقایا کی مقبولیت کی سند دی۔ یہ ابتدا تھی میرے اور یاور مہدی کے مابین موجودہ تعلق کی چھتر چھایا کی۔ ربط کے اس کنج میں ان کو برتنے کے مزید مواقع ملے، ساتھ ہی کنج بھی کھلتا گیا۔

ایک دوست کی بیٹی کی تعلیم کا مسئلہ تھا۔ کسی نے بتایا کہ جس شبد سے سم سم کھلے گا، یاور مہدی کے گوشۂ لب سے وا ہونا مفید ہو گا۔ بھاگا بھاگا ریڈیو پاکستان پہنچا۔ عجب رنگ تھا! ملاقاتیوں، ضرورت مندوں اور ماتحتوں کے گروہ در گروہ آ رہے تھے اور گھڑی کی چوتھائی میں مشورہ لے کے جا رہے تھے۔ ایک نرالا دوست اور لائق افسر قابو یافتہ مشیر جما بیٹھا تھا۔ مالیات اور انتظامی امور سے متعلق مشورے بھی تھے، موسیقی، گائیگی، صوتی اثرات، سبھی قسم کے نسخے بھی بٹ رہے تھے یاور مہدی کا قابو یافتہ افسر کی صورت میں میرے سامنے ایک نیا روپ تھا۔ کہاں وقت سے بے نیاز رات کے پچھلے پہر تک آرٹس کونسل کی خوش گپیوں میں لگا آدمی! اور کہاں چند لفظوں میں ادائیگی کا طالب اور لمحے بھر میں صفائی سے رائے دینے والا یہ مصروف افسر جس کا مشن ریڈیو پاکستان کے لیے اپنے آپ کو فنا کر دینا معلوم ہوتا تھا!

ہر شعبۂ زندگی آبیاری کے لیے نیا خون چاہتا ہے۔ پرانے لوگ فن میں نئی جہتیں ڈھونڈیں، نئے لوگ سامنے آئیں، اس ذمے داری کا شعوری احساس لوگ عام طور پر نہیں کر پاتے۔ یاور مہدی اس ذمے داری کو بطریقِ احسن نبھاتے ہیں۔ وہ

نئے لکھنے والوں، شاعروں، ادیبوں، مصوروں، گانے والوں اور دوسرے فن کاروں کو معاشرے میں جائز مقام دلانے کے لیے ہمہ وقت کوشاں دکھائی دیتے ہیں۔ ابھرتے ہوئے فن کاروں کو اپنے تجربات کی روشنی میں بلند پروازی کے لیے مشورہ دینا، کارکردگی کے لیے پلیٹ فارم مہیا کرنا، پھر اس سلسلے کی تقاریب کے لیے مجمع اکٹھا کرنا ان کا مشن ہے۔ آج کے بڑے بڑے فن کار یاور مہدی کی وجہ سے کتنے بڑے ہوئے، یہ کہنے کی بات نہیں، ادراک کی ہے۔

اللہ کرے یاور مہدی کا زورِ جہد اور زیادہ۔

ممتاز صنعت کار و تاجر جناب ایس۔ ایم منیر نے کہا

شہرِ کراچی میں یاور مہدی صاحب کی دلچسپ، انوکھی اور منفرد شخصیت ہے، کیونکہ یاور صاحب ہر شعبے میں ممتاز و ہر دل عزیز ہیں۔ شوبزنس ہو یا سماجی حلقہ، تاجر برادری ہو یا صحافت، کھیل ہو یا موسیقی، علم و ادب ہو یا مذہب، ہر میدان میں یاور صاحب کے چاہنے والے ملیں گے، کیونکہ انھوں نے ہر طبقۂ فکر کے لوگوں کے انٹرویوز کیے اور اپنے بہت سے پروگراموں میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے لوگوں کو مدعو کیا۔ میرا پیشہ تو تجارت ہے، مگر میں ریڈیو کے بہت سے پروگرام اب بھی سنتا ہوں۔

جہاں تک یاور بھائی کی شخصیت کا تعلق ہے، وہ میرے بڑے بھائی کی طرح ہیں۔ میں اتنا ضرور کہوں گا کہ یاور مہدی صاحب نے اپنے شعبے میں جتنا کام کیا ہے، اتنا کام بہت کم لوگ کرتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یاور مہدی صاحب کو ہمیشہ خوش رکھے۔

یاور مہدی ایک عظیم منتظم ہی نہیں بلکہ ایک عظیم انسان بھی ہیں

افضل حسین

اس معتبر ہستی کے بارے میں جس کو ہم یاور مہدی کے نام سے جانتے ہیں، ان کی شخصیت کو بیان کرنا میرے لیے قابلِ فخر ہے، لیکن یہ میرے لیے اتنا آسان کام نہیں۔ جو شخص تمام عمر ہاتھ میں کیمرا لے کر دنیا کو کیمرے کی آنکھ سے دیکھتا ہو، وہ تصویروں کو نمایاں کرنے میں اور تصویروں کو خوب سے خوب تر بنانے میں کارنامہ تو انجام دے سکتا ہے مگر ان کو تحریر میں لا کر متاثر کرنا یہ اہلِ قلم ہی کا کام ہے۔ اس کے باوجود اس کے ہاتھ میں یکایک قلم دے دیا جائے اور جس شخصیت پر اس کو قلم اٹھانا ہو، وہ اتنی زبردست ہو اور اس نے اس ناچیز پر اتنے گہرے نقوش چھوڑے ہوں تو پھر وہ ذہن اور فکر کے ساتھ جہاد کرے تو خود بخود الفاظ کے شگوفے پھوٹتے ہیں، تحریر کا دریا رواں ہوتا ہے اور بے ساختہ اس شخصیت سے مخاطب ہو کر کہنے کو دل چاہتا ہے:

بے خبر ہوں، مگر اتنی تو خبر رکھتا ہوں
میرے سائے کے تعاقب میں ہے سایہ کس کا

جب میں ماضی کے دریچوں کو دیکھتا ہوں اور یاور مہدی کے ساتھ گزارے ہوئے سنہری دن یاد کرتا ہوں تو پھر میں ان کے اندر چھپی ہوئی پردہ در پردہ ان حقیقتوں کا نظارہ کرتا ہوں جو سرسری گزر جانے والوں کو نظر نہیں آتی ہیں جس طرح پھول کی خوشبو کو گرفت میں لانا آسان ہے لیکن اس کے جوہر تک پہنچنا ایک

مشکل کام ہے ۔ یاور مہدی کے حسن سلوک کا جائزہ لیا جائے تو قدم قدم پر ان میں .... کیا اپنا ، کیا پرایا.... انسان دوستی کا بھرپور اظہار ملتا ہے ،یہی وجہ ہے کہ آواز کی دنیا کا یہ رخشندہ ستارہ ابتدائی دنوں ہی سے ہر شخص اور بالخصوص اہل علم و دانش کی آنکھ کا تارا بنا ہوا ہے ۔ اب جب وہ شخص باعزت طور پر اپنے فرائض منصبی کو خدا حافظ کہہ رہا ہے تو تمام مکاتب فکر اور احباب ان کو زبردست خراج تحسین پیش کررہے ہیں اور یاد دلا رہے ہیں کہ کن کن لمحات اور کیسے کیسے نازک موقعوں پر یاور مہدی نے ان کی مدد کی ۔ جہاں تک میری ان سے محبت اور وابستگی کا تعلق ہے تو میں آج یہ کہنے میں بڑا فخر محسوس کرتا ہوں کہ آج میں جو کچھ بھی ہوں ، وہ یاور مہدی کی بدولت ہوں ۔ میں یاور مہدی کو اپنے دوست اور ہمدرد کے ساتھ ساتھ اپنا محسن سمجھتا ہوں ۔ میں ایک پتھر تھا جس کو تراشا گیا اور ان کی کوششوں اور محبتوں نے ایک باعزت اور خوش حال زندگی گزار رہا ہوں ۔

غالباً ۱۹۶۵ء کی بات ہے جب میں دور نوجوانی میں تھا اور بہتر مستقبل کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا ۔ جس جگہ جاتا، اچھے لوگوں اور اچھے ماحول کے بجائے خلاف مزاج ماحول کو پاتا ۔ اللہ کی ذات سے مایوس نہ تھا، محنت اور لگن کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا ۔ میری کوئی نیکی کام آئی اور یاور مہدی کی شکل میں ایک عظیم انسان ملا جس نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا ۔ کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں وہ جاتے اور میں ساتھ نہ ہوتا ۔ ایک سے بڑھ کر ایک محفل میں مجھے بیٹھنا، بات کرنا اور متعارف کرانا سکھایا۔ یاور مہدی کے بے باکی اور اعتماد کی کتنی بھی مثالیں دوں ، وہ کم ہیں ۔ یاور مہدی ایک سچے اور اچھے انسان ہیں ۔ ان کی زندگی میں بڑی بڑی شخصیتیں آئیں اور میں اکثر ان کے ساتھ ہوتا ۔ میں نے بڑی سے بڑی شخصیت کو ان کا احترام کرتے پایا ۔ کبھی یاور مہدی نے اپنے لیے کچھ نہ چاہا ،یہی وجہ ہے کہ آج ان کو بے شمار محبتوں سے نوازا جارہا ہے ۔

جہاں تک ان کے اندر چھپی ہوئی حقیقتوں کا تعلق ہے تو بتاتا چلوں کہ وطن پرستی اور اپنی مٹی سے پیار ان کی فطرت میں شامل ہے۔ ہر محب وطن انسان ان کا دوست اور ملک دشمن انسان ان کے لیے قابل نفرت ہے۔ ان کی خواہش اور دعا ہے کہ خدا پاکستان کو یک جہتی کی لڑی میں پرودے۔ یہی نہیں، بلکہ ملک کی حالت زار پر میں نے ان کو آنسو بہاتے دیکھا ہے۔ اس کے علاوہ جس ادارے سے وابستہ ہیں، ان کی ذات اس ادارے اور اس ادارے کے ہر فرد کے لیے قابل ستائش ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن سے کرسی پہچانی جاتی ہے۔ جس کرسی پر بیٹھ جائیں، اس کرسی کی قسمت بدل جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے کہا گیا ہے کہ یہ کرسی کی زینت ہوتے ہیں۔ ان شاءاللہ آنے والے حالات میں بھی یہ کرسی کی زینت بنیں گے خوش نصیب ہوں گے وہ ادارے جن کو یاور مہدی دستیاب ہوں گے۔

جہاں اس شخص نے دوسروں کو نوازا، وہاں ان سے اپنے لوگ بھی محروم نہ رہے۔ میرا ان کے گھر سے گہرا تعلق ہے، گھر کے ہر فرد سے واقف ہوں۔ ہر شخص کو میں نے ان پر جان چھڑکتے پایا اور اس شخص نے اپنے گھروندے کی تعمیر اور نشوونما میں وہ کردار ادا کیا جس کی مثال نہیں ملتی، یعنی گھر کو صحیح معنوں میں گھر کر دیا اور جس سے ملے، اس کے دل میں گھر کر دیا۔ انھیں جیسی شخصیتوں کے بارے میں حالی نے کہا تھا:

خشک ہو جاتا ہے سیروں تن شاعر کا لہو
تب نظر آتی ہے ایک مصرعِ تر کی صورت

آخری لیکن بے حد اہم بات جس کا انھوں نے ہمیشہ درس دیا، ہمیشہ پرچار کیا اور جس کو اپنی زندگی کا شعار بنایا، وہ ہے محنت کی عظمت۔ میں نے ان کی جس بات پر عمل کیا، وہ تھی:

مٹادے اپنی ہستی کو ، اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گل زار ہوتا ہے

یہی زندگی کا مقصد ہے اور اسی پر چل کر انسان سرخ رو ہوتا ہے۔

میرے یہ خیالات اور تاثرات تو میرے ہی دلی جذبات ہیں، قارئین کرام کے لیے اس میں مبالغہ بھی ہو سکتا ہے، لیکن ان کی عظمت کا منھ بولتا ثبوت یہ ہے جس سے شاید ہی کوئی انکار کر سکے:

کسی سے پوچھتے کیا ہو ، جبینوں پر نظر ڈالو
لکیریں خود کہیں گی کس نے کتنی خاک چھانی ہے

maablib.org

maablib.org

اربابِ سماجی بہبود

maablib.org

maablib.org

یاور مہدی.... ایک ہمہ جہت شخصیت

قدسیہ اکبر

جب مجھ سے جناب یاور مہدی کی شخصیت کے بارے میں لکھنے کو کہا گیا تو میں کئی دن تک عجب گو مگو کی حالت میں رہی، اس لیے کہ کسی عام سی شخصیت کے بارے میں لکھنا آسان ہے، مگر کسی ایسے شخص کے بارے میں لکھنا یا کچھ کہنا انتہائی مشکل کام ہے جس کی شخصیت کے ان گنت پہلو ہوں اور ہر پہلو انتہائی بھرپور اور مکمل۔

کئی دن سے سوچ رہی تھی کہ اب کچھ لکھ ہی ڈالوں، مگر مشکل یہ پیش آ رہی تھی کہ کہاں سے شروع کروں، کس پہلو پر پہلے روشنی ڈالوں۔

یہ کیا ماجرا ہے کہ کراچی کا ہر ہونہار سپوت جس نے کسی نہ کسی حوالے سے کوئی مقام، عزت یا مرتبہ پایا ہے، کسی نہ کسی طور سے "یاور بھائی" کا ممنون و متشکر نظر آتا ہے۔ وہ اپنی کامیابیوں، کامرانیوں کو "یاور بھائی" کی محبتوں سے معنون کرتا نظر آتا ہے۔

ایک عجب شخص ہے جو ایک طرف ایک genuine admin-istrator۔ (منتظم) نظر آتا ہے تو دوسری جانب انتہائی نرم دل، ہمدرد اور غم گسار افسر، دھن کے پکے، عزم و ہمت کے پیکر، دوستوں کے دوست، یاروں کے یار، سیکھنے اور کچھ حاصل کرنے کا شوق رکھنے والوں کے لیے بہترین استاد، راہ نمائی، دل داری اور ہمت افزائی کے لیے ہمہ وقت کمربستہ، ہر فرد کے کام آنے والے، مگر خود اپنی ذات سے بے پروا۔

اس شہر کے علمی ، ادبی ، سماجی حلقوں میں شاید ہی کوئی ایسا فرد ہو جو یاور مہدی کو نہ جانتا ہو ۔ بے شمار لوگ کسی نہ کسی طور پر ان کے زیر بار احسان ہیں ، وہ احسان جو یاور مہدی کر کے بھول جاتے ہیں ۔ ایک بے غرض ، بے لوث انسان نہ ستائش کی تمنا ، نہ صلے کی پروا کے مصداق ہمہ وقت دوسروں کے لیے حاضر ، ان کی ہر چھوٹی بڑی خوشی اور غم کا ساتھی ، انتہائی ہر دل عزیز ۔ کم از کم میں نے آج تک کسی شخص کو ان کی برائی یا شکایت کرتے نہیں سنا (بیگم کے علاوہ) ۔ ایسے لوگ بہت کم اور بہت خوش نصیب ہوتے ہیں جن سے ان کی زندگی میں لوگ اتنی محبت کریں ۔ کم از کم مجھے تو یاور مہدی کی ہر دل عزیزی پر رشک آتا ہے :

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد ، خدائے بخشندہ

ہم لوگ من حیث القوم مردہ پرست واقع ہوئے ہیں ۔ ہر وہ شخص جو اس دنیا سے اٹھ جاتا ہے ، ہم کو اس کے جانے کے بعد اس کی خوبیاں نظر آتی ہیں ، مگر یاور مہدی ان معدودے چند خوش نصیبوں میں سے ہیں جن کو لوگ ان کی زندگی ، ان کی موجودگی میں بھی بہت چاہتے ہیں اور کھلے دل سے ان کے سامنے ، ان کے پیچھے ان کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے ۔

یاور مہدی سے میرا تعارف بہت پرانا ہے شاید اتنا پرانا کہ خود مجھے بھی یاد نہیں یا یوں کہہ لیجیے کہ میں یاد کرنا یا بتانا نہیں چاہتی ، کیونکہ اگر میں نے بتادیا کہ میں ان کو کب سے جانتی ہوں تو آپ فوراً ان کی اور مری عمر کا حساب لگانے بیٹھ جائیں گے جس پر ان کو تو شاید کوئی اعتراض نہ ہو مگر مجھے ضرور ہے ، اس لیے کہ ہر خاتون یہ چاہتی ہے کہ آپ اس کی عمر کے بارے میں صرف اندازہ ہی لگاتے رہ جائیں بہر حال یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں کالج کی طالبہ تھی اور ریڈیو پاکستان سے ڈراما آرٹسٹ کی حیثیت سے ڈراموں میں حصہ لینا شروع کیا تھا اور یاور مہدی صاحب

ان دنوں ریڈیو سے بحیثیت پروڈیوسر وابستہ تھے۔ اس زمانے میں سرسری سی ملاقات رہی، اس کے بہت عرصے بعد آرٹس کونسل کے الیکشن کے سلسلے میں یاور مہدی صاحب جناب ابراہیم نفیس کے ساتھ میرے گھر تشریف لائے اور مجھ کو اپنے ساتھ آرٹس کونسل کے الیکشن میں حصہ لینے کی دعوت دی تھی جو تھوڑے بہت سوچ بچار کے بعد میں نے قبول کرلی۔

بس جناب! وہ دن اور آج کا دن، آرٹس کونسل، یاور مہدی اور قدسیہ اکبر ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ اس پورے عرصے میں مجھے ہر قدم، ہر مرحلے، ہر مسئلے پر یاور صاحب کی راہ نمائی اور تعاون حاصل رہا۔ لگ بھگ سولہ سال سے ہم لوگ ساتھ کام کر رہے ہیں، مگر مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی کسی مرحلے، کسی لمحے یاور صاحب نے کبھی شکایت کا موقع فراہم کیا ہو۔ یہ یاور صاحب کا کمال بلکہ یہ ایک انتہائی اہم خوبی ہے کہ وہ کسی کو ایسا موقع ہی فراہم نہیں کرتے کہ کسی قسم کی بدمزگی پیدا ہو۔ یہ خوبی بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ دوست ان پر جان چھڑکتے ہیں اور ان کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی سے بھی وقت پڑنے پر دریغ نہیں کرتے۔ یہ کیسا اسرار ہے؟ یہ کون سا گر ہے جو صرف ان کو آتا ہے؟ تمام تر پر خلوص مشوروں کے باوجود یہ گُر کسی کو نہیں بتاتے، اور کیوں بتائیں! اگر بتادیتے تو آج ہم بھی ان کی طرح ہر دل عزیز نہ ہو جاتے؟ بس یہی ایک شکایت مجھ کو ان سے ہے کہ آج تک ہر دل عزیزی کا گر ہم کو نہ سکھایا اور نہ اس راز سے پردہ اٹھایا۔

ان کی صحت، خوشیوں اور درازی عمر کے لیے خدائے بزرگ و برتر کے حضور دست بدعا ہوں۔

maablib.org

بیگم درِ شہوار

(چیئر پرسن لیڈیز ونگ اسمال ٹریڈرز اینڈ کاٹیج انڈسٹری، رکن ایوان صنعت وتجارت
صدر الامین ویلفیئر سوسائٹی، لیڈیز کوآرڈی نیٹر پیام پاکستان)

جس طرح خوشبو ایک مسحور کن احساس ہے، بالکل اسی طرح یاور بھائی ایک ایسی ہی شفقت بھری شخصیت کا نام ہے۔ مجھ پر یاور بھائی کی شفقت کا عرصہ کم وبیش پچیس سال پر محیط ہے۔ آج بھی جب کبھی یاور بھائی سے ملاقات ہوتی ہے تو ماضی کی یادیں ایک فلم کی طرح پردۂ ذہن پر نمودار ہو جاتی ہیں۔ یاور بھائی آج بھی اسی تن دہی اور خلوص کے ساتھ فنونِ لطیفہ اور اس سے وابستہ افراد کے لیے مصروفِ کار نظر آتے ہیں۔ یاور بھائی کے چاہنے والوں کا ایک بہت بڑا حلقہ ہے۔ آج ان کی زیرِ سرپرستی تربیت پانے والے کم وبیش پوری دنیا میں کہیں نہ کہیں آپ کو مل جائیں گے۔

ریڈیو پاکستان کا وہ چھوٹا سا کمرا کسے یاد نہیں جسے یاور بھائی کا دفتر کہا جاتا تھا، جہاں ہم جیسے طالب علموں سے لے کر ملک کے مشہور دانش ور، شاعر، اساتذہ اور ادیب جمع ہوا کرتے تھے، جو کئی علمی وادبی بحثوں کی آماج گاہ تھا اور جہاں ہم طفلِ مکتب علم ودانش کے خزانے لے کر اٹھتے تھے۔ یاور بھائی کی شخصیت سبھی کے ساتھ ایک ایسے سایۂ شجر کی تھی جو اپنی چھاؤں سے سب کو فیض یاب کر رہی تھی۔

آج جبکہ یاور بھائی ریڈیو پاکستان کو خدا حافظ کہہ رہے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے ریڈیو پاکستان سے علم وآگہی کا ایک دور ختم ہو رہا ہے۔ خدا کرے کہ ریڈیو اور بھی ایسے یاور پیدا کر سکے تاکہ ہماری آئندہ نسلیں اس چراغ سے مثبت طرزِ زندگی کی راہ کا تعین کر سکیں۔

باوقار سراپا

سیما رضا رودا

اعلیٰ نصب العین، فکری پختگی، شگفتگیِ ذہن اور کھرا جذبہ .... یہ تمام چیزیں اگر ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو ایک باوقار سراپا سامنے آتا ہے اور ایک ہی نام لبوں پر آتا ہے۔ "یاور مہدی"۔

یاور بھائی کو "بزم طلبا" میں دیکھا اور جانا، اور لمحہ لمحہ ان کی شخصیت کے گوہر کھلے کہ ان کے ہاں خیال رکھنے والی محبتیں تھیں۔ تیز برستی بارش میں اگر تمام اسٹوڈنٹس گھر جانے کے لیے پریشان ہیں تو یاور بھائی ان سب کے لیے گاڑی کا انتظام کروانے میں کوشاں، کسی کو مسئلہ یا کوئی پریشانی ہے تو یاور بھائی پیش پیش ہیں، کسی کو نوکری درکار ہے تو یاور بھائی اپنی سعی کرتے ہیں۔ یاور بھائی کا لہجہ ہمیشہ شفیق اور مہربان رہا۔ اگر ہمیں کسی بات سے منع کرنا یا روکنا ہوتا تو بے حد خاموشی سے بلا کر اس بات کے نقصانات بتا کر منع کر دیتے۔ اگر کسی بات پر خوش ہوتے تو بھری محفل میں برملا تعریف اور حوصلہ افزائی کرتے۔

یوں تو یاور بھائی کی ذات کے کئی پہلو ہیں، مگر ہر پہلو میں ایک وصف نمایاں رہا۔ "بردباری"۔ زندگی اللہ کی بے حد پیاری نعمت ہے، مگر اچھے اور پیارے لوگ اس نعمت سے بھی بڑھ کر ہیں۔ یاور بھائی کی ذات سے سبھی کو رہنمائی ملی۔

میری دعا ہے خدائے عزوجل سے کہ یاور بھائی کو لمبی زندگی اور اچھی صحت عطا کرے۔ کیونکہ ابھی ہمیں یاور بھائی سے بہت کچھ سیکھنا ہے اور ان کی رہنمائی میں بہت آگے جانا ہے۔ آمین!

سادہ مگر پر کار

ڈاکٹر ریحانہ محمد علی شاہ

یاور مہدی صاحب کا شہرہ تو کالج کے زمانے سے ہی سنا ہوا تھا اور پھر میڈیکل کالج میں میری دوستوں کے منہ پر بھی ان کا نام تھا۔ اس کے علاوہ کراچی میں رہنے والا ہر وہ شخص جو ریڈیو سنتا ہے، اس کے لیے یاور مہدی کا نام اجنبی نہیں ۔ ۱۹۹۷ء کے آخر میں جب میری دوست نے یاور مہدی صاحب سے تعارف کرایا تو دیکھ کر وہ بہت سی باتیں ذہن میں تازہ ہو گئیں جن کا شہرہ کالج کے دور میں سنا تھا۔ ایک ، دو ملاقاتوں میں ان کی شخصیت کا سحر پوری طرح مجھ پر طاری ہو گیا۔ دھیمے لہجے ، محبت آمیز گفتگو ، شفقت بھرے انداز اور ناصحانہ گفتگو نے اپنی شخصیت وہ پہلو اجاگر کر دیا جو میں سنتی آئی تھی۔ میں سمجھتی ہوں کہ یاور صاحب اگر کسی کو کوئی کام یا بات کہہ دیں تو وہ شاید مشکل سے ہی انکار کر سکے۔

میڈیکل کے شعبے سے وابستگی کی بنا پر ملازمت اور ذاتی کلینک اور دوسری گھریلو مصروفیات کی بنا پر بہت جگہ جانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور اب تو ملاقات کے بعد حال یہ ہے کہ بعض اوقات یاور صاحب کے بلانے پر تمام مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر پہنچتی ہوں۔ آرٹس کونسل میں یاور صاحب نے مجھے اہم عہدے کے لیے منتخب کیا جو ان کی محبت اور نظرِ انتخاب ہے۔ مجھے اپنے اس منتخب ہونے پر جس قدر خوشی ہے وہ بیان سے باہر ہے، کیونکہ شہر کی انتہائی قدآور شخصیات کے درمیان انھوں نے مجھ میں کچھ دیکھا تو انتخاب کیا۔

یاور بھائی کی سادگی میں بھی بڑی پرکاری ہے۔ ان کے نشست و برخاست کو

دیکھ کر میں حیران رہ گئی ۔ جب میں ریڈیو پاکستان گئی تو اعلیٰ عہدے کے حامل شخص کا کمرا دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ہر ایک کے لیے دروازہ کھلا ہے اور دفتر بھی انتہائی سادہ، دوسرے عہدے داروں کے کمرے سے بالکل مختلف ۔

یاور بھائی اس شہر کی آبرو ہیں ۔ انھوں نے اس شہر میں ادبی، سماجی اور ثقافتی لحاظ جو خدمات انجام دیں ہیں، وہ ہمیشہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی ۔ میری دعائیں ان کے ساتھ ہیں ۔

یاور مہدی

غزالہ حبیب خان

(چیئرپرسن، فرینڈز آف کشمیر)

شاعرانہ تصورات، فلسفی کی عقلیت، سیاست دان کی واقعیت اور ادیب و دانش ور کی فراست کا حسین امتزاج یاور مہدی کی ذات کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے ۔

یاور مہدی علم و انسان دوستی کا ایسا اجالا ہیں جس کی روشنی نے کتنے ہی اندھیروں کو ضیا بار کر دیا، جس نے اپنے آپ سے بے نیاز ہو کے علم و فن کے خارزار میں نو آموزوں کی صحیح منزل کی جانب رہ نمائی کا حق ہر دم اور ہر صورت ادا کیا یاور مہدی نے اپنے وقت کو اپنی راحتوں کے لیے وقف نہیں کیا ۔ ان کا شعار آسائشوں کا حصول نہیں رہا، بلکہ انھوں نے شب و روز کی ان تھک محنت اور بے لوث لگن سے صلاحیتوں کے چمن میں پہلے آثارِ نمود اور پھر نکھار پیدا کیا ۔ یاور مہدی نے لاتعداد باصلاحیت افراد کو کامیابی و کامرانی کے سفر پر گام زن کر کے نہ صرف اپنے جوہر شناس ہونے کا ثبوت دیا بلکہ ان کی نگاہِ جوہر شناس نے ہمارے معاشرے کو

کتنی ہی نام ور و نمایاں ہستیاں بخش دیں۔

یاور مہدی کے فکر و شعور نے ان کے اردگرد رہنے والوں کو زندہ و تابندہ اصولوں کا ایک نیا اسلوب عطا کیا جس کی بدولت وہ ہر گام ظفر مندی سے ہم کنار ہوتے رہے۔ انھوں نے خود تو کتابیں تصنیف نہیں کیں لیکن کتنے ہی افراد کو صاحب کتاب ہونے کا حوصلہ بخشا، وہ خود تو شاعر نہیں لیکن کتنے ہی شعرا کو انھوں نے شعر کا آہنگ بخشا، وہ خود تو مصور نہیں لیکن کتنے مصوروں کو انھوں نے تصویر کا خیال عطا کیا۔ انھوں نے کتنے ہی دانش وروں کو، یاران سست گام کو تیز گام بلکہ آتش بزیر پا کر دیا جس کی بدولت وہ اپنے علمی و فنی مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکے۔ میں نے بذات خود کتنے ہی بہترین بولنے والوں کو ان کے خیالات سننے کی چاہ میں اس قدر خاموش بیٹھے دیکھا ہے کہ جیسے وہ مندروں میں موجود مورتیاں ہوں کتنے ہی دانش وروں کو ان کی گفتگو سے فکر و شعور کے موتی سمیٹتے دیکھنے کی میں خود گواہ ہوں۔ یاور مہدی کے افکار، خیالات و احساسات نے ان سے ملنے جلنے والے ہر شخص پر کسی نہ کسی صورت مثبت اثرات ضرور مرتب کیے ہیں۔

میں ذاتی طور پر بھی اور کشمیر دوست ہونے کے حوالے سے بھی اس انسان دوست شخصیت سے بہت متاثر ہوں جو انسانیت کی فلاح کے جذبے سے سرشار آگے، بہت آگے اور بہت ہی آگے موجود ہے۔ میری نظر میں انسانیت کا افتخار اور معاشرتی اقدار کا وقار یاور مہدی کی ذات کی صورت میں ہر دم ہمارے سامنے ہے۔

شمع محبت و اخلاص

سید زاہد حسین

میں ٹریڈ یونین میں سرگرم رہنے کی وجہ سے ہزاروں افراد سے ملتا رہا ہوں۔

میں نے انھیں قریب سے بھی دیکھا اور ان کے رویوں کا تجزیہ بھی کیا، کیونکہ ایک ٹریڈیونینسٹ کے لیے یہ سب کچھ ضروری ہوتا ہے تاکہ ان متعلقہ لوگوں میں جو تبدیلیاں رونما ہوں، ان کی مناسبت سے لائحۂ عمل اختیار کیا جائے۔

میں نے یاور مہدی کو بھی اپنی عادت کی بنا پر دیکھا اور پرکھا، لیکن میں بڑا حیران ہوا کہ ان کی قربت کے پہلے دن سے آج تک مجھے ان کے سلسلے میں کبھی اپنے لائحۂ عمل کو تبدیل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ یہ یاور مہدی کا کردار زندگی ہے جس میں محبت و اخلاص کے سوتے یکساں رفتار سے بہتے ہیں۔ یہ ان کے قریب ہونے والے پر منحصر ہے کہ وہ ان محبتوں سے کتنا استفادہ کرنے کا ظرف رکھتا ہے۔ وہ ایک ان تھک، سرگرم اور ہمہ وقت آمادۂ اخلاص دوست ہیں، اسی لیے اس گراں قدر تعلق کا حق ادا کرنے کے لیے ان جیسی صفات کا حامل ہونا بھی ضروری ہے۔ بقول شاعر:

ملو جو ہم سے تو کچھ وحشتوں کے ساتھ ملو
ہم اس حصار سے باہر کہاں نکلتے ہیں

مجھے اعتراف ہے کہ میں یاور کے حلقۂ وحشت کا اسیر ہوں۔ اس حلقے میں بڑے بڑے متین و سنجیدہ افراد، شاعر، صحافی، دانش ور، اہل علم اور اہل ثروت و صوفی، خرد و کلاں، سب شامل ہیں۔ وہ سب کے یاور بھائی ہیں۔ میں ناموں کے ہم معنی ہونے کا قائل نہیں جیسا کہ میں "زاہد" ہوں لیکن زاہد نہیں۔ کاش میں زاہد ہوتا! لیکن حیرت انگیز طور پر یاور اسم بامسمیٰ ہیں اور ہر ایک کی زبان پر "یاور بھائی" ہونا اس کا ثبوت ہے۔

اب رہی ان کا جشن منانے کی بات تو ان سے جب بھی ملاقات ہو جائے، کم از کم میرے لیے تو وہ جشن ہی ہوتا ہے، مگر ان کے دوستوں نے جو اجتماعی جشن منانے کا فیصلہ کیا ہے تو یہ سن کر مجھے ابھی سے وجد آرہا ہے۔ وہ بھی کیا منظر ہوگا کہ

لتنے چاہنے والے ان کے اردگرد ہوں گے اور کسی کونے میں ہم بھی خوشی سے مست ہوں گے ۔ لتنے سارے دوست مل کر چہچے کر رہے ہوں گے اور یاور مہدی ان کے درمیان اس پریشانی میں ہوں گے کہ کس کس دوست کی محبت کا اس کے اطمینان کے مطابق حق ادا کریں، کیونکہ ان میں سے الگ الگ ہر چاہنے والا یہ گمان کرتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ بس اسی کو چاہتے ہیں ۔

یاور مہدی ریڈیو پاکستان کے ایک ماہر ابلاغ کار ہیں ۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس مرحلے کو بھی کامیابی سے طے کرلیں گے ۔ وہ اس جشن کی شمع بن جائیں گے اور شمع کے گرد ہر پروانہ یہی سمجھتا ہے کہ شمع کا رخ روشن بس اسی کی طرف ہے ۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شمع محبت کو ہم پروانوں کے لیے تا دیر یونہی روشن رکھے اور بزم یاران یاور ہمیشہ آباد رہے اور یہ جشن محبت کے مخلصانہ جذبوں کا ایک وسیع دائرہ بنے جس میں وہ بھی آکر شامل ہوں جو اب تک اس بزم سے سرشار نہیں ۔

یاور بھائی

سید عبدالباسط

(چیئرمین، پاکستان سوشل ویلفیئر آرگنائزیشن)

یاور بھائی کی شخصیت کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے والے محاورے کے مصداق ہے ۔ اس کے باوجود ان کی محبت کا اعتراف کرنا ضروری ہے ۔ یاور بھائی کو ہفت پہلو شخصیت کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا ۔ فن کے اس کارزار میں وہ کون سی منزل ہے جہاں سے یاور بھائی نہیں گزرے ۔ اس کے باوجود اپنے آپ کو بس ایک مسافر قرار دینا یاور صاحب کی بڑائی ہے ۔

میرا اور یاور بھائی کا تعلق کچھ بہت زیادہ پرانا نہیں۔ اس کے باوجود ان کی شخصیت کا رنگ مجھ پر اس طرح چڑھا ہے جیسے انار کے دانے کا رنگ۔ یاور بھائی کی خدمات کے اعتراف اور فن کے بارے میں اور بھی بہت سے لوگ جو مجھ سے سینئر ہیں، کہیں گے۔ میں تو ابھی طفل مکتب ہوں، اس لیے بس اتنا ہی کہوں گا کہ یاور بھائی جہاں ہیں، جیسے ہیں، اوج کمال پر ہیں۔

آخر میں یاور بھائی کے لیے ایک شعر کہوں گا:

جن سے مل کر زندگی سے عشق ہو جائے، وہ لوگ
آپ نے دیکھے نہ ہوں شاید مگر ایسے بھی ہیں

بیگم انیس ہارون

میں یاور بھائی کو اپنے بچپن سے جانتی ہوں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے تیس سال قبل ریڈیو میں یاور بھائی کے بہت سے پروگراموں میں کام کیا تھا۔ "بزم طلبا" کا پروگرام، بطور میزبان، بیت بازی کے مقابلے، حد ہے کہ یاور بھائی نے مجھ سے ڈراما بھی کروایا، حالانکہ میں نے منع کرنا چاہا مگر یاور صاحب کی بھاری شخصیت اور احترام کو دیکھتے ہوئے ہمت نہیں ہوئی۔ وہ ڈانٹ کر کہنے لگے، "تمھیں ڈراما ضرور کرنا ہے"۔ ہوتا ایسا تھا کہ جب کوئی آرٹسٹ غیر حاضر ہوتا تھا تو وہ مجھ سے ڈراما بھی کرواتے تھے۔ یہ ہمارے یونی ورسٹی دور کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں ہم نے بہت سے پروگراموں میں کام کیا تھا، ٹیپو سلطان کے سلسلے میں، میں نے صداکارہ کے طور پر شرکت بھی کی۔ ریڈیو میں میری پسندیدہ شخصیات میں یاور بھائی سرِفہرست ہیں۔

بطورِ انسان بھی یاور بھائی میرے بزرگ اور بڑے بھائی کے برابر ہیں اور بہت شفیق اور نیک انسان ہیں ۔ ایسے لوگ کم کم ملتے ہیں ۔ خدا ان کی عمر دراز کرے۔آمین!

شجرِ سایہ دار

محمد علی سید

براڈکاسٹنگ ہاؤس کے احاطے میں ایک پرانا پیڑ ہے۔جب میں نے اسے پہلی بار دیکھا تو یہ اتنا پرانا نہیں تھا ۔ یہ نومبر ، ۱۹۴۹ء کی بات ہے ۔ اس زمانے میں براڈکاسٹنگ ہاؤس کے احاطے میں جلد مرجھا جانے والے پھولوں کے پودے ، بیلیں اور گملے کم ہی ہوا کرتے تھے ۔ وہاں سائے اور ہریالی اگر کہیں تھی تو وہ اس پیڑ کے دم سے قائم تھی۔

آوازوں کی دنیا میں آنے والے اس پیڑ کے سائے میں آکر ٹھہرتے ، مدتوں یہاں رہتے ، زندگی گزارنے کا سلیقہ سیکھتے اور اپنی توانائیوں میں اضافہ کرتے ۔ پھر کچھ لوگ تصویروں کی دنیا میں چلے جاتے اور بہت سے لوگ ایسی منزلوں تک جا پہنچتے جہاں ان کی اپنی تصویریں اخباروں کی زینت بننے لگتیں۔

اس پیڑ کے نیچے رہنے والوں کو جہاں محبت ، شفقت ، رہنمائی ، ہمت افزائی اور اعتماد ملتا ، وہیں اختلافِ رائے ، جانب داری اور مایوسی کا احساس بھی موجود رہتا وقتی طور پر جھگڑے بھی ہوتے لیکن پیڑ کے سائے میں موجود محبت ان سب پر حاوی آجاتی اور ہر زخم کو مندمل کر دیتی ۔ کلاشنکوف نے ابھی درۂ خیبر عبور نہیں کیا تھا اس لیے اختلاف ، اختلاف ہی رہتا ، قتل کی دھمکیوں میں کبھی نہ بدلتا ۔ اس زمانے میں "ایشیا سرخ" ہے کا نعرہ عام تھا ۔ یہ نعرہ یہاں بھی سنائی دیتا ، لیکن یہاں ایشیا کو سبز

بنانے کی خواہش رکھنے والوں کی بھی کمی نہیں تھی ۔ یہ پیڑ ریڈیو پاکستان کی پہچان ہے ۔ اسے آپ براڈکاسٹنگ ہاؤس کے احاطے میں لگا ہوا پیڑ کہہ لیں یا اسے یاور بھائی کے نام سے پکاریں، بات ایک ہی ہے ۔ یاور بھائی نے نئی نسل کو کیا دیا؟ آج آپ زندگی کے جس شعبے کے نامور لوگوں کو دیکھیں گے، ان میں سے زیادہ تر افراد وہی ہیں جو کبھی بزم طلبا پروگرام میں شرکت کیا کرتے تھے ۔

ان تھک محنت، نت نئے تخلیقی خیالات، دوسرے سے کام لینے کا ہنر، برداشت، درگزر، ہر شخص کو آگے بڑھانے کی خواہش، ایک وقت میں کئی محاذوں پر جنگ کرنا..... یہ سب یاور بھائی کی خداداد صلاحیتیں ہیں ۔

اس پیڑ کی جڑیں گہری، تنا مضبوط، شاخیں گھنی اور بارآور ہیں ۔ کئی طوفان اس پر سے گزرے، کئی مرتبہ آندھیوں نے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہا، سازشوں کے دیمک نے اس کے تنے کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کی، لیکن یہ پیڑ اسی شان کے ساتھ براڈکاسٹنگ ہاؤس میں جما رہا، اپنے سائے سے نئے اور پرانے آنے والوں کو ٹھنڈک اور سکون فراہم کرتا رہا ۔

ابھی کچھ دنوں پہلے میں براڈکاسٹنگ ہاؤس گیا تو وہاں میں نے جلد مرجھا جانے والے پھولوں اور گملوں کی بہتات دیکھی ۔ یہ سب پودے موسمی تبدیلیوں کے ساتھ لگتے اور مرجھاتے رہتے ہیں ۔ براڈکاسٹنگ ہاؤس میں لگا ہوا یہ پرانا پیڑ ان موسمی تبدیلیوں سے اثر قبول نہیں کرتا ۔ یہ آج بھی ریڈیو پاکستان کی شناخت ہے ۔ سازشوں کی دیمک اور مخالفتوں کے طوفان نہ پہلے اس کا کچھ بگاڑ سکے، نہ اب بگاڑ سکیں گے ۔

maablib.org

رہبر ورہ نما

شگفتہ فرحت

کسی شخص پر تاثرات لکھنا بقول قرۃ العین حیدر، "کنویں میں گری ہوئی چھوٹی سی چیز ڈھونڈ نکالنا جس طرح مشکل ہے، اسی طرح کسی شخص کے بارے میں تاثرات لکھنا ایک مشکل عمل ہے"۔ شہر، کوئی چیز، کوئی جگہ جس سے کچھ یادیں، کچھ غم وابستہ ہوں، وہ ضبط تحریر میں لانا شاید مشکل نہ ہو مگر کسی شخص کے بارے میں تحریر کرنا جس کو شہر بے پناہ چاہتا ہو، جس کو دیکھ کر غم بھول جائیں اور جس کو رہبر ورہ نما سمجھا جائے، اس شخص کے بارے میں اپنے جذبات واحساسات لکھنا ایک خاصا مشکل کام ہے۔

یاور مہدی کا شمار بھی انھی لوگوں میں ہوتا ہے کہ ان پر کیسے لکھا جائے اور کیا لکھا جائے۔ بہر حال میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ یاور مہدی جیسے شخص صدیوں میں ایک بار پیدا ہوتے ہیں۔ یہ وہ شخص ہے جس کے دھیمے لہجے، پیار بھری مسکراہٹ، خوب صورت چہرے اور وجاہت نے نہ جانے کتنے دلوں کو مسخر کر دیا ہے۔ میرے ان سے تعلق اور ملاقات کو پانچ سال سے بھی کم عرصہ گزرا ہے، لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں ان کو برسوں سے جانتی ہوں اور یہ مجھے برسوں سے جانتے ہیں۔ آپ یقین جانیے کہ میرے میاں (اویس ادیب انصاری صاحب) نے جب ان سے پہلی دفعہ ملوایا تو ان کی باتیں اور ان کی شہرت جو مختلف ذرائع سے مجھ تک پہنچ چکی تھیں، میں جب ان سے ملی ہوں تو ایسا محسوس ہوا کہ مجھے ایک سہارا مل گیا۔ زندگی کے کسی موڑ پر اگر مجھے کسی مشورے یا مدد کی ضرورت پڑی تو یہی موصوف ہوں گے۔ یاور مہدی نے آج

تک کسی کو بیٹی یا بہن نہیں بنایا۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ بڑا مشکل کام ہے، مگر مجھے فخر حاصل ہے کہ انھوں نے مجھے اپنی بیٹی کا نام دیا اور میں بھی ان کو اپنے باپ کی جگہ سمجھتی ہوں۔ بعض اوقات میں سوچتی ہوں کہ شاید یاور مہدی جیسے لوگوں کی بنا پر رواداری، شرافت، پیار محبت، حسن سلوک کے رشتے قائم ہیں۔

ان سے منسوب ایک معصوم سا واقعہ سناتی چلوں کہ یہ ظاہری طور پر اپنی اہلیہ کے بارے میں یہ بیان کرتے ہوئے پائے گئے ہیں کہ "بھائی! ہم اپنی بیگم سے نہ کبھی ڈرے اور نہ ہم زن مرید ہیں"۔ ایک دن پوری رات کے کسی بڑے مشاعرے میں شرکت کر کے ہم دونوں میاں بیوی ان کو چھوڑنے صبح صبح ان کے گھر گئے۔ راستے بھر پریشانی کے اس عالم میں تھے کہ گھر کا دروازہ کھلتا ہے کہ نہیں کھلتا۔ جب گھر جا کر انھوں نے بیل بجائی تو ساتھ ہی محلے کی مسجد سے فجر کی آواز بلند ہوئی۔ اب ان کی پریشانی کا عالم دیکھنے والا تھا۔ انھوں نے کئی بار بیل بجائی۔ جب دروازہ نہ کھلا تو ہم کو دھیرے دھیرے اشارے بھی کر رہے تھے کہ جانا مت۔ جب دروازہ کھلا تو آڑے ہو کر اس طرح اندر چلے گئے کہ جیسے ہم لوگ باہر کھڑے ہی نہیں ہیں۔ ان کا یہ اضطراب اور ان کی یہ پریشانی، ڈر و خوف کا یہ عمل دیکھ کر ہم دونوں میاں بیوی سارے وقت ہنستے مسکراتے ہوئے اپنے گھر کو آئے۔

یاور مہدی نے نہ جانے کتنے لوگوں کو آسمان کے ستاروں میں سجا دیا ہے۔ وہ ستارے آج بھی اپنے خوگر کے بارے میں باتیں کرتے ہیں، دل سے عزت کرتے ہیں۔ اور اپنے سنوارنے میں برملا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ ان کا یہ اعتراف دراصل یاور مہدی کی وہ کامیابی ہے جو شاید کسی انسان کو زندگی میں مشکل سے ملتی ہے۔ یاور مہدی وہ خوش نصیب ہیں کہ اس مادہ پرستی کے دور میں ان کے سیکڑوں چاہنے والے، محبت کرنے والے، پرستش کرنے والے، ان پر جان چھڑکنے والے موجود ہیں۔ میں خود کو بھی ان سے الگ تصور نہیں کرتی ہوں۔ جب بھی میرے فون پر ان کی آواز آتی ہے، خوشی

اور محبت واحترام کے جذبے کی بھرپورے رگ وپے میں دوڑ جاتی ہے۔
خدا یاور مہدی کا سایہ تادیر ہم پر سلامت رکھے اور وہ تادیر صحت مند، تن درست اور اسی طرح تازہ دم رہیں، آمین!

پیارے اور کم سخن

واثق نعیم

یاور مہدی بہت پیارے اور کم سخن آدمی ہیں، طبیعت کے انتہائی نرم ہیں۔ ان سے ملنے کو دل بار بار چاہتا ہے۔ یہ اس قبیلے کے آدمی ہیں جن کو دیکھ کر بار بار ملنے کو دل چاہتا ہے۔ پچیس سال سے ان سے تعلق خاطر ہے، مگر کسی موقع پر بھی انھوں نے شکایت کا موقع نہ دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسے لوگ خال خال نظر آتے ہیں جن کو اللہ نے اس قدر محبتوں سے نوازا ہے۔ ان کی پذیرائی کے لیے دل سے چاہتا ہوں کہ کوئی تقریب منعقد کی جائے۔ کراچی شہر میں انھوں نے جس طرح علم وادب کے فروغ کے لیے کام کیا ہے اور جس طرح مختلف اشخاص، علم وادب، ثقافت اور شوبزنس کے لوگوں کے لیے کام کیا اور ان کو ان کے صحیح مقام تک پہنچایا، وہ ایک کارنامہ ہے۔ خدا ان کو اور ترقی عطا کرے!

آج کے یاور مہدی

آمنہ نیر مسعودی

(طالبہ سندھ میڈیکل کالج، کراچی)

یاور انکل سے میری واقفیت / شناسائی یوں تو گھٹی میں پڑی ملی، مگر شعوری سطح کو ملحوظ رکھا جائے تو تقریباً چار، پانچ سال پہلے میرے والد محترم کے توسط سے آرٹس کونسل آف پاکستان کے ۱۹۹۴-۹۵ء کے سالانہ انتخابات کی گہما گہمیوں میں یاور انکل کی خصوصیات کے انوار مجھ پر کھلنا شروع ہوئے۔ یاور انکل کی شخصیت کے اسرار و رموز سے کچھ واقفیت تو گھر میں ہونے والی بیٹھکوں میں اس قدر حاصل کر چکی تھی کہ ان سے ملنے اور ان کو قریب سے دیکھنے کا اشتیاق دل کے نہاں خانوں میں رواں دواں تھا۔ سو یہ خواہش ۲۹ دسمبر، ۱۹۹۴ء کو پایۂ تکمیل کو پہنچی جب میرے والد اپنے پورے کنبے کو لے کر آرٹس کونسل پہنچے۔ الیکشن کے باعث خوب گہما گہمی کا عالم تھا۔ ہر جانب خوب صوت اور پر وقار چہرے اپنی مداح سرائیوں سے لطف اندوز ہوتے نظر آرہے تھے، مگر ان سب سے زیادہ پر وقار، پر عزم اور متانت سے بھرپور شخصیت یاور انکل کی تھی جس نے مجھے حد درجہ متاثر کیا اور یوں میری ایک خواہش بھی پوری ہوئی۔ پھر میں نے اپنے والد کے ساتھ آرٹس کونسل کی ادبی و غیر ادبی نشستوں میں جانا شروع کیا تاکہ اپنے وجود کو ان عظیم ہستیوں کے زیر سایہ نکھار دے سکوں۔

یاور انکل کی ذات کے بارے میں لب کشائی کی جسارت میں نے اس خیال کے تحت کی کہ میں کم از کم ان نوجوانوں کے جذبات کی دلی ترجمانی کر سکوں جو یاور انکل سے بے پناہ عقیدت و محبت رکھتے ہیں مگر کسی وجہ سے اظہار کرنے سے قاصر

رہتے ہیں، کیونکہ بہت عظیم ہوتے ہیں وہ لوگ جن سے محبت کی جاتی ہے ۔ یاور انکل سراپا محبت و شفقت ہیں ۔ ان کے انگ انگ میں دوسرے کے لیے کچھ کر گزرنے کا جذبہ ہمہ وقت بیدار رہتا ہے ۔ وہ اکثر اس فکر میں غرق نظر آتے کہ کس طرح نوجوانوں میں مثبت اور تعمیری رویوں کو پروان چڑھایا جائے ۔ وہ اقبال کی طرح ہم کو یہ پیغام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ " ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا" ۔ وہ زندگی کو ہمیشہ خوش رنگ زاویوں سے دیکھتے اور پرکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس عمر میں بھی ان میں وہ طاقت اور جذبہ موج زن ملتا ہے جس کا آج کل کے نوجوانوں میں فقدان محسوس کیا جاتا ہے ۔

یاور انکل کے پاس ہر فقہ، ہر مذہب، ہر جماعت سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے تحفۂ محبت ہے جو یقیناً عظیم تحفہ ہے ۔ انھوں نے اپنی گراں قدر خدمات سے ہر شعبے میں جو نام پیدا کیا ہے، وہ اس کرۂ ارض کے لیے احسان ہے ۔ یاور انکل کی شخصیت ان چند لوگوں میں سے ہے جو آپ سے کچھ لینے کے بجائے ہمیشہ آپ کو کچھ دینے پر مصر نظر آتے ہیں ۔ یوں تو ہر شخص یاور انکل کی شخصیت کا پرستار نظر آتا ہے مگر حیران کن اور عجیب بات یہ ہے کہ ان کے پرستاروں میں زیادہ تر علمی و ادبی اور ایسے لوگوں کا ایک وسیع حلقہ ہے جنھوں نے اپنے کام اور اپنی صلاحیتوں کے ذریعے اپنے آپ کو منوایا ہے اور باعثِ فخرِ پاکستان ہوئے ہیں ۔ میری دانست میں یاور انکل ان لوگوں میں سے ہیں جو لیڈر شپ کے لیے پیدا ہوتے ہیں ۔ خدائے بزرگ و برتر بہت کم لوگوں کو ایسا جاہ و حشم عطا کرتا ہے جس کے مالک یاور انکل ہیں ۔ ایک سب سے بڑی خصوصیت جو ان میں ہے، وہ ان کا زندہ دل ہونا ہے ۔ ریڈیو پاکستان آرٹس کونسل اور دیگر ملحقہ اداروں میں ذمے داریوں اور مشکلات سے نبرد آزما ہو کر اپنی ذات کے لیے چند لمحے نکال کر محفل کو زعفران زار بنا دینا انھیں کا خاصہ ہے ۔

یاور انکل نے شہرِ قائد کی ترقی و خوش حالی میں جو بنیادی اور مثالی کردار ادا

کیا ہے، اس کے لیے نہ صرف ہم بلکہ پوری پاکستانی قوم ممنون واحسان مند ہے۔
میں اس دعا کے ساتھ یاور انکل کو خراج عقیدت پیش کرتی ہوں کہ خدا تعالیٰ ان کو اسی جوش وولولہ کے ساتھ کام کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلا کر روشن وتابندہ مستقبل کا امین بنائے اور ہمارے وطن پاک کو یاور مہدی جیسے وارثوں سے مزین فرمائے۔ آمین!

یاور بھائی.... ایک آئیڈیل شخصیت

شفیق الزماں

وہ شخص کتنا خوش قسمت ہوگا جس کی ذات سے بے شمار لوگوں کی شخصیت کے وہ جوہر جو خدا نے ان کے اندر چھپا رکھے ہیں، چن چن کر ان کی ہتھیلیوں پر رکھے، اسے ان کی شناخت بنائے اور پھر اسے ملک وقوم کے حوالے کر دے تاکہ آنے والی نسلیں ان کی صلاحیتوں سے، ان کی قابلیت سے، ان کے علم وفن اور دانش وری سے فیض یاب ہوتی رہیں۔ یہ وہ خدمت ہے جو خدا ہر دور میں صرف چند لوگوں سے لیتا ہے اور انھی چند لوگوں میں سے ایک شخص یاور مہدی بھی ہے جسے پورا شہر "یاور بھائی" کہتا ہے۔

یاور بھائی جو نہ شاعر ہیں نہ ادیب، نہ صحافی ہیں نہ فن کار اور نہ معلم ہیں نہ دانش ور..... مگر اس سیدھے سادے شخص نے اس ملک کو کئی بڑے شاعر، ادیب، ڈراما نگار، اعلیٰ سرکاری افسران، صحافی، فن کار، دانش ور، معلم، وکیل، سیاست داں پروڈیوسر، اداکار اور ہدایت کار دیے جو نہ صرف ملکی سطح پر بلکہ بیرون ملک بھی بڑی نام ور اور اہم شخصیات بن کر ابھرے ہیں۔

( )

یاور بھائی صرف جوہر شناس ہی نہیں بلکہ تربیت کا ایک مکمل ادارہ ہیں جس میں ہر شعبے کا شخص تربیت پاتا ہے۔ ہمارے مشاہدے میں یہ بات عام ہے کہ ایک کھلاڑی کی، شاعر شاعر کی، فن کار فن کار کی، گلوکار گلوکار کی ہی اچھی تربیت کر سکتا ہے، بنا سنوار سکتا ہے، یعنی اپنے شعبے کے حوالے سے ہی وہ تربیت کرتا ہے، اس کو نکھار سکتا ہے.... مگر اس شہر میں یاور بھائی ایک ایسی شخصیت ہیں جنھوں نے ہر شعبے کے افراد کی تربیت کی اور ان کے نام آج نہ صرف ان کی اپنی شناخت بلکہ ملک و قوم کی شناخت بنے ہوئے ہیں۔ یہ یاور بھائی کی ایک ایسی انفرادیت ہے، خوبی ہے جو کم از کم مجھے اس شہر میں تو کسی میں نظر نہیں آتی۔ تربیت کرنے کا یہ ہنر یہ صلاحیت خداداد ہو سکتی ہے۔ مگر شہر بھر کے ہر دل عزیز یاور بھائی کیسے ہر ایک کے دل میں اتر جاتے ہیں، یہ ایک ایسا سوال ہے جو ہر شخص سوچتا ہے، پوچھتا ہے اور محسوس کرتا ہے۔

میں یاور بھائی کو گزشتہ ستائیس سال سے جانتا ہوں اور ان ستائیس سالوں میں، میں نے یاور بھائی کو بلا امتیاز ہر ایک سے محبت کرتے، اس کی پذیرائی اور عزت کرتے دیکھا ہے۔ سب کے دکھ درد اور خوشی میں شریک ہونا یاور مہدی کی عادت نہیں بلکہ ان کے نزدیک فرض ہے۔ ایک دن میں اگر وہ چار، پانچ جگہ مدعو ہوں تو وہ ہر جگہ جائیں گے۔ چاہے کچھ دیر کے لیے ہی شرکت کر سکیں مگر کریں گے ضرور۔ تقریب چھوٹی ہو یا بڑی، شہر کے خوش پوش علاقے میں ہو یا کسی چھوٹی سی گنجان آباد بستی میں، یاور بھائی وہاں ضرور پہنچیں گے۔ کسی بھی چاہنے والے کی موت کی اطلاع پر چاہے خود اس شخص کی ہو، اس کے والد یا والدہ کی ہو، بیوی یا اس کے بچے کی ہو، یاور بھائی وہاں ضرور پہنچیں گے۔ چاہے اس کا گھر تلاش کرنے میں کتنا ہی وقت لگ جائے، مگر تعزیت کیے بغیر، جنازے میں شرکت کیے بغیر واپس نہیں لوٹیں گے۔ یہی رویہ ان کا عیادت کے سلسلے میں بھی ہے۔ چاہے اسپتال ہو یا گھر، یاور بھائی

عیادت کے لیے وہاں ضرور پہنچتے ہیں۔ ہر ایک کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھ کر ان کے حل کی ہر ممکن کوشش کرنا، اپنے اختیار میں ہو تو فوراً حل کر دینا، ان کی عادت ہے، ورنہ دس جگہ اس سلسلے میں فون کریں گے، خود جا کر لوگوں سے ملیں گے سفارش کریں گے۔ یاور بھائی کا یہ طرزِ عمل صرف اپنوں کے ساتھ ہی نہیں ہوتا، بلکہ اپنے مخالفین کے ساتھ بھی وہ اتنی ہی محبت، خلوص اور ہمدردی سے کام آتے ہیں اپنے مخالفین کو کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیتے کہ تم میرے مخالف ہو۔ کسی سے مرعوب نہیں ہوئے اور نہ کسی کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، سب کی عزت کرتے ہیں۔ اپنی گھریلو اہم تقریبات میں شہر بھر کے اپنے ہر جاننے والے کو مدعو کرتے ہیں۔ ریڈیو پاکستان کے چپراسی، چوکیدار، آرٹس کونسل کے مالی سے لے کر اعلیٰ ترین سرکاری افسران، اساتذہ، شاعر، ادیب، سیاست داں، عالم، صحافی، دانش ور، فن کار..... غرض ہر شخص بلاامتیاز ان کی تقریب میں مدعو ہوتا ہے اور وہ سب کو ایک ہی طرح کی عزت دیتے ہیں، سب کے ساتھ مہربانی کا ایک ہی انداز ہوتا ہے۔ غرض یہ وہ تمام خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے یاور بھائی اس شہر کے ایک نہایت ہر دل عزیز، قابلِ احترام اور قابلِ عزت شخصیت ہیں۔

آج کے دور میں پیچھے کھڑے ہو کر دوڑنے والے کو دیکھ کر خوش ہونے والے، اس کو دعا دینے والے یاور بھائی ایک آئیڈیل شخصیت ہیں۔

یاور بھائی

محبوب حسن

کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں جن سے وابستگی پر فخر کیا جاسکے۔ میرا یقین ہے کہ یاور مہدی انھی شخصیات میں سے ایک ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ ان کا نام

آتے ہی ان سے منسوب اداروں اور ان کے شہر کی شناخت ہوتی ہے۔ یاور بھائی کا نام آتے ہی ذہن میں ایک شفیق اور متحرک انسان کا چہرہ سامنے آتا ہے جس نے پاکستان کے ابتدائی دور میں یہاں کے طالب علموں پر دستِ شفقت رکھا اور ریڈیو پاکستان کے پروگرام بزم طلبا کے دروازے طالب علموں پر کھول دیے۔ کچھ لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ یاور مہدی ریڈیو پاکستان اور آرٹس کونسل کا مجموعہ ہے۔ برخلاف اس کے، میرا دعویٰ ہے کہ ریڈیو پاکستان اور آرٹس کونسل کی طرح یاور مہدی ایک ادارہ ہیں۔

میں یہ بات پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ کراچی کا کوئی بھی بڑے سے بڑا دانش ور، شاعر اور ادیب ایسا نہیں ہے جس کی آبیاری یاور مہدی نے نہ کی ہو:

ضد کی ہے اور بات، مگر خو بری نہیں
بھولے سے اس نے سینکڑوں وعدے وفا کیے

گداؤں کے بھیس میں

ساجدہ قدوسی

وہ پیڑ جن پہ پرندوں کے گھر نہیں ہوتے
دراز کتنے بھی ہوں، معتبر نہیں ہوتے

اس شعر کی سچائی یاور مہدی صاحب کی شخصیت ہے۔ انھوں نے پچھلے تیس، پینتیس سال اپنے کاندھوں پر اس شہر کی آج کی بھاری بھرکم شخصیات کو بنانے اور سنوارنے کا جو ذمہ لیا ہوا تھا، آج اسی کارن وہ اتنے معتبر ہیں۔ یہ خوش نصیبی صرف ان لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو خدا سے نصیب اچھا لکھوا کر آتے ہیں۔ یاور بھائی

ان لوگوں میں سے ہیں جو دوسروں کو بناتے ہیں۔ گوشت پوست کا انسان تو خدا نے بنایا ہے، مگر اس کو اس کے مزاج اور خدا کی ودیعت کی گئی صلاحیتوں کو نکھارنے کا فن صرف یاور بھائی کا خاصہ ہے۔ ہر وہ شخص جس میں ذرا سا بھی کچھ کرنے اور کچھ بننے کی صلاحیت ہے اور وہ یاور بھائی کے شجرِ محبت کے سائے میں آگیا، وہ آج اس سماج میں بڑے آدمی کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ لوگ تو اس پر خوش ہوتے ہیں کہ فلاں مشہور شخص ان کا دوست ہے، مگر میں حیران ہوں اس شخص کے ظرف پر جس نے بے شمار مشہور لوگ بنائے اور اس کی گردن آج بھی نہ صرف خدا بلکہ انسانوں کے آگے بھی جھکی ہوئی ہے۔ وہ آج بھی ہر چھوٹے بڑے یا اپنے بنائے گئے "شاہکاروں" سے اسی طرح ملتے ہیں جیسے پچھلے تیس سالوں میں ملتے تھے۔ آج بھی ریڈیو ہو یا آرٹس کونسل، جس شخص کو یاور بھائی کی چھاؤں مل گئی، وہ یقیناً بڑا آدمی بنتا ہے اور دوسروں کو بڑا آدمی بنانے والا خود بڑا آدمی کہلوانے سے بھی گھبراتا ہے۔ خدا یہ ظرف تمام پاکستانیوں کو دے! یاور بھائی اپنی ذات میں محبت کا وہ بے کراں سمندر ہیں جس کا ایک قطرہ بھی گوہر ہے۔ میری دعا ہے کہ خدا مجھے بھی وہ صلاحیت دے کہ میں بھی یاور بھائی کی طرح دوسروں سے محبت کرنے کا ہنر سیکھ سکوں۔ یاور بھائی یقیناً بادشاہ ہیں مگر گداؤں کے بھیس میں۔

میں یاور بھائی کو ۶۶ء یا ۶۷ء سے جانتی ہوں۔ سماجی زندگی میں میری آج جو بھی حیثیت ہے، وہ بھی یقیناً یاور بھائی کی مرہونِ منت ہے۔ بنیادی طور پر جس طرح یاور بھائی نے لوگوں کی تربیت ریڈیو کے حوالے سے کی ہے، میرا شمار ان لوگوں میں نہیں ہوتا تو پھر میری زندگی کے پچھلے پچیس سالوں پر محیط ایسا کون سا نقش ہے جو یاور بھائی کی ذات کا حوالہ ہے؟ میں آج تک زبانی لوگوں کو یہ قصہ سناتی رہی، مگر آج ان لوگوں کے لیے جو یاور بھائی سے پہچان کے مختلف حوالے بتائیں گے، میں بھی یہ بات بتا رہی ہوں کہ یاور بھائی کی زندگی کا جیسے مقصد

لوگوں کو کچھ بنانا ہی ہے۔ قصہ کچھ یوں ہے کہ ۶۶ء یا ۶۷ء میں جب وہ "نیوز ریل" پروگرام ریڈیو سے کرتے تھے، اسی سلسلے میں ہمارے اسکول آنا ہوا۔ مجھے بھی یاور بھائی سے بات چیت کرنے کا موقع ملا۔ آٹوگراف لینے کا شوق دوسرے لوگوں کی طرح مجھے بھی تھا، سو میں نے آٹوگراف بک آگے بڑھا دی اور جو جملہ انھوں نے لکھا، وہ یہ تھا:

"آٹوگراف لینے سے بہتر ہے کہ خود کو اس قابل بناؤ کہ دوسرے لوگ تمھارے آٹوگراف لے سکیں"۔

یہ ہے وہ جملہ یا نصیحت یا خواہش جس کا سرا پکڑ کر میں نے زندگی کی ابتدا کی۔ جیسے کوئی چراغ جل گیا اور بہت چھوٹی عمر میں مخالف ہواؤں کے باوجود میں اس چراغ کی روشنی میں اپنے لیے زندگی کا کوئی ایسا در ڈھونڈتی رہی جس پر چل سکوں اور کوئی ایسا کام کروں کہ لوگ مجھے بھی یاد رکھ سکیں۔ ریڈیو سے "بزم طلبا" کے ذریعے آواز کی لہروں کی طبع آزمائی کی، مگر شاید وہ میرے اندر کے انسان کے لیے سکون کا باعث نہ ہو سکی، لہٰذا میں نے قلم کا سہارا لیا اور مختلف اخبارات میں لکھتے لکھتے اچانک ہی میں نے پاکستان میں خواتین کے لیے پہلا پاکیزہ سا ماہ نامہ شروع کیا۔ اس کے ساتھ ہی لکھنے والی خواتین کو، ماسوائے چند ناولسٹ کے، قلم سیاہی کے لیے بہت مناسب خرچ دینا بھی شروع کیا۔ اس طرح بہت سی خواتین نہ صرف لکھنے کی طرف بلکہ معاشی طور پر بھی آگے آئیں۔ یہ سب کرنے کے دوران میں نے آٹوگراف بھی دیے اور یہی جملہ لکھا تاکہ ہر لڑکی میں ایک لگن بیدار ہو جائے۔ سو یاور بھائی! میں نے چراغ سے چراغ جلانے کی سعی ناکام ضرور کی ہے۔ میرا دل مطمئن ہے کہ شاید میں نے بھی کہیں آپ کی روشنی آگے بڑھائی ہے۔ خوش نصیب ہیں آپ کہ اس دور میں کوئی ایسا ہے جو آپ کو آپ کی زندگی میں ہی سراہ رہا ہے اور آپ یہ محبتیں سمیٹ رہے ہیں۔

خدا کے حضور عاجزانہ دعا ہے کہ اے پروردگار! یقیناً سب کچھ تیرے ہاتھ ہے آگے پھیلے ہوئے ہاتھوں اور دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی دعا تو ضرور قبول کرے گا کہ یاور بھائی کی صحت، تن درستی، سکون اور خوشی کے ساتھ اتنی لمبی عمر دے کہ وہ مزید ہزاروں انسانوں کو اسی طرح سنوار سکیں اور سرخ رو ہو سکیں۔ آمین ثم آمین!

ساداتِ یاور مہدی .... فنِ ادب کا انسائکلوپیڈیا

تنویر احمد

قابلِ احترام بھائی یاور مہدی کے لیے کچھ کہنا، ان کے لیے کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ بھائی یاور مہدی کی حیثیت کم از کم میری نظر میں شعبۂ فنونِ لطیفہ کے میدان میں ایک مکمل انسائکلو پیڈیا جیسی ہے جس کا اعتراف ملک و بیرونِ ملک کے تمام افراد نے کیا ہے، خواہ ان کا تعلق شعر و ادب سے ہو یا موسیقی، ریڈیو، ٹیلی وژن، فلم اور اسٹیج سے۔ خاص طور سے قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ بھائی یاور مہدی نے آرٹس کونسل آف پاکستان کی جس قدر خدمت کی ہے، اس کی جس قدر تعریف کی جائے، وہ کم ہے جنھوں نے اپنی عمرِ عزیز کا ایک بڑا حصہ آرٹس کونسل، کراچی کی خدمت میں وقف کر رکھا ہے۔ آج آرٹس کونسل، کراچی کو پورے پاکستان میں جو عزت اور مقام حاصل ہے، اس کا تمام سہرا بھائی یاور مہدی کو جاتا ہے، چاہے ان کا تعلق پبلی کیشن کمیٹی کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے پروگراموں سے ہو، ادبی محفلوں سے ہو، محفلِ موسیقی سے ہو، پاکستان کی گولڈن جوبلی کے حوالے سے منعقد ہونے والے پروگراموں سے ہو۔ غرض آرٹس کونسل، کراچی میں جو بھی پروگرامز ہوتے ہیں، ان کی سرپرستی و نگرانی آپ خود کرتے ہیں اور

وہ ہر پروگرام کی کامیابی کی دلیل ہوتے ہیں۔

خصوصی طور پر جن باتوں کا ذکر کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ ذوالفقار علی بخاری اوپن ایئر تھیٹر کی تزئین نو کے سلسلے میں اس کی wood flooring ، curtain work اور آرٹس کونسل کی extension of boundary wall آپ کی ذاتی کوششوں سے مکمل ہوئے ہیں۔ آپ آرٹس کونسل، کراچی سے شائع ہونے والے ماہ نامہ "خبرنامہ آرٹس کونسل" کے مدیرِ اعلیٰ بھی ہیں اور پبلی کیشن کمیٹی کے چیئرمین بھی جس کی نگرانی میں "خبرنامہ آرٹس کونسل" شائع ہوتا ہے۔ اس خبرنامے کے ذریعے شہرِ کراچی و بیرونِ شہر منعقد ہونے والی ادبی تقریبات کا خاص طور سے ذکر ہوتا ہے۔ اس خبرنامے کی اہم بات یہ ہے کہ آرٹس کونسل کے تمام اراکین اور ملک و بیرونِ ملک کی اہم شخصیات کو بلا قیمت ارسال کرنے کا سہرا بھی بھائی یاور مہدی کو جاتا ہے۔

ریڈیو پاکستان کا ہر ملازم چپڑاسی سے لے کر ڈی۔ جی تک آپ کی محبتوں کا، آپ کی شفقتوں کا، آپ کی خدمات کا اعتراف بھرپور انداز میں کرتا ہے۔ آپ کی کوششوں سے کراچی کے تمام کالجوں اور جامعات کے ہونہار طلبا و طالبات کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے ریڈیو پاکستان، کراچی سے نشر ہونے والے پروگرام بزمِ طلبا و طالبات کی بنیاد رکھی جس کے خالق آپ خود ہیں۔ یہ پروگرام آج بھی باقاعدگی سے نشر ہوتا ہے۔ اس پروگرام کی مدد سے آپ نے اچھے بڑے فن کار ریڈیو پاکستان، پاکستان ٹیلی وژن، فلم اور اسٹیج کو دیے۔

اس سال بھائی یاور مہدی کی ملک بھر میں اعلیٰ خدمات کے اعتراف کے طور پر جشنِ یاور مہدی جس شایانِ شان طریقے سے منانے کا اہتمام کیا جارہا ہے، یہ نہایت خوش آئند و قابلِ تحسین بات ہے۔ اس جشنِ یاور مہدی کو خوب صورت اور یادگار بنانے کے لیے تمام علمی، ادبی اور دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے افراد کی بھرپور شرکت

نہایت ضروری ہے تاکہ اس جشن یاور مہدی کو اہلیان کراچی پاکستان کے ایک یادگار جشن کے طور پر منائیں اور لوگ یاد رکھ سکیں۔

اس سلسلے میں آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی کی گورننگ باڈی کے محترم ارکان اور تمام خواتین و حضرات کی خدمت میں اپنی اس تحریر کے ذریعے ایک قرارداد پیش کرنے کی جسارت کرنا چاہوں گا۔ میں یہ بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی کو اس سے بہتر موقع کوئی اور نہیں مل سکتا کہ وہ بھی جشن یاور مہدی میں شرکت کرکے اپنا فرض ادا کرے اور بھائی یاور مہدی کی خدمات کا اعتراف ان کی زندگی میں کرے جس کے دم سے آج آرٹس کونسل، کراچی میں رونق و بہار ہے۔

قرارداد یہ ہے:

آرٹس کونسل آف پاکستان کی گورننگ باڈی، خازن اور ارکان آرٹس کونسل کراچی! جناب یاور مہدی کی اعلیٰ خدمات کے اعتراف میں ایک قرارداد منظور کرتے ہوئے اس آرٹس کونسل کراچی کے نئے تعمیر شدہ آڈیٹوریم کو "یاور مہدی آڈیٹوریم" کے نام سے منسوب کیا جائے۔

مجھے امید ہے کہ میری اس پیش کردہ قرارداد کی آرٹس کونسل، کراچی بھرپور انداز میں تائید و حمایت کرے گا، بلکہ سادات یاور مہدی کے نام مبارک کی برکت سے ان شاءاللہ! ہمارے اس نامکمل آڈیٹوریم کا کام جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔ تمام محترم اراکین کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس نامکمل آڈیٹوریم کے کاموں کے سلسلے میں اپنا اہم کردار ادا کریں اور اس کو اس کی اصل شکل میں لانے کے لیے بھرپور مدد کریں۔

میری یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھائی یاور مہدی کو صحت و تن درستی عطا فرمائے

ان کو درازیِ عمر عطا فرمائے اور ان کا سایہ ہمارے اور آرٹس کونسل آف پاکستان کراچی کے سر پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم رہے۔ آمین!

سب کے یاور بھائی، میرے ابو

سدرہ سروش فاطمہ

بزرگ مرکزِ دعا و منبعِ دعا ہوتے ہیں۔ ان پر خامہ فرسائی کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی پھولوں پر عطر ملے یا خورشیدِ جہاں تاب کو چراغ دکھائے، لیکن جذبات و خیالات پر کوئی شخص، کوئی حکومت یا کوئی ادارہ قدغن نہیں لگا سکتا۔ گو اظہارِ جذبات کو جامۂ تحریر میں لانا بذاتِ خود ایک فن اور ایک دشوار عمل ہے۔ ہماری زندگی میں کوئی نہ کوئی یگانۂ روزگار شخصیت ایسی ضرور شامل ہوتی ہے جس کے بارے میں جذبات و خیالات کا اظہار کر کے ہم اس شخصیت پر احسان نہیں کرتے بلکہ اپنی قامت اور شخصیت میں نکھار پیدا کرتے ہیں۔

سارے زمانے کے یاور بھائی، میرے ابو ان معدودے چند افراد میں سے ایک فرد ہیں جن کے بارے میں اظہارِ رائے تحریر کرنا نہ صرف ایک سعادت ہے بلکہ اپنے قد میں اضافے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ ابو کی ہمہ جہت شخصیت کے بارے میں لکھنے والوں کا ایک بہت بڑا حلقہ خامہ بگوش ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے طرزِ تحریر پر خود تحریر ناز کرتی ہے۔ ان کی موجودگی میں مجھ جیسی کم علم اور بے مایہ کی تحریر یا رائے کی کیا وقعت ہے۔ اس کے باوجود میں اس پیکرِ محبت، سرچشمۂ خلوص اور اپنے نام کی مناسبت سے ہر کس و ناکس کی یاوری کرنے والے سے میرے والدین کے مراسم بہت دیرینہ اور اس قدر مستحکم ہیں کہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد جو چند

نام انتہائی محبت و احترام سے اپنے گھر میں سنے ، ان میں ابو کا نام بھی اسی محبت و احترام کا سزاوار رہا ہے ۔ اور پھر یہ احترام اپنی اس معراج پر پہنچ گیا کہ نظام حیدر اور رشیدہ نظام کی بیٹی ، یعنی راقم الحروف دختری میں شامل ہو گئی ۔ یہ تمام کارنامہ ابو کی محبتوں کے اس سیل رواں کا ہے جو اپنے بہاؤ کے ساتھ مجھے بہا کر میرے گھر سے اپنے گھر لے گیا۔

اور میں کیا رقم کروں ؟ نہ میں شاعرہ نہ ادیبہ ، لفظوں کو برتنے اور پرکھنے کا سلیقہ بھی میرے ضابطۂ تحریر میں نہیں ہے تو میں اس ہمالہ صفت شخصیت کے بارے میں ایک ذرہ ہو کر کیا تحریر کروں ؟ صرف دعاؤں اور محبتوں کی طلب گار ہوں اور اپنے ابو کی پدرانہ شفقت کی اسیر ہوں ۔

خدا میرے بزرگ قبلہ گاہی ، میرے ابو کو میرے اور میرے وارث کے سر پر سلامت رکھے !

عصری دیو مالا کردار

حمیرا شعور

بچپن میں سنا کرتے تھے کہ یہ دنیا جس میں ہم رہتے بستے ہیں ، کسی بہت بڑی گائے کی سینگ پر قائم ہے اور جب وہ گائے اپنا پہلو تبدیل کرتی ہے تو ہماری زمین پر زلزلے آتے ہیں ۔ ہر چند یہ کہاوت اس وقت تو ہماری سمجھ میں نہیں آتی تھی ، لیکن اب محترم یاور مہدی کی شخصیت کو دیکھ کر نہ صرف قرین قیاس محسوس ہوتی ہے بلکہ ان کی شخصیت کے تناظر میں بہت معمولی معلوم ہوتی ہے ، کیونکہ انکل یاور مہدی اپنے شانوں پر ایک نہیں بلکہ تین تین دنیاؤں کا بوجھ اٹھائے پھرتے ہیں :

○ ایک دنیا ان کی بھرپور گھریلو دنیا

○ دوسری ریڈیو پاکستان کی پر شور پیشہ ورانہ دنیا

○ تیسری آرٹس کونسل آف پاکستان کے حوالے سے فنون لطیفہ کی ہمہ جہات دنیا۔

مختلف زاویوں میں پھیلی اور پھلتی پھولتی دنیاؤں کی رنگا رنگ ذمے داریاں انکل یاور مہدی اس خوش اسلوبی سے سنبھالتے ہیں کہ کسی دنیا میں کبھی زلزلہ نہیں آتا۔ پھر ہم جیسے کم عمر، ناتجربے کار، نووارد اہل قلم اور شوقیہ فن کاروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ہماری صلاحیتوں کو صیقل کرکے اس قدر اعتماد پیدا کردیتے ہیں کہ ہم بڑی سے بڑی آزمائش میں کامیاب ہوتے ہیں۔

یاور مہدی اسم بامسمیٰ نظر آتے ہیں اور واقعی "یاوری" ثابت ہوتے ہیں۔

نئی نسل کے بہت سے اہل قلم اور فن کار محترم یاور مہدی کے ممنون احسان ہیں اور اس مسرت کے موقع پر انھیں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔

کون ایسا ہوگا؟

سیدہ نفیس حسن

کون ایسا ہوگا جو سب کے دلوں کی ٹھنڈک کا رسیا ہو؟
ایسے شخص کے من میں آئی ہوئی اک بات تو وہ جھونکا ہے
جو ایک ساتھ زمانے بھر میں پھول کھلا دیتا ہو
کون ایسا ہوگا جو اپنے دل کی کسک تک پہنچے؟
اور پھر ایک قدم خود پیچھے ہٹ کر
اپنی پہنچ کو اوروں کے لیے برتے، سب کے دلوں کی ٹھنڈک کے لیے برتے؛

کون ایسا ہے؟ دنیا میں

یاور بھائی پر آج قلم اٹھائے ہوئے جانے کیوں مجید امجد کی یہ نظم بار بار ذہن میں آرہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بھری پری آگ لگاتی دنیا میں ضرور چند شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو ٹھنڈک اور سائے کا احساس دلاتی ہیں۔ یاور بھائی کی شخصیت کے ساتھ ہی بہت سی باتیں ماضی کے حوالے سے ذہن میں آرہی ہیں، حالانکہ آج، گزری کل اور ان شا اللہ! آنے والی کل میں یاور بھائی کی شخصیت میں کوئی تغیر و تبدل ممکن نہیں ہے۔ یہ تو سدا بہار شخصیت ہے، لیکن پھر بھی اپنی یادوں کو آزمانے کے لیے "بزم طلبا" سے یاد کے سلسلے کو جوڑنا پڑتا ہے۔ اس زمانے میں یاور بھائی کراچی کے تمام طالب علموں کے "ہیرو" تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ اس زمانے میں طالب علم اور یاور بھائی لازم و ملزوم ہوتے تھے۔ "بزم طلبا" کے حوالے سے اتنے متنوع پروگرام سامنے آئے کہ ربع صدی گزرنے کے بعد بھی ہر پھر کے انھی کے نقش قدم پر لوگ چلتے نظر آتے ہیں۔ کام کے معاملے میں "عاشقی" کا لفظ آپ پر صادق آتا ہے۔ جو کام آپ کے سپرد کیا جائے، پھر اس سے محبت کی منزلیں عاشقی تک کیسے جاتی ہیں، اس سے ہر وہ شخص واقف ہے جو یاور بھائی کو ذرہ برابر بھی جانتا ہے، مجھے بتانے کی ضرورت نہیں

میری پہلی ملاقات بھی، جب میں کراچی یونی ورسٹی میں تھی، یاور بھائی سے ان پروگراموں کے سلسلے میں ہوئی تھی، اور میں نے ان کی شخصیت کے طلسم اور ان کی ہردل عزیزی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ آپ ہر ایک کا خیال کرتے اور پروگرام کے بعد شام ہونے پر گھر تک پہنچوانے کی فکر کرتے۔

زندگی کے رواں دواں قافلے میں یاور بھائی سے ریڈیو پاکستان کی شناسائی قریبی رشتوں میں تبدیل ہو گئی۔ یاور مہدی میرے شوہر کے بڑے بھائی ہیں، لیکن بڑی عجیب سی بات ہے کہ یاور بھائی سے سسرالی رشتہ کبھی محسوس نہیں ہوا۔ ایک

مخلص دوست اور بڑے بھائی جیسی اپنائیت اول دن سے آج تک برقرار ہے۔

اپنی زندگی میں، میں ہزاروں لوگوں سے ملی ہوں گی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے آج تک یاور بھائی جیسا خلیق، ملنسار، محبت کرنے والا، شریف النفس، ہر ایک کی مدد کرنے والا، رشتوں کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھنے والا نہیں دیکھا۔ آپ ایک بے مثال بیٹے، بھائی، شوہر اور باپ ہیں۔ دن اور رات کے کسی بھی لمحے کوئی بھی کام، کوئی بھی مسئلہ یاور بھائی کے سامنے بیان کیا تو ہمیشہ ایک "ہاں" یا "اچھا" سننے کو ملا۔ اتنی مصروفیت کے باوجود کوئی تہوار ہو یا کوئی تقریب، میں نے اپنی شادی شدہ زندگی کے ان چوبیس سالوں میں اپنے گھر میں کبھی یاور بھائی کو غیر حاضر نہیں پایا۔

آپ سے باتیں کر کے، آپ کے ساتھ وقت گزار کے ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یاور بھائی بہت خوش قسمت ہیں کہ ان کے دوستوں اور چاہنے والوں کی تعداد کا تعین بھی نہیں کیا جاسکتا۔ محبتوں اور دوستوں کے معاملے میں یاور بھائی بہت "امیر" ہیں، ورنہ زندگی کے دیگر مادی معاملات میں مجھ سے زیادہ کون جانتا ہوگا کہ آپ کیسے "درویش" ہیں۔

یاور بھائی گھر میں ہوں یا ریڈیو اسٹیشن یا آرٹس کونسل یا دوستوں کی کسی محفل میں، آپ ان کی شخصیت میں تضاد کہیں نہیں پائیں گے۔ نرمی، محبت، شائستگی تہذیبی اقدار کا پاس آپ کی شخصیت و طبیعت کا خاصہ ہے۔ آپ کی متاثر کن شخصیت کا سحر میں نے کئی مواقع پر خود دیکھا اور محسوس کیا۔ خواہ کوئی فنکشن ہو یا آرٹس کونسل کے انتخابات، لوگوں کو ضروری سے ضروری کام چھوڑ کر، تیز بخار اور بیماری کی حالت میں آتے دیکھا، کیونکہ یاور بھائی کا حکم تھا لہذا آنا ضروری تھا۔ یہ سب کچھ آدمی کچھ دے کر حاصل کرتا ہے۔ یہ خلوص اور ایثار آپ کی شخصیت کا حصہ ہے۔

جوہر کو پرکھنے کی نظر

پتھر کو مورت میں تبدیل کرنے کی صنم گری
ہیرے کو تراشنے کی کاریگری

یاور بھائی کا شخصیات سازی میں کیا کردار ہے ۔ اس کی گواہی مختلف شعبہ ہائے زندگی کے سرکردہ لوگ دیں گے ۔ یاور بھائی اپنے نام کے لحاظ سے اسم بامسمیٰ ہیں ۔ دوستی کے رشتوں اور تمام رشتوں میں آپ دوست پہلے ہیں ، اور کچھ بعد میں ۔

خود اپنی ذات میں انجمن

شاہدہ اسرار کنول

یاور مہدی کا نام ریڈیو پاکستان کے حوالے سے تو بچپن سے ہی سنتی آرہی تھی لیکن ملاقات کبھی نہیں ہوئی تھی ۔ پچھلے دنوں فرزانہ روحی نے بتایا کہ آرٹس کونسل میں خبرنامہ میگزین میں کام کرنے کے لیے یاور مہدی کو لڑکی چاہیے ، تم جاکر بات کرلو ۔ میں جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ یاور صاحب کا فون بھی آگیا کہ آپ آکر بات کرلیں ۔ میری فیلڈ بھی کچھ ایسی ہی تھی کہ جرنلزم اور لکھنا لکھانا میرا شوق ہے اور اس سے پہلے بھی مختلف میگزینوں میں کام کرچکی تھی ، لیکن خبرنامہ میگزین میں کام کرنا اور یاور صاحب کی سنگت میں یہ میرے لیے بڑی خوشی اور اعزاز کی بات تھی ۔ فرزانہ سے کہا، " بھئی! کچھ ان کے مزاج کے بارے میں بتاؤ کہ کیسے ہیں " ۔ انھوں نے جواب دیا، " مل لو گی تو اندازہ ہو جائے گا " ۔ اپنے اتھل پتھل دل کو سنبھالتے ذہن میں یہ تصور لیے کہ ہوگا کوئی ستر، اسی سال کا مغرور اور خوف ناک سا آدمی ، کیونکہ جس شخص کا اتنا نام ، اتنی عزت و شہرت ہو کہ ہر کوئی ان کی صلاحیتوں کا معترف ہو تو وہ تھوڑا مغرور تو ہو ہی جاتا ہے اور پھر یہ ان کا حق بھی بنتا ہے ....

آرٹس کونسل پہنچے۔ نیچے بک شاپ میں تین، چار سوٹڈ بوٹڈ آدمیوں کے جھرمٹ میں سب سے نمایاں ایک درویش صفت سفید شلوار قمیص اور واسکٹ میں ملبوس گوری رنگت، لمبے قد کے صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ ان سے پوچھا، "جی! یاور صاحب سے ملنا ہے"۔ وہی صاحب دھیمی سی مسکراہٹ اور بڑے عجز سے بولے، "جی! بندے کو یاور مہدی کہتے ہیں"۔ ان کی صورت دیکھتے ہی سارے خوف اور شکوک و شبہات ایک دم دل سے نکل گئے اور لوگوں کی ان سے محبت سمجھ میں آگئی، کیونکہ اس لمحے کے ہزارویں حصے میں، میں بھی ان کی مرید ہو چکی تھی۔ جس شخصیت کی ذات میں اتنا سحر ہو تو وہ کیوں نہ لوگوں میں مقبول ہو۔ ان کی شخصیت ایک ایسے سائبان کی طرح ہے جس کے نیچے بیٹھ کر لوگ خود کو محفوظ تصور کریں۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ کسی کو جاننے کے لیے ایک لمحہ ہی کافی ہوتا ہے۔ اتنے نفیس، شریف، لوگوں میں محبتیں بانٹنے والے، لوگوں کے مسائل توجہ سے سن کر دور کرنے والے ذہنی صلاحیتوں کو جلا دینے والے، پیتل کو سونا بنانے والے، درویش صفت ہر انسان میں کچھ نہ کچھ خامیاں تو ہوتی ہیں، لیکن یاور صاحب کی شخصیت کو دیکھ کر تو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی فرشتہ بھٹک کر زمین پر آگیا ہو۔ جہاں بیٹھے، وہیں لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ چھوٹا بڑا ہر کوئی ان کی محبت میں سرشار، ہر کسی کے لبوں پر یاور صاحب کا نام۔ دل میں یاور صاحب کے لیے محبتوں کا سمندر، ایک ہجوم ہے یاور صاحب کے دیوانوں کا۔

میری دلی خواہش تھی یاور صاحب سے ملنے کی اور مجھے فخر ہے کہ میں بھی آج اس گھنے شجر کے سائے تلے بیٹھی ہوں۔

تیرے دیوانوں میں ایسے بھی نظر سے گزرے
نقشِ پا سب کے دلوں پر تھے جدھر سے گزرے

اعزا و اقربا

maablib.org

maablib.org

یاور ..... میرا بے حد پیارا بیٹا

یاور مہدی کی والدہ بیگم حماد حسین سے محمود حسن کی بات چیت

میں نے اپنے لاڈلے بیٹے یاور مہدی کو بچپن ہی سے انتہائی شریف، نیک، کم گو اور انتہائی معصوم سا بچہ محسوس کیا، کیونکہ اس بچے نے کبھی کسی قسم کی شرارت نہیں کی۔ ہاں! کھیل میں دھیان ضرور تھا۔ یاور کو کرکٹ، ہاکی اور فٹ بال سے بے حد لگاؤ تھا، مگر کھیل کے ساتھ اپنی تعلیم پر بھی یاور نے ہمیشہ توجہ دی۔ ان کے والد، یعنی میرے شوہر حماد حسین صاحب مجھ سے اکثر کہا کرتے تھے، "یاور بھی کوئی بچہ ہے؟..... نہ کبھی شرارت کرتا ہے، نہ کبھی کسی سے مذاق کرتا ہے"، کیونکہ یاور نے کبھی کبھار کھیل اور پھر اپنی تعلیم کے علاوہ کسی چیز پر کبھی توجہ نہیں دی، کبھی شرارت تک نہیں کی۔

یاور کے والد پولیس سے وابستہ تھے، بے حد نیک، متقی، پرہیزگار اور ایمان دار افسر تھے۔ اپنی سروس کی وجہ سے ان کا مختلف جگہوں پر تبادلہ ہوتا رہا، اس

وجہ سے یاور میاں کی زیادہ تربیت میں نے اور یاور کے دادا نے کی۔ یاور کے دادا یاور کے بھولپن اور معصومیت کی وجہ سے اسے جلدی کہیں بھیجتے بھی نہ تھے۔ ایک بار جون پور شادی میں جانا تھا، بڑی مشکل سے وہ راضی ہوئے۔ بڑی مشکل سے ہم جون پور شادی میں گئے۔ واپسی پر بہت سارے کپڑے اور شادی کے دیگر تحائف ہمیں ملے۔ سارا سامان ایک گٹھری میں باندھا اور واپس گھر کی طرف چل دیے۔ یاور میاں گٹھری پر سر رکھ کر لیٹ گئے اور فوراً ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ رات کی تاریکی میں کسی نے سامان چرالیا اور یاور میاں چار اسٹیشن آگے سو کر اٹھے۔

یاور میں خوبیاں زیادہ ہیں، خامیاں کم۔ خامی یہ ہے کہ گھر کو انھوں نے کم وقت دیا۔ دوسری خاص بات یہ ہے کہ اپنے بچوں کی کسی قسم کی کوئی سفارش کبھی نہیں کی۔ یاور کہتے ہیں، "بچے خود اپنی محنت سے آگے بڑھیں۔ بس تعلیم و تربیت میرا کام ہے، مگر علمی کاموں میں آگے بڑھنا خود اولاد کی ذمے داری ہے"۔

یاور میں خوبیاں بہت ہیں۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں دوسروں کی مدد کرنے کا جذبہ بہت ہے اور یہ جذبہ بچپن سے ہی ہے۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ جب یاور آٹھویں جماعت میں تھا، میں کچھ پیسے زمین میں دفن کر رہی تھی کہ کچھ غریب لوگ آگئے۔ انھیں پیسے کی ضرورت تھی۔ یاور نے زمین سے نکال کر وہ پیسے مجھ سے ان غریب لوگوں کو دلوا دیے۔ یاور میاں کے بہت سے قصے تو ان کی بیگم سنائیں گی جو بہت جلد امریکا سے آنے والی ہیں۔

میرے ابو

فوزیہ عسکری

(دختر یاور مہدی)

ابو ہم سب سے محبت کرتے ہیں اور ہم سب ابو سے محبت کرتے ہیں ۔ مجھے ابو سے ایک شکایت ہے کہ جتنی توجہ اور جتنا وقت ہمیں دینا چاہیے تھا، وہ ابو نے ہمیں نہیں دیا اور ہماری تربیت میں کوئی خاص حصہ نہیں لیا۔اس کے علاوہ ابو نے ہمیں کوئی تکلیف نہیں دی ۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس میں ابو کا بہت زیادہ ہاتھ نہیں ہے، کیونکہ حالات کچھ اس طرح کے ہوتے ہیں کہ انسان کو اس سے فرار نہیں مل سکتا ۔ بعض لوگ حالات پر قابو پا لیتے ہیں اور حالات کو اپنے تابع کر لیتے ہیں، مگر بعض لوگ حالات کے تابع ہو کر ان سے نظریں چراتے ہیں اور فرار حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ میرے ابو بہت ہی زیادہ نرم مزاج ہیں، اس لیے وہ حالات کے تابع ہو گئے ۔اس کے باوجود میں یہ کہوں گی کہ آج ہم جو کچھ بھی ہیں، اس میں ہماری ماں کی کوششوں کے ساتھ ہمارے باپ کی نیکیوں کا بھی دخل ہے، لیکن اس میں

بھی کچھ شک نہیں ہے کہ ہمیں اپنے باپ پر فخر ہے۔ اتنا نامی گرامی باپ ہر کسی کا نہیں ہوتا، بس یہی ایک بات ہمارے لیے باعثِ تسلی ہے۔

ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی، اس لیے غصہ جلدی آجاتا ہے، مگر جب غصہ اترتا ہے تو پھر پیار کرتے ہیں۔ ان کو احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے غلط غصہ کیا تھا۔

ابو کو کھانے میں کریلے اور میٹھی چیزیں پسند ہیں، خاص طور پر امی کے ہاتھ کی بنی ہوئی sweet dishes شوق سے کھاتے ہیں۔

ابو جب گھر میں ہوتے ہیں تو ہم سے تھوڑی بہت باتیں کرتے ہیں، ٹی۔وی دیکھتے ہیں، کتابیں پڑھتے ہیں اور سوتے ہیں۔

گھر میں ہم نے انھیں پایا ہی نہیں

زیبا مہدی (انعام)

اویس بھائی! سوال تو آپ نے اچھا پوچھا ہے کہ ہم نے یاور مہدی صاحب کو بحیثیت باپ کیسا پایا۔ اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ ہم نے انھیں کبھی پایا ہی نہیں، یعنی گھر میں۔ اگر آپ آرٹس کونسل یا ریڈیو پاکستان کے لوگوں سے یہ سوال پوچھیں تو وہ لوگ یقیناً صحیح جواب دیں گے۔ یہ بات نہیں ہے کہ ہمیں اپنے ابو سے محبت نہیں ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ سب ہی اپنے والدین کو بہت چاہتے

ہیں، بس بات یہ ہے کہ انھوں نے ہم لوگوں کو وقت کم دیا۔ جو کام اور ذمے داریاں ہمارے ابو کی تھیں، وہ کام اور ذمے داریاں بھی ہماری امی نے پوری کیں۔ آج ہم سب بہن بھائی جو کچھ بھی ہیں، بے شک اس میں ابو کا بھی ہاتھ ہے، مگر اس کا تمام کریڈٹ ہماری امی کو جاتا ہے۔ ہمیں اپنے ابو سے صرف اتنی سی شکایت ہے کہ انھوں نے گھر میں کم وقت دیا اور سارا وقت ریڈیو پاکستان اور آرٹس کونسل والوں کی نذر کر دیا، ورنہ ہمیں اپنے ابو سے بہت محبت ہے۔

آپ کا دوسرا سوال کہ ابو کو کیا کیا چیزیں پسند ہیں، میں کچھ اور کہوں نہ کہوں مگر ابو کو میٹھا بہت زیادہ پسند ہے۔ کھانے کے بعد میٹھا لازمی ہونا چاہیے۔ ویسے بہت زیادہ سادہ طبیعت ہے۔ جو کپڑے دے دو پہن لیں گے، جو کھانا دے دو کھا لیں گے۔ کسی چیز میں نقص نہیں نکالتے۔ بس کھانے کے ساتھ سلاد لازمی ہے اور میٹھا ہو تو بہت زیادہ شوق سے کھانا کھاتے ہیں۔

آپ نے تیسرا سوال پوچھا تھا کہ وہ گھر میں رہتے ہیں تو کیا کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں، میں کہوں گی کہ ابو یا تو آرٹس کونسل یا آفس کے پیپرز نکال کر کام کرتے رہتے ہیں یا پھر فون پر لوگوں کو ہدایات دیتے رہتے ہیں کہ تم ایسا کر لو، تم ویسا کر لو، یہاں چلے جاؤ، کسی سے مل لو یا پھر سو کر وقت گزارتے ہیں۔

ان تمام باتوں کے باوجود ہمیں اپنے ابو سے بہت زیادہ محبت ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ لڑکیاں اپنے باپ کو زیادہ چاہتی ہیں۔ بس تھوڑی سی شکایت ہے تو یہ کہ اگر ابو تھوڑی سی توجہ ہم لوگوں کو بھی دے دیتے تو شاید ہم بہن بھائی جو کچھ اس وقت ہیں، اس سے بڑھ کر ہوتے۔

میرا بھائی، میرا یاور

سید حسن مہدی

یہ کسی بھی انسان کے لیے بہت فخر اور خوشی کی بات ہوتی ہے اگر اس کی خدمات اور شخصیت کو اس کے دوستوں اور ہم عصروں کی جانب سے اس کی زندگی ہی میں پذیرائی ملے ۔ یہ موقع اس کے دوستوں اور عزیزوں کے لیے بھی فخر کا باعث ہوتا ہے میرے لیے تو بہت ہی خوشی اور انبساط کا مقام ہے کہ میرے بڑے بھائی، محسن سید یاور مہدی کی شخصیت اور خدمات کو ان کے دوستوں اور شناساؤں نے مانا اور سراہا جس کا ثبوت آج کا جشن ہے۔

میرا بھائی، میرا یاور ایک با اصول، مخلص اور ہمدرد انسان ہے جس کے چاہنے والے کراچی کے علاوہ پورے پاکستان میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ یاور بھائی نے اپنے عزیزوں، دوستوں بلکہ عزیزوں کے عزیز دوستوں کے دوست کی جہاں تک ممکن ہوا، دامے، درمے، سخنے مدد کی اور کرتے رہے ہیں ۔ ان کی نوازشیں پورے خاندان پر ہی نہیں، بلکہ آج پاکستان کے ادبی، فلمی اور دوسرے فنون لطیفہ کے منظر نامے کے بڑے بڑے نام ان کے ممنون احسان ہیں ۔ اور یہ ان حضرات کی خاندانی شرافت اور بڑائی ہے کہ وہ یاور مہدی کی خدمات، ان کے نام اور کام، دونوں کو یاد رکھتے ہیں۔

یاور بھائی بہت منکسر المزاج اور باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں ۔ ان کا کسی سے کبھی کوئی تنازعہ نہیں ہوا ہاں! اگر ہوا تو اصولوں کی بنیاد پر ہوا ۔ ان کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی سے تعلقات خراب نہیں کرنا چاہتے ، لیکن اگر کسی وجہ سے ناراض ہو گئے تو پھر تعلقات نہیں رکھتے جب تک وہ شخص اپنے کیے پر شرمندہ نہ ہو یا پھر ان کو قائل کرے ۔

بھائی خاندان کے ہر چھوٹے اور بڑے کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں ۔ میرے لیے تو وہ ایک شجرِ سایہ دار ہیں ، کیونکہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ، ان کی شفقت اور مدد ہمیشہ مجھ پر رہی ۔ میں کل جو کچھ تھا اور آج جو کچھ ہوں ، وہ ان کی مرہونِ منت ہے ۔

انھوں نے راجا صاحب محمود آباد (مرحوم) ، بیگم زاہد خلیق الزماں (مرحومہ) ، ممتاز حسن (مرحوم) اور جمیل نشتر (مرحوم) سے لے کر سینیٹر جمیل الدین عالی تک پہنچ کر میری مختلف ادوار اور مواقع پر مدد کی ۔

ان کی شخصیت میرے اور میرے خاندان کے لیے ایک روشن چراغ ہے اور ہم سب کو ان پر فخر ہے ۔ ان کی شخصیت ہمارے خاندان کی پہچان ہے ۔ وہ ایک اچھے انسان ، اچھے دوست ، اچھے بھائی ، قابلِ فخر بیٹے ، باپ اور شوہر ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم و دائم رکھے ، آمین!

یاور مہدی صاحب کے سسر جناب سید لطف حسین رضوی نے کہا

(رپورٹ : محمود حسن)

یاور مہدی صاحب میرے داماد ہیں۔ میں ان کے بارے میں کیا کہوں! مگر جو سچ ہے، وہ ضرور کہوں گا کہ یاور میاں بہت نیک، اصول پسند، ایمان دار اور ہمدرد قسم کے آدمی ہیں، بلکہ ہمدردی کا جذبہ ان میں بہت ہی زیادہ ہے۔ اپنے کام میں یہ اتنے مگن رہتے ہیں کہ انھیں گھر کا خیال کم کم رہتا ہے، مگر گھر والوں اور بچوں سے کبھی غافل بھی نہیں رہتے۔ زیادہ تر وہ رات گئے ہی گھر آتے ہیں، مگر ہمیشہ گھر کی رپورٹ اور خاندان کے دوسرے لوگوں کا احوال فوراً معلوم کرتے ہیں۔ جب سے انھوں نے ریڈیو جوائن کیا ہے، اس وقت سے ہی ان کی مصروفیات کا یہ عالم ہے کہ انھوں نے گھر کے حصے کا وقت بھی ریڈیو کو دے دیا ہے، مگر پھر بھی ان کے تمام بچوں کی اعلیٰ سے اعلیٰ تربیت ہوئی۔ ان کے بچے بہت ہی لائق اور سعادت مند ہیں۔ تمام بیٹے اور بیٹیاں پڑھی لکھی ہیں اور سب اپنی اپنی جگہ خوش ہیں، یعنی یہ سب یاور میاں کی نیکیاں ہیں اور زمانے بھر کے کام آنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر بچے کو

اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نیک سیرت بنایا ہے، کیونکہ والدین کا اثر خاص حد تک بچوں میں بھی آتا ہے۔

ریڈیو کے حوالے سے اگر ان کے پروگراموں کا ذکر کروں تو مجھے سب سے پہلے "بزم طلبا" یاد آتا ہے جس پر انھوں نے بے حد محنت کی۔ "شب کو ہے گنجینۂ گوہر کھلا"، "کسٹم کے قوانین" بھی ان کے یادگار پروگرام تھے۔ مرحوم زیڈ۔اے۔بخاری اور طاہر شاہ مرحوم ان کی صلاحیتوں سے خوب واقف تھے۔ وہ ان کو اتنا چاہتے تھے کہ وہ اکثر مواقع پر یاور میاں کے گھر سادات کالونی تک آجاتے تھے، حالانکہ کسی ڈائرکٹر جنرل اور اسٹیشن ڈائرکٹر کا ایک پروڈیوسر کے گھر آنا بہت بڑی بات ہوتی ہے۔

ریڈیو کے تمام بڑے بڑے افسران کے ساتھ چھوٹا طبقہ بھی یاور مہدی کو بہت پسند کرتا ہے، وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ہمیشہ ہی ایمان داری اور لگن سے کام کیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے کارکنوں کے کام آنا اور اپنے دیگر ساتھیوں کا ہمیشہ خیال رکھنا ہمیشہ ان کا شیوہ رہا ہے۔

آرٹس کونسل کے حوالے سے بھی ان کی صلاحیتیں سب کو معلوم ہیں، کیونکہ میں نے سنا ہے کہ آرٹس کونسل کی تمام ادبی محفلیں منعقد کرنے میں بھی وہ پیش پیش رہتے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ہمیشہ صحت مند رکھے اور پورے خاندان کو بھی ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ آمین!

maablib.org

یاور نے دوسروں کی سدا کی ہے یاوری

نظام حیدر عابدی

زندگی کے بھاگتے دوڑتے لمحوں میں جب انسان تھک کر بیٹھ جاتا ہے تو اس کو لوگ ریٹائرڈ افراد کی صف میں شمار کرتے ہیں، لیکن بہت سارے لوگ ایسے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی سے لفظ ریٹائر کو ریٹائر کر دیا ہے۔ انھی لوگوں میں یاور مہدی یعنی یاور بھائی کا نام بھی آتا ہے۔ یاور بھائی کی ہمہ جہت شخصیت کے بارے میں خامہ فرسائی کرنے کے لیے چند سطور یا چند صفحات کے ذریعے حق ادا نہیں ہوگا، اس کے لیے دفتر درکار ہوں گے۔ میں تو یاور بھائی کو صرف چند سطور کے ذریعے خراج محبت و عقیدت پیش کر سکتا ہوں:

کرتے ہیں علم و فن سدا آپ یاوری
افکار پاک باز کی ہیں آپ روشنی

اپنے لیے تو رہتے ہیں معروف کار سب
یاور نے دوسروں کی سدا کی ہے یاوری

یاور نے دوسروں کی سدا کی ہے یاوری

نظام حیدر

ہمہ جہت شخصیت، سب کے یاور.... یاور بھائی

سیدہ رشیدہ عابدی نظام

پروردگارِ عالم نے اس کائنات میں ان گنت اور بے اندازہ افراد تخلیق کیے ہیں جن کا شمار کرنا انسان تو کیا، فرشتوں کے بس کی بھی بات نہیں ہے۔ اسی طرح ناموں کی خصوصیات اور اثرات بھی انسانی زندگی پر اپنا ایک مخصوص اثر چھوڑتے ہیں۔ دنیا میں، بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اسم بامسمیٰ ہوتے ہیں۔ یاور بھائی صرف نام ہی کے یاور نہیں ہیں بلکہ اپنے حلقۂ احباب میں، اپنے شعبۂ کارکردگی میں، ادب و ثقافت میں، سماجیات اور مذہبی تعلقات کے حوالوں سے سب کے لیے اپنی بساط سے زیادہ یاور و مددگار رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یاور مہدی صاحب کو ہر شخص سن و سال

کی حدود سے مبرا ہو کے "یاور بھائی" کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ دو برس کا بچہ ہو یا ستر برس کا بوڑھا، بلاتفریق مرد و زن یاور مہدی "یاور بھائی" کے پاکیزہ اور منزہ خطاب کے سزاوار ہیں۔ میں نے یاور بھائی کو لوگوں سے زبانی کلامی "یاور بھائی" کہتے سنا ہے، لیکن میں نے یاور بھائی کو قلبی اور فکری طور پر "بھائی" کہا ہے، اور خدا کی بارگاہ میں دعا کرتی ہوں کہ مجھے اس بڑے منصب پر اس منافقت کے دور میں لفظ "بھائی" کی حرمت و حیثیت سے کماحقہٗ عہدہ برآ ہونے کی قوت و صلاحیت عطا کرے۔

یاور بھائی یوں تو ایک براڈکاسٹر کی حیثیت سے تقریباً تین دہائیوں سے اپنے فرائض منصبی ادا کر رہے ہیں، لیکن شہر کی ادبی، ثقافتی اور سماجی تقریبات میں یاور بھائی کا نام اور کام اسی طرح شامل رہا ہے جس طرح انسانی زندگی کو آکسیجن کے بغیر بقا نہیں ہے۔ یاور بھائی کے انکسار، تحمل مزاجی اور ایفائے عہد کی بجاآوری نے ان کو شہر میں ممتاز و محترم ہونے کا تمغا عطا کیا ہے۔ یاور بھائی ادب شناس ہونے کے ساتھ ساتھ ادب کی ترویج و اشاعت میں بھی پیش پیش رہے ہے۔ اس حوالے سے ان کی خدمات کو ادب دوست اور ادب شناس اشخاص کبھی بھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ یاور بھائی اپنے ادارے سے تو ریٹائر ہو رہے ہیں، لیکن سماج اور ادب کے حلقوں سے نہ تو وہ خود ریٹائرمنٹ لیں سکیں گے، نہ ادب اور سماج ان کو کبھی ریٹائر ہونے دیں گے۔

پاکستان آرٹس کونسل، کراچی میں کئی برسوں سے یاور بھائی کا ایک بڑے عہدے پر فائز رہنا ان کی نیک نامی، جذبۂ خدمت، باضمیری اور شرافت نسبی کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ یاور بھائی کو دلوں کو تسخیر کرنے کا ہنر اور فن آتا ہے۔ ان کی زبان شائستہ، ان کے افکار مہذب، ان کا کردار بے داغ اور ان کی سوچ کا دائرہ انسانوں اور انسانیت کی فلاح کے لیے وقف رہا ہے۔ آج یاور بھائی کو جو اعزاز ان کی زندگی میں ان کے چاہنے والوں اور احباب کی جانب سے دیا جا رہا ہے، یہ بڑے بڑے

سرمایہ داروں کو خواب میں بھی مسیر نہیں ہے۔ میں تو یاور بھائی کے لیے صرف اتنا عرض کر سکتی ہوں کہ

ذہنوں، دلوں میں نقش ہیں ان کی حکایتیں
یاور ہیں، سب کو بانٹ رہے ہیں محبتیں

سب کچھ بکھرنے والا ہے، ہر شے کو ہے فنا
باقی رہیں گی تا بہ قیامت شرافتیں

اور یاور بھائی اسی بنیاد پر بقائے دائمی کے سزاوار ہیں۔

دعائے درازی عمر و بلندی درجات ان کے لیے ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لیے۔

maablib.org

تصاویر

maablib.org

maablib.org

بیگم حماد حسین اپنے بیٹے یاور مہدی کے ساتھ

maablib.org

شادی کے بعد یاور مہدی اپنی بیگم انجم مہدی کے ساتھ

یاور مہدی کا منجھلا بیٹا بدر مہدی (امریکا)

یاور مہدی کی بڑی بیٹی ثمینہ، داماد حسن رضا، نواسیاں: فروا، معصومہ اور مریم

پانچویں اولاد نقی مہدی سلمۂ (امریکا)

یاور مہدی بی۔ اے کی ڈگری لینے کے بعد ڈاکٹر افضال احمد کے ساتھ

گورنر سندھ معین الدین حیدر اور یاور مہدی

سعدیہ صدیقی، صادقہ کرار، طلعت صدیقی، شاہ جہاں بیگم، یاور مہدی اور مراقہ رشید شیخ

دوست محمد فیضی، سعدیہ صدیقی، جنید فاروقی، یاور مہدی، شاہد عزیز صدیقی، مختار زمن، سید
صفدر حسین جعفری اور اعجاز شفیق گیلانی

مسٹر غلام نبی میمن مغربی پاکستان کے وزیر قانون و اطلاعات سر ونسٹن چرچل کے انتقال پر
یاور مہدی کو پیغام تعزیت ریکارڈ کراتے ہوئے ویسٹ پاکستان مسٹر اور یاور مہدی

ریڈیو پاکستان کے پروگرام "بزم طلبا" اردو مباحثے کے انعام یافتگان جناب صدر ممتاز حسن،
مینجنگ ڈائرکٹر نیشنل بینک آف پاکستان، جناب سید محمد تقی، ابن انشا، جناب سراج الدین ظفر
اور پروڈیوسر یاور مہدی

مشرف امام، اقبال فریدی، پرویز اختر اور کرسی پر یاور مہدی

"بزم طلبا" کی تیاریاں یاور مہدی نگراں "بزم طلبا" ساتھ میں نور نذر علی مہدی، کاظم پاشا

یاور مہدی کی ایک یادگار تصویر، ساتھ میں عبدالرب شیخ، شاہد عزیز صدیقی، جی۔ اے الانہ اور ممتاز
صحافی سلطان احمد بھی نمایاں ہیں

حکیم محمد سعید، صبا اکبرآبادی، سراج الدین ظفر، ضیا جالندھری، تابش دہلوی، ایس۔ ایم طاہر شاہ،
رضی اختر شوق، عصمت زہرا، یاور مہدی، پیرزادہ قاسم، وفا کانپوری، عمران رزاقی اور شوکت عابد

ہفتۂ طلبا میں حصہ لینے والی طالبات انچارج یونی ورسٹی میگزین سے دعوت نامے وصول کر رہی ہیں

یاور مہدی ایک شریکِ "بزمِ طلبا" کے ساتھ

بیگم قمر اصفہانی اور یاور مہدی

عالمی سروس کے شرکا

سابق گورنر سندھ اشرف تابانی اور یادر مہدی

سابق گورنر سندھ دلاور خانجی، نواب آف جوناگڑھ، سابقہ قاسم ای۔ چھاپڑا اور یادر مہدی

مفتی اعظم فلسطین اور یاور مہدی

یونس سعید، شکیل اسلم اور یاور مہدی

سابق وائس چانسلر کراچی یونی ورسٹی پروفیسر اے۔بی۔اے حلیم کا انٹرویو یاور ریکارڈ کر رہے ہیں

سابق وائس چانسلر ڈاکٹر محمد حسین اور یاور مہدی

مظفر ضیا اور یاور مہدی

حضرت جوش ملیح آبادی ریڈیو پاکستان کے نمائندے یاور مہدی کو اپنا ایک نغمہ (پاکستانی جھنڈا)
ریکارڈ کرا رہے ہیں

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ریڈیو پاکستان، کراچی سے جہاد کے موضوع پر تقریر نشر کر رہے ہیں

بابائے کرکٹ عیسیٰ جعفر، منیر حسین، یاور مہدی اور مظفر حسین

گراں قدر دانش ور و سابق وزیر اطلاعات و نشریات مولانا کوثر نیازی اور یاور مہدی

سابق وزیر تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ اور یاور مہدی ساتھ میں منیر حسین

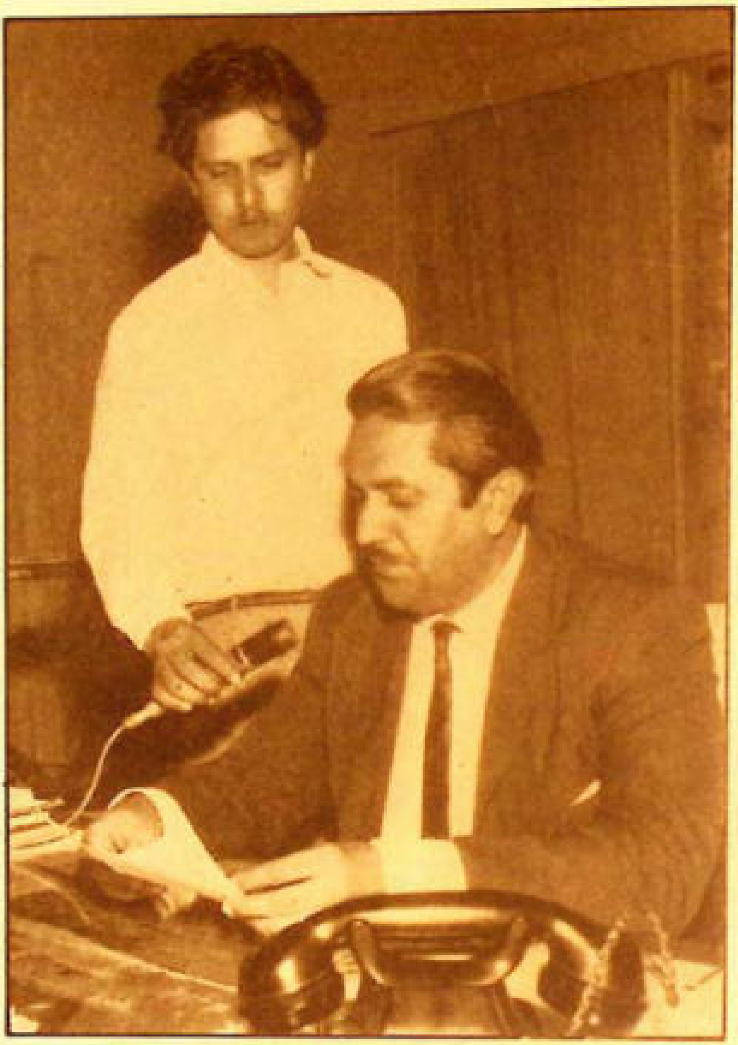

جناب خالد محمود وفاقی سکرٹری داخلہ جو کراچی کے ڈپٹی کمشنر بھی تھے، یاور مہدی
کو انٹرویو کرا رہے ہیں

maablib.org

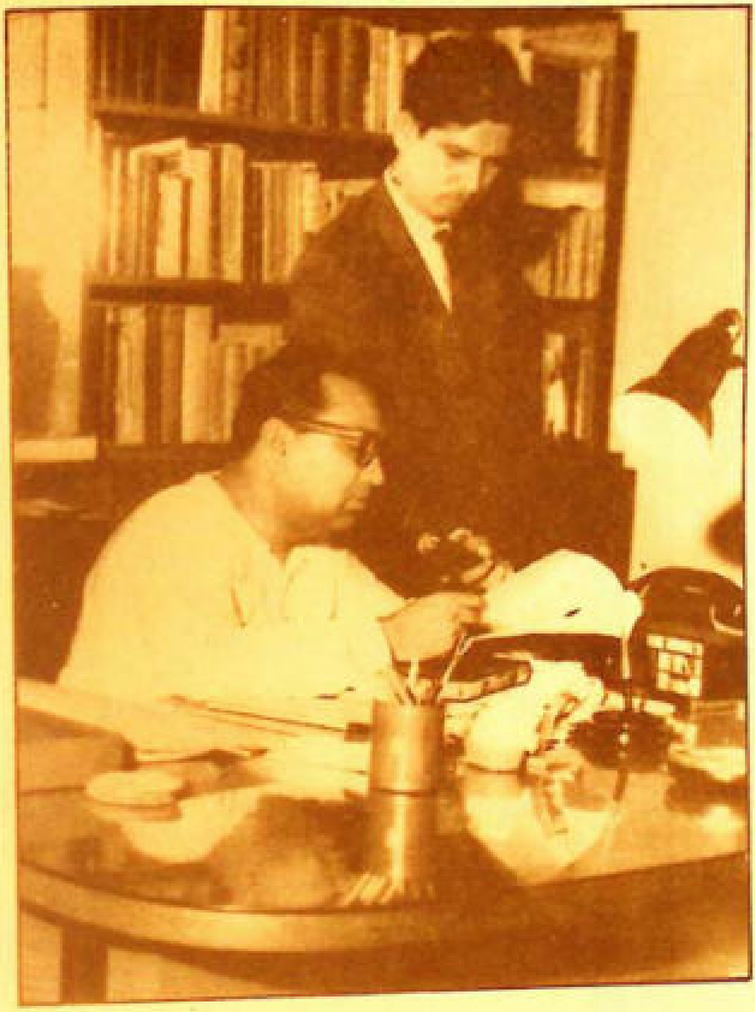

ممتاز قانون داں جناب شریف الدین پیرزادہ کا انٹرویو یاور مہدی ریکارڈ کر رہے ہیں

maablib.org

راجا صاحب محمود آباد، محمد ادریس اور یاور مہدی

یاور مہدی، فہمیدہ نسرین اور پروین شاکر (مرحومہ)

پروفیسر محمد فائق اور یاور مہدی

محمد تقی، حشمت اللہ لودھی، شمیم شارق، یاور مہدی اور محمد علی سید

یاور مہدی، اشفاق احمد خان کا انٹرویو لے رہے ہیں

بیگم ناہید کمال اظفر کا انٹرویو یاور مہدی کر رہے ہیں

بیرسٹر کمال اے۔فاروقی، قائدِاعظم کے دیرینہ ساتھی احمد ای۔ایچ جعفر، ممتاز صحافی قطب الدین عزیز اور یاور مہدی

ممتاز کالم نگار ابراہیم جلیس، جمیل الدین عالی، افضل صدیقی مرحوم، حمایت علی شاعر اور یاور مہدی

بزم طلبا پروگرام میں سینٹ جوزف کالج کی طالبہ شاہین قاسم علی کا انٹرویو یاور مہدی نے لیا

نصیر ترابی ایک مشاعرے میں کلام سنا رہے ہیں، ساتھ ہم، یاور مہدی بیٹھے ہیں

سید ہاشم رضا، حسنین کاظمی، ضیاالحسن موسوی، یاور مہدی اور محمد علی سید

کرنل اے۔ ایس دارا، مکرم شیروانی اور یاور مہدی

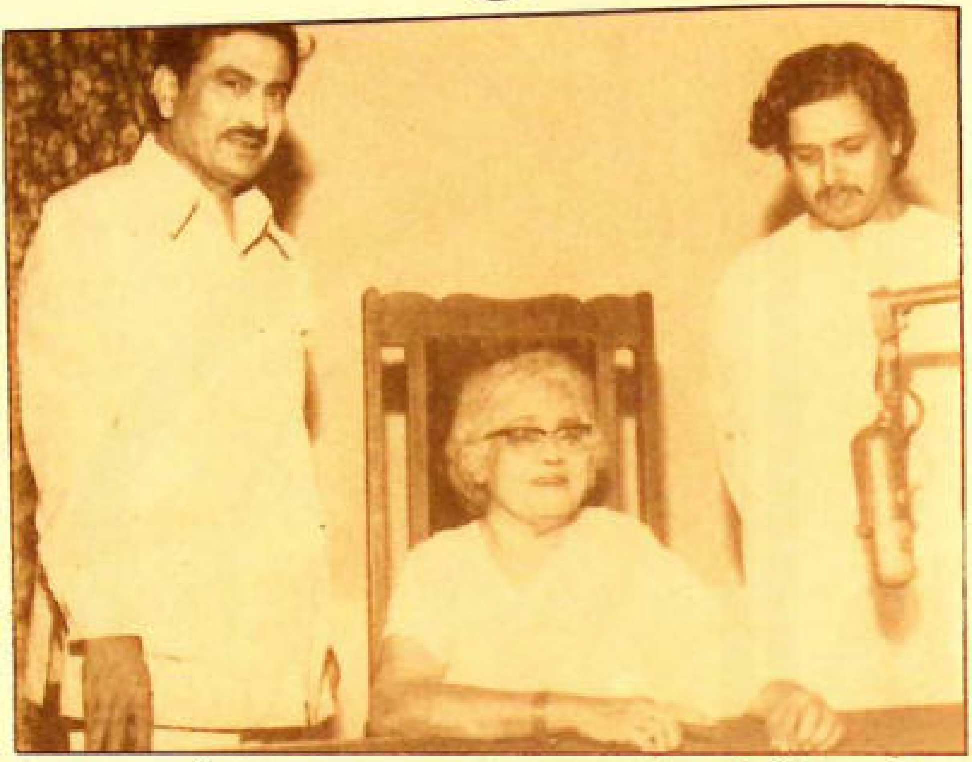

عصمت چغتائی کا خصوصی انٹرویو، ساتھ میں پروڈیوسر یاور مہدی اور خالد لطیف کھڑے ہیں

ہاجرہ مسرور، احمد ہمدانی، عصمت چغتائی، محمود شام، پروفیسر کشفی، نصراللہ خان اور یاور مہدی

وفاقی وزیر تعلیم سید غوث علی شاہ، پروفیسر رضی الرحمان، ایم۔بی انصاری اور یاور مہدی

لفٹیننٹ جنرل حاجی افتخار احمد، پروفیسر حسنین کاظمی، اعزاز الدین شاہ اور یاور مہدی

دنیائے فن و تمثیل کے قدآور آرٹسٹ صادقین، یاور مہدی اور ساتھ میں ممتاز کالم نگار اور صحافی آغا مسعود حسین

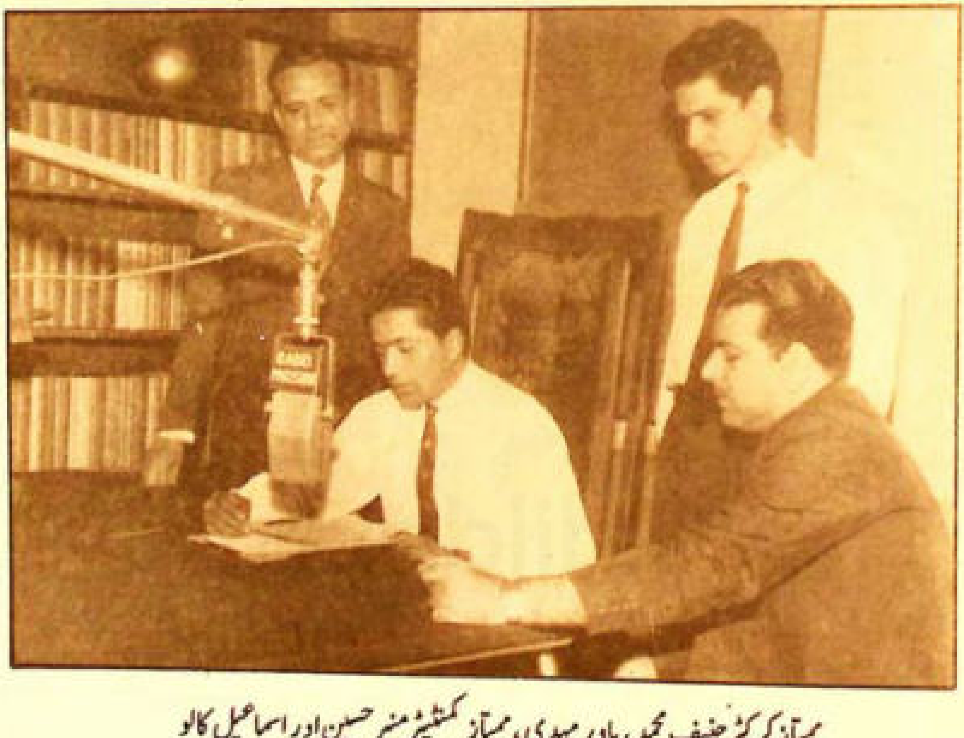

ممتاز کرکٹر حنیف محمد، یاور مہدی، ممتاز کمنٹیٹر منیر حسین اور اسماعیل کالو

ممتاز آئی سرجن، سرجن رضوی، یاور مہدی اور شائستہ میگرے

حکیم محمد سعید کے ساتھ یاور مہدی اور شائستہ میگرے

شہناز سہگل، مظاہر باری اور یاور مہدی

ممتاز سائنس داں، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی کا انٹرویو، یاور مہدی اور شائستہ میگرے

سابق چیئرمین پاکستان اسٹیل ملز اور ممتاز شاعر ایم۔ این اختر کا انٹرویو یاور مہدی لے رہے ہیں

پروفیسر انجم اعظمی، گمنشیام اسکول آرٹس کے دستاویزی پروگرام میں یاور کے ساتھ

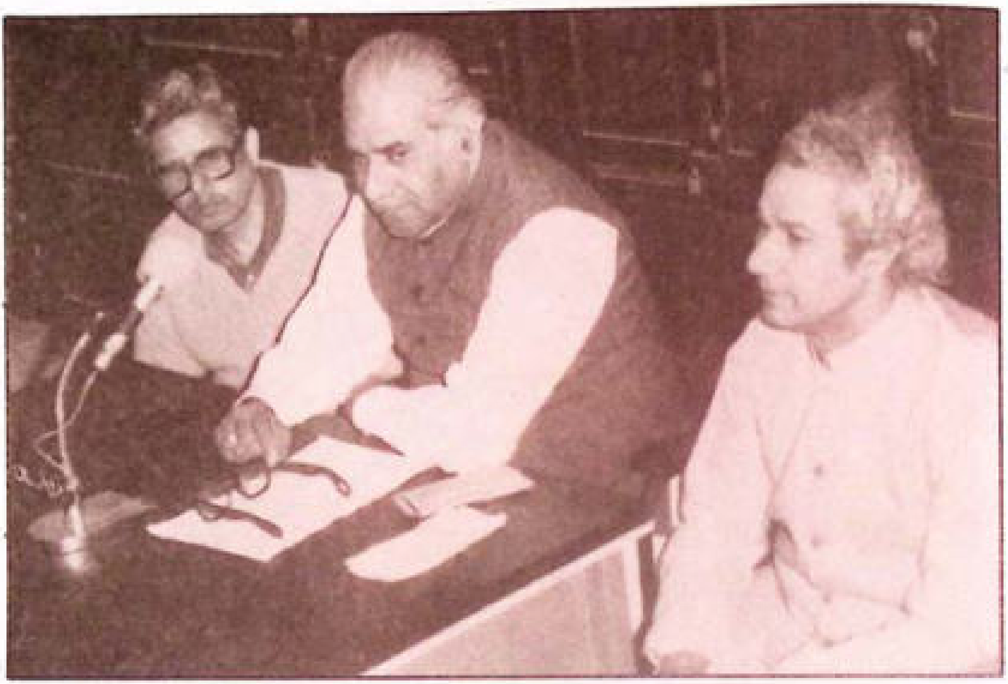

سابق سپیکر عبدالستار افغانی اور یاور مہدی

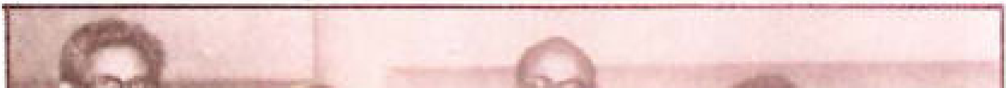

ممتاز صحافی صلاح الدین (مرحوم)، ڈاکٹر منظور احمد، ممتاز قانون داں خالد اسحاق، ریڈیو پروڈیوسر
عثمان خاں اور یاور مہدی

سابق کپتان ہاکی ٹیم عبدالوحید خان ساتھ میں مکرم شیروانی اور یاور مہدی

قیصر ترمذی، یاور مہدی ہندوستان کی ہاکی ٹیم کے ایک کھلاڑی کا انٹرویو کرتے ہوئے

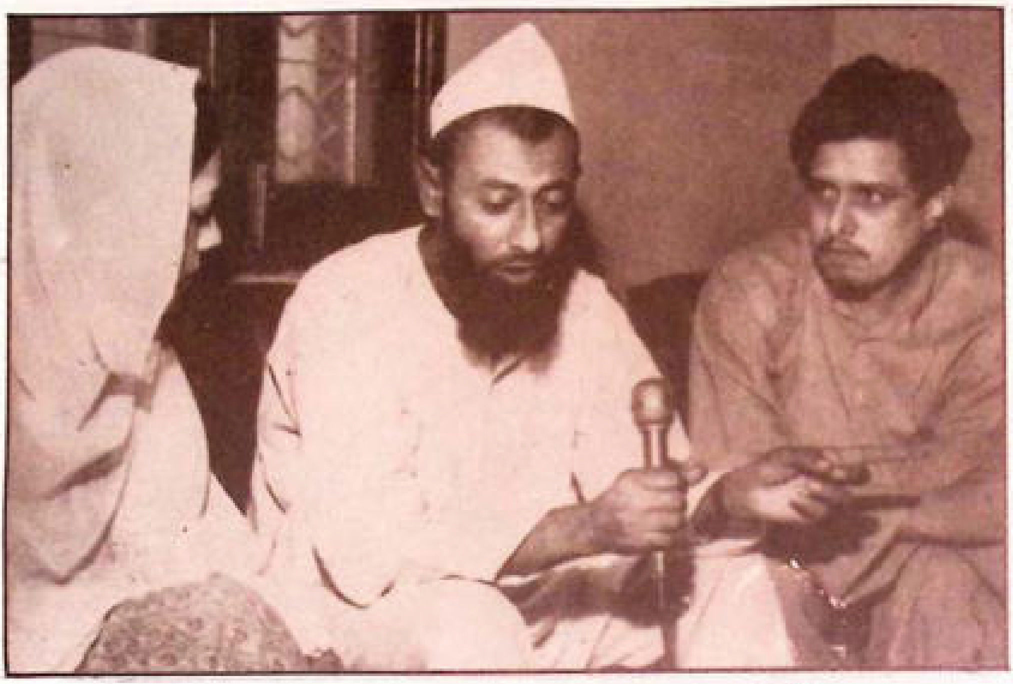

مشرقی پاکستان کے رہنما مولوی فرید احمد، یاور مہدی کے ساتھ سیماب مقبول

واحظ الدین، نصرت نصر اللہ اور یاور مہدی

ممتاز شاعر منیر نیازی، شبناز خان، خلیل اسلم، اور یاور مہدی

انور حسین، اقبال احمد خاں، سلمان علی سابق سفیر برطانیہ، بیگم سلمان علی اور یاور مہدی

پروگرام گستم کے قوانین کے میزبان خلیل احمد اور یاور مہدی

بھارتی ٹیم کے ایک کھلاڑی کے ساتھ مکرم شیروانی اور یاور مہدی

پروفیسر محمد فائق تقریر کر رہے ہیں ساتھ میں جمیل زبیری، چشتی مجاہد، بدر عالم، یاور مہدی، شمس الدین بٹ اور احمد ہمدانی

راقف نقوی، انوار احمد اور یاور مہدی

ڈاکٹر محمود حسین، منور سعید، طالب علم کو پہلا انعام دے رہے ہیں اور ساتھ میں ریجنل ڈائرکٹر
جناب ظفر حسین اور یاور مہدی کھڑے ہیں

عرفان علی عالی سروس کی سالگرہ پر اپنے تاثرات بیان کر رہے ہیں اور سامنے یاور مہدی کھڑے ہیں

رفعت ایم خان، الیاس رشیدی (بانی نگار)، یاور مہدی، حریم احسن، فلم اسٹار شبنم، روبن گھوش،
ابراہیم نفیس اور کرم

زاہدہ سلیم، قیصر نقوی، رضیہ حسن، جمیل زبیری اور یاور مہدی

روبن گھوش، شبنم، رحمان، ماجد مرحوم اور یاور مہدی

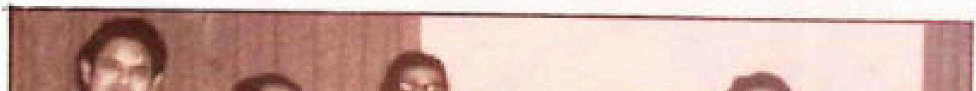

محمد کریم، یاور مہدی، فلم ایکٹرس نیلو، حریم احسن، عزیز احمد، رفعت ایم خان اور ابراہیم نفیس

اداکار محمد علی، منیر حسین اور یاور مہدی

یاور مہدی اور منیر حسین فلم اسٹار ندیم کا انٹرویو کرتے ہوئے اور ساتھ میں مرحوم منظور رحمان

منور ظریف (مرحوم)، اسد جعفری (مرحوم) اور یاور مہدی

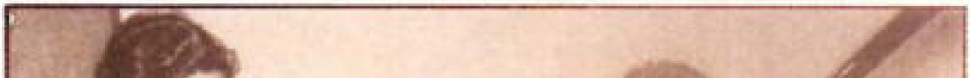

فلم اسٹار رحمان کا انٹرویو، ساتھ میں یاور اور آغا

یاور مہدی، محمد کرم، اسد جعفری (مرحوم) اور فلم اسٹار سنگیتا

فلم اسٹار کویتا اور یاور مہدی

مشہور گلوکار عالمگیر اور یاور مہدی خوشگوار موڈ میں

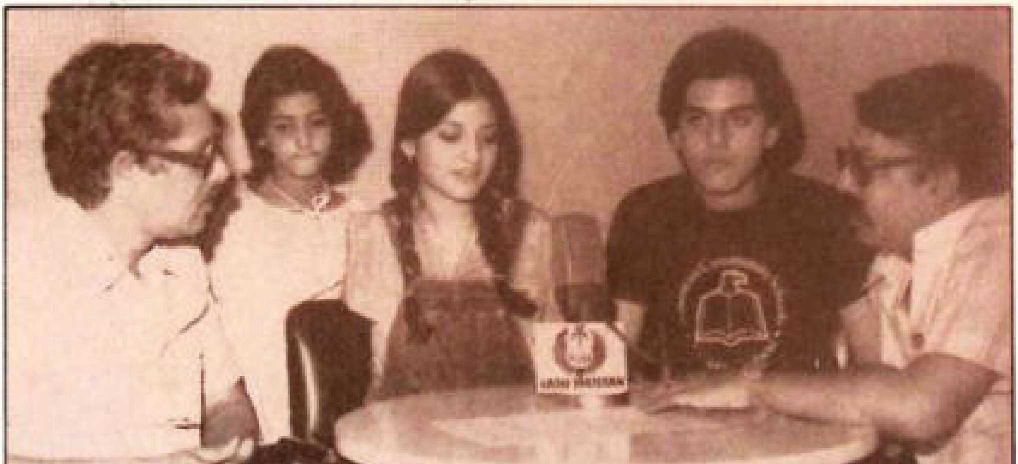

نازیہ حسن اور زوہیب حسن کا انٹرویو یاور مہدی اور نصرت نصر اللہ

یاور مہدی، بدر عالم (مرحوم) کو ہار پہنا رہے ہیں اور ساتھ میں صفیہ کاظم اور محمود صدیقی (مرحوم)

یاور مہدی، اقبال جعفری اور ڈاکٹر ادیب الحسن رضوی

شمیم کاظمی، پروفیسر عسکری کاظمی اور یاور مہدی

پروفیسر حسن عسکری فاطمی اور یاور مہدی

گورنر سندھ لفٹیننٹ جنرل رحمان گل ریڈیو پاکستان ہفتۂ طلبا کے سلسلے میں ایک طالبہ کو ٹرافی دے رہے ہیں، ساتھ میں اسٹیشن ڈائرکٹر ایس۔ ایم طاہر اور پروڈیوسر یاور مہدی

ممتاز ادیب انوار البقائی ۔ دی پروڈیوسر حیدر امام رضوی اور یاور مہدی کو اپنی کتاب پیش کر رہے ہیں۔

لکھنو یونی ورسٹی ایسوسی ایشن آف پاکستان کی منتظمہ کمیٹی کے اراکین و عہدے داران سابق چیف جسٹس حلیم کے ساتھ

طاہر شاہ، حمید نسیم، شمس الدین بٹ، قدوس درانی، یاور مہدی اور نقی مہدی

قدسیہ اکبر، طاہر اے۔ خاں، مغیث الرحمان، یاور مہدی، فاطمہ حسن، مشتاق گزدر، نقاش کاظمی،
ایس۔ایم انعام، رضوان صدیقی اور ڈاکٹر شہزاد

بیگم ڈاکٹر جمیل، فاطمہ حسن، رضوان صدیقی، محمد ایوب اور یاور مہدی

پروفیسر کرار حسین اور ان کی بیگم، ساتھ میں یاور مہدی

سید انظار حسین زیدی ایڈمنسٹریٹر بلدیہ عظمیٰ کراچی، عبدالمتین اسسٹنٹ
ڈائرکٹر انفارمیشن، محترمہ رشیدہ عابدی، یاور مہدی کو شیلڈ دے رہے ہیں

وسیم سجاد حسین ناصر، ہاشم رضا اور یاور مہدی

سید ہاشم رضا، یاور مہدی، قدسیہ اکبر

بیگم نصرت بھٹو، قدسیہ اکبر، اور یاور مہدی کے ساتھ

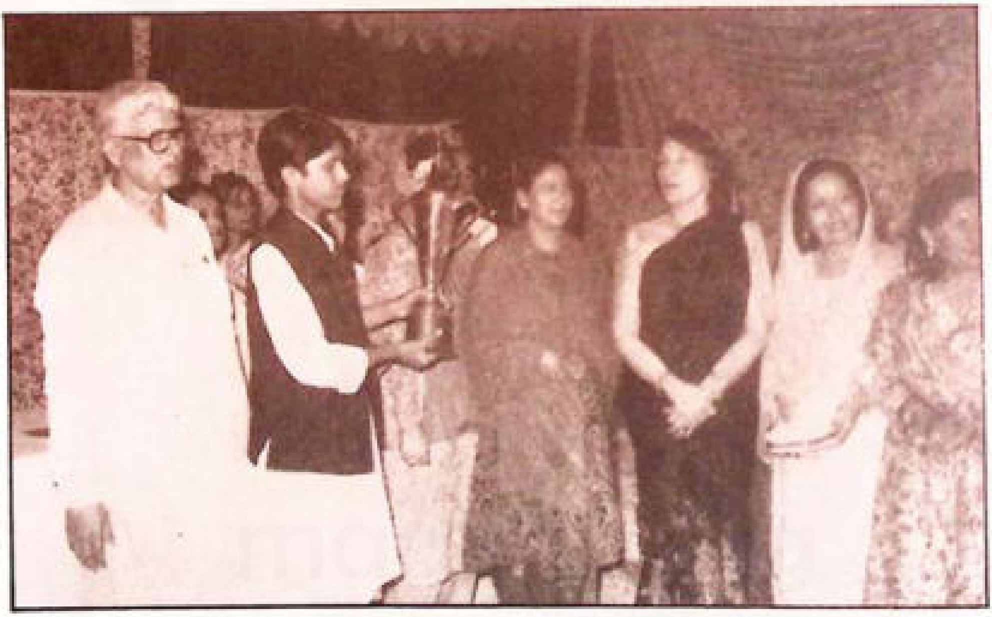

بیگم بھٹو، قدسیہ اکبر، سیما رضا، یاور مہدی

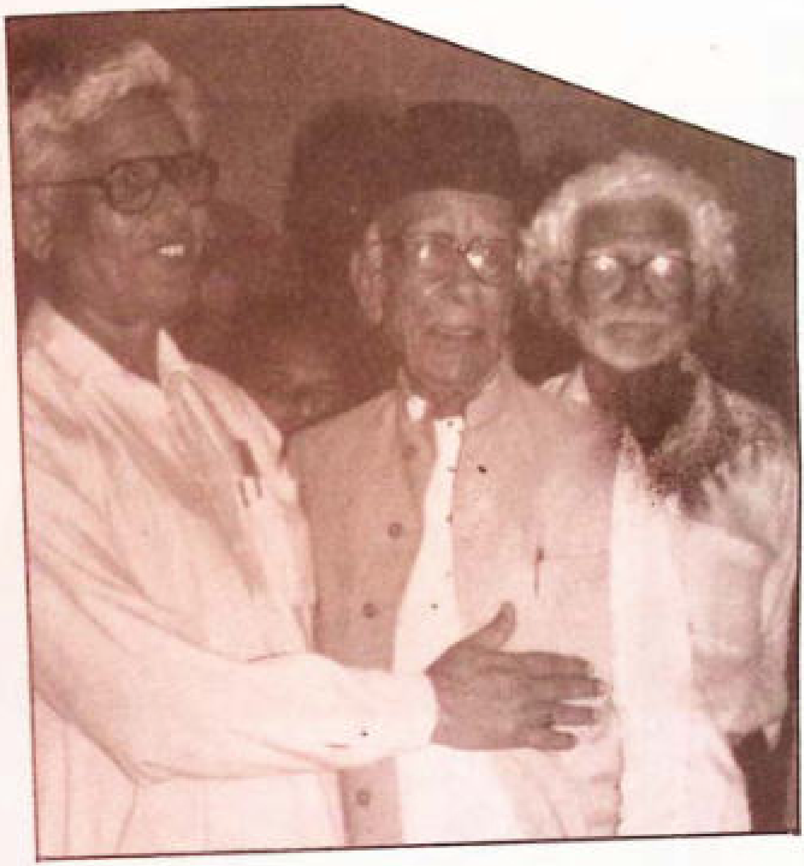

تابش دہلوی، جمال نقوی، ہادی نقوی اور یاور مہدی

یاور مہدی، سلیم ملک کے ساتھ

فاطمہ ثریا بجیا اور یاور مہدی

یاور مہدی کے خسر

یاور مہدی آرٹ کونسل کا نشان پیش کر رہے ہیں

دلاور فگار (مرحوم) اور یاور مہدی

ڈاکٹر فرمان فتح پوری، نقاش کاظمی اور یاور مہدی

پروفیسر انجم اعظمی، شوکت صدیقی اور یاور مہدی

حکیم محمد سعید، آغا مسعود اور یاور مہدی

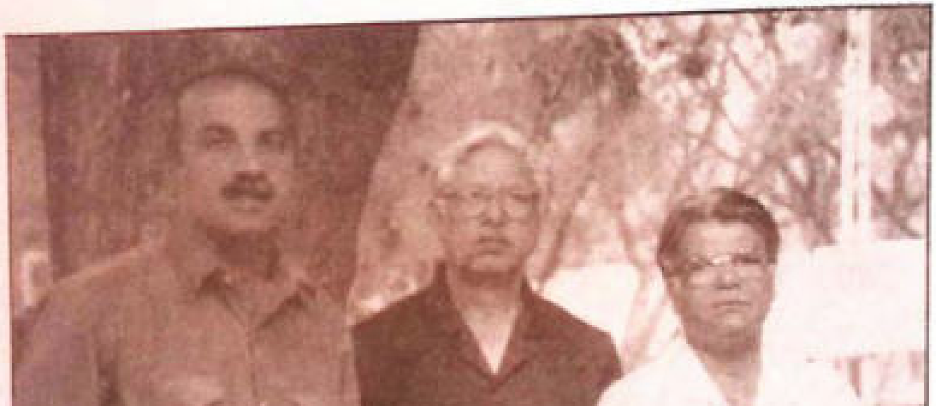

چشتی مجاہد، یاور مہدی کے ساتھ

بیٹھے ہوئے (دائیں سے بائیں) ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی، (ممبر ایڈوائزری بورڈ) نریش چندر، (ممبر ایڈوائزری بورڈ) ڈاکٹر وحید مرزا، (ممبر ایڈوائزری بورڈ) آر۔ ایس رستوگی، پروفیسر احتشام حسین، (ممبر ایڈوائزری بورڈ) ڈاکٹر عبدالاحد خان خلیل، (ممبر ایڈوائزری بورڈ) جناب افضال احمد، (نائب صدر) کھڑے ہوئے (دائیں سے بائیں) جناب ایس۔ ایم۔ ایچ رضوی، (ممبر ایڈوائزری بورڈ) جناب اے۔ ایم خان شیروان، (نائب صدر) جناب معین الدین صدیقی، (خازن) جناب اے۔ جے صدیقی، معتمد نشر و اشاعت جناب شارب ردولوی، (سکریٹری) جناب یاور مہدی، (جوائنٹ سکریٹری) جناب اے۔ آر صدیقی، (جوائنٹ سکریٹری) ایم۔ اے۔ ایچ قدوائی (نائب معتمد نشر و اشاعت)

کمشنر کراچی و صدر آرٹس کونسل آف پاکستان کراچی میر حسین علی اور مشکور رضا، یاور مہدی کے ساتھ

یاور مہدی، غزل کے ساتھ

آرٹس کونسل کے نو منتخب عہدے داران اور گورننگ باڈی کے اراکین کا گروپ فوٹو

نمایاں شخصیات ڈاکٹر ایم ۔ ایچ قاضی وائس چانسلر ہمدرد یونی ورسٹی ، اقبال مہدی ، قدسیہ اکبر،
علی حسن ، حشمت حسین جعفری ، ہادی نقوی ، مشہد جعفری ، پروفیسر انیس زیدی یاور مہدی کے
ساتھ

madbib.org